تجلیاتِ صفدر
جلد دوم
مناظرِ اسلام ترجمانِ اہلسنّت وکیلِ احناف
حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی
ترتیب تسہیل وتصحیح
مولانا نعیم احمد
مدرس: جامعہ خیر المدارس ملتان شہر
مکتبہ امدادیہ
ملتان۔ پاکستان فون: ۵۴۴۹۶۵

تجلّیاتِ صفدر

جلد دوم

تالیف

مناظرِ اسلام، وکیل اہل السنّت والجماعت

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ

عنوانات و ترتیب و تصحیح

مولانا نعیم احمد

اُستاذ جامعہ خیر المدارس ملتان

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان

نام کتاب: تجلیات صفدر (جلد دوم)

مصنف : مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ

مرتب مولانا نعیم احمد صاحب

مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

کمپوزر : حافظ محمد نعمان حامدؔ

تاریخ اشاعت:

ناشر : مکتبہ امدادیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان، پاکستان

ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

مکتبۃ العلم، اردو بازار لاہور

اسلامی کتب خانہ، اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

فہرست تجلیاتِ صفدر

(جلد دو)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	**سعودی حکومت اور اشاعت دین**	۲۵
	☆ قرآن پاک	۲۵
	☆ سنت	۲۷
	☆ علامہ شعرانیؒ کا کشف	۲۷
	☆ مردم شماری	۲۸
	☆ صحابہ کرامؓ اور مذاہب	۲۸
	☆ اعترافِ حقیقت	۲۹
	☆ بھائی بھائی	۲۹
	☆ حرمین شریفین	۳۱
	☆ اشاعتِ دین	۳۲
	☆ ایک اور کارنامہ	۳۳
	☆ تراویح	۳۴
	☆ قرآن پاک کی اشاعت	۳۴
	☆ ترجمہ قرآن پاک کی اشاعت	۳۴
	☆ ایک اور انگڑائی	۳۵
	☆ شیخ محمد جونا گڑھی	۳۵
	☆ سعودی مؤقف	۳۷
	☆ عجیب انتخاب	۳۸

عرض مرتب

محترم قارئین! گزشتہ سال مناظرِ اسلام، وکیل احناف، ترجمانِ اہل سنت حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ نے بعض ساتھیوں کے اصرار پر ناظم ''الخیر'' سے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میرے مضامین ماہنامہ الخیر ہی کتابی شکل دے کر شائع کرے۔ لیکن ماہنامہ ''الخیر'' کے ناظم (مولانا فیاض احمد صاحب) نے وسائل کی کمی کی وجہ سے معذرت کر دی۔ اسی دوران احقر نعیم احمد (مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان) بھی حضرت اوکاڑویؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ تو ناظم الخیر نے حضرت سے عرض کیا کہ اس کے لئے نعیم احمد مناسب رہیں گے۔ حضرت مولانا منیر احمد صاحب، اُستاذ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑپکا نے کئی بار حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے مضامین اگر ملتان سے ہی کتابی شکل میں شائع ہوں تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ شائع ہونے سے قبل وہ کمپوز شدہ مواد آپ بھی ایک نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ اور اس طرح اس میں غلطی کا امکان کم رہے گا۔

آخر کار حضرت نے مجھے حکم دیا اور میں نے اللہ کا نام لے کر فوری طور پر چوتھی جلد کے مضامین اکٹھے کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضرت نے آخری پروف ریڈنگ خود کی۔ جس میں زیادہ مواد نئے مضامین کا تھا اور کچھ مواد (ڈیڑھ صد صفحات) تجلیات جلد سوم کے تھے اور دو مضامین دوسری کتب سے تھے۔ اور چوتھی جلد حضرت کی زندگی میں ہی آنجناب کی وفات سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل پریس کے مراحل میں جا چکی تھی، اور حضرت کی زندگی میں ہی جلد بندی کے مراحل طے کر کے حضرت کی وفات سے قبل ہی ملتان پہنچ گئی تھی۔ اور حضرت کی وفات کے دو روز بعد رائے ونڈ میں فروخت ہو رہی تھی۔

الغرض چوتھی جلد مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان خود حضرت اوکاڑویؒ کی ہی ترتیب دی ہوئی تھی جیسے بھی تھی۔ اس لئے اس ترتیب پر اعتراض حضرت اوکاڑویؒ پر اعتراض کرنا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اس میں کچھ مواد تیسری جلد کا دوبارہ کیوں شامل کیا گیا تو اس کی وجہ حضرت اوکاڑویؒ کی خواہش ہی بنی۔ وہ یہ کہ حضرت کی خواہش تھی کہ تجلیات سوم مطبوعہ فیصل آباد میں چار سو صفحات پر مشتمل جزء القراءۃ و جزء رفع الیدین اور ایک سو صفحات پر مشتمل فضائل محدثین تجلیاتِ صفدر سے الگ کر کے مستقل

رسالوں کی شکل میں شائع کیے جائیں۔اب یہ بات ایک بچہ بھی سمجھتا ہے کہ جب چھ سوتیں صفحات پر مشتمل تجلیاتِ سوم میں سے پانچ سو صفحات کے تین رسالے الگ کر دیئے جائیں تو تیسری جلد اپنی حیثیت کھو بیٹھتی ہے اور ان باقی ماندہ صفحات کو کسی اور جلد میں لگانا ضروری ہو جاتا ہے۔اس لیے حضرت اوکاڑوی نے خود چوتھی جلد میں اس باقی ماندہ مواد کو دوبارہ سے شامل کرا دیا۔

اس مجلس میں میں نے حضرتؒ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ میری خواہش ہے کہ ایک ہی عنوان پر مضامین کو جو مجموعہ رسائل اور تجلیات یا مسوداتِ قلمی میں موجود ہیں یکجا کر دیا جائے، تاکہ قاری کے لئے سہولت کا باعث ہو۔تو حضرت نے جواباً فرمایا کہ تجویز بہت اچھی ہے اور میری بھی یہی خواہش ہے، لیکن یہ فی الحال ممکن نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی طرف سے ترتیب دیئے جانے کے بعد اسی عنوان پر کسی اور پہلو سے لکھنا پڑ جائے۔

بہر حال اب حضرت مرحوم اور دیگر علماء کرام کی خواہش کی بناء پر ایک ہی عنوان پر بکھرے نایاب جواہر (مضامین) کو یکجا کرنے کی حتی المقدور کوشش کی جا رہی ہے۔مثلاً مسعودی فرقہ سے متعلق تمام مضامین جو تجلیات اور دیگر کتب میں بکھرے ہوئے تھے ان کو جلد اول میں یکجا کر دیا گیا ہے۔اسی طرح اس دوسری جلد میں، جو جناب کے ہاتھ میں ہے، دیگر مضامین کے ساتھ رفع یدین سے متعلق حضرت کے مضامین جو بکھرے ہوئے تھے اور علمی جواہر پارے ایک لڑی میں پرو دیئے گئے ہیں، جو یقیناً قارئین کے لئے مطالعہ میں سہولت کا باعث ہوں گے۔

اس کتاب کی تصحیح میں بھی حتی المقدور پوری سعی کی گئی ہے اور سابقہ مطبوعہ نسخوں میں موجود اغلاطِ کثیرہ کی انتہائی محنت شاقہ کے ساتھ تصحیح کی گئی ہے، اور اس تصحیح میں حضرت اوکاڑویؒ کے برادر صغیر اور حقیقی جانشین حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب اوکاڑوی، رئیس شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان نے مکمل تعاون فرمایا۔جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔لیکن اس سب کے باوجود اوّلُ الناسِ اوّلُ ناسٍ کے تحت غلطی کا امکان ہے۔اس لیے قارئین سے التماس ہے کہ جہاں غلطی محسوس کریں، مجھ مرتب کو یا ناشر کو ضرور مطلع فرمائیں۔آپ کے لیے یہ باعثِ اجر و ثواب ہوگا۔

والسلام

نعیم احمد

سعودی حکومت اور اشاعت دین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

برادران اہل سنت والجماعت! اسلام ہی دین برحق ہے اور اہل سنت ہی موافق فرمان رسالت مآب ﷺ نجات پانے والی جماعت ہے۔ اہل سنت والجماعت چار دلائل شرعیہ کو مانتے ہیں: (۱) کتاب اللہ' (۲) سنت رسول اللہ' (۳) اجماع اور (۴) قیاس۔

قرآن پاک :

جس طرح خدا کی کتاب (قرآن پاک) سات قاریوں کے ذریعے دنیا میں پھیلی' یہ ساتوں قراء تیں متواتر ہیں مگر ہمارے ہاں قاری عاصم کوفیؒ کی قراءت اور قاری حفصؒ کی روایت تلاوتاً متواتر ہے۔ دوسرے ملکوں میں دوسری قراء تیں تلاوتاً متواتر ہیں۔ جس ملک میں جس قاری کی متواتر قراءت پر قرآن پاک کی تلاوت ہو رہی ہے وہ خدا کی ہی کتاب پڑھی جا رہی ہے۔ تعارف کی مختلف نسبتوں سے اگرچہ اس کے نام بدل جاتے ہیں مگر حقیقت نہیں بدلتی۔ اس تعارف کی مثال ایسے ہی ہے کہ جس طرح پہاڑوں پر بارش برستی ہے تو اس پانی کو بارش کا پانی کہتے ہیں۔ وہی پانی ادھر ادھر سے اکٹھا ہو کر دریا کی شکل میں بہہ پڑتا ہے' اب اس کو دریا کا پانی کہتے ہیں۔ بلکہ یہاں بھی اس کے نام مختلف ہو جاتے ہیں کہ یہ دریائے راوی کا پانی ہے' وہ دریائے چناب کا' یہ دریائے جہلم کا پانی ہے اور وہ دریائے سندھ کا۔ اب دریائے جہلم کے علاقہ کی ساری زمینیں دریائے جہلم کے پانی سے ہی سیراب ہو رہی ہیں اور دریائے سندھ کے علاقہ کی

زمینیں دریائے سندھ کے ہی پانی سے سیراب ہو رہی ہیں۔ یہ باران رحمت کا پانی اگرچہ بادلوں سے ہی برسا، مگر ان دریاؤں کے نام دریائے سندھ' دریائے راوی وغیرہ بادل سے نہیں برسے۔ یہ علاقہ ہی کی نسبت سے رکھ لئے گئے۔ ان مختلف ناموں سے پانی کی حقیقت نہیں بدلی۔ پھر میدانی علاقہ میں دریا سے دور دراز علاقہ تک پانی پہنچانے کے لئے اس پانی کو مختلف نہروں میں تقسیم کرلیا گیا۔ اب اس پانی کے مختلف تعارفی نام ہو گئے' یہ فلاں نہر کا پانی ہے' وہ فلاں نہر کا پانی ہے۔ ان تعارفی ناموں کے بدلنے سے پانی کی حقیقت بالکل نہیں بدلتی' پانی وہی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ہر نہر والے اپنے اپنے علاقہ کی نہر کے پانی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ پھر تقسیم در تقسیم کے عمل سے ایک نہر کا پانی سینکڑوں نالوں میں تقسیم ہو کر مختلف کھیتوں میں پہنچتا ہے' اب اس کو نالے کا پانی کہتے ہیں۔ مگر ان مختلف ناموں سے پانی کی حقیقت نہیں بدلی۔ الغرض پہاڑ کا پانی' دریا کا پانی' نہر کا پانی' نالے کا پانی' ایک ہی پانی کے مختلف تعارفی نام ہیں۔ بالکل اسی طرح قرآن پاک کو خدا کی کتاب کہا جائے یا نبی والا قرآن کہا جائے یا مصحف عثمانی اور صحابہ والا قرآن کہا جائے یا قاری عاصم کوفیؒ کی قراءت کہا جائے یا قاری حفصؒ کی روایت کہا جائے تو یہ سب تعارفی نام ایک ہی حقیقت کے نام ہیں۔ کوئی جاہل سے جاہل بھی یہ نہیں کہے گا کہ کسی الگ الگ کتاب کے نام ہیں' نہ کوئی لڑے گا کہ یہ تعارفی نام کیوں رکھے' نہ ہی ان سات قراءتوں کے اختلاف کو یوں کہے گا کہ خدا نے ایک قرآن اتارا تھا' قاریوں نے سات قرآن بنا ڈالے' بلکہ ہر مسلمان یہی یقین رکھتا ہے کہ جس ملک میں کسی بھی قراءت پر قرآن پڑھا جا رہا ہے وہ یقیناً خدا کا ہی قرآن ہے۔ ہاں اس اختلاف قراءت کو بنیاد بنا کر ہر گھر اور ہر مسجد میں لڑائی جھگڑا شروع کردینا یہ دینی طور پر بھی ایک فتنہ ہے اور دنیاوی طور پر بھی مسلمانوں کی قوت کو تباہ و برباد کرنا ہے۔ اس جھگڑے کا اثر یہی ہوگا کہ سیدھے سادھے مسلمان معاذاللہ قرآن سے بھی بیزار ہو جائیں گے اور رات دن آپس میں لڑتے رہیں گے۔ ہاں جس طرح چودہ سو سال سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جس ملک میں جو قراءت پڑھی جارہی ہے اسی پر سب اتفاق سے تلاوت کرتے رہیں اور دوسرے

ملک والے اپنے طرز پر پڑھیں تو قرآن پاک کی تلاوت بھی ہوتی رہے گی اور مسلمانوں میں اتفاق واتحاد بھی رہے گا' جیسا کہ چودہ سو سال سے قرآن کے بارے میں آ رہا ہے۔

سنت :

جس طرح قرآن پاک سات متواتر قراءتوں کے ذریعہ دنیا میں پھیلا' اسی طرح رسول اقدس حضرت محمد ﷺ کی متواتر سنت بھی چار متواتر فقہوں کی شکل میں مختلف علاقوں میں متواتر طور پر پھیل گئی۔ جس طرح نبی ﷺ کی حدیث کے مختلف تعارفی نام مثلاً یہ بخاری کی حدیث ہے' وہ مسلم کی' یہ ترمذی کی حدیث ہے' وہ ابوداؤد کی' یہ نسائی کی حدیث ہے' وہ ابن ماجہ کی۔ اس کے بعد بھی وہ نبی پاک ﷺ کی ہی حدیث رہتی ہے۔ ان تعارفی ناموں کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ اسی طرح سنت محمدیہ ﷺ کو ہی تعارفی ناموں سے کبھی فقہ حنفی کہا جاتا ہے' کسی علاقے میں سنت محمدی کا نام فقہ شافعی ہے' کسی علاقے میں سنت محمدی کا نام فقہ مالکی ہے اور کسی علاقے میں سنت محمدی فقہ حنبلی کے نام سے متعارف ہے۔ جس طرح جس علاقہ میں دریائے سندھ بہہ رہا ہے اس علاقے کے لوگ دریائے سندھ ہی کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور دریائے راوی والے اپنے دریا سے فائدہ اٹھاتے ہیں' اسی طرح جس ملک میں عملاً فقہ حنفی متواتر ہے وہاں یہی سنت محمدی ہے اور جس ملک میں فقہ حنبلی عملاً متواتر ہے وہاں وہی سنت محمدی۔

علامہ شعرانیؒ کا کشف :

علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں: "جب مجھ پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا کہ مجھ کو شریعت کے سرچشمہ سے آگاہ کر دیا تو میں نے تمام مذاہب کو دیکھا کہ وہ اسی چشمہ سے متصل ہیں۔ ان تمام میں سے ائمہ اربعہؒ کے مذاہب کی نہریں خوب جاری ہیں اور جو مذاہب ختم ہو چکے وہ خشک ہو کر پتھر بن گئے ہیں اور ائمہ اربعہؒ میں سب سے لمبی نہر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دیکھی۔ پھر اس کے قریب قریب امام احمد بن حنبلؒ کی'

اور سب سے چھوٹی نہر حضرت امام داؤدؒ کے مذاہب کی پانی جو پانچویں صدی میں ختم ہوچکا ہے۔ تو اس کی وجہ میں نے یہ سوچی کہ ائمہ اربعہؒ کے مذاہب پر عمل کا زمانہ طویل رہا اور حضرت امام داؤدؒ کے مذہب پر تھوڑے دن عمل رہا۔ پس جس طرح امام اعظمؒ کے مذہب کی بنیاد تمام مذاہب مدونہ سے پہلے قائم ہوئی اسی طرح وہ سب سے آخر میں ختم ہوگا اور اہل کشف کا بھی یہی مقولہ ہے۔ (میزان شعرانی اردو ص ۱۰۷' ج ۱)

مردم شماری :

علامہ شکیب ارسلانؒ (م ۱۳۶۶ھ) فرماتے ہیں: "مسلمانوں کی اکثریت امام ابو حنیفہؒ کی پیرو اور مقلد ہے۔ سارے ترک اور بلقان کے مسلمان' روس اور افغانستان کے مسلمان' چین کے مسلمان' ہندوستان (پاک و ہند) کے مسلمان اور عرب کے اکثر مسلمان اور شام و عراق کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک رکھتے ہیں۔ (حاشیہ حسن المساعی نمبر ۶۹) اور پھر ۱۹۱۱ء کی سرکاری مردم شماری یوں درج فرمائی ہے کہ اثنا عشری ایک کروڑ سینتیس لاکھ' زیدی تیس لاکھ' حنبلی تیس لاکھ' مالکی ایک کروڑ' شافعی دس کروڑ اور حنفی سینتیس کروڑ سے زائد۔ گویا سنی مقلدین کی تعداد اڑتالیس کروڑ تیس لاکھ سے زائد تھی' مگر سرکاری مردم شماری کے رجسٹر میں غیر مقلدین کا کوئی خانہ ہی موجود نہیں تھا۔

صحابہ کرامؓ اور مذاہب :

بعض اہل علم لوگ کہا کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ حنفی تھے یا حنبلی وغیرہ؟ تو گزارش یہ ہے کہ مذہب راستے کو کہتے ہیں جیسے پہاڑوں پر جو بارش برسی' برف جمی' اس کا نام نہ جہلم ہے' نہ سندھ' مگر جب وہ پانی راستہ بنا کر میدانی علاقہ کی طرف چل پڑا تو ان راستوں کا نام جہلم اور سندھ تعارف کے لئے رکھ لیا گیا۔ جس طرح صحابہ کرامؓ کو حدیث پاک کے لئے نہ بخاری پڑھنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی ترمذی پڑھنے کی مگر بعد والوں کو اس کی ضرورت پڑ گئی۔ اسی طرح جو لوگ دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوں ان کو

دریا کا پانی حاصل کرنے کے لئے کسی نہر کی ضرورت نہیں۔ مگر جو لوگ دریا سے دور ہوں وہ نہر کے بغیر دریا کا پانی نہیں لے سکتے۔ وہ اگر نہر سے منہ موڑے گا تو دریا کے پانی ہی سے محروم ہو جائے گا۔ معلوم ہوا پانی ایک ہی دریائے محمدی کا ہے 'صحابہؓ اس کو دریا کے پانی کے نام سے لیتے تھے' بعد والے نہر کا نام لے دیتے ہیں۔

اعتراف حقیقت :

میاں نذیر حسین دہلوی جو فرقہ غیر مقلدین کے بانیوں میں سے ہیں' فرماتے ہیں کہ "چاروں امام (ابو حنیفہ' مالک' شافعی' احمد بن حنبل) جو قوام دین کے لئے مثل چار عنصر (آب' آتش' خاک' باد) کے ہیں اور اہل عناد کے سوا کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ ان میں ہر شخص دین کا معاون اور پشت پناہ ہے (الحیاۃ بعد المماۃ ص ۵۹۰)۔ اسی طرح غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگ والے شاگرد میاں نذیر حسین دہلوی ان مذاہب اربعہ کی مثال میں فرماتے ہیں کہ مثال اس کی یوں ہے کہ جیسے ایک تالاب سے چار نالیاں پانی کی بہتی ہوں' سو کوئی شخص خواہ کسی نالی کا پانی پیوے وہ تالاب ہی کا پانی ہو گا اور کوئی شک طبیعت والا براہ راست تالاب سے ہی جا کر پیئے تو وہ بھی اسی تالاب ہی کا پانی ہے (سوانح حیات ص ۷۰)۔ لیکن براہ راست جنہوں نے پانی پیا وہ تو صحابہ کرام تھے' اب غیر مقلد کیسے صحابی بن سکتا ہے؟ مولانا داؤد غزنوی کے والد محترم مولانا عبد الجبار غزنوی فرماتے ہیں: "مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسے صحابہ کرامؓ میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔ باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے اور باہم سب و شتم نہیں کرتے تھے مثل خوارج اور روافض کے۔ صلحاء اور ائمہ دین سے محبت جزو ایمان ہے اور عداوت ان کی طریقہ خوارج کا ہے (اثبات الہام ص ٦)

بھائی بھائی :

سارے نبی ایک ہی خدا کے بھیجے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سب

نبیوں کو علاتی بھائی فرمایا ہے جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں۔ اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام میں آپس میں عقائد میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ سب کے عقائد ایک ہی تھے' مگر احکام میں آپس میں حرام حلال تک کا اختلاف رکھتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز اور حلال تھا اور شریعت محمدیہ ﷺ میں حرام ہے۔ جب کہ یہ سب نبی برحق ہیں۔ ہم حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی شریعت کو برحق مگر ساتھ ساتھ منسوخ بھی مانتے ہیں اور شریعت محمدیہ ﷺ کو برحق بھی اور ناسخ بھی۔ بالکل اسی طرح ائمہ اربعہ چاروں برحق ہیں۔ ان میں عقائد میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ اجتہادی احکام میں آپس میں حلال حرام تک کا اختلاف ہے۔ ہم امام شافعی و دیگر ائمہ کو برحق بھی کہتے ہیں اور ان کے اقوال کو مرجوح بھی' اور اپنے امام کو برحق بھی کہتے ہیں اور ان کے اقوال کو راجح بھی۔ جیسے ہم ان پیغمبروں اور ان کے امتیوں کے جن احکام کو اب منسوخ کہتے ہیں' ان کے زمانہ میں وہ احکام بالکل برحق تھے لیکن ہمارے لئے منسوخ ہیں۔ اسی طرح ہم دیگر ائمہ کرام اور ان کے مقلدین کے احکام کو ان کے حق میں صحیح و برحق کہتے ہیں مگر اپنے لئے مرجوح کہتے ہیں۔ جس طرح ان انبیاء علیہم السلام کے زمانے الگ الگ تھے اور ہر زمانے میں اس زمانے کا طریقہ برحق تھا' اسی طرح ائمہ اربعہؒ کے مقلدین کے علاقے الگ الگ ہیں' حنبلی نجد میں ہیں' شافعی سری لنکا میں ہیں' حنفی پاک و ہند میں' اپنے اپنے علاقے میں سب برحق ہیں۔ اب اگر کوئی شخص حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے احکام میں حلال حرام کے اختلافات بیان کر کے ان کو معاذ اللہ ایک دوسرے کا دشمن ثابت کرے اور نبی پاک ﷺ کے فرمان پاک کا یوں مذاق اڑائے کہ جن نبیوں میں آپس میں حرام حلال کا اختلاف ہو وہ بھائی بھائی کیسے ہو سکتے ہیں یا کوئی دوسرا شخص اس کے برعکس دونوں کو اس طرح برحق مانے کہ ناسخ منسوخ کا مسئلہ درمیان سے نکال دے اور ایک دن سجدہ تعظیمی کر لیا کرے اور دوسرے دن اس کو حرام سمجھا کرے تو یقیناً یہ بھی غلط طریقہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے عقائد میں اتفاق تھا مگر اجتہادیات میں حلال حرام تک

کے اختلافات تھے۔ اب اگر کوئی شخص صحابہ کرام ؓ کے ان اختلافات کو اچھال کر ان کی برائیاں بیان کر کے ان کے خلاف بد گمانی پھیلائے تو یہ بھی اس کے ایمان کا نقصان ہے اور اگر ان کی تابعداری میں راجح اور مرجوح کا دھیان رکھے بغیر صبح کو ایک چیز کو حلال کہے اور شام کو حرام کہے تو یہ اتباع شریعت نہ رہی بلکہ خالص نفس پرستی ہو گئی۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام ؓ کے نائبین اور وارثین ائمہ اربعہ ؒ کے اختلافات کو چھیڑ کر ان پر بد زبانی کرے اور اس کا راستہ کھولے تو وہ شخص یقیناً لعن آخر ھذہ الائمۃ اولھا کا مصداق ہے۔ اور اگر اپنے لئے اباحت پسندی کی راہ کھولے کہ ایک وقت ایک چیز کو ایک امام کے قول کے مطابق حلال کہے اور دوسرے وقت دوسرے امام کے قول سے اس کو حرام کہے اور صبح کا عمل شام کے اور شام کا عمل صبح کے عمل کے خلاف کرے یا تو ہوا پرستی ہے اور دین کو کھلونا بنانا ہے۔ اس لئے دین اور دنیا کی سلامتی اسی طریقہ میں ہے جس پر بفضلہ تعالیٰ ہم چل رہے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کی تقلید کرتے ہیں اور اجتہادی مسائل میں ان کو ہم باپ کی جگہ سمجھتے ہیں اور حضرت امام مالک ؒ، حضرت امام شافعی ؒ اور حضرت امام احمد بن حنبل ؒ کو اپنے چچا مانتے ہیں اور چچوں کی طرح واجب الاحترام جانتے ہیں۔ مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کو اپنے چچازاد بھائی سمجھتے ہیں۔ وہ ہمیں اور ہم ان سب کو اہل سنت والجماعت اور نجات پانے والی جماعت مانتے ہیں۔

حرمین شریفین :

حرمین شریفین جو مرکز اہل اسلام ہے، دور صحابہ کرام ؓ کے بعد صدیوں تک ان مقامات مقدسہ کی خدمت کی توفیق احناف کو ملی۔ امام شامی ؒ فرماتے ہیں کہ دولت عباسیہ جن کی حکومت تقریباً پانچ سو سال رہی، اگرچہ خلفاء اپنے جد امجد کے طریقے پر تھے مگر یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ اس دولت کے اکثر قاضی اور شیخ الاسلام حنفی تھے اور پھر دولت سلجوقی اور خوارزمی کے تمام خلفاء بھی حنفی تھے۔ اور عدالتوں میں حنفیت ہی کا غلبہ تھا۔ یہ دونوں خلافتیں تقریباً تین سو سال حرمین شریفین کی خادم اور دولت اسلامی

پر حاکم رہیں۔ پھر نویں صدی سے تقریباً ۱۳۴۰ھ تک دولت عثمانیہ رہی' یہ سب حنفی تھے۔ گویا تقریباً بارہ سو سال یہ اعزاز احناف کے پاس رہا۔ اب تقریباً نصف صدی سے کچھ زائد عرصہ ہو رہا ہے کہ یہ خدمت احناف کے چچازاد بھائیوں یعنی حنابلہ کے حصے میں آگئی۔ چونکہ حنفی بڑے بھائی ہیں اور بڑوں کا حوصلہ بھی بڑا ہوتا ہے' اس لئے چھوٹوں کو بھی ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ چنانچہ ۶۶۵ھ سے ۱۳۴۰ھ تک حرمین شریفین میں چار قاضی ہوا کرتے تھے: حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی۔ بلکہ نویں صدی سے ۱۳۴۵ھ تک حرم کعبہ میں چار مصلے تھے۔ اس کا ایک بہت بڑا فائدہ بھی تھا کہ پوری دنیا میں صدیوں تک یہ بات مسلم رہی کہ اہل سنت چار ہی مذاہب میں منحصر ہیں۔ حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی کے علاوہ کسی کو اہل سنت والجماعت کہلا کر اہل سنت میں کسی انتشار اور نئے نئے اختلافات پیدا کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۵ھ صرف ایک حنبلی مصلّی باقی رکھا گیا۔ ایک دفعہ ایک غیر مقلد صاحب کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پہلے حرم کعبہ میں چار مصلے ہوتے تھے' اب ایک ہی ہے۔ میں نے کہا آپ شکر کس بات پر کر رہے ہیں؟ جب چار مصلے تھے آپ کا اس وقت بھی نہیں تھا' اب ایک ہے تو آپ کا اب بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صدیوں سے خدمت حرمین شریفین کا اعزاز اہل سنت کو ہی دے رکھا ہے۔ پہلے صدیوں تک بڑے بھائی اس خدمت پر رہے' اب چھوٹے بھائی ہیں۔

اشاعت دین :

جب سے حرمین شریفین میں حنبلی حکومت قائم ہوئی' پاک و ہند کے بعض غیر مقلدین نے ان کے بارے میں یہ بات پھیلانی شروع کی کہ جس طرح ہم فقہ کو نہیں مانتے' یہ سعودی حضرات بھی فقہ کو نہیں مانتے۔ چنانچہ اس حکومت نے محسوس کیا کہ یہ تو بہت غلط الزام ہے جو ہم پر لگایا گیا ہے۔ چنانچہ اس حکومت نے کروڑوں روپے کے خرچ سے فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مغنی ابن قدامہ چھپوائی اور عرب و عجم میں مفت تقسیم کی تاکہ ان کا منہ بند ہو جو ان کو فقہ کا منکر باور کرانا چاہتے تھے۔

ابھی بے چارے غیر مقلد اسی سے پریشان تھے کہ سعودی حکومت نے حنبلی مذہب کا مشہور "فتاویٰ ابن تیمیہ" چھپوا کر دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا تاکہ اب کوئی زبان یہ جھوٹ نہ بول سکے کہ سعودی حکومت فقہ کو نہیں مانتی۔ بس پھر کیا تھا کہ غیر مقلدیت کا یہ پروپیگنڈہ خاک میں مل گیا اور یہ بات دوپہر کے سورج سے زیادہ واضح ہو گئی کہ سعودی حکومت فقہ کی منکر نہیں بلکہ فقہ کی سرپرست ہے اور فقہ حنبلی ان کا مسلک ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ فقہ حنفی سب سے پہلے مرتب ہوئی، پھر فقہ مالکی، پھر فقہ شافعی، پھر فقہ حنبلی۔ سعودی حکومت نے آخری فقہ کو شائع کر کے گویا یہ ثابت کر دیا کہ جب آخری فقہ بھی بدعت نہیں، تو پہلی فقہ کیسے بدعت ہوگی۔ اس کے بعد غیر مقلدین حضرات کا فرض تھا کہ مغنی ابن قدامہ اور فتاویٰ ابن تیمیہ کا رد لکھ کر اپنے انکار فقہ کے مسلک کو سعودی حکومت پر واضح کرتے، لیکن پیسوں کے محتاجی نے حق گوئی سے روک دیا۔

آنچہ شیراں را کند روباہ مزاج : احتیاج است احتیاج است احتیاج

ایک اور کارنامہ :

ہمارے غیر مقلد دوست چاروں اماموں کے خلاف ایک دفعہ کی تین طلاقوں کو ایک قرار دیتے ہیں اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دینے والوں کو قرآن و حدیث کا مخالف اور نہ معلوم کیا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ سعودی حکومت کا یہ ایک عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے دنیا بھر کی سب سے بڑی مجلس علمائے رابطہ عالم اسلامی کو اس کام پر لگایا اور انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ ہمارے غیر مقلد دوستوں کا فرض تھا کہ جن سے لاکھوں روپے امداد لیتے ہیں، ان کے اس فتویٰ کو اپنے ہر اخبار اور رسالہ میں شائع کرتے۔ مگر ہمارے یہ دوست اپنی ضد پر قائم ہیں اور بجائے رابطہ عالم اسلامی کو برا بھلا کہنے کے صرف حنفیوں کو برا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں، کیونکہ رابطہ عالم اسلامی سے پنجہ آزمائی کرنے سے وظیفہ بند

ہونے کا خطرہ ہے اور حنفیوں کو برا بھلا کہنے میں اس طرح کا کوئی خطرہ نہیں۔

تراویح :

اسی طرح جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ فرقہ حرمین شریفین کے متواتر عمل بیس رکعت تراویح کے مخالف ہے تو شیخ عطیہ سالم نے اس پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا اور باقاعدہ صدی وار یہ ثابت کردیا کہ بیس رکعت تراویح ہی حرمین شریفین کا متواتر عمل ہے۔

قرآن پاک کی اشاعت :

شاہ فہد حفظہ اللہ نے عربی قرآن پاک کی اشاعت کے لئے کروڑوں روپے وقف فرمائے اور قاری عاصم کوفی رحمتہ اللہ علیہ والا قرآن پاک لاکھوں کی تعداد میں پوری دنیا میں تقسیم کروایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائیں اور مزید توفیق عطا فرمائیں۔

ترجمہ قرآن پاک کی اشاعت :

شاہ فہد حفظہ اللہ کو بہت شوق ہے کہ مسلمان قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر سے واقف ہوں۔ انہوں نے علماء کے مشورہ کے بعد محسوس کیا کہ اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر شائع کی جائے۔ اس لئے شاہ فہد نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ قرآن اور اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کے تفسیری فوائد کو شائع کرایا۔ اردو بولنے والے مسلمانوں میں چونکہ ۹۹ فیصد مسلمان حنفی ہی ہیں۔ اسی لئے شاہ فہد حفظہ اللہ کی اس کوشش کو سب نے سراہا۔ اس اشاعت سے ایک طرف اگر قرآن پاک کے مطالعہ عالیہ سے ۹۹ فیصد مسلمان روشناس ہوئے تو دوسری طرف بعض غیر مقلدین کے اس غلط پروپیگنڈے کی بھی قلعی کھل گئی کہ معاذاللہ شاہ فہد اور ان کی حکومت احناف کو غلط سمجھتی ہے۔ قرآن پاک کے اس ترجمہ کی اشاعت پر عرب و عجم میں جہاں ہر طرف خوشیاں منائی گئیں، اسی طرح غیر مقلدین کا سعودی حکومت کے بارہ میں یہ مکروہ پروپیگنڈہ کہ وہ اپنے مذہب کے

علاوہ باقی تینوں مذاہب کو برداشت نہیں کرتی' خاک میں مل گیا- اور سعودی حکومت کے خلاف بہت سی غلط فہمیاں جو غیرمقلدین نے پھیلا رکھی تھیں ان کا خاتمہ ہوگیا- اگرچہ پورے عالم اسلام میں اس ترجمہ و تفسیر کی اشاعت کا خیرمقدم کیا گیا' مگر غیرمقلدین جن کی تعداد ایک فیصد بھی نہیں' انہیں اس پر کافی اضطراب ہوا- اٹھو' دوڑو' پکڑو' روکو کا شور مچا اور رات دن ایک کرکے اس تفسیر عثمانی پر چند مناقشات پھیلائے- جن کی وضاحت پاکستان سے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ اور بھارت سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے فرمائی- جس کے جواب الجواب سے غیرمقلدین بالکل عاجز آگئے اور ان کا علمی پندار خاک میں مل گیا-

ایک اور انگڑائی :

لیکن قرآن پاک کی تفسیر کی اشاعت ان کو کب بھاتی تھی- سعودی حکومت کی ابتداء میں ہی ان کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر کو علمائے حجاز کی مجلس نے جس طرح رد کردیا تھا اس کی ٹیس ابھی تک ختم نہ ہوئی تھی- غیرمقلدین کے علماء نے اپنی ایک صدی کے دور حیات میں جس قدر تراجم اور حواشی قرآن پاک پر لکھے تھے' ان پر خود اس فرقے کا اتفاق نہ تھا- مگر "تفسیر عثمانی" کی اشاعت پر بھی یہ بے چارے انگاروں پر لوٹ رہے تھے- تو شیخ محمد جوناگڑھی کا ترجمہ لیا اور ایک صحافی کی خدمات حاصل کرکے اس پر ایک نیا حاشیہ لکھوایا' جس کا نام "احسن البیان" رکھا گیا اور اب ڈاکٹر صفی الرحمٰن مبارکپوری غیرمقلد کے ذریعہ یہ کوشش شروع ہوگئی کہ تفسیر عثمانی کی جگہ اس کی اشاعت ہو' جبکہ تفسیر عثمانی سے 99% مسلمان استفادہ کررہے ہیں اور اس ترجمہ پر 1% مسلمانوں کا بھی اتفاق نہیں ہے-

شیخ محمد جوناگڑھی :

جناب شیخ محمد جوناگڑھی بانی جماعت غرباء اہل حدیث مولانا عبدالوہاب دہلوی کے شاگرد تھے- اہل سنت والجماعت کے مذاہب اربعہ کو تو صاف صاف گمراہی قرار دیتے ہی

تھے- خود اپنے فرقہ غرباء اہل حدیث سے بھی نالاں ہی تھے- لکھتے ہیں: فرقہ امامیہ دہلویہ دراصل مرزائیوں کی طرح کل مسلمانوں سے الگ تھلگ ہے- (اخبار محمدی یکم جولائی ۱۹۳۸ء ص ۱۶) نیز فرماتے تھے "فرقہ امامیہ اسلام سے خارج ہے' نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ جائز ہے اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے-" (اخبار محمدی' ۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء' ص ۱۶)

شیخ جوناگڑھی اپنے استاد محترم کے فرزند مولانا عبدالستار صاحب دہلوی امام غرباء اہل حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ "عبدالستار دہلوی اپنے کفر میں مکے کے کافروں سے بھی بڑھا ہوا ہے" (اخبار محمدی' ۱۵ نومبر ۱۹۳۹ء ص ۱۳) شیخ جوناگڑھی اہل حدیث کے مفسر قرآن اور محدث ذی شان مولانا عبداللہ روپڑی کے بارہ میں یوں گوہرافشانی فرماتے ہیں "روپڑی نے معارف قرآنی بیان کرتے ہوئے رنڈیوں اور بھڑووں کا ارمان پورا کیا' اور تماش بینوں کے تمام ہتھکنڈے ادا کئے" (اخبار محمدی ۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء' ص ۱۳)

شیخ جوناگڑھی نے اپنے ہی فرقہ کے علماء کے خلاف جو زبان استعمال کی ہے وہ بہت ہی سخت ہے- ہم اسے صفحہ قرطاس پر لانے سے عاجز ہیں- شیخ جوناگڑھی نے "نکاح محمدی" نامی کتاب لکھ کر ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کہ "ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں" کا جو مذاق اڑایا ہے الامان والحفیظ- ائمہ اربعہ اور دولت سعودیہ فقہ اسلامی کے بارہ میں وہی نظریہ رکھتے ہیں کہ فقہ خیر ہے اور فقہاء خیار ہیں- جیسا کہ احادیث صحیحہ میں ثابت ہے اور فقہ ثمرۃ الحدیث ہے' جیسا کہ امام بخاری نے فرمایا- لیکن شیخ جوناگڑھی نے ایک رسالہ بنام شمع محمدی لکھا' جس کا عربی نام یہ رکھا- اظہار الطیب والخبیث بتقابل الفقہ والحدیث- اور اپنی کتاب ارشاد محمدی ص ۲ پر فقہ اسلامی کو خنزیر لکھا- اور شیخ جوناگڑھی لکھتے ہیں کہ خیرالقرون میں صرف اہل حدیث (غیرمقلدین) تھے' نہ کوئی حنفی تھا' نہ شافعی' نہ مالکی تھا' نہ حنبلی اور نہ وہابی (سراج محمدی ص ۴۰) نیز شیخ جوناگڑھی فرماتے ہیں کہ تقلید تو جھنمیوں کا طوق ہے- اس میں وہابی اور دوسرے بدعتی ہمارے ہاں برابر ہیں- ہم اہل حدیث اور محمدی ہیں اور ان سب سے

بیزار ہیں (سراج محمدی ص۹) دیکھئے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کو کس طرح محمدیوں سے نکال کر اہل بدعت میں داخل کردیا اور ان کے گلے میں جہنم کے طوق کی نشاندہی کرکے کس طرح واشگاف الفاظ میں ان سے اظہار بیزاری فرمایا- حالانکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب خود یہ وضاحت کرچکے ہیں کہ انی ولله الحمد متبع لست بمبتدع عقیدتی و دینی الذی ادین به هو مذهب اهل السنة والجماعة الذی علیه ائمة المسلمین مثل الائمة الاربعة واتباعه- کہ میں اللہ کے فضل و کرم سے بدعتی نہیں ہوں- میرا عقیدہ اور دین وہی ہے جو اہل سنت والجماعت کا ہے- جس پر ائمہ اہل اسلام مثلاً ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین ہیں- (محمد بن عبدالوہاب) جبکہ شیخ جوناگڑھی لکھتے ہیں کہ ہم صرف اہل حدیث ہیں' صرف قرآن وحدیث کی تابعداری کرتے ہیں' نہ حنفی ہیں' نہ حنبلی' نہ مالکی' نہ شافعی (سراج محمدی ص۴۲)

سعودی موقف :

مولوی محمد اسماعیل غزنوی نے سید سلیمان بن سحمان نجدی کے رسالہ الهدیة السنیة کا اردو ترجمہ "تحفہ وہابیہ" کے نام سے شائع کرایا- اس میں حضرت امام عبداللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کا رسالہ بھی شامل ہے- ابن شیخ الاسلام اپنا مسلک یوں تحریر فرماتے ہیں : "ہمارا مسلک: ہم فروعی مسائل میں حضرت امام احمد بن حنبل کے طریقہ پر ہیں- چونکہ ائمہ اربعہ (ابوحنیفہ' مالک' شافعی' احمد بن حنبل رحمھم اللہ) کا طریقہ منضبط ہے- اس لئے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے- بلکہ ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی تقلید کریں- (تحفہ وہابیہ ص۶۱) اس کے برعکس شیخ جوناگڑھی لکھتے ہیں: "کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم ان کی تقلید کے پٹے اپنے گلوں میں ڈالیں' اور ان کی رائے قیاس کو دین وایمان سمجھ کر ان پر جم جائیں اور خدا کے ایک دین کو چار میں تقسیم کرلیں (طریق محمدی ص۱۹۴) دین میں جو چیز نئی نکلے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے- پس تقلید جو چوتھی یا چھٹی صدی کی ایجاد ہے قطعاً محدث ہے اور قطعاً بدعت ہے- (طریق محمدی ص۱۹۷)

عجیب انتخاب :

یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ ایک طرف تو ہمارے غیر مقلد دوست اپنے علماء کے بارہ میں یہ تاثر دیا کرتے ہیں کہ ہمارے علماء قرآن و حدیث کے فہم میں ائمہ اربعہ سے بھی بہت آگے ہیں۔ لیکن جب قرآن پاک کے ترجمہ اور تفسیر کی اشاعت کی باری آئی تو سب علماء کو ایسا نظرانداز کر دیا گیا کہ گویا اس پورے فرقہ میں پوری ایک صدی میں کوئی عالم پیدا ہی نہیں ہوا۔ اخبار کے دو ایڈیٹروں کو آگے لایا گیا۔ شیخ محمد جوناگڑھی دہلی کے ایک اردو اخبار کے ایڈیٹر تھے اور شیخ صلاح الدین یوسف بھی لاہور کے ایک اردو اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ یہ صرف اس لئے کیا گیا کہ جب ان تراجم و تفسیر کی اغلاط سامنے آئیں گی تو جواب دہی سے یہ کہہ کر جان چھڑالی جائے گی کہ یہ مترجم اور محشی کونسے علماء ہیں۔ یہ تو اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ ہم تو اپنے علماء کی نہیں مانتے' تو ہم ان ایڈیٹروں کو کیا جانتے ہیں۔ اصل حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ علماء کے مقابلہ میں ایڈیٹروں کو ہی پیش کرتے آئے ہیں۔ کبھی اخبار اہل حدیث کا ایڈیٹر سامنے کر دیا' کبھی اخبار محمدی کا۔ حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کا زندگی بھر کا اوڑھنا بچھونا خدمت قرآن و سنت رہا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم لکھ کر عرب و عجم کے محدثین سے خراج تحسین حاصل کیا۔ اب ان حضرات کے مقابلہ میں ایڈیٹروں کو لانا یقیناً علم کی توہین کے مترادف ہے۔

سلف بیزاری :

ایڈیٹر شیخ صلاح الدین یوسف صاحب آیت کریمہ "کل حزب بما لدیھم فرحون" پر حاشیہ آرائی فرماتے ہیں: "ہر فرقہ اور گروہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور دوسرے باطل پر۔ بدقسمتی سے ملت اسلامیہ کا بھی یہی حال ہوا کہ وہ بھی مختلف فرقوں میں بٹ گئی اور ان کا ہر فرقہ اسی زعم میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ حالانکہ حق پر صرف ایک ہی گروہ ہے' جس کی پہچان نبی ﷺ نے بتلادی ہے کہ میرے اور میرے صحابہ

رضی اللہ عنہم پر چلنے والا ہوگا اور یہ شرف اہل سنت کہلانے والوں میں سے صرف اہل حدیث کو حاصل ہے۔ کثر اللہ سوادھم (احسن البیان ص ۸۱۶) دیکھئے ایڈیٹر صاحب کس بے دردی کے ساتھ حنفیوں، مالکیوں، شافعیوں اور حنبلیوں کو (سب کو) یک قلم اہل سنت سے خارج کر کے یہود، نصاریٰ اور مجوس کے ساتھ ملادیا۔ یہ فرقہ جو ایک فیصد بھی نہیں، اس نے ننانوے فیصد سے زائد مسلمانوں کو کس طرح دوزخ میں دھکیل دیا۔ اب یہ مسلمان سعودی حکومت سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا سعودی حکومت جو امام احمد بن حنبل کی مقلد ہے، وہ ایڈیٹر صاحب کے نزدیک اسلامی حکومت کہلا سکتی ہے؟ اس تفسیر سے مسلمانوں میں انتشار اور ائمہ اربعہ سے بغاوت اور سلف بیزاری ہی پیدا ہوگی۔ کیا واقعتاً شاہ فہد حفظہ اللہ ائمہ اربعہ اور ان کے سب مقلدین کو اہل سنت سے خارج کر کے اس ۱% سے بھی کم فرقہ کو اٹھائیں گے؟ یہ ممکن نہیں۔

ایڈیٹر صاحب آیت لا تفرقوا پر یوں حاشیہ چڑھاتے ہیں: "جب شخصیات کے نام پر دبستان فکر معرض وجود میں آئے (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی مذاہب) تو اطاعت و عقیدت کے یہ مرکز و محور تبدیل ہو گئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور ان کے اقوال و افکار اولیں حیثیت کے اور اللہ و رسول ﷺ اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور یہیں سے امت مسلمہ کے افتراق کے المیے کا آغاز ہوا، جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہو گیا۔ اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہے کہ نظر و فکر کی یہ نامسلمانی اور انحراف اور ضلال کی یہ کجی اتنی بڑھی کہ یہ اختلاف جو تحزب اور تفرق کی بنیاد ہے اور جس سے قرآن نے روکا ہے، اسے نعوذ باللہ رحمت قرار دیا جا رہا ہے۔ اور اس کے لئے یہ موضوع روایت پیش کی جاتی ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ حالانکہ اگر یہ اختلاف رحمت ہوتا تو نبی ﷺ یہ کیوں فرماتے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جن میں سے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا، باقی سب جہنم میں۔ اب مسلمانوں کے تمام فرقے دعوے دار ہیں کہ جنتی فرقہ وہی ہے۔ لیکن اس کی جو

پہچان نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ وہ میرے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوگا' اہل حدیث کے سوا کوئی اس کا مصداق قرار ہی نہیں پاتا۔" (احسن البیان ص۸۱) دیکھئے ایڈیٹر صاحب نے ائمہ اربعہ اور ان سب مقلدین کو دوزخ میں ڈال دیا۔ ایڈیٹر صاحب اختلاف اور تفرق کی حدود سے بھی واقف نہیں۔ ایک اختلاف ضروریات دین میں ہوتا ہے' یہ مدار کفر و ایمان ہے۔ جو سب ضروریات دین کو مانتا ہے وہ مسلمان ہے۔ جو ضروریات دین میں سے کسی کا انکار یا تاویل باطل کرتا ہے وہ کافر ہے۔ دوسرا اختلاف اسلام کے دائرہ میں ہوتا ہے جو سنت اور بدعت کا اختلاف ہے' جو ان عقائد کو مانتا ہے جو ضروریات اہل سنت میں سے ہیں وہ اہل سنت ہے۔ کیونکہ یہ عقائد ما انا علیہ و اصحابی والے ہیں' جو ان عقائد سے انحراف کرتا ہے وہ اہل بدعت ہے' جیسے قدریہ' جبریہ وغیرہ۔ حدیث پاک میں اسی اختلاف کا ذکر ہے۔ تیسرا اختلاف وہ ہے جس کے بارہ میں ایڈیٹر بھی مانتا ہے کہ وہ صحابہ اور تابعین کے عہد میں بھی تھا۔ یہ اختلاف عقائد کا اختلاف نہیں بلکہ فروعی مسائل میں اجتہادی اختلاف مراد ہے جو نہ مدار کفر و ایمان ہے اور نہ ہی مدار سنت و بدعت۔ یہ تو ایسا اختلاف ہے کہ عمل سب کا عنداللہ مقبول ہے اور مصیب کو دو اجر اور مخطی کو بھی ایک اجر کا یقین ہے۔ اگر مخطی کے بھی ایک اجر ملنے کو کسی نے خدا کی رحمت واسعہ سے تعبیر کر دیا تو یہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے۔ دیکھو ایک اختلاف تو یہ ہے کہ کوئی شخص کعبہ شریف کو قبلہ ہی نہ مانے اور جان بوجھ کر قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھے۔ اور دوسرا شخص کعبہ شریف کے قبلہ ہونے پر پختہ یقین رکھتا ہے۔ مگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں نہ اسے خود جہت قبلہ معلوم ہے' نہ کوئی بتلانے والا ہے۔ اس نے تحری کی اور نماز پڑھ لی۔ حالانکہ حقیقتاً قبلہ اس کے سامنے نہیں تھا' بلکہ پشت کی طرف تھا۔ تو اس کی نماز کو قبول فرمالینا خدا کی رحمت ہی کہلائے گا۔ ان دونوں

قسم کے اختلاف کو ایک ہی قسم میں داخل کرنا کسی بھی عالم بلکہ عاقل کا بھی کام نہیں- ہاں ایڈیٹر اتنی بھی سمجھ نہ رکھے تو ہم عرض کریں گے کہ اس جگہ ایک قسم کے بنیادی اختلاف کے احکام کو اجتہادی احکام پر چسپاں کرنا یحرفون الکلم عن مواضعہ کی مد میں آتا ہے- یہ بات برحق ہے کہ قرآن کا ترجمہ یا تفسیر کرنا ایڈیٹروں کے بس کا روگ نہیں- لکل فن رجال-

ضد :

آیت فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون سے ہمیشہ علماء تقلید کا اثبات کرتے آرہے ہیں- چنانچہ علامہ عثمانی نے بھی تحریر فرمادیا "بہرحال عموم آیت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ غیر اہل علم کو اہل ذکر سے دریافت کر کے عمل کرنا چاہئے- بہت سے علماء اس کو تقلید ائمہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں' واللہ تعالیٰ اعلم" (تفسیر عثمانی ص۳۵۹) مگر ایڈیٹر صاحب علماء کے خلاف یوں رقم طراز ہیں "اس سے بعض حضرات تقلید کا اثبات کرتے ہیں' حالانکہ اس سے تو تقلید کی جڑ کٹ رہی ہے- (احسن البیان ص۴۲۱) شاباش ایڈیٹر صاحب شاباش! آپ نے تو وہ مثال پوری کردی کہ میں وہ شیر ہوں کہ شیشے سے پتھر کو توڑ دوں- ایڈیٹر صاحب آیت میثاق انبیاء کے تحت فرماتے ہیں: بہرحال اب قیامت تک واجب الاتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور انہی کی اطاعت میں (کامیابی) منحصر ہے' نہ کسی امام کی تقلید یا کسی بزرگ کی بیعت (احسن البیان ص۷۷) ایڈیٹر صاحب کو کون سمجھائے کہ جس طرح نماز باجماعت میں امام خود بھی خدا ہی کی عبادت کرتا ہے اور مقتدیوں کو بھی خدا ہی کی عبادت کرواتا ہے- اسی طرح تقلید میں مقلد اسی امام کی تقلید کرتا ہے جو خود بھی رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے کہ اس کا مقلد بھی اس کی رہنمائی میں رسول ﷺ کی ہی اطاعت کرتا ہے- شاید کل ایڈیٹر صاحب نماز باجماعت کو دیکھ کر یہ تحریر فرمادیں کہ نجات صرف خدا کی بندگی میں ہے نہ کہ کسی امام کی اقتداء میں- کتنی عجیب بات ہے کہ جس کو یہ بھی علم نہیں کہ ائمہ اربعہ کے مقلدین ائمہ کی تقلید ہی صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی رہنمائی میں اللہ و رسول

ﷺ کی اطاعت کریں۔ اس کو بھی تفسیر لکھنے کا شوق ہو گیا ہے۔ ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں تقلید شخصی یا تقلید معین کے قائلین نے ایک تیسری اطاعت کو بھی واجب قرار دے رکھا ہے اور اسی تیسری اطاعت نے جو قرآن کی اس آیت کے صریح مخالف ہے' مسلمانوں کو امت متحدہ کی بجائے امت منتشرہ بنا رکھا ہے۔ اور ان کے اتحاد کو تقریباً ناممکن بنادیا ہے۔ (احسن البیان ص ۸۰۵) شاید ایڈیٹر صاحب نماز باجماعت میں امام اور مقتدی کی نماز کو دو الگ الگ نمازیں سمجھتے ہوں گے اور وہ بھی ایک دوسری کے خلاف۔ تو انہیں اپنا علاج کروانا چاہئے۔ پوری امت کی عبادت یا اطاعت کے بارہ میں غلط پروپیگنڈے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ایڈیٹر صاحب مزید یہود کے احبار و رھبان والی آیت کو ائمہ اربعہ پر چسپاں کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اس آیت میں مقلدین مذاہب کے لئے بڑی تنبیہہ ہے' جنہوں نے اپنے اپنے فقہاء و ائمہ کو تحلیل و تحریم کا منصب دے رکھا ہے اور ان کے اقوال کے مقابلے میں وہ نصوص قرآن و حدیث کو بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اعاذنا اللہ منہ (احسن البیان ص ۲۴۹)

الغرض اس تفسیر میں ائمہ دین کو اللہ و رسول ﷺ کا مد مقابل بتا کر سلف بیزاری اور خود رائی کا درس دیا گیا ہے۔ جس کے بعد دین کی حفاظت اور مسلمانوں میں اتفاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس قسم کی تحریرات کی حوصلہ افزائی کی بجائے حوصلہ شکنی ہی ضروری ہے۔ علماء اور عوام کو اس پر پوری توجہ دینی چاہئے اور سعودی حکومت کو بھی اس سے خبردار کرنا چاہئے۔

بسم اللہ الرَّحمٰنِ الرَّحیمِ ٥

اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا دین صرف اسلام ہے۔ جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے، وہ دین خدا کے ہاں ہرگز مقبول نہیں۔ قرآن مجید میں خداوند قدس کا فرمان واجب الاذعان ہے: ﴿شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَاوَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرَاہِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ. کَبُرَعَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَاتَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ. اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ٥ وَمَاتَفَرَّقُوْٓا اِلَّامِنْ بَعْدِمَاجَآءَ ھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَھُمْ﴾

(الشوریٰ ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: راہ ڈال دی تمہارے لئے دین میں وہی، جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو، یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں۔ بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے۔ اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اس کو اپنی طرف جو رجوع لائے اور جنہوں نے اختلاف ڈالا سو سمجھ آ چکنے کے بعد آپس کی ضد سے۔

اس جگہ حق تعالیٰ شانہ نے صاف طور پر فرمادیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے، کیونکہ عقائد، اخلاق اور اصولِ دینیات میں تمام انبیاء علیہم السلام متفق رہے۔ دینی عقائد میں اختلاف برداشت نہیں۔ جو لوگ دین میں اختلاف کرتے ہیں، ان کے پاس

کوئی علمی بنیاد نہیں ہوتی، صرف ضد، عناد اور ہٹ دھرمی ہے جو لا علاج بیماری ہے۔

اختلافِ شرائع:

دینی عقائد میں اتحاد کے باوجود حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں حرام وحلال کا اختلاف تھا:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنهَاجًا﴾ (المائدہ ۴۸)

اور ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم نے ایک دستور اور راہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر امت کا آئین اور طریق کار اور اس کے احوال اور استعداد کے مناسب جداگانہ رکھا ہے اور باوجود اس کے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ملل سماویہ اصولِ دین اور مقاصدِ کلیہ میں جن پر نجاتِ ابدی کا مدار ہے باہم متحد اور ایک دوسرے کے مصدّق رہے ہیں۔ پھر بھی جزئیات اور فروع کے لحاظ سے ہر امت کو ان کے ماحول اور مخصوص استعداد کے موافق خاص خاص ہدایات دی گئیں۔ اس آیت میں اسی فرعی اختلاف کی طرف اشارہ ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں جو سب انبیاء علیہم السلام کو علاتی بھائی فرمایا ہے، جن کا باپ ایک ہو اور مائیں مختلف ہوں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اصول سب کے ایک ہیں اور فروع میں اختلاف ہے اور چونکہ بچہ کی تولید میں باپ فاعل اور مفیض ہے اور ماں قابل اور محل افاضہ بنتی ہے، اس سے نہایت لطیف اشارہ اس طرف بھی ہو گیا کہ شرائع سماویہ کا اختلاف مخاطبین کی قابلیت اور استعداد پر مبنی ہے، ورنہ مبدا فیاض میں کوئی اختلاف اور تعدد نہیں۔ سب شرائع سماویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اور اس کا علم ازلی ہے۔ پس شرائع کے اختلاف کو دیکھ کر خواہ مخواہ قیل وقال اور کج بحثیوں میں پڑ کر وقت نہ گنواؤ۔ وصول الی اللہ کا ارادہ کرنے والوں کو عملی زندگی میں اپنی دوڑ دھوپ رکھنی چاہئے۔ عقائد میں اتفاق کے ساتھ نبیوں کی شریعتوں میں حرام حلال کا اختلاف تھا، کسی شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز کسی میں حرام، کسی میں بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا کرنا حلال کسی میں حرام، لیکن باوجود حرام حلال کے اختلاف کے سب شریعتیں اپنے اپنے زمانہ میں برحق تھیں۔ دوسرے زمانوں کے بارے میں ناسخ منسوخ کو دیکھا جاتا تھا منسوخ پر عمل ختم

ہوجاتا تھااور ناسخ پرعمل جاری رہتا تھا۔

بڑی لغزش:

امام شعرانی (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ اصولِ دین پراس کے فروع کو قیاس نہیں کرسکتے تاکہ یوں کہیں کہ اصول میں اختلاف جائز نہیں تو فروع میں ناجائز ہے کیونکہ ایسا قیاس بہت بڑی لغزش ہے۔ (میزان کبریٰ ص۶۶/ ج۱) آج کل کے نام نہاد اہل حدیث (غیرمقلدین) بھی اسی قیاس پر ڈٹے ہوئے ہیں جونصوص کے خلاف ہے۔ وہ یہی شور مچاتے رہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ میں جب عقائد میں اتفاق ہے تو فروع میں کیوں اختلاف ہے؟ اور ائمہ کرام کے اس اختلاف کو بہانہ بنا کر ان کے مذاہب کو غلط کہتے ہیں، تو کیا حضرات انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں حرام وحلال کا اختلاف ہے، اس کی بنا پر ان کی شریعتوں کو بھی غلط قرار دیں گے۔

اقسام اختلاف

اختلاف کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) کفرواسلام کا اختلاف:

تمام ضروریات دین کو ماننا ایمان ہے اور ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار یا تاویلِ باطل کرنا کفر ہے، مثلاً: عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے۔ اب کوئی یہ کہے کہ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتا تو وہ کافر ہے اور اگر کوئی کہے کہ میں آپ ﷺ کو خاتم النبیین تو مانتا ہوں مگر خاتم النبیین کا معنی نبی گر ہے یعنی آپ ﷺ مہریں لگا لگا کر نئے نبی بنایا کرتے تھے تو یہ بھی کفر ہے، کیونکہ جس طرح خاتم النبیین والی آیت تواتر اور پورے یقین سے ثابت ہے، اسی طرح اس کا مطلب کہ آپ ﷺ کے بعد دنیا میں کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا، یہ بھی تواتر اور یقین سے ثابت ہے۔ اس اختلاف کو اسلام اور کفر کا اختلاف کہتے ہیں۔

(۲) سنت و بدعت کا اختلاف:

ہاں اسلام میں داخل ہونے والوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے، ۷۲ ان میں سے دوزخی ہوں گے اور ایک جنتی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ جنتی فرقہ کون ہے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے **ما انا علیہ واصحابی** یعنی ''وہ فرقہ جس کا طریقہ میری سنت کے موافق اور میرے صحابہ کے چال چلن کے مطابق ہو'' کہ وہ فرقہ اہل سنت والجماعت ہے۔ (مشکوۃ) یعنی یہ سب فرقے دینِ محمدی میں داخل ہونے کی وجہ سے محمدی ہیں مگر نجات پانے والے سنی محمدی ہیں۔

نقطۂ محمدیت:

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام جناب ثناء اللہ امرتسری صاحب کے نزدیک تو دائرۂ محمدیت میں مرزائی بھی شامل ہیں۔ لکھتے ہیں: ''اسلامی فرقوں میں خواہ کتنا بھی اختلاف ہو مگر آخر کار نقطۂ محمدیت پر جو درجہ ہے **والذین معہ** کا سب شریک ہیں۔ اس لئے گو ان میں باہمی سخت شقاق ہے مگر اس نقطۂ محمدیت کے لحاظ سے ان کو باہمی **رحماء بینھم** ہونا چاہئے۔ مرزائیوں کا سب سے زیادہ مخالف میں ہوں مگر نقطۂ محمدیت کی وجہ سے ان کو بھی اس میں شامل سمجھتا ہوں۔'' (اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۶، اپریل ۱۹۱۵ء) یہ مرزا کے مرنے کے سات سال بعد کی عبارت ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ پاک وہند میں پہلے عامل بالحدیث حافظ محمد یوسف تھے، ان کے بارے میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ''امرتسر میں سب سے پہلے عمل بالحدیث شروع کرنے والے حافظ محمد یوسف صاحب ڈپٹی کلکٹر پینشنر مرزا غلام احمد قادیانی کے مؤید و حامی بن گئے۔'' (اشاعۃ السنہ ص ۱۱۴/ ج ۲۱) بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ غیر مقلدیت انکار حدیث اور قادیانیت کی پہلی سیڑھی ہے۔ بہر حال اس دوسری قسم کے اختلاف کو سنت اور بدعت کا اختلاف کہتے ہیں (جو اہل سنت والجماعت میں دخول اور خروج کا معیار ہے)۔

(۳) اجتہادی اختلاف:

تیسری قسم کا اختلاف اجتہادی اختلاف ہے۔ صحابہ کرامؓ میں اتفاق عقائد کے

باوجود اجتہادی مسائل میں حلال حرام تک اختلاف تھا، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق اور شرح معانی الآثار طحاوی جیسی کتب حدیث کے مطالعہ سے آفتابِ نیمروز کی طرح ظاہر ہے، اس کا انکار گویا دوپہر کے سورج کا انکار ہے۔ اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کا حال تھا۔ حدیث کی کتابوں میں مجتہد صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے جو فتاویٰ مذکور ہیں، نہ ہی کسی مفتی نے اپنے فتویٰ کے ساتھ کوئی آیت یا حدیث بطور دلیل ذکر کی ہے اور نہ ہی فتویٰ پوچھنے والے نے کہا ہے کہ دلیلِ قرآن وحدیث کے بغیر میں فتویٰ نہیں مانوں گا۔ جس طرح صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے فتاویٰ میں صرف مسئلہ مذکور ہوتا ہے، کوئی آیت یا حدیث بطور دلیل مذکور نہیں ہوتی۔ ہمارے فتاویٰ اسی خیر القرون کے طرز پر ہیں، فتاوی بزازیہ قاضی خان، عالمگیری وغیرہ میں صرف مسائل مذکور ہوتے ہیں۔ دلائل مذکور نہیں ہوتے۔ غیر مقلدین خیر القرون کے اس طریقہ کو غلط کہتے ہیں، آج غیر مقلدین کو بلا ذکر دلیل فتویٰ دیا جائے تو وہ اس فتویٰ کو بالکل نہیں مانتے، لیکن خیر القرون میں ایک بھی غیر مقلد نہ تھا جس نے اس طرز پر انکار کیا ہو، بلکہ فتاویٰ عالمگیری جب مرتب ہوئی تو عرب وعجم کے دارالافتاؤں کی زینت بنی، کسی نے اس کے خلاف یا قاضی خاں وغیرہ کے خلاف آواز نہ اٹھائی کیونکہ اس زمانہ تک غیر مقلدین سے دنیا پاک تھی۔ اگر غیر مقلدین میں غیرت کا کوئی نشان ہے تو وہ پہلے صحابہ کرامؓ کے ان فتاویٰ کا رد لکھیں جو بلا ذکر دلیل حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، پھر تابعین کے فتاویٰ کا رد لکھیں، پھر تبع تابعین کے فتاویٰ کا رد لکھیں اور یہ بھی بتائیں کہ آخر دوسرے صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین نے ان فتاویٰ کا رد کیوں نہیں لکھا اور غیر مقلدین نے خیر القرون والا طریقہ کیوں بدلا؟ یہ ناقابلِ تردید تاریخی شہادت ہے کہ عالمگیری تک خیر القرون والا ہی طریقہ جاری رہا۔ غیر مقلدین کے فتاویٰ میں سوال و جواب کا جو طریقہ ہے یہ بارہویں صدی کے بعد کی بدعت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا الآیات بعد المائتین کہ علاماتِ قیامت دوسو سال بعد شروع ہوں گی۔ محدثین فرماتے ہیں کہ ایک ہزار کے دوسو سال بعد مراد ہے تو غیر مقلدین کا فرقہ بارہ سو سال بعد پیدا ہوا، یہ فرقہ علامات قیامت سے ہے۔

خلاصہ کلام:

میں نے تین قسم کے اختلافات کا ذکر کیا، ایک کفر واسلام کا اختلاف: اسلام ان عقائد کا نام ہے جو ضروریات دین میں سے ہیں، ان میں آج تک مسلمانوں نے اختلاف نہیں کیا، ان عقائد ضروریہ میں سب کا اتفاق ہے۔ آج کل جو جاہل غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ چار اماموں نے ایک دین کے چار ٹکڑے کر دیئے، یہ عالمِ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ ضروریات دین میں سب ائمہ کا اتفاق ہے۔ دینِ اسلام یعنی ضروریاتِ دین پہلے بھی ایک تھا، آج بھی ایک ہے اور قیامت تک ایک رہے گا۔ ایسی بات وہی جاہل مرکب کہہ سکتا ہے جو نہ دین کا معنی جانتا ہو، نہ اسلام کا۔ دین اسلام تو حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک اور قیامت تک ایک ہی ہے، اس کے ٹکڑے ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ ضروریات دین میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنے سے ہی انسان دین سے نکل جاتا ہے۔ یہ بات ہی غلط ہے کہ ایک آدمی ایک ٹکڑا لے جائے وہ مسلمان بھی رہے، دوسرا ٹکڑا دوسرا انسان لے جائے وہ بھی مسلمان رہے: ایں خیالست و محال ست و جنوں

اس لئے جو اسلام میں ٹکڑوں کا تصور کرتا ہے وہ اپنے ہی اسلام کی خیر منائے۔ معلوم ہوا جہالت کی انتہاء کا نام غیر مقلدیت ہے۔

دوسرا اختلاف دائرہ اسلام کے اندر سنت اور بدعت کا اختلاف ہے، یہاں ایک اہل سنت ہیں جو الجماعت اور سواد اعظم ہیں اور باقی ۷۲ فرقے ہیں جو صحابہ کرامؓ کے طریقے سے کٹنے کی وجہ سے فرقے کہلائے۔ اہل سنت وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات اہل سنت کو مانتے ہیں، ان میں سے ایک کا انکار کرنے والا بھی اہل سنت سے خارج ہو جاتا ہے اور فرقوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے اندر بھی تفرقہ نہیں کیونکہ جب ضروریاتِ اہل سنت میں سے ایک عقیدے کا ی انکار کر دیا تو وہ اہل سنت نہ رہا۔ مثلاً کسی نے اہل سنت کے عقیدہ تقدیر کی غلط تاویل کی تو وہ اہل سنت نہ رہا، بلکہ قدریہ فرقے میں شامل ہو گیا۔ کسی نے اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر میں غلط تاویل کی تو وہ اہل سنت نہ رہا بلکہ معتزلہ فرقے میں شامل ہو گیا۔ اہل سنت وہی ہے جو تمام ضروریات اہل سنت کو

مانے۔ آج کل اہل سنت کے عقائد میں جو نئی نئی تاویلات ہو رہی ہیں، ان میں معیارِ اہل سنت کتاب "المهند على المفند المعروف بہ عقائد علماء دیوبند" ہے جس پر عرب و عجم کے علماء کی تصدیقات ہیں کہ اس میں مندرج عقائد اہل سنت کے ہیں۔ (میری ناقص رائے میں یہ کتاب داخل نصاب ہونی چاہئے۔ مرتب) یہ بھی یاد رہے کہ شروع سے آج تک تسلسل کے ساتھ دنیا میں موجود رہے ہیں۔ خیر القرون میں بعض اہل سنت مجتہد تھے اور اکثر ان کے مقلدین تھے۔ خیر القرون کے بعد اجتہاد ختم ہو گیا، اب سب اہل سنت مقلدین ہی گزرے۔ اب قرب قیامت ہے جس کی وجہ سے بعض لوگ تقلید چھوڑ کر اہل سنت (جماعت ناجیہ) سے خارج ہوتے جا رہے ہیں اور اہل سنت ایسے نفس پرستوں کے اہل سنت سے نکلنے پر یہی کہتے ہیں: خس کم جہاں پاک۔

تیسرا اختلاف اجتہادی ہے جو اہل سنت میں دائر ہے۔ صحابہؓ تابعینؒ اور تبع تابعین عقائد میں اتفاق کے باوجود فروع میں اختلاف رکھتے تھے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: "صفوان کا بیان ہے: آنحضرت ﷺ کے عہد میں ان چار نفوس حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، اور حضرت ابوموسیٰؓ کے سوا کوئی فتویٰ نہ دیتا تھا۔" (تذکرۃ الحفاظ اردو ص ۴۳) حضرت مسروق (۶۲ھ) کا بیان ہے کہ صحابہ کرامؓ میں اونچے معیار کے مفتی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ اردو ص ۴۸) ان حضرات کے فتاویٰ بلا ذکر دلیل بھی ہیں اور ان فتاویٰ میں اختلافات بھی ہیں، گویا کم از کم پانچ اختلافی مذاہب صحابہؓ میں رائج تھے۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں: **ثم انهم تفرقوا في البلاد وصار كل واحد مقتدى ناحية من النواحي وكثرت الوقائع ودارت المسائل فاستفتوا فيها فاجاب كل واحد حسب ما حفظه او استنبط وان لم يجد فيما حفظ او استنبط ما يصلح للجواب اجتهد برايه۔** "پھر مجتہد صحابہؓ شہروں میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقے کا امام قرار پایا (یعنی ہر علاقے کے لوگ اپنے امام کی تقلید شخصی کرتے تھے) اور بہت سے نئے مسائل پیش آئے، ان میں (ہر علاقے) کے لوگ اپنے امام سے

فتاویٰ پوچھتے تو وہ مسائل **محفوظہ یا مستنبطہ** سے فتویٰ دیتے اور جو مسئلہ ان میں نہ ہوتا، اس میں خود اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم دیتے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ دور صحابہؓ سے لوگ اپنے اپنے علاقہ کے امام کی تقلید شخصی کرتے تھے، ان کے امام پہلے تو یہ دیکھتے کہ اگر بڑے مجتہدین کے اجتہادی مسائل میں وہ مسئلہ مل جاتا تو اس کو بیان فرمادیتے اور اگر کوئی جواب بڑے مجتہد سے محفوظ نہ ہوتا تو اپنی رائے اور اجتہاد سے فتویٰ دیتے۔ اس طرح سینکڑوں مذاہب قرار پائے۔ پھر تابعین اور تبع تابعین میں اسلام کا دائرہ مزید وسیع ہوا تو ہر ہر علاقے کے امام کا الگ الگ مذہب بنا اور ہر مذاہب کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔

مذاہب اربعہ:

پہلے زمانہ میں جو مسئلہ پیش آتا وہ اپنے علاقہ کے امام سے پوچھ لیتے اور بس۔ ان کے مذاہب نہ مکمل تھے، نہ مدون، نہ متواتر۔ ائمہ اربعہ نے مکمل مسائل کو عام فہم اور آسان ترتیب سے مدون کروایا اور ان پر عمل اتنا عام ہوگیا کہ مختلف علاقوں میں یہ چاروں مذاہب درساً اور عملاً متواتر ہوگئے، تو نامکمل، غیر مدون اور غیر متواتر مذاہب مٹنے شروع ہوگئے اور سب لوگ ان ہی چار مذاہب کی طرف جھک پڑے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: **ولما إندرست المذاهب الحقة الاهذه الأربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنهاخروجاً عن السواد الاعظم.** (**عقدالجيد ص ۳۸**) جب مذاہب حقہ (جو غیر مدون اور غیر متواتر تھے) مٹ گئے اور حق مذاہب سے صرف یہی چار (بوجہ تدوین وتواتر) باقی رہ گئے تو ان کی تقلید سواد اعظم کی اتباع ہے اور ان سے نکلنا سواد اعظم سے نکلنا ہے۔ اس سے اس جھوٹ کی بھی قلعی کھل گئی کہ ائمہ اربعہؒ سے پہلے صرف ایک ہی اجتہادی مذہب تھا، انہوں نے ایک کے چار کردیئے بلکہ سچ یہ ہے کہ ہزاروں مٹ کر چار میں سما گئے۔

شعرانیؒ کا کشف لاثانی:

امام شعرانی فرماتے ہیں ''جب باری تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ مجھے

شریعت کے سرچشمہ پر آ گاہ کر دیا تو میں نے تمام مذاہب کو دیکھا کہ وہ سب اسی چشمہ سے متصل ہیں اور ان تمام میں سے ائمہ اربعہ علیہم الرحمہ کے مذاہب کی نہریں خوب جاری ہیں اور جو مذاہب ختم ہو چکے، وہ خشک ہو کر پتھر بن گئے ہیں اور ائمہ اربعہؒ میں سے سب سے لمبی نہر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ رحمتہ اللہ علیہ کی دیکھی، پھر اس کے قریب امام احمد بن حنبلؒ کی اور سب سے چھوٹی نہر امام داؤد علیہ الرحمتہ کے مذہب کی پائی جو پانچویں قرن میں ختم ہو چکا ہے، تو اس کی وجہ میں نے یہ سمجھی کہ ائمہ اربعہؒ کے مذاہب پر عمل کرنے کا زمانہ طویل رہا اور حضرت امام داؤد علیہ الرحمتہ کے مذہب پر تھوڑے دن عمل رہا۔ پس جس طرح امام اعظمؒ کے مذہب کی بنیاد تمام مذاہب مدونہ سے پہلے قائم ہوئی ہے، اسی طرح وہ سب سے آخر میں ختم ہوگا، یہی اہل کشف کا مقولہ ہے۔ (میزان شعرانی اردو ص ۱۰۷)

(مزید تفصیل حضرت کے مضمون امام شعرانی اور تقلید میں پڑھیں، مرتب)

تاریخی حقیقت:

مؤرخ اسلام علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں: ’’سب شہروں میں انہی چار اماموں کی تقلید قائم ہوگئی اور ان کے علاوہ جو امام تھے ان کے مقلدین ناپید ہو گئے (اس لئے ان کے مذاہب مٹ گئے) اور لوگوں نے ان (چار مذاہب) سے اختلاف کے راستے بند کر دیئے اور چونکہ علمی اصطلاحات مختلف ہوگئیں اور لوگ رتبہ اجتہاد تک پہنچنے سے باز رہ گئے (یعنی مجتہد بننے کی صلاحیت ختم ہوگئی) اور اس امر کا خوف پیدا ہوا کہ اجتہاد ایسے شخص کی طرف مستند نہ ہو جائے جو اس کا اہل نہ ہو (جیسا کہ آج کل ہر غیر مقلد مجتہد بننے کی کوشش میں ہے) یا اس کی رائے اور دین قابل وثوق نہ ہو۔ لہٰذا علماء زمانہ نے اجتہاد سے اپنا عجز ظاہر کر دیا اور اس کے دشوار ہونے کی تصریح کر دی اور انہی مجتہدین کی تقلید کے لئے جن کے لوگ مقلد ہو رہے تھے، لوگوں کو ہدایت کرنے لگے اور چونکہ تداولِ تقلید میں تلاعب ہے (یعنی کبھی کسی کی تقلید کر لی کبھی کسی کی یہ دین نہیں، کھیل ہے) لہٰذا کبھی ان کی اور کبھی ان کی تقلید کرنے سے لوگوں کو منع کرنے لگے اور صرف نقلِ مذاہب باقی رہ گئی اور بعد صحیح اصول واتصال سند بالروایہ ہر مقلد اپنے مجتہد کی تقلید کرنے لگا اور فقہ سے آج بجز اس امر کے کچھ

اور مطلب نہیں اور فی زمانہ مدعیٔ اجتہاد مردود اور اس کی تقلید مہجور ہے اور اہل اسلام انہی ائمہ اربعہؒ کی تقلید پر قائم ہو گئے ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون)

ہمارا غیر مقلدین سے مطالبہ:

جس طرح ہم نے مستند تاریخی حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ مذاہب اربعہ سے پہلے بہت سے مذاہب تھے جو مٹ گئے۔ مذاہب اربعہ نے اختلاف مذاہب کو کم کیا ہے نہ کہ بڑھایا ہے، غیر مقلدین صرف اور صرف ایک مستند حوالہ پیش کریں کہ مذاہب اربعہ سے پہلے کوئی فروعی اختلاف نہ تھا، ان مذاہب نے ایک کو چار کیا ہے جو صبح قیامت تک وہ پیش نہیں کر سکتے، اس لئے انہیں چاہئے کہ اس جھوٹے پروپیگنڈے سے توبہ کریں۔

احکام:

میں نے تین قسم کے اختلاف کا ذکر کیا۔ دین سے اختلاف: تو دین سے نکلنے والے کو بے دین اور کافر کہتے ہیں، اہل سنت سے کٹنے والوں کو اہل بدعت کہتے ہیں اور مذاہب اربعہ سے نکلنے والے کو لا مذہب کہتے ہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود غیر مقلدین کو بھی ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مشہور عالم اور مؤرخ مولانا محمد شاہجہانپوری ۱۹۰۰ء میں اپنی کتاب ''الارشاد الیٰ سبیل الرشاد'' میں لکھتے ہیں: کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں، جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں۔ پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لا مذہب لیا جاتا ہے۔ (الارشاد ص ۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت پہلے دن سے ہی ان کو لا مذہب کہتے ہیں۔ حال ہی میں شام سے سعید رمضان صاحب کی جو کتاب ان کے خلاف چھپی ہے، اس کا نام بھی اللامذھبیہ ہے اور ہندوستان سے مولانا محمد ابوبکر غازی پوری نے جو کتاب عربی میں لکھی ہے اس کا نام بھی یہ ہے: ''وقفة مع اللا مذھبیه فی

شبہ القارۃ الھندیہ "۔اس سے معلوم ہوا کہ ان کے لامذہب ہونے پر علماء عرب و عجم کا اتفاق ہے، ہاں انہوں نے جو نام اہل حدیث رکھا یہ بالکل غلط تھا کیونکہ جس طرح ان کے بڑے بھائی اہل قرآن، قرآن سے نہیں دکھا سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منکرین سنت کو اہل قرآن کہا کرو، اسی طرح یہ چھوٹے بھائی بھی کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے کہ منکرین فقہ کو اہل حدیث کہا کرو۔ ہاں ایک حدیث پاک میں یہ تو ہے: (فقیہ واحد أشد علی الشیطان من ألف عابد) کہ ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔ اس حدیث پاک سے تو یہ معلوم ہوا کہ فقہ کا مخالف شیطان ہے۔ الغرض وہ اپنا نام ہی حدیث سے ثابت نہیں کر سکے اور نہ ہی قیامت تک ثابت کر سکتے ہیں کہ حدیث کی کوئی کتاب کسی لامذہب غیر مقلد نے لکھی ہو، اس مؤلف کا دعویٰ ہو کہ میں نہ مجتہد ہوں، نہ مقلد بلکہ غیر مقلد ہوں اور اس نے اپنی کتاب کا پہلا باب ائمہ مجتہدین کو ابلیس اور مجتہدین کے مقلدین کو مشرکین ثابت کرنے کے لئے باندھا ہو۔ اسی طرح محمدی ان کا خاص امتیاز نہیں، ۷۳ فرقوں میں سے ہر فرقہ محمدی ہے اور غیر مقلدین کے ہاں تو مرزائی بھی محمدی ہیں اور موحد یعنی اہل توحید بھی سب مسلمان ہیں۔

نواب صاحب کا اعتراف:

نواب صدیق حسن خان نے یہ اعتراف کیا کہ "یہ لوگ اپنے دین میں وہی آزادگی برتتے ہیں جس کا اشتہار بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا، خصوصاً دربار دہلی میں جو درباروں کا سردار ہے۔" (ترجمان وہابیہ ص۳۲) نیز لکھتے ہیں: "یہ آزادگی ہماری مذاہب جدیدہ (حنفی، شافعی وغیرہ، ناقل) سے عین مراد قانون انگلشیہ ہے۔" (ایضاً ص۲۰) کیسا واضح اعتراف ہے کہ مذہب سے آزاد ہو گئے ہیں یعنی لامذہب بن گئے ہیں اور اس لئے نہیں کہ لامذہب بننے کا حکم کہیں قرآن و حدیث میں ہے بلکہ یہ ملکہ وکٹوریہ کے اشتہار کی وجہ سے ہوا اور قانون انگریزی نے اس لامذہبی کو اپنی مراد بنایا۔

حکایت:

مولانا منصور علی صاحب فرماتے ہیں: ہم کو ایک نئے بگڑے ہوئے لامذہب

سے ملاقات کا اتفاق ہوا تو ہم نے پوچھا کہ آپ کا کونسا مذہب ہے۔ جواب دیا محمدی۔ ہم نے کہا سبحان اللہ! یہ تو سوال از آسمان جواب از ریسماں ہوا۔ ہم کو دین محمدی پوچھنا مقصود نہیں ہم تو مذہب پوچھتے ہیں اور دین و مذہب میں تو استعمالاً عام خاص کا بڑا فرق ہے۔ جب آپ نے ہمارے ساتھ مسجد میں نماز پڑھی اور ہمارے سلام کا اسلامی جواب دیا اور نام بھی اپنا مسلمانوں کا سا بتایا تو ہم کو آپ کا محمدی ہونا معلوم ہے، ہاں اگر ہمیں آپ کا اہل اسلام سے ہونا معلوم نہ ہوتا اور گمان ہوتا کہ شاید آپ یہودی یا عیسائی ہیں تو اس کے جواب میں آپ کا محمدی فرمانا صحیح ہوتا۔ (جو بات ہمیں پہلے سے معلوم تھی وہ ہمارے بغیر پوچھے ہمیں بتادی اور جو ہم معلوم کرنا چاہتے تھے وہ پوچھنے پر بھی نہ بتائی) پھر ہم نے پوچھا آپ نے کچھ علم معانی اور بیان پڑھا ہے تا کہ آپ کو بات سمجھنے سمجھانے کا کوئی سلیقہ ہو۔ جواب دیا یہ دینی علوم دینیہ نہیں بلکہ بدعت ہیں کیونکر پڑھتا۔ ہم نے کہا سچ ہے ہم کو آپ کے پہلے بے محل جواب ہی سے آپ کا مبلغ علم معلوم ہو گیا تھا۔ اب ان علوم کو بدعت کہنے سے مزید علم ہو گیا:

پہلے ہی سے نہ ان کی تھی کچھ قدر و منزلت
مضمونِ خط نے اور ڈبو دی رہی سہی

پھر کہا کہ مذہب پوچھنے سے آپ کا کیا مقصود ہے اور آپ کی کیا غرض ہے، ہم تو اہل حدیث سے ہیں، حدیث کے موافق ہم سے سوال کیجئے پھر جواب لیجئے۔ ہم نے کہا حدیث شریف سنئے کہ فرمایا آنحضرت ﷺ نے میری امت میں ۷۳ فرقے ہوں گے، ۷۲ ان میں دوزخی ہیں اور ایک جنتی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ جنتی فرقہ کون ہے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وہ فرقہ جس کا طریقہ میری سنت کے موافق اور میرے صحابہ کے چال چلن کے مطابق ہو اور وہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ ہم نے جو آپ سے پوچھا کہ آپ کا مذہب کیا ہے، تو ہمارا مطلب یہ تھا کہ آپ جبری، قدری وغیرہ دوزخی فرقوں میں سے ہیں یا حنفی شافعی وغیرہ جنتی فرقوں میں سے تا کہ حق اور باطل اور ناجی اور ناری میں فرق ہو جائے اور لفظ محمدی سے ہمارا مقصود حاصل نہیں ہوا کیونکہ ۷۳ فرقے سب محمدی ہیں۔ آپ کا محمدی ہونا تو ہمیں معلوم ہے، یہ معلوم نہیں کہ دوزخی محمدی ہیں یا جنتی محمدی، کیونکہ جماعت ناجی کے باتفاق علماء اہل

سنت چار مذہب ہیں، حنفی، شافعی حنبلی اور مالکی۔اب لامذہب صاحب سے کوئی جواب بن نہ آیا تو گھبرا کر بول اٹھے کہ ہم اور ہمارے سب باپ دادا حنفی المذھب تھے لیکن ہم نے ایک لامذہب کے بہکانے سے اپنا نام محمدی رکھا (جیسے مرزائیوں نے مرزا کے بہکانے سے اپنا نام احمدی رکھا) تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ ہم سے اس نے اس طرح پوچھا کہ تم کلمہ کس کا پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ کا۔کہا شاباش۔پھر پوچھا قبر میں منکر نکیر نبی کا نام پوچھیں گے تو کیا بتاؤ گے؟ ہم نے کہا: محمد رسول اللہ ﷺ۔کہا مرحبا۔ پھر پوچھا کہ قیامت کے دن تمھاری شفاعت کون کرے گا؟ ہم نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ۔کہا آفریں جزاک اللہ۔جب دنیا میں، برزخ میں اور آخرت میں جس نام سے تمہاری مخلصی اور نجات ہوگی، بڑاافسوس ہے کہ اس کو چھوڑ کر تم حنفی بن گئے؟ بندہ خدا محمدی بن جاؤ اور کوئی مذہب تم سے پوچھے تو یہی بتاؤ۔پس میں اس روز سے اپنے آپ کو محمدی کہنے لگا لیکن اس لطیف نکتہ کو نہ سمجھا کہ واقعی محمدی کے کہنے سے سوائے ایضاح واضح اور اعلام معلوم کے کچھ فائدہ نہیں اور نہ سائل کو اس جواب سے تسکین ہوسکتی ہے، بلکہ یہ جواب سوال کے منافی ہے۔اب میں خوب سمجھ گیا کہ حنفی ہرگز محمدی کے منافی نہیں بلکہ حنفی محمدی ہی ہے (جیسے پنجابی پاکستان کے خلاف نہیں بلکہ پنجابی پاکستانی ہی ہے) بخلاف اس کے کہ محمدی کہنے میں قباحت اشتراک فرق باطلہ (۷۲ دوزخی فرقوں) سے ہونے کا امتیاز فرقہ حقہ کا بھی پتہ نہیں لگتا۔(الفتح المبین ص ۳۷۱) اس کتاب پر عرب وعجم کے ۴۶۶ علماء کی مہریں ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلد کے لئے لامذہب کا لفظ عرب وعجم کے علماء کا رجسٹرڈ ہے۔

مادر پدر آزاد:

غیر مقلدین کے امام جناب مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی فرماتے ہیں: ''کیا ہمارے حنفی بھائی ہم اہل حدیثوں کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں اور عوام کو تعلیم کرتے ہیں کہ باوجود رسول اللہ ﷺ کی حدیث یا اقوال صحابہؓ کے نہ ملنے کے اور خود بھی کتب متداولہ مشہورہ میں علمی قابلیت نہ رکھنے کے اقوال ائمہ کو معاذ اللہ ٹھکرا دیا کریں اور مادر پدر آزاد ہوکر جو چاہیں سو کیا کریں، اگر ان کا یہی خیال ہے تو

ہم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمارا مسلک سمجھنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا۔" (تاریخ اہل حدیث ص۱۲۴) یہاں مولانا نے ائمہ کے اقوال کو ٹھکرانے والوں کو مادر پدر آزاد فرمایا ہے۔

شتر بے مہار:

غیر مقلدین کے امیر جماعت مولانا داؤد غزنوی فرماتے ہیں: "اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہم تقلید سے مطلقاً انکار کرتے ہیں اور عوام کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ تفسیر، حدیث اور فقہ سے بے بہرہ ہونے کے باوجود ائمہ کرام کے اقوال کو ٹھکرا دیا کریں اور بے زمام و بے مہار ہو جایا کریں تو وہ صریحاً غلط فہمی میں مبتلا ہے۔" (داؤد غزنوی ص۳۷۳) مولانا غزنوی نے ائمہ کے اقوال ٹھکرانے والوں کو گویا شتر بے مہار فرمایا ہے۔ ہمارا کام تو یہ ہے کہ آپ کو بتا دیا جائے کہ تقلید سے نکلنے والوں کو علماء عرب وعجم لامذہب، مولانا سیالکوٹی مادر پدر آزاد اور مولانا غزنوی شتر بے مہار فرماتے ہیں۔ اب آپ کی اپنی پسند ہے کہ تینوں نام قبول فرمالیں یا کسی ایک نام کو پسند فرمالیں: ؎ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

مذاہب اربعہ:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت ان چار ہی مذاہب میں منحصر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں: **وليس مذهب في هذه الزمن المتأخرة الا هذه المذاهب الأربعة اللهم الا مذهب الإمامية والزيدية وأهل البدعة.** (عقد الجید ص ۳۷) ان آخری زمانوں میں ان چار مذاہب کے علاوہ کوئی بھی مذہب حق نہیں، ہاں مگر امامیہ اور زیدیہ اور وہ اہل بدعت ہیں۔ گزشتہ سطور میں گزرا کہ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو ان چار مذاہب سے نکل گیا وہ سواد اعظم اہل سنت والجماعت سے نکل گیا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو سواد اعظم سے الگ ہو گیا وہ دوزخی ہے اسی لئے امام طحاویؒ شرح درمختار میں فرماتے ہیں: **من كان خارجاً عن هذه المذاهب الأربعة فهو من أهل البدعة والنار.** جو ان چار مذہب سے نکل گیا وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔

آخری بات:

حضرت ابن شیرِ خدا مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ چاند پوری سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں: آج کل کے بعض اہل حدیث جو تقلید ائمہ کو شرک وبدعت قرار دیتے ہیں اور ائمہ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور فقہ کو شرک اور مقلدین کو مشرک اور ﴿اتَّخذوُا أحبارَهُم ورهُباَ نهُم أرباَبًامّن دُونِ الله﴾ کا مصداق بتاتے ہیں ایسے لوگوں کو ہم گمراہ اور بددین اور اہل سنت والجماعت سے خارج اور جن کے بعض عقائد کفر کی حد تک پہنچ گئے ہیں ان کو کافر سمجھتے ہیں جب کہ وہ کسی ضروری دین کا انکار کریں۔(تحقیق الکفر والإیمان ص ۴۸) آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جماعت ناجیہ اہل سنت والجماعت کے ساتھ وابستہ رکھے، آمین۔

جرح وتعدیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادران اسلام! یہ بات بلا شک حق ہے کہ دین اسلام حق اور کامل ہے۔ نبی معصوم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی تکمیل کا اعلان فرمایا۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور آنحضرت ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر استقامت اور اس کی اشاعت کی توفیق نصیب فرمائیں۔

واسطہ امت:

یہ بات بھی یقینی ہے کہ دین برحق اور کامل، نبی اقدس ﷺ سے ہم تک بواسطہ امت ہی پہنچا۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ امت کا کوئی فرد بھی معصوم نہیں البتہ فرمان رسول معصوم ﷺ کے مطابق آپ ﷺ کی امت کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے، اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ نبی معصوم ﷺ کے دین کا جو حصہ اجماعِ معصوم کے واسطہ سے ہم تک پہنچا وہ نہایت یقینی اور حجت قاطعہ ہے، اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیونکہ معصوم نبی کا طریقہ معصوم ہی واسطہ سے امت تک پہنچ گیا، ایسے مسائل کو متواتر کہتے ہیں۔

اقسام تواتر:

اس تواتر کی علماء چار قسمیں بیان فرماتے ہیں:

(۱) تواتر طبقہ:

دین کا وہ حصہ جو عوام وخاص کے تواتر سے ہم تک پہنچا ہو جیسے قرآن پاک کا تواتر کہ ساری دنیا کے عوام وخاص مسلمان اسی قرآن کی تلاوت کرتے آرہے ہیں۔ یہ سینہ اور سفینہ میں متواتر ہے۔اسی طرح آنحضرت ﷺ کا دعویٰ نبوت، آپ ﷺ کا خاتم النبیین بمعنی آخری نبی ہونا وغیرہ، ایسے عقائد کو ضروریات دین کہتے ہیں۔ان تمام ضروریات دین کو اسی مفہوم کے مطابق ماننا جس طرح پوری امت مانتی آرہی ہے ایمان ہے اور ان میں کسی ایک کا انکار یا تاویلِ باطل کفر ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ میں پانچ نمازوں کو فرض نہیں مانتا وہ کافر ہے اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ میں نمازوں کو فرض تو مانتا ہوں مگر نماز سے مراد وہ نماز نہیں ہے جو سب مسلمان پڑھتے ہیں بلکہ نماز سے صرف اللہ کو دل میں یاد کرنا مراد ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ جس طرح قرآن پاک کی اس آیت کا انکار کفر ہے جس میں اللہ، رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہے اسی طرح اس آیت کی یہ باطل تاویل کہ اللہ ورسول ﷺ سے مراد مرکزِ ملت یا مرکزی حکومت ہے اور اولی الامر سے مراد افسران ماتحت ہیں بھی کفر ہے۔ ساری امت خاتم النبیین کا معنی آخری نبی کرتی آرہی ہے لیکن مرزا قادیانی نے اس کا معنی نبی تراش کرلیا کہ آپ کے پاس مہر نبوت تھی جس کو چاہتے مہر لگا کر نبی بنا سکتے تھے۔ جس طرح آیت خاتم النبیین کا انکار کفر ہے اسی طرح مرزا کی یہ تاویلِ باطل بھی کفر ہے اور پرویز کی یہ تاویل باطل کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ تصورات کے ذریعے رونما ہوا کرے گا اور انسانی معاشرے کی باگ دوڑ اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی (سلیم کے نام ص ۲۵۰ پرویز) یہ مراد بھی یقیناً کفر ہے۔ جس طرح رسول ﷺ پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت بھی ضروریات دین میں سے ہے، جس طرح یہ کہنا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ ﷺ پر ایمان ضروری نہیں یہ کفر ہے اسی طرح یہ کہنا کہ آپ ﷺ

کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی اطاعت فرض نہیں اس کے کفر ہونے میں بھی کوئی شک نہیں اوراس سے بڑھ کر کفر یہ ہے کہ آپ کے وصال کے بعد اب رسول سے مراد مرکزی حکومت ہے، اس لئے مرکزی حکومت کی اطاعت تو فرض ہے مگر آنحضرت ﷺ کی اطاعت فرض نہیں رہی۔ آپ کی معاذ اللہ نہ حیثیتِ رسالت باقی رہی اور نہ ہی حیثیتِ امارت۔ مرکزی حکومت کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے حکم کے سامنے آپ ﷺ کے احکامِ رسالت اور احکامِ امارت سب ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہیں۔ یاد رہے پرویز کی یہ تقسیم بھی کفر ہے کہ آپ حیاتِ پاک میں بھی کسی وقت رسول ہوتے تھے، کسی وقت امیر اور کسی وقت نہ رسول نہ امیر۔ مثلاً جب آپ قرآن پاک کی یہ آیت سناتے أقیمو ا الصلوۃ تو آپ رسول ہوتے اور جب آپ نماز کا حکم نافذ فرماتے تو آپ امیر ہوتے اور جب آپ نماز ادا فرماتے تو اس وقت نہ رسول ہوتے اور نہ ہی امیر۔ جس طرح نماز کا انکار کفر ہے اسی طرح نماز کے بارے میں پرویز کا یہ عقیدہ رکھنا کہ اگر جانشین رسول (مرکزی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہے (قرآنی فیصلہ ص ۱۵ پرویز) یعنی پانچ نمازوں کی صراحت قرآن میں نہیں ہے ان کو دو یا ایک کرنے کا حکومت کو اختیار ہے، رکعات نماز کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے، ان میں ردوبدل کا اختیار حکومت کو ہے۔ جب ہر زمانے اور ہر ملک کی حکومت کو یہ اختیار ہے تو ہر زمانے کا اسلام الگ الگ بلکہ ایک ہی زمانے میں ہر ملک کا اسلام الگ الگ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کفریات سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے جو پوری ڈھٹائی سے طلوع اسلام کے نام سے پھیلائے جا رہے ہیں۔

نوٹ: پرویز جس مرکزی حکومت کی اطاعت کو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت قرار دیتا ہے اس کی کوئی مثبت تعریف تو وہ نہیں کر سکا البتہ منفی پہلو بیان کئے ہیں کہ اس میں نہ فرعون ہو، نہ ہامان ہو، نہ قارون اور پھر فرعون سے مراد ملوکیت، قارون سے مراد سرمایہ داری اور ہامان سے مراد مذہبی پیشوائیت لیتا ہے (قیام پاکستان اور اقبال ص ۸،۹)

یعنی اس حکومت کی شرط یہ ہے کہ علماء کرام اور صوفیاء عظام سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے ان کو کچلنے والی ہو بلکہ یوں کہو کہ اس میں لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بجائے کلمہ اسلام یوں ہوگا لا الہ الا اللہ مرکز ملت رسول اللہ۔ جب رسول کی ہی ضرورت باقی نہ رہی تو مذہبی پیشواؤں کی کیا ضرورت جو اسلام کو اسلام کہیں وہاں تو پرویز کی ضرورت ہوگی جو کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر ثابت کر دکھائے۔

تواتر خاص:

پہلا تواتر تو ایسا عام تھا کہ اس میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے سب فرقے شریک تھے بلکہ وہ کافر جو مسلمانوں میں آباد تھے وہ ہر زمانے میں جانتے رہے ہیں کہ مسلمان قرآن پاک کو آخری کتاب، حضور پاک ﷺ کو آخری نبی اور دن رات میں پانچ نمازوں کو فرض جانتے ہیں، سال میں ماہ رمضان کے روزے، مال دار کو چالیس فیصد زکوۃ اور صاحب استطاعت کے لئے زندگی میں ایک دفعہ حج فرض ہے، اس کے لئے کچھ متواترات وہ ہیں جو دائرۂ اہلِ السنّت والجماعت میں ہیں۔

(۲) تواتر تعامل:

وہ روزمرہ کے عملی مسائل جو آنحضرت ﷺ سے لے کر آج تک اہلِ السنّت و الجماعت میں عملاً متواتر چلے آرہے ہیں مثلاً وضو کا طریقہ، نماز کا یہ خاص طریقہ، دوا، علاج، تعویذات، میت کا غسل، کفن، دفن، قبور پر سلام کہنا، توسل اور تقلید وغیرہ اس کو تواتر فقہاء بھی کہتے ہیں۔

(۳) تواتر اسنادی:

وہ احادیث جن کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے والے کو عقل سلیم محال جانے اس کو تواتر محدثین بھی کہتے ہیں جیسے آنحضرت

ﷺ کا یہ فرمان کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالیا وغیرہ۔

تواتر معنوی یا تواتر قدر مشترک:

اگر چہ الگ الگ احادیث آحاد ہوں مگر ان میں قدر مشترک ایک یقینی بات نکل آئے جیسے پہلی تکبیر کی رفع یدین، حیات مسیح، اکثر معجزات، کرامات، معراج، اعادۂ روح فی القبر، سوال و جواب قبر، عذاب وثواب قبر، زیارت قبور، حیات انبیاء علیہم السلام فی القبور وغیرہ ان مسائل کو ضروریات اہل السنّت کہتے ہیں۔ ان مسائل کو اسی مفہوم کے مطابق ماننا جس طرح اہل السنّت مانتے ہیں فرقہ ناجیہ اہل السنّت کے لئے ضروری ہے۔ اور ان میں سے کسی کا انکار باطل تاویل کرنے سے انسان اہل السنّت سے نکل کر اہلِ بدعت میں شریک ہو جاتا ہے۔ یہ مسائل جو کسی قسم کے تواتر سے ثابت ہیں ان کی مثال سورج کی سی ہے اور جو مسائل شہرت سے ثابت ہیں کہ زمانہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اگر چہ آحاد ہوں مگر زمانہ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں شہرت کو پہنچ گئے ان کی مثال چودھویں رات کے چاند کی سی ہے، نہ سورج گواہی کا محتاج ہے، نہ بدر کامل اس لئے یہ مسائل سند کے محتاج نہیں ہوتے اور فنِ جرح وتعدیل کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مسائل تیسرا حصہ:

ثبوت کے اعتبار سے کچھ عقائد ضروریات دین کے درجہ میں ثابت ہیں جن میں سے کسی ایک کے انکار یا باطل تاویل سے انسان دین سے ہی نکل جاتا ہے۔ کچھ عقائد و اعمال ضروریات اہل السنّت والجماعت کے درجہ میں ہیں جن کی آسان پہچان یہ ہے کہ ان پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہو۔ جس طرح قرأت قرآن میں ساتوں قاریوں کا اتفاق صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق پر اور ساتوں قاریوں کا اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف پر دلالت کرتا ہے اسی طرح فروعی مسائل میں ائمہ اربعہ کا اتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتفاق پر دال ہے اور ائمہ اربعہؒ کا اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف پر، ہاں بعض عملی مسائل جو کبھی کبھار پیش آتے

ہیں ان کا ثبوت اخبار آحاد سے ہے ان مسائل کا حال پہلی رات کے چاند کا سا ہے کسی ملک میں سب کو نظر آیا، کسی علاقے میں کسی کو بھی نظر نہ آیا اور کسی علاقے میں صرف ایک دو کو نظر آیا۔ جس علاقہ میں سب کو نظر آ گیا وہاں گواہوں کی تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہاں ایک دو کو نظر آیا تو ان گواہوں کی توثیق وتعدیل دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ عادل نکلے تو چاند کا ثبوت ہو جائے گا اور اگر وہ عادل نہ نکلے تو چاند کا ثبوت نہیں ہوگا۔

جرح وتعدیل کا مرجع:

امام بیہقیؒ نے اس بات پر باب باندھا ہے کہ معرفت و پہچان میں کن کی طرف رجوع کیا جائے اور اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث لائے ہیں کہ ایک مرد نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کیسے جانوں کہ میں اچھائی کر رہا ہو یا برائی۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو سنے کہ تیرے ہمسائے کہتے ہیں کہ تو اچھا کر رہا ہے تو تو نے اچھا کیا اور جب تو سنے کہ تیرے ہمسائے کہتے ہیں کہ تو نے برا کیا تو تو نے برا کیا۔ (سنن کبریٰ ص ۱۲۵ ار ج ۱۰) یہ ایک فطری اصول بھی ہے کہ کسی آدمی کے بارے میں صحیح اور جچی تلی رائے وہی لوگ دے سکتے ہیں جو اس کے شب و روز سے واقف ہوں اور اسکی سوسائٹی کو جانتے ہوں اس سے معلوم ہوا کہ اخبار آحاد کے راویوں کے بارے میں ان کے ہم عصر اور ہم علاقہ فقہاء اور محدثین کی رائے ہی صحیح سمجھی جائے گی۔ خیر القرون میں اسی پر عمل تھا موطا امام مالک کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام مالک صرف خبر واحد کے راویوں کو ہی نہیں دیکھتے تھے بلکہ فقہاء اہلِ مدینہ کے تعامل کو ساتھ ملا کر خبر واحد کے رد یا قبول کا فیصلہ فرماتے تھے۔ جس طرح امام مالک تعامل اہلِ مدینہ کا اسی لئے جا بجا ذکر فرماتے ہیں، اسی طرح موطا امام محمد کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اخبار آحاد کے رد و قبول میں فقہاء کوفہ کے تعامل کا ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

کھڑا تھا کہ ایک آدمی ہمارے پاس سے گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پوچھا عبداللہ تم اس آدمی کو پہچانتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ، آپ ﷺ نے پوچھا اس آدمی کا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھا اس کا مکان کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت میں نہیں جانتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر تمہیں اس کی کوئی جان پہچان نہیں (بیہقی ص ۱۲۵ رج ۱۰) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی شہادت کے لئے پیش ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ کسی ایسے آدمی کو لاؤ جو تمہیں پہچانتا ہو۔ تو ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں اسے پہچانتا ہوں۔ پوچھا کیسے پہچانتے ہو؟ عرض کیا کہ اس کی عدالت اور بزرگی کو پہچانتا ہوں۔ پوچھا کیا وہ تیرا قریبی ہمسایہ ہے کہ تو اس کے رات دن اور اس کے مدخل اور مخرج کو پہچانتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا تو نے کبھی اس کے ساتھ درہم و دینار کا لین دین کیا ہے جس سے تو اس کی نیکی کو پہچان گیا؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا یہ کسی سفر میں تیرا رفیق رہا ہے جس سے تجھے اس کے اچھے اخلاق کا علم ہوا ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر تو اس کو نہیں پہچانتا (بیہقی ص ۱۲۵ رج ۱۰) ان روایات سے بھی یہی ثابت ہوا کہ جرح و تعدیل ان لوگوں کی قبول ہوگی جو اس راوی کے ہمسائے ہوں۔ اس کے دن رات سے واقف ہوں، اس سے لین دین رکھتے ہوں، اس کے سفروں میں رفیق بنتے ہوں۔ اس لئے اہلِ مکہ کے لئے اہلِ مکہ کے علماء کی رائے قابل قبول ہوگی تو اہلِ مدینہ کے لئے اہلِ مدینہ کے علماء کی، اہلِ کوفہ کے لئے اہلِ کوفہ کے فقہاء کی۔ اسی لئے سید امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی اصول تھا۔ امام حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ناسخ اور منسوخ کی بہت زبردست تحقیق فرماتے تھے۔ جب حدیث نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل فرماتے۔ امام صاحبؒ اہلِ کوفہ کی حدیث اور اہلِ کوفہ کی فقہ کو خوب پہچانتے تھے اور (حدیث اور فقہ کے بارے میں) اپنے شہر کے اہلِ فن لوگوں کی سختی سے اتباع کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح کتاب اللہ میں ناسخ منسوخ ہے اسی طرح حدیث رسول اللہ میں بھی ناسخ منسوخ ہے اور آنحضرت ﷺ کے آخری دور کے افعال مبارکہ جن پر آپ کا وصال ہوا ان کے خوب حافظ تھے جو

آپ کو اپنے شہر کے (اہل علم کے) ذریعہ پہنچے تھے (مناقب صیمری ص ۱۱) معلوم ہوا کہ امام اعظم ہر فن میں اپنے شہر کے اہلِ فن کی اجماعی رائے کا بہت احترام فرماتے اور پوری کوشش سے اسی کی اتباع فرماتے۔

امام یحییٰ بن ضریس فرماتے ہیں کہ میں امام سفیان ثوری کے پاس تھا کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے امام سفیان سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟ امام سفیان نے پوچھا کہ ان کے بارے میں تو کیا جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ میں پہلے مسئلہ کتاب اللہ سے لیتا ہوں اور جو نہ ملے وہ سنت رسول اللہ ﷺ سے لیتا ہوں بشرطیکہ وہ صحیح ہو اور پوری تحقیق کے ساتھ ثقات در ثقات کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہو اور اگر سنت میں بھی نہ ملے تو میں صحابہ کرام ؓ کے قول کو اختیار کرتا ہوں، ہاں جب معاملہ امام ابراہیم نخعیؒ، امام شعبیؒ، امام حسن بصریؒ اور امام عطاءؒ تک پہنچ جائے تو میں خود اجتہاد کرتا ہوں جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔

جامعیت:

اپنے علاقے کے تعامل پر حدیث کے رد وقبول کا مدار رکھنا اس کو تلقی بالقبول کہتے ہیں۔ فقہاء کے ہاں اکثر مدار اسی پر ہوتا ہے اور سند پر صحت وضعف کا مدار رکھنا محدثین کا انداز ہے، سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ جس طرح فقہ کے مسلّم امام تھے اسی طرح حدیث کے بھی مسلّم امام تھے اس جامعیت کی وجہ سے وہ دونوں باتوں کے جامع تھے۔ وہ سند کی صحت کے ساتھ تلقی بالقبول کا بھی پورا خیال رکھتے تھے، یہی حال قاضی ابویوسفؒ، امام محمدؒ اور امام مالکؒ کا تھا۔ صاحب نورالانوار فرماتے ہیں: ''مذکورہ بالا خبریں اگرچہ آحاد ہیں لیکن چونکہ امت نے ان کو پوری خوش دلی سے قبول کرلیا ہے اس لئے مشہور کے درجے میں ہوگئی ہیں'' (ص ۲۵۹)

جرح:

راوی میں بنیادی طور پر دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے۔ ایک یہ کہ وہ عادل ہو، دوسرا یہ کہ وہ حافظ ہو اس لئے راوی جب ہی مجروح قرار پائے گا جب یہ ثابت کردیا جائے

کہ وہ عادل نہیں ہے فاسق ہے یا یہ کہ اس کا حافظہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے امام نسفیؒ فرماتے ہیں: ''اور ہمارے یہاں ائمہ حدیث کا طعن مبہم راوی کو مجروح نہیں کرتا (مثلاً اس طور پر کہے کہ یہ حدیث مجروح ہے یا یہ منکر ہے یا ان جیسے دوسرے لفظوں سے کہے لہٰذا اس حدیث پر عمل کیا جائے گا) مگر جب اس طعن کی تفسیر اس طرح کی جائے جو بالاتفاق جرح ہو (یعنی اس میں کوئی اختلاف کرنے والا نہیں ہے۔ اس طور پر کہ بعض کے نزدیک جرح ہو اور بعض کے نزدیک جرح نہ ہو) اور وہ ایسے شخص سے صادر ہو جو دین کی خیر خواہی میں مشغول ہو اور متعصب نہ ہو۔ چنانچہ ان امور ذیل سے طعن قبول نہ کیا جائے گا تدلیس سے، تلبیس سے، ارسال سے، چوپایہ دوڑانے سے، مزاح کرنے سے، کمسن ہونے سے، روایت کرنے کے عادی نہ ہونے سے اور مسائل فقہ کو کثرت سے بیان کرنے سے'' (ص ۲۷۶) یعنی ان وجوہات سے راوی یا حدیث ضعیف نہ ہوگی۔

اقسام رواۃ:

جس طرح پانی دو قسم پر ہے قلیل اور کثیر۔ قلیل پانی جو ایک بالٹی میں ہو وہ ایک قطرہ پیشاب گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے مگر کثیر پانی مثلاً دریا یا سمندر میں دس بالٹیاں بھی پیشاب کی ڈال دو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اسی طرح راوی دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کی امامت اور عدالت امت میں مسلّم ہے ان کی مثال سمندر کی سی ہے، ایسے راوی جرح مفسر سے بھی مجروح نہیں ہوتے کیونکہ ان کی شہرت کے مقابلہ میں یہ جرح شاذ ہے جیسے امام بخاری کو ان کے اساتذہ امام ابوزرعہ اور ابوحاتم نے متروک قرار دیا مگر ان کی مسلّمہ امامت کی وجہ سے جمہور نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اگرچہ مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے امام بخاری کی سند سے کوئی حدیث نہیں لی۔ دوسرے عام راوی ہیں ان کی مثال قلیل پانی کی ہے ان پر کوئی ایسا فسق ثابت کر دیا جائے جس کا گناہ ہونا امت میں متفق علیہ ہو تو اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائے گا یا یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس کا حافظہ اتنا کمزور تھا کہ وہ حدیث یاد نہیں رکھ

سکتا تھا تو بھی اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائے گا۔اسی طرح اسباب جرح بھی دو قسم کے ہیں متفق علیہ اور مختلف فیہ۔

اقسام جارحین:

بعض جارح متشدد ہوتے ہیں جو معمولی باتوں پر جرح کر دیتے ہیں۔بعض متعنت ہوتے ہیں جو مختلف فیہ اسباب سے بھی ایسی سخت جرحیں کر جاتے ہیں جو متفق علیہ اسباب پر ہوتی ہیں اور بعض معتدل ہوتے ہیں جو صرف متفق علیہ سببِ جرح ثابت ہونے پر ہی جرح کرتے ہیں اور بعض متعصب ہوتے ہیں جو اپنے مذہب والوں سے درگزر کرتے ہیں مگر مخالف مذہب والوں پر جرح میں بڑے دلیر ہوتے ہیں۔اس لئے جرح میں تین باتوں کا خاص خیال رکھا جائے گا۔

(۱) جس راوی پر جرح ہو رہی ہے وہ مشہور امام نہ ہو۔

(۲) سببِ جرح مفسر ثابت کرے اور وہ سبب متفق علیہ ہو۔

(۳) جارح ناصح ہو، نہ متشدد ہو، نہ متعنت ہو، نہ ہی متعصب ہو۔اب ائمہ جرح وتعدیل کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)..........امام اعظمؒ کوفی (۱۵۰ھ): آپ نہایت ناصح تھے، آپ سے ایک بھی جرح کا ایسا قول ثابت نہیں کیا جا سکتا جس میں تشدد، تعنت یا تعصب کی بو ہو۔

(۲)..........امام شعبہ بن الحجاجؒ بصری (۱۶۰ھ)

(۳)..........امام سفیان بن سعید ثوریؒ کوفی (۱۶۱ھ): ان میں شعبہ بہت متشدد تھے اور سفیان معتدل تھے اگرچہ ابتداء میں امام صاحب سے کچھ معاصرانہ چشمک رہی۔امام عبد اللہ بن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ کا اتفاق ہو جائے تو کون ان کے سامنے ٹھہر سکتا ہے (مناقب صیمری ص ۱۳۵) یاد رہے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے، ترک قرأت خلف الامام، آہستہ آمین اور تحریمہ کے بعد ترک رفع

یدین پر امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ دونوں کا اتفاق ہے۔

(۴)......... یحییٰ بن سعید القطانؒ بصری (۱۹۸ھ): علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ متعنت تھے (میزان الاعتدال ص ۱۷۱، ۲۵۲/ ج ۲)

(۵)......... امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ بصری (۱۹۸ھ): کبھی احادیث کو ضعیف کہہ دیتے۔ پھر فرماتے یہ راوی قیامت کو مجھ سے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس ہمارے ضعف کی کیا دلیل تھی تو میں کیا کہوں گا، پھر ان کو صحیح قرار دے دیتے۔ (فقہ اہلِ العراق ص ۸۶ بحوالہ قوت القلوب)

(۶)......... علی بن عبداللہ المدینیؒ بصری (۲۳۴ھ): امام سفیانؒ ان کو حیة الوادی کہتے تھے۔ مسئلہ خلق قرآن میں معتزلہ کا ساتھ دیا۔ کبھی سنی کہلاتے کبھی شیعہ۔ (میزان الاعتدال)

(۷)......... امام یحییٰ بن معینؒ بغدادی (۲۳۳ھ): انہوں نے دس لاکھ احادیث اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ اتنے بڑے محدث ہو کر بھی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے لیکن جرح میں بہت متشدد تھے۔ (الرفع والتکمیل ص ۱۸۷)

(۸)......... امام احمد بن حنبلؒ: مزاجاً معتدل تھے مگر فتنہ خلق قرآن کی آزمائش میں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر جن قاضیوں نے تشدد کیا وہ عقیدتاً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے اس لئے فطری طور پر آپ کا دل اہلِ کوفہ سے بہت رنجیدہ تھا اس لئے اہلِ کوفہ کے بارے میں وہ متشدد تھے اگرچہ آخر عمر میں یہ تشدد باقی نہ رہا مگر پہلے اقوال بھی کتابوں میں درج ہیں۔ اس کے باوجود اس حقیقت کا برملا اعتراف فرماتے ''کہ کسی مسئلے میں تین ائمہ کا اتفاق ہو جائے تو ان کے خلاف کسی کی بات نہیں سنی جائے گی۔ آپ سے پوچھا گیا وہ تین امام کون ہیں؟ فرمایا امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ۔ فرمایا امام ابوحنیفہؒ قیاس میں سب سے زیادہ بصیرت کے مالک تھے۔ امام ابو یوسفؒ اس زمانہ کے لوگوں میں حدیث میں سب سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے اور امام محمدؒ لغت عرب میں سب سے زیادہ اہلِ بصیرت تھے (التعلیق الممجد ص ۳۰)۔ بات بھی ظاہر ہے کہ جب ہر فن کے سپیشلسٹ موجود ہوں تو ان کی مخالفت کی تاب کون لا سکتا ہے۔

(۹)........الجوزجانی دمشقی (۲۵۹ھ): آپ خارجی تھے "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شدید مخالفت کرتے اور ان سے سخت منحرف تھے۔" (تذکرۃ الحفاظ) اس لئے جو راوی بھی فضائل اہلِ بیت رسول میں کچھ روایت کرتا ہے اسے رافضی شاتم کیا کچھ نہ کہہ جاتے تھے عبدالرزاقؒ اور ان جیسے بڑے محدثین کو شیعوں میں شمار کر ڈالتے تھے۔

(۱۰)..........امام محمد بن اسماعیل البخاری الشافعیؒ (۲۵۶ھ): آپ نے اسماء الرجال پر التاریخ الکبیر تحریر فرمائی۔ آپ کے استاذ حدیث امام ابو حاتم رازی اس پر مطمئن نہیں تھے انہوں نے خطاء البخاری فی تاریخہ کے نام سے اس کی سینکڑوں غلطیوں کی نشاندہی فرمائی، اس تاریخ میں امام بخاریؒ نے نعیم بن حماد کی روایت پر بہت اعتماد فرمایا جس کے بارے میں حافظ ابوبشر الدولابیؒ نقل کرتے ہیں کہ "سنت کی تقویت کے لئے جھوٹی حدیثیں گھڑتا تھا اور امام ابوحنیفہؒ کی عیب جوئی کے لئے جھوٹی حکایات گھڑتا تھا اور یہی بات اس کے بارے میں ابو الفتح نے کہی ہے (تہذیب التہذیب ص۴۶۲، ۴۶۳ ر ج ۱۰) اور الحافظ العباس بن مصعب اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ نعیم بن حماد نے احناف کے رد میں کئی کتابیں گھڑیں (میزان الاعتدال ص ۲۶۸، ج۴) اس تاریخ میں امام بخاریؒ نے جس [illegible] دوسرے راوی پر زیادہ اعتماد کیا ہے وہ عبداللہ بن زبیر حمیدی ہے جو احناف [illegible] بہت تعصب رکھتا تھا اور اس کا مبلغ علم بقول خود یہ تھا۔ حمیدی کہتا ہے کہ ہم اہل [illegible] رائے کے رد کا ارادہ کرتے لیکن ہمیں اس کا طریقہ نہ آتا تھا یہاں تک کہ [illegible] شافعی آئے اور ہمیں طریقہ بتایا (حلیۃ الاولیاء ص۹۶ ر ج [illegible]) اسی حمیدی کے [illegible] سطہ سے امام بخاری نے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں [illegible] حج کے مسائل نہ آتے تھے۔ اسی لئے شیخ کوثریؒ تانیب الخطیب ص۱۳۶ [illegible] حمیدی کے بارے میں فرماتے ہیں: "شدید التعصب وقاع" بہت متعصب اور الزام تراش تھا۔ تیسرا راوی جس پر خوب اعتماد کیا ہے وہ اسماعیل بن عرعرہ ہے اس کی تعدیل و توثیق کہیں نہیں ملتی۔ حمیدی اور نعیم بن حماد کی صحبت اور موضوع روایات کا فطری نتیجہ تھا کہ امام بخاریؒ میں بھی احناف کے خلاف تعصب تھا۔ بعض اوقات تو ایسی باتیں فرما

جاتے جو ان کے شایان شان نہ تھیں مثلاً تاریخ کی کتاب میں امام صاحب کے بارے میں یہاں تک تحریر فرما گئے کہ وہ خنزیر کو حلال سمجھتے تھے اور مسلمانوں کا قتل عام جائز قرار دیتے تھے۔ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں فرمایا ہے کہ ایسی باتیں امام بخاری کی عظمت سے بہت فروتر ہیں اور نعیم بن حماد کی ایسی روایات بھی نقل فرما گئے کہ اسلام میں ابوحنیفہ جیسا منحوس کوئی پیدا نہیں ہوا، حالانکہ مشاہدہ اور تاریخ گواہ ہے کہ تقریباً ہر زمانہ میں دوتہائی اہلِ اسلام امام ابو حنیفہؒ کے مقلد رہے ہیں اوران ہی کی رہنمائی میں کتاب وسنت پر عمل کرتے رہے ہیں۔

(۱۱)............العجلیؒ طرابلسی (۲۶۱ھ) فتنہ خلق قرآن میں مغرب کی طرف بھاگ گئے تھے جرح وتعدیل پران کی کتاب ہے۔

(۱۲)............امام ابوحاتم رازیؒ (۲۷۷ھ): حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۱ میں ان کو متعنت اور بذل الماعون ص ۱۷۹ پر ان کو متشدد لکھا ہے۔

(۱۳)............امام مسلم الشافعیؒ نیشاپوری (۲۶۱ھ): امام مسلم نے امام بخاری اور ابن المدینی کو مقدمہ مسلم میں بعض نے منتحلی الحدیث کہا ہے عموماً معتدل تھے۔

(۱۴)............امام ابوداوٗد حنبلیؒ بجستانی (۲۷۵ھ): جرح میں معتدل تھے، البتہ اپنے مذہب کی حمایت ایک فطری امر ہے، چونکہ اصحاب صحاح ستہ اور دیگر محدثین ائمہ اربعہ کے بعد ہوئے اس لئے جس امام کی طرف ان کا میلان ہوتا اس کی تائید ایک فطری امر تھا جس سے بچنا مشکل ہے۔

(۱۵)............امام ترمذی شافعیؒ (۲۷۹ھ): آپ کی کتاب میں حدیث پر جرح وتعدیل کے ساتھ ساتھ تعامل فقہاء کا بھی تذکرہ ہے، بہت سے مقامات پر اپنے استاد امام بخاری سے علمی اختلاف کرتے ہیں۔

(۱۶)............البزار الشافعی البصری (۲۹۷ھ): بہت بڑے حافظ حدیث تھے مگر کبھی غلطی بھی لگ جاتی جس سے انسان کا بچنا مشکل ہے۔

(۱۷)............امام نسائی شافعیؒ خراسانی (۳۰۷ھ): حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ رجال کے

بارے میں متعنت تھے (میزان الاعتدال ص ۴۳۷/ ج ۱)

(۱۸)..........الساجی الشافعی البصری (۳۰۷ھ): خود بھی مختلف فیہ تھے اکثر مجہول راویوں سے مناکیر روایت کرتے (فقہ اہلِ العراق ص ۸۷)

(۱۹)..........الطحاوی الحنفی المصری (۳۲۱ھ): نقد رجال میں بہت معتدل تھے، جامع بین الحدیث والفقہ تھے، ان کی کتابیں شرح معانی الآثار وغیرہ روایت و درایت کا مجمع البحرین ہیں۔

(۲۰)..........ابن ابی حاتم رازی شافعی (۳۲۷ھ): انہوں نے اپنی کتاب الجرح و التعدیل میں امام بخاری کو بھی متروک قرار دیا ہے۔

(۲۱)..........العقیلی المکی الحشویؒ (۳۲۲ھ): جرح میں بہت متشدد تھے، ذہبی نے میزان الاعتدال ص ۱۴/ ج ۳ پر ان کی خوب خبر لی ہے۔

(۲۲)..........ابن حبان خراسانی (۳۵۴ھ): یہ اپنوں سے متساہل اور مخالفین پر متشدد تھا، امام ذہبی کہیں تو فرماتے ہیں کہ تقعقع کعادتہ (میزان ص ۴۵/ ج ۳) کہیں فرماتے ہیں الخساف المتہور (میزان ص ۸/ ج ۴) اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ نبوت کسبی ہے اس لئے بعض لوگ اس کو زندیق کہتے ہیں، احناف کے خلاف سخت متعصب تھا۔

(۲۳)..........ابن عدی جرجانی الشافعی (۳۶۵ھ): یہ نہایت متعصب تھے، امام شافعی کے استاد ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰ الاسلمی کو سب محدثین نے ضعیف کہا ہے مگر ابن عدی سب کے اقوال کو نظر انداز کر کے کہتا ہے میں نے اس کی بہت احادیث دیکھیں جن میں ایک بھی منکر نہ تھی لیکن امام محمد جن کی کتابیں پڑھ کر ابن عدی امام بنا، اسی کے خلاف زبان درازی خوب کی اور امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھا کہ تین سو احادیث میں امام ابوحنیفہ نے خطاء کی ہے حالانکہ ان میں راوی ابا بن جعفر النجیرمی ہے جو ابن عدی کا استاد ہے یہ سب خطاء اس کی ہے لیکن ابن عدی نے اپنے استاد کی غلطیاں امام صاحب کے سر ڈال کر ان کو کثیر الخطاء بنا ڈالا۔ (میزان)

(۲۴)..........السلیمانی الشافعی بیکندی (۴۰۴ھ): بہت متعصب تھے، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بڑے بڑے سنی محدثین کو شیعہ قرار دے دیا ہے۔ (میزان ص ۵۸۸/ ج ۲)

(۲۵) ازدی الشافعی بغدادی (۳۷۴ھ): خود ضعیف تھے، بلاوجہ محدثین پر جرح کرتے ذہبی نے ان کو مسرف فی الجرح لکھا ہے (میزان ص ۵/ ج ۱)

(۲۶)..........حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) غالی شیعہ تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہت منحرف تھے، بخاری مسلم پر استدراک لکھا، کئی موضوعات بھی اس میں بھر دیں۔

(۲۷)..........دار قطنی (۳۸۵ھ): متعصب شافعی تھے، امام صاحب کو ضعیف کہہ ڈالا ان کے شیعہ ہونے میں اختلاف ہے۔

(۲۸)..........بیہقی الشافعی خراسانی (۴۵۸ھ): حاکم کی زبان تھے، احناف سے بہت تعصب رکھتے تھے، حنفیت امام طحاوی کے رد کے شوق میں سنن میں ہر قسم کی صحیح حسن اور ضعیف روایات بھر دیں اور شافعیوں کو باور کرایا کہ میں نے حنفیت کا خوب رد کیا ہے لیکن المار دینی الحنفی (۷۴۹ھ) نے الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی لکھ کر اس کی پوری حقیقت واضح فرمادی۔ تقریباً سات صدیاں گزر چکی ہیں کوئی شافعی اس کا رد نہیں لکھ سکا۔

(۲۹)..........خطیب بغدادی الشافعی (۴۶۳ھ): محمد بن طاہر مقدسی فرماتے ہیں کہ مشہور محدث اسمٰعیل بن الفضل فرمایا کرتے تھے کہ تین حفاظ حدیث ایسے ہیں جن سے مجھے کوئی محبت نہیں کیونکہ وہ بہت ہی متعصب ہیں اور ان میں انصاف بہت کم ہے، حاکم ابوعبداللہ، ابونعیم الاصفہانی اور خطیب، مقدسی فرماتے ہیں کہ انہوں نے بالکل بجا فرمایا (المنتظم لابن الجوزی ص ۲۶۹/ ج ۸)

(۳۰)..........ابن حزم ظاہری قرطبی (۴۵۶ھ): یہ ناصبی تھے زبان درازی میں حجاج کی تلوار کی مثال تھے انہوں نے نہ جامع ترمذی دیکھی نہ ابن ماجہ بلکہ امام ترمذی کو مجہول قرار دے دیا، فقہاء کے خلاف بہت تعصب رکھتے تھے۔

(۳۱)..........الجوزقانی (۵۴۲ھ) آپ نے ایک کتاب الاباطیل لکھی جس میں کچھ

اوہام بھی ہیں طبیعت میں تشدد اور تعصب تھا۔

(۳۲)............ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ): آپ نے ضخیم کتاب تاریخ دمشق تحریر فرمائی جس میں رطب ویابس سب جمع کر دیا۔

(۳۳)............ابن الجوزی حنبلی بغدادی (۵۹۷ھ): جرح میں بہت متشدد تھے، بخاری مسلم تک کی احادیث کو موضوعات میں شامل کر دیا، علامہ سیوطی نے اس پر تعقبات لکھے۔

(۳۴)............الحازمی الشافعی ہمدانی (۵۸۴ھ): آپ نے وجوہ ترجیح پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی لیکن ان وجوہ ترجیح میں کہیں نہ فرمایا کہ بخاری ومسلم یعنی صحیحین کی حدیث کو دوسری کتابوں کی احادیث پر ترجیح ہوگی۔ اسلام کی پہلی چھ صدیوں میں اس کا نشان تک نہیں ملتا۔ (یعنی پہلی چھ صدیوں میں کہیں اس جملہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح للبخاری" کا نام ونشان تک نہ تھا۔ بلکہ یہ بعد کی پیداوار ہے۔ اور حقیقت یہ حکم اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا مالک اور بروایت امام محمد موطا محمدؒ ہے (مرتب)

(۳۵)............امام ابن الصلاح شہرزوری الشافعی: اس نے سب سے پہلے یہ دعویٰ کیا کہ بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اور بخاری مسلم کی احادیث بحیثیت سند دوسری کتابوں پر مقدم ہیں مگر اس بات کو خود ابن کثیر الشافعی نے بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا اور نہ احناف نے اپنی اصول کی کتابوں میں اس کا ذکر کیا بلکہ شیخ ابن الھمام نے صاف صاف اس کا رد فرمایا امام ابن الصلاح نے اس بات کا مدار اس پر رکھا کہ خاص محدثین کے طبقہ میں بخاری شریف کو تلقی بالقبول کا شرف نصیب ہو گیا ہے اس لئے اس کا مقام بلند ہے، اس کے ساتھ امام ابن الصلاح نے یہ بھی فرمایا کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب کو عوام وخاص سب میں تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہے اس لئے ان میں سے کسی ایک کی تقلید تو واجب ہے اور ان چاروں کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں کیونکہ ان چار کے علاوہ کسی مجتہد کے اصول فقہ اور فروع نہ مکمل طور پر مرتب ہیں اور نہ ہی درساً اور عملاً متواتر ہیں، غیر مقلدین کی یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ امام ابن الصلاح کی جس بات کی محققین نے تردید کر دی اس کو توحی آسمانی سے بڑھ کر قبول

کرلیااوران کی جس بات کوسب محققین نے قبول کرلیا یعنی وجوب تقلید شخصی اس کو کفر شرک تک قرار دے ڈالا یہی نفس پرستی کی انتہاء ہے۔

(۳۶)......... محمد بن طاہر مقدسی ظاہری (۵۰۷ھ): انہوں نے سب سے پہلے شروط الائمة الستة لکھی اور یہ امت میں پہلی دفعہ لفظ ستہ سے متعارف ہوئی لیکن ان کے شاگرد حازمی نے ستہ میں ان سے اتفاق نہ کیا اور شروط الائمة الخمسة لکھ ڈالی۔ امام نووی الشافعی حورانی (۶۷۶ھ) نے بھی اصول میں خمسہ کے ہی تراجم لکھے۔

(۳۷)......... عبدالغنی المقدسی الحنبلی (۶۰۰ھ): آپ نے کتب ستہ کے رجال پر پہلی کتاب مرتب فرمائی جس کا نام الکمال فی اسماء الرجال رکھا، یہ کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی، یہ لفظ ستہ کا دوسرا تعارف ہے پھر المزی الشافعی (۷۴۲ھ) نے الکمال کی تلخیص کی، اس کا نام تہذیب الکمال فی اسماء الرجال رکھا جواب مکمل چھپ گئی ہے پھر تہذیب الکمال کی تلخیص ذہبی (۷۴۸ھ) نے کی اور اس کا نام تذھیب التہذیب رکھا اس کا خلاصہ خزرجی (۹۱۳ھ) نے کیا تذہیب الکمال کی دوسری تلخیص ابن حجر (۸۵۲ھ) نے کی اور اس کا نام تہذیب التہذیب رکھا پھر اس کی تلخیص خود ہی کی پھر اس کا نام تقریب التہذیب رکھا، ان سب کتابوں میں صرف کتب ستہ کے راوی ہیں، بعض جاہل ان ہی کتابوں کو مکمل اسماء الرجال جانتے ہیں اور جو راوی تقریب میں نہ ملے اس کو مجہول کہہ دیتے ہیں حالانکہ ان سب کتابوں میں راویوں کی کل تعداد ۸۸۷۴ ہے۔

(۳۸)......... ابن دقیق العید الشافعی (۷۰۲ھ): آپ نے اپنی کتابوں میں کافی اعتدال سے کلام فرمایا ہے، آپ کے شاگرد امام زیلعیؒ نے اکثر ان کا کلام نقل فرمایا ہے۔

(۳۹)......... ابن تیمیہ حنبلی حرانی (۷۲۸ھ): آپ بہت متشدد تھے، بہت سی صحیح احادیث کو محض ضد میں رد کردیتے تھے، رافضی کے رد میں تنقیص علیؓ تک کر گزرتے ہیں (دیکھو لسان المیزان ص۳۱۹/ج۶) کئی مسائل میں ان کے تفردات ہیں جن پر ابن حجر مکی نے خوب رد کیا ہے۔

(۴۰)......... الماردینی الحنفی (۷۴۹ھ): امام بیہقی نے تعصب کی وجہ سے جو

اعتراضات مسلک حنفی پر کئے تھے ان کا جواب اصول شوافع پر دیا ہے جس کا جواب نہیں
(۴۱)..........الذھبی الحنبلی (۷۴۸ھ) ان کے شاگرد علامہ سبکی نے اپنے اس استاذ کے بارے میں جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ذہبی ہمارے استاذ ہیں، اللہ ان کو معاف کرے مگر انہوں نے کسی حنفی، شافعی، مالکی کو معاف نہیں کیا، نہ کسی اشعری کو، وہ تعصب میں اس حد تک پہنچے ہوئے تھے کہ مسخرۂ اطفال بن گئے تھے، وہ جب صوفیاء کرام، اشاعرہ، احناف، شوافع اور مالکیوں کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے کپڑے اتارتے ہیں، ان کے تمام محاسن سے ان کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور ان کو کوئی خطاء مل جائے تو خوب اچھالتے ہیں اور اہلِ تجسیم کے محاسن خوب لکھتے ہیں اور اغلاط سے درگزر فرماتے ہیں فخر الدین رازی، سیف آمدی تک کو معاف نہیں کیا، حالانکہ نہ وہ کسی حدیث کے راوی ہیں نہ کچھ (ملخصا طبقات شافعیہ ص ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۷/ ج ۱)، ذہبی نے ایک کتاب تذکرۃ الحفاظ لکھی ہے جس میں ساڑھے سات صدیوں میں جو حفاظ حدیث گزرے ہیں ان کا ذکر کیا ہے، ان کی کل تعداد ۱۱۷۶ ہے اس میں امام اعظم اور قاضی ابو یوسف کو بھی حفاظ حدیث میں ذکر کیا ہے، دوسری کتاب میزان الاعتدال فی نقد الرجال لکھی ہے جس میں ضعیف اور متکلم فیہ راویوں کا ذکر ہے ان کی تعداد ۱۱۰۵۳ ہے۔
(۴۲)..........علامہ المغلطائی الحنفی (۷۶۲ھ): آپ اسماء الرجال کے بڑے حافظ تھے، تہذیب الکمال پر مناقشات لکھے جن سے ابن حجر نے بھی تہذیب میں استفادہ کیا۔
(۴۳)..........علامہ زیلعی الحنفیؒ (۷۶۲ھ): آپ کی کتاب نصب الرایہ احادیث احکام کا انسائیکلوپیڈیا ہے حافظ ابن حجر نے اس سے بہت استفادہ فرمایا ہے۔
(۴۴)..........حافظ ابن حجر العسقلانی الشافعی (۸۵۲ھ): آپ بہت بڑے حافظ الحدیث تھے اور جوں جوں ان کا علم حدیث ترقی کرتا گیا ان کے دل میں حنفیت کی صداقت گھر کرتی گئی، مگر ایک خواب پر انہوں نے سارے ہی مطالعہ حدیث کو قربان کر دیا وہ اپنی کتاب المجمع المؤسس میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابن البرہان کو موت کے بعد خواب میں دیکھا

میں نے پوچھا کہ تو مردہ ہے، اس نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا اللہ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو اس میں ایسا شدید تغیر ہوا کہ میں سمجھا کہ وہ چھپ گیا پھر وہ اپنی حالت پر آ گیا اور کہا کہ اب ہم خیریت سے ہیں لیکن نبی ﷺ تجھ پر ناراض ہیں، میں نے پوچھا کیوں؟ تو کہا کہ تیرا میلان حنفیوں کی طرف ہے، اس پر میری آنکھ کھل گئی اور میں بڑا حیران تھا، میں نے بہت سے حنفیوں کو یہ کہا تھا کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں حنفی ہو جاؤں، انہو ں نے کہا کہ کس وجہ سے؟ تو میں کہتا کہ آپ کے مذہب کے فروع اصول پر مبنی ہیں، اب میں اس سے اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرتا ہوں۔ (ہامش ذیل تذکرہ ص ۳۲۸)

حافظ ابن حجر کی یہ بات حنفیت کی صداقت کی بڑی وزنی دلیل ہے کہ مذہب حنفی حدیث کے عین مطابق ہے اور اس کے فروع اصول پر مبنی ہیں مگر اس خواب سے ابن حجر میں وہ تعصب بھرا کہ الامان، الحفیظ، حافظ ابن حجر کے شاگرد امام سخاوی نے الدرر الکامنہ میں اس تعصب کو واضح کیا ہے، اسی لئے قاضی القضاۃ ابن، شحنہ ابن حجر کے بارے میں یوں فیصلہ دیتے ہیں کہ حافظ ابن حجر احناف کے فضائل کو چھپاتے ہیں اور ان کی لغزشوں کو گاتے ہیں، حافظ صاحب کا حنفیوں کے ساتھ وہی وطیرہ ہے جو ذہبی کا حنفیوں اور شافعیوں کے ساتھ۔ اسی لئے ذہبی کے شاگرد سبکی نے کہا ہے کہ ذہبی سے نہ کسی حنفی کے حالات نقل کرنے چاہئیں نہ شافعی کے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کے کلام سے نہ کسی متقدم حنفی کے حالات لینے چاہئیں اور نہ کسی متاخر کے۔ (نقلہ الکوثری حاشیہ ذیل تذکرۃ الحفاظ) عجیب بات ہے کہ حافظ ابن حجر المار دینی اور زیلعی کے جواب الجواب سے بالکل عاجز رہے ہیں۔

(۴۵) .... علامہ ھیثمی صاحب مجمع الزوائد (۸۰۷ھ) آپ ذہبی کے شاگرد ہیں اکثر جروح مبہم کرتے ہیں اور مذہب شافعی کی پاسداری بھی کرتے ہیں۔

(۴۶) .... محقق علی الاطلاق شیخ ابن الھمام الحنفی (۸۶۱ھ): آپ بہت بڑے اصولی اور حافظ حدیث تھے، صحیحین کی ترجیح کو تحکم اور ناانصافی فرماتے تھے۔

ان کے علاوہ:

(۴۷)............ابن القیم حنبلی (۷۵۱ھ)

(۴۸)............ابن کثیر الشافعی (۷۷۴ھ)

(۴۹)............امام سیوطی الشافعی (۹۱۱ھ)

(۵۰)............ابن حجر مکی (۹۷۴ھ)

(۵۱)............المناوی (۱۰۱۳ھ) اور

(۵۲)............ابوالحسن سندھی (۱۱۳۹ھ) نے بھی اپنی کتابوں میں رجال پر کلام کیا ہے۔

سند اور تعامل:

یہ بات پہلے گزر چکی کہ خیر القرون میں حصول دین کا طریقہ اپنے اپنے شہر کے اہلِ علم کا تعامل تھا مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ شہر آباد کیا تو وہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تعلیمِ دین کے لئے بھیجا۔ اہلِ عراق نے اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سیکھی۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے تقریباً ایک ہزار سے زیادہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کوفہ تشریف لے گئے، خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کئی بار کوفہ تشریف لے گئے وہاں ان کے ساتھ نمازیں پڑھتے۔ اہلِ عراق بھی حج اور دیگر مواقع پر حجاز تشریف لاتے، یقیناً یہاں آکر نمازیں بھی پڑھتے اور حجاز میں رہائش پذیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کو قرآن پڑھتے سنتے اور نماز پڑھتے دیکھتے، وہ اہلِ عراق بھی اپنے طریقہ کو عمل بالسنّت ہی کہتے اور سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کو عامل بالسنّت ہی سمجھتے۔ پھر جب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ مزید بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کوفہ تشریف لائے اور وہیں آباد ہو گئے تو انہوں نے بھی کبھی یہ نہ فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمہیں خلاف سنت نماز سکھائی ہے، نہ تمہارا قرآن خدا والا یہ تو ابن مسعود والا ہے، نہ تمہاری نماز نبی والی یہ تو ابن مسعود کی نماز ہے، نہ تمہارا دین مکہ والا نہ مدینے والا یہ تو سارا کوفی دین ہے بلکہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا: اے اللہ! عبداللہ بن مسعود کی قبر کو نور سے اس طرح بھر دیجئے جس طرح انہوں نے اس شہر کو (کتاب وسنت کے) نور سے بھر دیا ہے، اب اس کے راوی صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نہ رہے بلکہ اہلِ عراق اور اہلِ حجاز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بار بار مشاہدے کے بعد اس طریقہ کے سنت نبوی ہونے پر ایسا ہی عملی اور سکوتی اجماع ہوگیا جیسے کوفہ میں پڑھے جانے والے قرآن پر عملی اور سکوتی اجماع ہوگیا، ایسا تعامل اپنے ساتھ یقین کی اتنی بڑی قوت رکھتا ہے کہ سب کے دل میں نقش کالحجر ہوگیا کہ کوفہ میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے اس کا ایک ایک نقطہ وہی کتاب اللہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور عراق میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کا ایک ایک مسئلہ، ایک ایک حرکت وسکون، ایک ایک ذکر بالیقین وہی ہے جو نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں پڑھا کرتے تھے، اس کے خلاف سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں جا کر خلاف سنت نماز سکھائی، کوفہ میں آباد دیگر سب صحابہ رضی اللہ عنہم نہ صرف اس خلاف سنت نماز پر خاموش رہے بلکہ سب یہی خلاف سنت نماز پڑھنے لگے، یہی لوگ جب حج پر جاتے تو مکہ میں بھی سب کے سامنے خلاف سنت نماز پڑھتے، مدینے میں بھی اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو انہوں نے بھی نہ صرف اس خلاف سنت نماز پر سکوت فرمایا بلکہ خود بھی یہی خلاف سنت نماز پڑھا کرتے تھے ہمیں یقین ہے کہ یہ سوچ کسی متعصب رافضی کے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی۔

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جانشین ان کے وہ اصحاب بنے جن کو باب مدینۃ العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سراج اہلِ کوفہ یعنی کوفہ کے چراغ فرمایا کرتے تھے اور ان کے ساتھ اصحاب علی رضی اللہ عنہ بھی شریک ہوگئے، ان میں حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسود رضی اللہ عنہ سب میں ممتاز تھے اور ان کے ذریعے کتاب اللہ اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر میں پھیلی ان کا تعلق نہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کٹا، نہ مکہ سے، نہ مدینہ سے، سب لوگ پورے یقین کے ساتھ اسی قرآن کو کتاب اللہ اور اسی نماز کو نماز نبوی مانتے رہے، یہی نماز مکہ میں جا کر پڑھتے رہے اور یہی مدینہ میں۔ اگر کوئی ایسی حدیث ان کو ملتی جو تعلیم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خلاف

ہوتی تو اسی متواتر تعامل کو نقد احادیث کا معیار بناتے اور جب دیکھتے کہ یہ حدیث اس یقینی عمل تواتر کے خلاف ہے بلکہ اس حدیث کا راوی بھی اس پر عمل نہیں کر رہا تو راوی کی روایت پر راوی کے عمل کو ترجیح دیتے اس لئے کہ وہ یقینی عملی تواتر کے موافق ہوتا، اس لئے کہ صحابہ کرام ﷺ اور تابعین کے بارے میں ان کو یقین تھا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ خود حدیث روایت کریں اور پھر اس پر عمل نہ کریں، وہ کہتے تھے کہ خود راوی کا عمل اپنی روایات کے خلاف دو ہی صورتیں رکھتا ہے یا تو یہ کہ وہ واقعی سنت قائمہ ہو اور راوی صحابی جان بوجھ کر خلاف سنت عمل کا پابند ہے، تو اس صورت میں تو اس کی عدالت ہی ساقط ہو جاتی اور سقوط عدالت کی وجہ سے روایت بھی متروک قرار پاتی ہے اور یا یہ ہے کہ راوی کو یقین ہے کہ یہ سنت قائمہ نہیں بلکہ مؤول یا منسوخ ہے اور صحابہ کرام سے حسن ظن یہی ہے کہ وہ صرف ان حدیثوں پر عمل ترک فرماتے تھے جو سنت قائمہ نہ ہوں بلکہ منسوخ یا مؤول ہوں کیونکہ وہ خیر القرون کے لوگ تھے جن کے بارے میں ہے: و السابقون الاولون من المهاجرين و الانصار و الذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه یعنی ان کی اتباع میں ہی رضائے الٰہی ہے اور یہ وہی لوگ تھے جن کے بارے میں ہے: و من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى و يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى و نصله جهنم و ساءت مصيرا ﴿﴾

جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر چلے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کردیں گے اور وہ بری جگہ ہے اور یہی وہ انعام یافتہ لوگ تھے جن کا راستہ صراط مستقیم اور جن کے راستے سے ہٹنا نار جحیم ہے، انہی کی اتباع وتقلید کے ہم مامور ہیں، انہی کی رہنمائی میں عمل کرنا کتاب وسنت پر صحیح اور یقینی عمل ہے۔ اسی لئے اہلِ عراق کا یہ ضابطہ تھا کہ جب کوئی راوی حدیث بیان کرتا جس پر خود ہی راوی کا عمل نہ ہو تو راوی کے عمل کو اختیار کیا جائے گا اور یہی ضابطہ اہلِ حجاز کا تھا۔ امام مالکؒ اختلاف حدیث کے وقت

تعامل اہلِ مدینہ کو نقد کا معیار بناتے تھے یہی وجہ ہے کہ خیر القرون کے لوگ بہت سی احادیث کو روایت کرتے تھے مگر ان پر عمل نہ کرتے تھے مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا، حالانکہ نہ کوئی خوف تھا اور نہ بارش، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر کسی نے عمل نہیں کیا، اسی طرح اس حدیث کو سب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جماعت کرا رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں تشریف فرما ہوئے، اب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی، لیکن امت نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا کہ ایک جماعت کے دو امام ہوں، دونوں کی تحریمہ بھی الگ الگ ہو، اسی طرح یہ احادیث کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (کھڑے ہونے کی صورت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر باندھتے تھے، اس میں کسی نے قومہ کو شامل نہیں کیا اگرچہ عموم میں قومہ شامل ہے، اسی طرح وہ حدیث روایت کرتے تھے کہ جتنی نماز امام کے ساتھ پالو وہ پڑھ لو باقی قضاء کرلو، لیکن پوری امت کا تعامل یہ ہے کہ وہ جب دو سجدے امام کے ساتھ کرتے ہیں یا تشہد میں امام کے ساتھ ملتے ہیں تو وہ دوبارہ سجدوں کو بھی قضاء کرتے ہیں اور تشہد کو بھی جو عموم حدیث کے خلاف ہے، اسی لئے اہلِ عراق نے ضابطہ بنالیا کہ اختلاف کے وقت حدیث کے رد و قبول میں بھی اور حدیث کے مفہوم کی تعیین میں بھی اصل معیار تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ کا ہے۔ تعامل سلف کے مقابلہ میں اپنی خودرائی یا کج ادائی کو عمل بالحدیث کا نام دینا خود دھوکے میں پڑنا اور عوام کو دھوکے میں ڈالنا ہے، دیکھئے نماز تراویح پورا مہینہ مسجد میں پڑھنا، پورا مہینہ اول شب میں پڑھنا، پورا مہینہ باجماعت پڑھنا، ان میں ایک قرآن ختم کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز ثابت نہیں، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم تابعینؒ اور سلف سے ہی ثابت ہے۔ چنانچہ فقہ عراق اور فقہ حجاز میں مدار تعامل سلف پر ہی رہا۔ ہاں بعد میں آنے والے فقہاء جن کے مشاہدہ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ عملی نمونے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں تھے انہوں نے اختلاف حدیث کے

وقت نقد روایات کا معیار رواۃ پر رکھ لیا اور اس کے لئے انہیں علم اسماء الرجال کے وضع کرنے کی ضرورت پڑی۔ اب نقد کا معیار پوری جماعت کے تعامل سے ہٹ کر اشخاص پر آ گیا ان دونوں معیاروں میں وہی فرق ہے جو جماعت اور شخص میں ہے "یـد اللّٰه عـلـی الـجـمـاعـة" کو خیال فرمائیں، اور کتب اسماء الرجال کا مطالعہ کرنے والے پر یہ مخفی نہیں کہ ایک محدث ایک راوی کو عادل کہتا ہے، دوسرا کذاب کہتا ہے اور دوسرا بڑا فرق یہ ہو گیا کہ تعامل کا مشاہدہ معاصرت پر مبنی تھا اور جماعت خطاء سے محفوظ۔ یہاں معدل اور جارح معاصرین میں کم، غیر معاصرین زیادہ، نہ جارح اور مجروح کا زمانہ ایک، نہ علاقہ ایک، نہ مذہب ایک، تو معرفت کے وہ اصول جو شروع مضمون میں آنحضرت ﷺ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے لکھے ہیں وہ سب کے سب مفقود۔ اسی لئے کئی جگہ سند اور تعامل کا ٹکراؤ سامنے آیا اور خود محدثین کو بھی اس دوسرے طریق کی کمزوری کا اعتراف کرنا پڑا کہ صحت سند صحت متن کو مستلزم نہیں اور ضعف سند ضعف متن کو مستلزم نہیں لیکن نقد میں تعامل کا معیار بنانے والوں کو کسی ایسے استثناء کی ضرورت نہیں پڑی۔ بہر حال نقدِ حدیث میں ایک طریقہ سلف کا تھا وہ یقینی اور محکم تھا، دوسرا طریقہ خلف کا جن کا مدار رواۃ پر ہے اور اسماء الرجال کا مطالعہ کرنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ ان کتابوں میں بڑے بڑے ائمہ دین کو دین کا گرانے والا اور سخت سخت جرح کے اقوال ملتے ہیں اور اس اسماء الرجال کی مدد سے بڑے بڑے رافضیوں، معتزلیوں اور خارجیوں تک کی احادیث کو صحیح مان لیا گیا ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

تفصیل:

وہ اخبار آحاد جن کو تلقی بالقبول کا شرف نصیب نہیں ہوا، ان کی جانچ پرکھ کے لئے جرح وتعدیل کا فن بہت اہم ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ جرح وتعدیل ان حضرات کی معتبر ہے جو راوی کی جان پہچان والے ہوں، اسی لئے امام مالکؒ اہلِ مدینہ سے روایت لیتے ہیں

کیونکہ اہلِ مدینہ ان راویوں کو خوب جانتے تھے، اسی طرح اہلِ کوفہ کو اہل کوفہ کی پہچان ہے، دوسرے شہروں والے یا مذہب والے ایک دوسرے کے خلاف بعض اوقات ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو اس شہر یا مذہب والوں کے ہاں کوئی وزن نہیں رکھتی تھیں۔ ایسی باتوں میں اہلِ شہر یا اہلِ مذہب ہی کی بات قابل اعتماد ہوتی ہے۔ دیکھئے امام زہری مدینہ منورہ میں بہت بڑے محدث ہیں لیکن اہلِ مکہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ما رأیت قوما انقض لعری الاسلام من اهل مکة (جامع بیان العلم ص۱۵۳) کہ میں نے اہلِ مکہ سے زیادہ اسلام کی کڑیوں کو توڑنے والی کوئی قوم نہیں دیکھی۔ علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام زہری نے بلا استثناء سب اہلِ مکہ کو اسلام کی کڑیاں توڑنے والا فرما دیا حالانکہ وہاں بڑے بڑے علماء تھے جن کی جلالت کا امت انکار نہیں کر سکتی، فرماتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ امام زہری نے اگرچہ عنوان عام رکھا ہے مگر مراد اہلِ مکہ میں سے صرف وہ لوگ ہیں جو بیع صرف اور متعہ کے قائل تھے اسی طرح اہلِ مکہ اہلِ مدینہ کو یہ الزام دیتے تھے کہ وہ گانے کو جائز مانتے، ہیں عراق میں بھی اہلِ کوفہ میں کچھ شیعہ تھے اور کچھ فقہاء امت اہلِ سنت، اس کے برعکس بصرہ میں زیادہ خارجی تھے اور وہاں کے سنی زیادہ اہلِ تصوف تھے، اس اختلاف مذہب ومزاج کی بنیاد پر وہ ایک دوسرے کے خلاف بھی بات کرتے اور بعض اوقات معمولی بات متشدد یا متعصب کے لئے بڑا ہتھیار بن جاتی۔ جب اسماء الرجال کی کتابیں جمع ہوئیں تو ان میں ہر قسم کے رطب و یابس کو جمع کیا گیا، اسی لے خود اہلِ فن محدثین کو اس علم کی افادیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعتراف تھا کہ جو شخص ان کتابوں کے مطالعہ کے وقت نہ جارح اور مجروح کے اوطان کے اختلاف کو جانتا ہوگا اور نہ ان کے اختلاف مزاج، اختلاف مذہب یا تشدد اور تعصب سے واقف ہو وہ ان کتابوں سے امت میں بہت بڑا فتنہ بھی کھڑا کر سکتا ہے اس لئے امام ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) نے ہی اپنی کتاب میں باقاعدہ یہ عنوان قائم فرمایا: باب حکم قول العلماء بعضهم فی بعض ''علماء کی ایک دوسرے کے بارے میں رائے کا حکم''

علماء کی رائے دیگر علماء کے بارے میں:

اس باب میں پہلے آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نقل فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی اقوام یعنی یہود ونصاریٰ کی یہ بیماری کہ وہ آپس میں بہت حسد کرتے اور ایک دوسرے سے بغض رکھتے تھے یہ چیز تم میں بھی آجائے گی اور یہی بیماری دین کو مونڈ دینے والی ہے، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے: علماء سے علمی باتیں سنو، لیکن اگر ایک عالم دوسرے عالم کے بارے میں کوئی (مخالفت) کی بات کہے تو وہ بالکل نہ ماننا۔ اس خدا کی ذات پاک کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ان میں بکروں سے بھی زیادہ غیرت ہوتی ہے اپنے باڑوں میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس عالم سے علم ملے حاصل کرلو، لیکن علماء کا قول ایک دوسرے کے خلاف کبھی قبول نہ کرو کیونکہ ان کی غیرت باڑوں میں بکروں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی باوجود علم کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کچھ نہ کچھ بداعتدالیاں ہو ہی جاتی ہیں۔

آخر میں امام ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحیح اس باب میں یہی ہے کہ جس شخص کی عدالت، علمیت، امانت اور دیانت ثابت ہے اس کے خلاف جرح قبول نہ ہوگی، جب تک مفسر اور شہادت کے طریقہ پر ثابت نہ ہو، علماء نے ایک دوسرے کے خلاف عدم علم یا حسد کی وجہ سے بہت کچھ کہا ہے ان باتوں کی طرف دھیان تک نہ دینا چاہئے (جامع بیان العلم ص۱۵۲/ ج۲) جب ایک ہی شہر اور ایک ہی مذہب کے علماء کی آپس میں آ۔ا۔ ایک دوسرے کے خلاف قبول نہیں تو جہاں وطن بھی مختلف ہو، زمانہ بھی مختلف ہو، مذہب بھی مختلف ہو اور ساتھ ہی تشدد اور تعصب بھی کارفرما ہو تو ایسی باتیں کب قبول کی جاسکتی ہیں اس لئے عقل اور نقل کا اتفاق اسی بات پر ہے کہ جرح وتعدیل میں اہل مدینہ کے لئے اہل مدینہ کی رائے، اہلِ مکہ کے لئے اہلِ مکہ کی رائے، اہلِ کوفہ کے لئے اہلِ کوفہ کی رائے اور اہلِ بصرہ کے لئے اہلِ بصرہ کی رائے کو معیار مانا جائے، اسی طرح احناف کے لئے احناف کی

رائے، شوافع کے لئے شوافع کی رائے، مالکیوں کے لئے مالکیوں کی رائے اور حنابلہ کے لئے حنابلہ کی رائے کو قبول کیا جائے، اسے معیار قرار دیا جائے اور اس کے مخالف اقوال کو مخالفین کی جہالت یا مخالفین کے حسد کا کرشمہ قرار دے کر رد کر دیا جائے اس جہالت یا حسد کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱.........امام ابراہیم بن ادہم کی ولایت امت میں تواتر سے ثابت ہے مگر حافظ ابن حجر لکھتے ہیں قال الدار قطنی ضعیف (لسان المیزان ص۴۰/ ج۱)

۲.........حضرت اسد بن عمرو البجلی جلیل القدر امام ہیں، مگر لکھا ہے کذاب لیس بشیء، (لسان ص۳۸۳/ ج۱)

۳.........امام اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ تینوں جلیل القدر ائمہ دین میں سے ہیں مگر ابن عدی کہتا ہے کہ تینوں ضعیف ہیں (لسان ص۳۹۸/ ج۱)

۴.........امام بشر بن غیاث المریسی کے بارے میں ہے کان من اھل الورع و الزھد (صیمری ص۱۵۶) ادھر ہے وہ بدعتی اور گمراہ تھا (لسان ص۲۹/ ج۲)

۵.........امام یحییٰ بن نصر کے متعلق احناف کہتے ہیں ھذا احد ائمة مرو فی الحدیث و الفقه صحب ابا حنیفة و روی عنه۔ (موفق ص۱۷۵/ ج۲) کہ یہ مرو میں ائمہ حدیث وفقہ میں سے ایک جامع بین الحدیث والفقہ امام تھے، امام ابوحنیفہ سے صحبت اور آپ سے احادیث روایت کیں مگر میزان میں لکھا ہے کہ قال ابوزرعة لیس بشیء۔ (ص۴۱۲/ ج۴) کہ بالکل کچھ نہ تھے۔

۶.........امام یزید بن الکمیت کے بارے میں احناف لکھتے ہیں کان من خیار الناس۔ (موفق ص۲۳۷/ ج۱) لیکن میزان میں ہے قال الدار قطنی متروك۔ (ص۴۳۸/ ج۴)

۷.........امام یاسین الزیات کے بارے میں احناف کہتے ہیں کان من عظماء اصحاب الحدیث۔ (موفق ص۲۳۷/ ج۱) جب کہ میزان میں ہے قال البخاری

منکر الحدیث۔ (میزان ص ۳۵۸/ج ۴)

۸.........امام یوسف بن خالد سمتی کے بارے میں احناف کہتے ہیں کان قدیم الصحبة لابی حنیفة کثیر الاخذ عنه۔ (صیمری ص ۱۵۰) یعنی یہ امام صاحب کے قدیمی ساتھیوں میں سے تھے اور ان سے بہت کچھ لیا مگر میزان میں ہے: کذبه یحییٰ بن معین (میزان ص ۴۶۴/ج ۴)

۹.........امام مسلم بن سالم کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ امام اهل بلخ لزم اباحنیفة و روی عنه الکثیر (موفق ص ۲۴۸/ج ۱) کہ اہلِ بلخ کے امام تھے، ہمیشہ امام صاحبؒ کے ساتھ رہے اور ان سے بہت سی احادیث روایت کیں مگر لسان میں ہے کہ محدثین کا اس کی احادیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

۱۰.........امام الصوفیاء حضرت شفیق بلخیؒ جو العابد الزاہد الفقیہ تھے۔ (الکامل ص ۶۰/ج ۲) لسان میں ہے: منکر الحدیث۔ (لسان ص ۲۷۹/ج ۲) اس قسم کے تعصبات سے یہ کتابیں بھری پڑی ہیں۔

یحییٰ بن معین کی شہادت:

امام یحییٰ بن معینؒ فرمایا کرتے تھے: اصحابنا لیفرطون فی ابی حنیفة و اصحابه۔ (جامع بیان العلم ص ۱۴۸/ج ۲) کہ ہمارے اصحاب محدثین امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں افراط سے کام لیتے ہیں۔

خود امام ابن عبدالبر المالکی (۴۶۳ھ) بھی یہی فرماتے ہیں: افرط اصحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفة و تجاوزوا الحد۔ (ص ۱۴۸/ج ۲) یعنی محدثین امام اعظمؒ کی برائی بیان کرنے میں افراط کرتے ہیں اور حد سے بڑھ جاتے ہیں، دوسری جگہ فرماتے ہیں: و اما سائر اهل الحدیث فهم کالاعداء لابی حنیفة و اصحابه۔ (الانتقاء ص ۱۷۳) سب محدثین ایسے ہیں جیسے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب (مقلدین) کے

دشمن ہوں جب محدثین امام ابوحنیفہؒ اوران کے شاگردوں کے بارے میں اتنے حد سے بڑھے ہوئے ہیں کہ صورت حال عداوت تک پہنچی ہوئی ہے، جس کی وجہ فتنہ خلق قرآن میں بعض قاضیوں کی محدثین سے زیادتی، تعصب مذہبی، ان کے حالات سے جہالت اور حسد ہے تو امام صاحبؒ اوران کے مقلدین کے بارے میں ان لوگوں کی جروح کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے، کیا اہلِ حدیث ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کواس حدیث سے بغاوت کرنے سے ڈر نہیں لگتا کہ آنحضرت ﷺ نے خیانت کرنے والے اوراپنے بھائی سے بغض اور کینہ رکھنے والے کی شہادت کو رد کر دیا۔(ابوداؤد ص ۵۰۷/ ج ۲) حق یہی ہے کہ نہ احناف کی جروح مخالفین کے لئے مقبول ہیں اور نہ ہی مخالفین کی احناف پر۔

ایک اہم بات:

محدثین کا اپنا ایک مزاج تھا، قرآن پاک سات قاریوں کے ذریعہ ساری امت میں پھیلا، ان حضرات نے قرآن پر محنت کی، اس لئے درس حدیث دینے میں وہ معروف نہ ہو سکے، ان میں قاری ابوعمرو بن العلاء بصری (۱۵۴ھ)، قاری نافع بن عبدالرحمٰن مدنی (۱۶۹ھ)، قاری کسائی ابوالحسن الکوفی (۱۸۹ھ) سے اصحاب ستہ نے کوئی حدیث روایت نہ کی۔ قاری عاصم الکوفی جن کی قرأت میں آج ساری دنیا قرآن پڑھ رہی ہے ان کو کثیر الخطاء لکھ ڈالا۔(میزان الاعتدال ص ۳۵۸/ ج ۲) کیا محدثین کے اس انداز سے امت نے اس کے واسطہ سے ملا ہوا قرآن چھوڑ دیا؟ ہرگز نہیں۔ قاری صاحبان کے بارے میں قاری حضرات کی ہی رائے قابل اعتماد ہوگی کیونکہ وہ اہل فن ہیں نہ کہ محدثین کی۔ قراء کے بعد جلیل القدر صوفیاء کرام پر محدثین کی نظر عنایت ہوئی علامہ ذہبی الحارث بن اسد المحاسبی کے ترجمہ میں امام ابوزرعہ کا قول کہ حارث کی کتابیں بدعات اور ضلالات ہیں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ابوزرعہ ابوطالب مکی کی قوت القلوب، ابن جھضم کی بھجۃ الاسرار، سلمی کی حقائق التفسیر، غزالی کی احیاء العلوم، شیخ عبدالقادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین، شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم اور

فتوحات مکیہ دیکھ لیتے تو کیا کچھ فرماتے۔ (میزان الاعتدال ص ۴۳۱/ ج۱)اور امام فخر الدین رازی کے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ معقولات کے امام تھے لیکن حدیث سے کورے۔ اس نے مسائل دینیہ میں ایسی تشکیکات کیں کہ عقل حیران ہے، ہم اللہ سے ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتے ہیں اس کی ایک کتاب السر المکتوم فی مخاطبۃ النجوم ہے جو صریح جادو ہے، شاید وہ اس سے توبہ کر گیا ہو۔ (میزان الاعتدال ص۳۴۰/ ج ۳) ذہبی کے اس ترجمہ پر ان کے لائق شاگرد امام سبکی بہت نالاں ہیں کہ یہ امام رازی کون سے کسی حدیث کے راوی تھے کہ ان کے کپڑے اتارنے ضروری تھے، جب ان حضرات نے نہ کسی قاری کو معاف کیا، نہ مفسر کو، نہ قاضی کو، نہ معقولی کو، نہ صوفی کو تو فقہاء کو کیسے معاف کرتے۔ جب فقہاء کرام کسی مجلس میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے اور کوئی حدیث کا طالب علم وہاں جا بیٹھتا تو اصول فقہ سے ناواقفیت کی بناء پر اصل فقہی مسئلہ سے تو اسے کوئی دلچسپی نہ ہوتی، فقہاء کرام آیات واحادیث سے بھی دوران بحث ذکر کرتے تو جیسے آج وعظ وتقریر میں علماء پوری سند سے حدیث بیان نہیں کرتے یا جتنا حصہ اس تقریر سے متعلق ہوا تنا بیان کرتے ہیں اسی طرح فقہاء بھی مجلس فقہ میں حدیث کا اتنا ہی حصہ زیر بحث لاتے جو اس مسئلے سے متعلق ہوتا اور اسانید کا بھی اشارہ ہی فرماتے کیونکہ فقیہ کا اصل موضوع متن ہے نہ کہ سند، لیکن وہ حدیث کا طالب علم جا کر محدثین کو بتاتا کہ وہ نہ سند پوری پڑھتے ہیں، نہ متن، بس پھر کیا تھا کثیر الخطاء کی جرح ہو جاتی، نیز فقہاء کے منشاء کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ لوگ ان کے بعض مسائل کو حیلوں کی مد میں داخل کر لیتے اور چونکہ توریہ پر کذب کا لفظ حضرت ابراہیمؑ کے لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمادیا، یہ لوگ حیلے کو کذب اور فقہاء کو کذاب تک کہہ گزرتے، مذکورہ حضرات کی امانت جوامت میں مسلّمہ ہے اس کے مقابلہ میں بعض حضرات کی تعصب یا حسد پر مبنی شاذ آراء کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو متواتر قرآن کے مقابلہ میں شاذ ومتروک قرائتوں کی، اس لئے اصول پسند طبائع تو ان کو قبول ہی نہیں کرتیں، ہاں شذوذ پسند لوگوں نے اگر ان شاذ اقوال کو لے بھی لیا تو ان کا زیادہ سے زیادہ مطلب یہ ہوگا کہ ان سے حدیث

نہ لو، یہ مطلب تو کوئی دیوانہ بھی نہ لے گا کہ قاری سے قرأت نہ لو، مفسر سے تفسیر بھی نہ لو، معقولی سے معقولات بھی نہ لو، فقہاء سے فتویٰ بھی نہ لو، لیکن خدا جب کسی سے دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے چنانچہ ایک لامذہب یحییٰ گوندلوی نامی نے ایک کتاب بنام داستان حنفیہ شائع کی ہے، اس کتاب کے کل صفحات ۲۳۰ ہیں اس میں چالیس فقہاء کے کپڑے اتارنے کی کوشش کی ہے اس کو معلوم ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث رسول ﷺ میں فقہ کو خیر اور فقہاء کو خیار فرمایا گیا ہے مگر اس منکر حدیث نے فقہ کو شر اور فقہاء کو اشرار ثابت کرنے پر کمر باندھی، ہے اس داستان گو نے کتاب کا نام تو داستان حنفیہ رکھا لیکن احناف فقہاء کے بارے میں احناف کی آراء بیان کرنے کی بجائے ایسے حضرات کے شاذ اقوال پیش کئے ہیں جن کا نہ زمانہ ان سے ملے، نہ علاقہ، نہ مذہب، نہ مزاج۔ اگر اس شخص میں دین و دیانت نام کی کوئی چیز ہے تو ان فقہاء کے بارے میں حنفی فقہاء کی آراء پیش کرے، اس کی کتاب کے مطابق بھی ان میں سے بعض تو اصحاب امام ہیں اور بعض اصحاب صاحبین اور یقیناً امام صاحب اور صاحبین کی معرفت ان کے بارے میں کامل ہے کیونکہ استاد اپنے شاگرد کو اور ہم جماعت اپنے ہم جماعت کو خوب پہچانتا ہے، جب یہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے معتمد علیہ ہیں تو ان کے مقابلہ میں ایسے لوگوں کی رائے جو نہ فقیہ، نہ ہم عصر، نہ ہم جماعت، نہ ہم مذہب، نہ ہم وطن، پھر ان فقہاء سے امت نے فقہی اور قانونی مسائل لئے ہیں کسی ایک کے بارے میں بھی یہ داستان گو یہ ثابت نہ کر سکا کہ یہ لوگ فقیہ نہ تھے، اس لئے ان کے فقہی فتاویٰ قابل اعتماد نہیں۔ دیکھئے چند مثالیں عرض کر دیتا ہوں اس طریقہ پر کتاب پر نظر ثانی کر لیں۔

ا۔۔۔ مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری دونوں ہم عصر بھی ہیں، ہم وطن بھی، ہم مذہب بھی، تو بٹالوی صاحب مولانا ثناء اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں، تفسیر امر تسری کو تفسیر مرزائی کہا جائے تو بجا ہے، تفسیر چکڑالوی کا خطاب دیا جائے تو روا ہے اور اس کو تفسیر نیچری کہنا تو کمال زیبا ہے اور حق بحق دار رسید کا مصداق۔ اس کا مصنف اس تفسیر سراپا الحاد و تحریف میں پورا مرزائی، پورا چکڑالوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے۔ (الاربعین: عبدالحق

غزنوی غیر مقلد ص ۴۳) دیکھئے جارح، مجروح اور ناقل تینوں غیر مقلد، تینوں ہم عصر اور ہم وطن ہیں۔

۲۔۔۔۔۔مولانا عبداللہ روپڑی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری دونوں غیر مقلد ہیں، ہم عصر اور ہم وطن ہیں، مولانا ثناء اللہ کے بارے میں روپڑی صاحب فرماتے ہیں: وہ اہل حدیث سے خارج ہیں، جہمیہ، معتزلہ، زندیق، ملحد، کافر اور بدعتی ہیں۔ (مظالم روپڑی ص ۱۶ بحوالہ تنظیم روپڑی)

۳۔۔۔۔۔مولانا محمد اسحاق شاگرد مولانا عبدالوہاب امیر جماعت غرباء اہل حدیث مولانا عبداللہ روپڑی کو ملحد اور زندیق کہتے ہیں۔ (مظالم روپڑی ص ۴۹)

۴۔۔۔۔۔مولانا شرف الدین صدر مدرس مدرسہ میاں نذیر حسین، مولانا عبدالوہاب امیر جماعت غرباء اہل حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "ایسے ملا مولوی، نفس کے بندے، خواہش نفسانی کے لئے گھڑ گھڑ کے مسئلے بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں یہ قرآن و حدیث کا مسئلہ ہے اور یہ خدا رسول ﷺ کا حکم ہے"۔ (خلافت محمدی: محمد جوناگڑھی ص ۳۰) جب جماعت کا امام خود مسئلے بناتا ہے تو عوام بھی وہی کچھ کریں گے۔

۵۔۔۔۔۔فیض عالم صدیقی امام زہری کے بارے میں لکھتا ہے: "ابن شہاب منافقین وکذابین کے دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی مستقل ایجنٹ تھے اکثر گمراہ کن، خبیث اور مکذوبہ روایتیں انہی کی طرف منسوب ہیں" (صدیقہ کائنات ص ۱۰۸) یہی رفع یدین اور لاصلوٰۃ کے راوی ہیں۔

۶۔۔۔۔۔علامہ احسان الٰہی ظہیر اور حافظ عبدالرحمٰن مدنی دونوں ہم مذہب بھی ہیں، ہم عصر بھی اور ہم وطن بھی۔ مدنی صاحب نے علامہ صاحب کو جو دس باتوں پر مباہلہ کا چیلنج دیا تھا اس میں علامہ صاحب پر زنا کاری، شیعہ اور بریلوی کی ایجنٹی اور کروڑں روپے کا غبن بھی مذکور تھا، جس چیلنج کو علامہ صاحب قبول نہ کر سکے اور دنیا ہی چھوڑ گئے اور مدنی صاحب کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا:

گلی میں نے کہی تھی تم تو دنیا چھوڑے جاتے ہو

آخر میں مولانا داؤد غزنوی کی نصیحت آپ کو یاد کرا دیتا ہوں، اگرچہ امید نہیں کہ مان لو۔ فرماتے ہیں: ''دوسرے لوگوں (مقلدین) کی یہ شکایت کہ اہل حدیث حضرات ائمہ اربعہ کی توہین کرتے ہیں، بلاوجہ نہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے علاقے میں لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں اور ائمہ اربعہ کے اقوال کا تذکرہ حقارت کے ساتھ بھی کر جاتے ہیں، یہ رجحان سخت گمراہ کن اور خطرناک ہے اور ہمیں سختی کے ساتھ اس کو روکنے کی کوشش کرنی چاہئے (داؤد غزنوی ص ۸۷) بہرحال کتاب داستان حنفیہ فرمان رسول ﷺ لعن آخر هذه الامة اولها کا کامل مصداق ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ یہ کتاب چاند کا تھوکا منہ پر کا مصداق ہے۔

جرح مفسر:

گزشتہ سطور میں یہ عرض کیا ہے کہ جارح عارف، بصیر اور ناصح ہو۔ متشدد، متعنت اور ناواقف کی جرح قبول نہیں، اب یہ بھی خیال رکھیں کہ جرح کا مفسر ہونا ضروری، ہے اسباب جرح جتنے بھی پھیل جائیں ان کے اصل اصول دو ہی ہیں: حفظ مجروح ہے یا عدالت۔

حافظہ پر جرح:

حافظہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے لیکن کسی بیماری یا بڑھاپے سے کمزور بھی ہو جاتا ہے اور حافظے کا بہت زیادہ تعلق دلچسپی سے ہے جس شخص کو جس فن سے زیادہ دلچسپی ہوگی اس فن کی باتیں اسے یاد رہیں گے اور حافظہ کا تکرار سے بھی بہت گہرا تعلق ہے، جس بات کا بار بار تکرار کرو وہ خوب یاد ہو جاتی ہے، اس لئے اعلیٰ سند اس کو کہا جاتا ہے جس کے سارے راوی تام الضبط بھی ہوں اور اپنے استاد کے ساتھ کثیر الملازمت بھی ہوں اور اگر تام الضبط اور کثیر الملازمت ہونے کے ساتھ ساتھ تفقہ فی الدین کا شرف بھی حاصل ہو تو وہ

سندتو نور علیٰ نور ہو جاتی ہے اور ایسی سند کے ساتھ اگر تواتر عملی بھی شریک ہو جائے تو کالشمس فی نصف النہار ہو جاتی ہے۔

سند امام اعظم ابوحنیفہؒ:

اسی لئے دنیا بھر میں اعلیٰ ترین سند ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ عن النبی ﷺ ہے کیونکہ اس سند کے سارے راوی تام الضبط ہیں اور اپنے اپنے استاد کے ساتھ کثیر الملازمت بھی ہیں، امام زفرؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت حماد سے سنا کہ میں نے ابراہیم نخعی کو دیکھا اور جس نے بھی حضرت علقمہ کو دیکھا تھا وہ پورے یقین سے کہتا تھا کہ ابراہیم نخعی کی چال ڈھال بالکل علقمہ کی چال ڈھال تھی اور جن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا وہ بلاخوف وتردید کہتے تھے کہ حضرت علقمہ کی چال ڈھال بالکل حضرت عبداللہ کی چال ڈھال ہے اور جن خوش قسمت آنکھوں نے حضرت رحمۃ للعالمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی وہ بلاشک یہ کہتے تھے کہ حضرت عبداللہ کی چال ڈھال آنحضرت ﷺ کی ہی چال ڈھال ہے (مسند امام اعظم ص ۱۸۹) اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ حضرات نہ صرف اپنے زمانہ کے فقیہ تھے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے زمانے کا افقہ الناس تھا جن کے بہت سے فتاویٰ آج تک امت نے محفوظ رکھے اور جب کتاب الآثار، موطا امام محمد میں ساتھ تعامل فقہاء کا بھی ذکر مل جائے تو پھر اس سند کا کیا کہنا۔

امام صاحبؒ کا حافظہ:

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے کہ ان کا حافظہ کمزور تھا اب سوال یہ ہے کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے کہ امام صاحبؒ کا حافظہ کمزور تھا حافظہ کے بارے میں سب سے قوی شہادت اساتذہ کی ہوا کرتی ہے، امام صاحب کے فقہ کے استاد امام حمادؒ ہیں۔ امام صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ میں استاذ مکرم سے مسائل سنتا اور ان کو لفظ بہ لفظ

یاد کرتا، اگلے دن جب وہی مسائل دہرائے جاتے تو مجھے سب سے زیادہ یاد ہوتے اوران کی دوسرے طلباء سے خطائیں ہوتیں تو استاذ مکرم نے فرمایا کہ میری مجلس کے حلقہ کے صدر میں ابوحنیفہ کے سوا کوئی نہ بیٹھے۔ (موفق ص ۵۵/ ج ۱) یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ اس وقت سب سے بڑا حلقہ درس امام حمادؒ ہی کا ہوتا تھا اور حلقہ میں صدر حلقہ صرف امام ابوحنیفہؒ تھے کیونکہ ان کا حافظہ سب سے زیادہ تھا، اسی طرح امام صاحب کے استاذ حدیث حضرت امام سلیمان بن مہران اعمشؒ نے کوئی مسئلہ پوچھا اس کے جواب میں امام صاحبؒ فرفر احادیث سنانے لگے، ان میں وہ احادیث بھی تھیں جو خود امام اعمش سے روایت کی تھیں امام اعمشؒ نے فرمایا بس بس یہ دلائل کافی ہیں، میں نے جو احادیث تجھے سو دن میں پڑھائی تھیں تو چاہتا ہے کہ ایک ہی گھڑی میں سنا دے میرا یقین ہے کہ تو ان پر عمل کرتا ہے۔ پھر امام اعمشؒ نے فرمایا: اے فقہاء کی جماعت تم طبیب ہو اور ہم پنساری ہیں اور ابوحنیفہ تو دونوں میدانوں کا مرد ہے (موفق ص ۱۶۵، ج ۱) امام اعمشؒ نے جہاں شاگرد رشید کے حافظے کی تعریف فرمائی وہاں فقیہ اور محدث کا فرق بھی واضح فرما دیا کہ فقیہ تو طبیب ہے جو ہر ہر دوائی کے خواص اور ان کے مختلف خواص میں تطبیق کی پوری اہلیت رکھتا ہے، پنساری کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کستوری کا نام جانتا ہو اور اس کی پہچان رکھتا ہو مگر طبیب اس کے سینکڑوں خواص، ہر نسخہ میں اس کی مقدار، نسخہ کی دیگر دواؤں سے اس کے امتزاج سے جو مفید یا مضر پہلو سامنے آئیں ان کا حل بھی جانتا ہے، وہ اس کے خواص پر سینکڑوں صفحات لکھ سکتا ہے، سینکڑوں بیماریوں میں اس کا صحیح استعمال کر سکتا ہے، پنساری کے پاس دواؤں کا ذخیرہ تو ہوتا ہے مگر وہ خود کسی کا علاج نہیں کر سکتا بلکہ خود اپنے اور بیوی بچوں کے علاج میں اطباء کا ہی محتاج ہوتا ہے، جو مریض طبیب سے علاج کرائے اور صحت یاب ہو جائے اسے مقلد کہتے ہیں جو اطباء سے لڑے، پنساری کی دکان سے اپنی مرضی کی دوا اٹھا کر کھاتا رہے اور اپنے مرض کو ایسا بگاڑے کہ پھر طبیب بھی اس کو لا علاج قرار دے دے اسے غیر مقلد کہتے ہیں۔

بہر حال امام صاحبؒ کے حافظہ کی بہت سی شہادتیں ان کے اساتذہ، ہم جماعت

اور تلامذہ کی ہیں ان سب کے خلاف ابن عدی (۳۶۵ھ) کا یہ کہہ دینا کہ امام صاحب کا حافظہ کمزور تھا اور دلیل یہ دینا کہ ان سے احادیث میں غلطی ہوئی، بالکل مردود جرح ہے اور جس دلیل پر اس کی بنیاد رکھی ہے وہ بنیاد ہی غلط ہے کیونکہ ان احادیث میں غلطی ابن عدی کے اپنے استاذ نجیرمی کی ہے، اب اس کی غلطی کو امام صاحب پر ڈال کر ان کو ان کے اساتذہ کی شہادت کے خلاف کمزور حافظہ اور پھر ضعیف کہنا بہت بڑا ظلم ہے۔

ایک لطیفہ:

ایک صاحب نے دوران گفتگو جرح شروع کر دی، کہنے لگا کہ امام ابوحنیفہؒ ضعیف تھے، میں نے کہا تو ہزار درجے کا ضعیف ہے وہ بہت بگڑا کہ میرے ضعیف ہونے کا جو دعویٰ تو نے کیا ہے اس کو دلیل سے ثابت کر، دنیا کی کسی عدالت میں جرح مبہم قبول نہیں تو جب دنیا کے بارے میں جرح مبہم قبول نہیں تو دین تو بہت اہم ہے، اس کے بارے میں جرح مبہم کیسے قبول ہو سکتی ہے، میں نے کہا جب تجھ جیسے عام ان پڑھ کے لئے بھی جرح مبہم قبول نہیں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ جن کی امامت فقہاء ومحدثین، علماء وصوفیاء، رعایا وسلاطین اور عرب وعجم میں دوپہر کے سورج کی طرح مسلّم ہے، ان کے بارے میں جرح مبہم کیسے قبول ہوگی؟ کہنے لگا یہ ابن عدی محدث کا فیصلہ ہے میں نے کہا فیصلہ تو وہی قابل قبول ہوتا ہے جو مقبول شہادت پر مبنی ہو، اس کے پاس کون سی شرعی شہادت، ہے کہنے لگا ہم محدثین کا فیصلہ بلا مطالبہ دلیل آنکھیں بند کر کے اندھادھند مانتے ہیں، میں نے کہا اسی کو تو آپ اندھی تقلید اور شرک کہتے ہیں۔ کہنے لگا: واقعی یہ تو اندھی تقلید ہے مگر تو تو تقلید کو مانتا ہے تو تو مان لے۔ میں نے کہا میں تو ابن عدی کے امام، امام شافعیؒ کا بھی مقلد نہیں، آپ کو کس نے بتایا کہ میں ابن عدی کا مقلد ہوں۔ ایک آدمی مجھے کہنے لگا کہ تمہارا فلاں امام کذاب ہے میں نے کہا تو کذاب بن کذاب ہے، بہت بگڑا کہ ہمارے جھوٹ کو شرعی ثبوت سے ثابت کرو، میں نے کہا عجیب بات ہے کہ تجھے کذاب ثابت کرنے کے لئے تو شرعی ثبوت کی ضرورت

ہے اور امام صاحب کو کذاب ثابت کرنے کے لئے کسی شرعی ثبوت کی ضرورت نہ ہو۔ کہنے لگا فلاں شخص کا فیصلہ ہے میں نے کہا دیکھئے مولوی عبدالاحد خان پوری غیر مقلد کا مولوی ثناء اللہ غیر مقلد کے متعلق یہ فیصلہ ہے ''اور ثناء اللہ ملحد زندیق کا دین اللہ کا دین نہیں، اس کا دین تو فلاسفہ دہریہ (منکرین خدا) نمارہ صابئین کا ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہیں اور کچھ دین اس کا ابوجہل کا ہے جو اس امت کا فرعون تھا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے، پس وہ بحکم قرآن واجب القتل ہے'' (فیصلہ حجازیہ ص ۸) دیکھئے مولوی عبدالاحد اس فیصلے کو حجاز کا فیصلہ اور قرآن کا فیصلہ کہتا ہے، بہت چہکا کہ ہم کسی کے مقلد تھوڑے ہی ہیں، ہم اللہ ورسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے میں نے کہا بہت اچھا آپ اللہ ورسول اللہ ﷺ سے دکھا دیں کہ عبدالاحد غیر مقلد کا فیصلہ ثناء اللہ کے بارے میں غلط ہے، وہ نہ مانا، اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ عبدالاحد غیر مقلد قرآن کا فیصلہ بھی سنائے تو وہ بالکل نہ مانا۔ آخر کہنے لگا کہ اگر کتابوں میں لکھی ہوئی ہر ہر بات کو صحیح مان لیا جائے تو نہ صحابہ کرام کی عظمت محفوظ رہ سکے گی، نہ اہل بیت کی، نہ انبیاء علیہم السلام کی۔ میں نے پوچھا جب آپ نے یہ مان لیا کہ کتابوں میں صحیح صحیح باتیں بھی ہیں، غلط بھی تو اب اس کا کیا معیار ہوگا کہ کون سی بات غلط ہے اور کون سی صحیح ہے؟ کہنے لگا کہ تحقیق کی جائے گی، میں نے کہا اول تو ہر آدمی تحقیق نہیں کر سکتا، پھر ہر تحقیق تو ماہر کی بھی صحیح نہیں ہوتی، کہنے لگا پھر آپ کے ہاں کیا معیار ہے؟ میں نے کہا جس طرح قرآن وہی ہے جس کی ہر جگہ تلاوت ہو رہی ہے، اس کے خلاف متروک شاذ قرأتیں ہرگز قرآن نہیں۔ یہی معیار حدیث کے لئے ہے کہ جس حدیث پر یہاں کے فقہاء محدثین وعوام متواتر عمل کرتے آرہے ہیں وہ صحیح ہے، اس کے خلاف متروک وشاذ ہے یہی معیار فقہ میں ہے کہ جن مسائل پر ہر جگہ فتویٰ اور عمل ہے وہ مذہب حنفی ہے اور متروک وشاذ جزئیات مذہب حنفی نہیں۔ یہی معیار تاریخ میں ہے جن کی امامت، ولایت، محدثیت وغیرہ اہل فن کے ہاں مسلّم ہے وہ صحیح، اس کے خلاف کوئی بات ہو تو وہ شاذ وناقابل قبول۔

حکم

جو جرح حافظہ کی وجہ سے ہو اس سے حدیث درجہ صحت سے درجہ حسن میں آجاتی ہے، یہ ایک علمی فرق ہے، عمل دونوں پر ضروری ہے اور اگر اس کا متابع یا شاہد مل جائے تو یہ اتنی جرح بھی ختم ہو جاتی ہے پھر متابع اور شاہد کی وجہ سے وہ حدیث درجہ صحت پر فائز ہو جاتی ہے، یہ اصول خود قرآن مجید میں ہے کہ دو عورتوں کی گواہی کو مرد کی گواہی کے برابر مان لیا ہے اور وجہ یہی بتائی ہے کہ اگر ایک عورت بھول جائے گی تو دوسری یاد دلا دے گی (القرآن) اسی طرح محدثین اہل فن کا اجماع ہے کہ ارسال، تدلیس، انقطاع، جہالت بھی اسی درجہ کی جرحیں ہیں یہ بھی متابعت یا شاہد ملنے سے ختم ہو جاتی ہیں اور یاد رہے کہ فقہاء کے نزدیک سب سے بڑا شاہد تعامل ہے۔

اس پر سب اہل فن کا اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نہ ارسال جرح ہے، نہ جہالت، نہ تدلیس اور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کے دور کو بھی خیر القرون فرمایا ہے۔ جب غلبہ خیر کے ان تینوں ادوار میں ارسال، تدلیس اور جہالت کوئی جرح ہی نہیں۔ بعض محدثین نے تابعین اور تبع تابعین میں تقسیم کر دی ہے کہ بعض کا ارسال اور تدلیس جرح ہے، بعض کا جرح نہیں۔ فقہاء کہتے ہیں کہ ان کی اس تقسیم میں جانبداری، تشدد اور تعصب کو راہ ملتی ہے اور حدیث کا اصول ہی صحیح ہے جس میں جانبداری، تشدد اور تعصب کو کوئی راہ نہیں ملتی۔ تابعی و تبع تابعی مکہ کا ہو یا مدینہ کا، کوفہ کا ہو یا بصرہ کا، یمن کا ہو یا شام کا، سب کے لئے ایک ہی اصول ہے، حدیث کے خلاف عقل بھی یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ تابعی اور تبع تابعی پر تو بداعتمادی قائم ہو کہ ان کے مرسل صحیح نہیں اور امام بخاری پر اتنا اعتماد کہ ان کی تعلیقات بھی حجت ہوں، خیر القرون کی جہالت تو مضر ہو مگر طبرانی کے وہ شیوخ جن کو میزان میں ضعیف نہ کہا گیا ہو ان کی جہالت مضر نہ ہو اور روایت مقبول ہو، امام ابو حنیفہؒ اور تمام فقہاء کوفہ کسی حدیث کے موافق عمل بھی

کرتے رہیں تو حدیث کو صحیح نہ مانا جائے اور حافظ ابن حجر کے صرف فتح الباری یا تلخیص الحبیر میں لکھ دینے سے ہی حدیث کا صحت یا حسن ہونا ثابت ہو جائے۔

عدالت پر جرح:

جرح کا دوسرا بنیادی سبب عدالت کا مجروح ہونا ہے العدالة وهى الاستقامة فى الدين و المعتبر ههنا كمالها و هو رجحان جهة الدين و العقل على طريق الهوى و الشهوة حتى اذا ارتكب كبيرة أو أصر على صغيرة سقطت عدالته۔ (المنار) ''عدالت کے معنی ہیں دین پر مستقیم (اٹل) رہنے کے، (اور روایت حدیث کے باب میں کمال استقامت یعنی) عدالت کاملہ معتبر ہے اور (عدالت کاملہ) یہ ہے کہ دین اور عقل کا پہلو خواہش اور شہوت کی راہ و رسم پر غالب ہو، چنانچہ جب کوئی کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا کسی گناہ صغیرہ کے ارتکاب پر مصر ہو تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔'' گناہ کبیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا، کسی مسلمان کو قتل کرنا، کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا، جہاد سے بھاگنا، یتیم کا مال کھانا، مسلمان ماں باپ کی نافرمانی کرنا (ایسے کاموں میں جو گناہ کے نہ ہوں)، حرم شریف میں بے دینی کی طرف مائل ہونا، سود خوری، چوری کرنا، شراب پینا، زنا، لواطت، جادو کرنا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، رہزنی، غیبت، جوا بازی وغیرہ۔ جس کی عدالت کسی متفق علیہ گناہ کی وجہ سے ساقط ہو جائے اسے فاسق کہتے ہیں۔ احکام شرعیہ میں اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔

مقبول جرح:

امام ابوالبرکات النسفی (۷۱۰ھ) فرماتے ہیں الطعن المبهم من أئمة الحديث لا يجرح الراوى عندنا الا اذا وقع مفسرا بما هو جرح متفق عليه ممن اشتهر بالنصيحة دون التعصب (ص ۱۹۲) ہمارے ہاں محدثین کا مبہم طعن راوی کو مجروح نہیں کرتا۔ مگر جب اس طعن کی تفسیر اس طرح کی گئی ہو کہ اس میں متفق علیہ

سبب جرح ثابت کیا جائے اور وہ جارح بھی ایسا ہو کہ دین کی خیر خواہی میں مشہور ہو اور متعصب نہ ہو (اور ناقل بھی متعصب نہ ہو کہ محاسن کو چھپائے اور معائب کو گائے)۔

مراتب جرح وتعدیل:

محدثین کے کچھ اصطلاحی الفاظ ہوتے ہیں۔ تقریب التھذیب چونکہ مختصر کتاب ہے، اس میں جرح تعدیل اور راویوں کے زمانہ کے اعتبار سے ۱۲۔۱۲ طبقے مذکور ہیں۔ جرح تعدیل کے اعتبار سے مراتب یہ ہیں:

۱.........صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا، یہ سب عادل ہیں۔

۲.........جس راوی کی توثیق میں تاکید ہو او ثق الناس یا ثقہ ہے ثقہ ہے، یا ثقہ ہے، حافظ ہے۔

۳.........جس کے بارے میں ہو ثقہ یا عدل یا متقن یا ثبت کوئی ایک ہو۔

۴.........ذرا اس سے کم درجہ صدوق، لا بأس به، ليس به بأس۔

۵.........اس کے کم صدوق سيئى الحفظ، صدوق يهم، صدوق له أوهام، صدوق يخطى، صدوق تغير بآخره اسی درجے میں بدعتی راوی آجاتے ہیں جیسے شیعہ، قدری، ناصبی، مرجئ، جہمی وغیرہ۔

۶.........وہ راوی جو قلیل الروایت ہو اور اس میں کوئی سبب جرح نہ پایا گیا ہو، اگر سند میں کوئی اس کا تابع مل جائے تو اسے مقبول کہتے ہیں، متابع نہ ملے تو لین الحدیث۔

۷.........وہ راوی جس سے روایت کرنے والے ایک سے زائد شاگرد ہوں، اگرچہ کسی نے واضح طور پر اس کو ثقہ نہ کہا ہو، اس راوی کو مستور یا مجہول الحال کہتے ہیں۔

۸.........ایسا راوی جس کو کسی نے ثقہ نہیں کہا اور کسی نے ضعیف کہہ دیا ہے اگرچہ اس کا سبب ضعف بیان نہیں کیا، اس کو ہم ضعیف لکھیں گے۔

۹.........ایسا راوی جس کا ایک ہی شاگرد ہو اور کسی معتبر نے اس کو ثقہ نہ کہا ہو، وہ مجہول ہے۔

۱۰..........جس راوی کی کسی نے توثیق نہ کی ہو اور جارحین نے اس پر مفسر جرح کی ہو اس کو متروک، متروک الحدیث، واہی الحدیث یا ساقط الحدیث کہتے ہیں۔

۱۱..........جس پر جھوٹ کی تہمت ہو۔

۱۲..........جس پر کذب اور وضع کا اطلاق ہو۔

فوائد:

ان بارہ طبقات میں سے پہلے نو طبقات تو وہ ہیں جن پر جرح مفسر ہے ہی نہیں۔ اس لئے یہ راوی ہمارے ہاں مجروح نہیں ہیں اگر چہ اس کو ضعیف لکھا ہو اور نواں طبقہ جس کا گناہ یہ لکھا ہے کہ اس کا ایک ہی شاگرد ہو، یہ کوئی سبب جرح نہیں ہے۔ دیکھو عبدالرحمٰن بن نمیر الیحصبی کا صرف ایک شاگرد ولید بن مسلم ہے اور اس کی حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی میں ہے (مقدمہ فتح الباری)۔ اسی طرح عبداللہ بن اوس کا ایک ہی شاگرد ابوسلیمان الکحال ہے مگر اس کی حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں ہے اور کسی کی نص کہ یہ راوی ثقہ ہے یہ ہونا بھی ضروری نہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی خود لکھتے ہیں: و فی رواۃ الصحیح عدد کثیر ما علمنا أن احدا نص علی توثیقھم (میزان الاعتدال ص ۴۲۶، ج ۳) یعنی صحیح بخاری میں ایسے بہت سے راوی ہیں جن کے ثقہ ہونے پر کسی کی نص نہیں ملتی۔

متروک:

متروک کے بارے میں حافظ نے کہا ہے کہ متروک، واہی، ساقط وہ راوی ہے جس پر جرح مفسر ہو۔ اس میں بھی دیکھا جائے گا کہ سبب جرح متفق علیہ ہے یا مختلف فیہ ہے اور جارح ناصح ہے یا متشدد یا متعنت یا متعصب۔ اگر سبب جرح متفق علیہ ہو اور جارح ناصح ہو تو جرح مقبول ہوگی بشرطیکہ اس راوی کی امامت مسلم نہ ہو۔

کذب کی جرح:

بعض نے اس کو مفسر سمجھا ہے اور متفق علیہ بھی قرار دیا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں۔ عربی

زبان میں کذب کا اطلاق کافی وسیع ہے۔ دیکھو بخاری شریف میں حضرت ابراہیمؑ کے توریہ پر کذب کا اطلاق خود حضورﷺ نے فرمایا ہے۔ اس سے بعض مخالفین نے ناجائز فائدہ اٹھایا، پہلے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ فقہاء کرام حیلے بیان کرتے ہیں، پھر حیلے پر کذب اور فقہاء پر کذاب تک کا اطلاق کرنے لگے۔ وتر کے ایک اجتہادی حکم میں حضرت عبادہ بن الصامت نے بدری صحابی ابو محمدؓ کے بارے میں فرمادیا کذب أبو محمد (نسائی، ابوداؤد، ترمذی) اس کو دلیل بنا کر بعض محدثین نے اپنے اجتہادی مخالفین پر کذاب کا اطلاق کردیا۔ اس لئے جب تک کذب بمعنی جھوٹ ثابت نہ ہو یہ جرح مبہم ہی سمجھی جائے گی بلکہ بعض محققین نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ کذاب، وضاع، دجال وغیرہ اگرچہ معنی کے اعتبار سے مفسر ہیں تاہم ان کو مبہم سمجھا جائے گا جب تک وہ حدیث پوری سند سے نہ آئے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ حدیث تو گھڑی ہوئی ہو مگر گھڑنے والا کوئی دوسرا راوی ہو اور کسی نے غلطی سے دوسرا سمجھ لیا ہو۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۵۴)

فائدہ:

حافظ ابن حجر نے تقریب میں زمانہ کے اعتبار سے راویوں کے بارہ طبقے بیان کئے ہیں۔ جن میں پہلے نو طبقے خیر القرون کے راوی ہیں اور آخری تین مابعد خیر القرون کے۔ اس لئے خوب یاد رکھیں کہ خیر القرون یعنی پہلے نو طبقوں کے راویوں کا ارسال، انقطاع، تدلیس یا جہالت ہمارے ہاں کوئی جرح نہیں (نور الانوار ص ۱۹۲، قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۲۷)۔

ایک وضاحت:

اسلام کا علمی سرمایہ جو امت کو ورثہ میں ملا ہے اس کے ثبوت کے مختلف طریق ہیں جیسا کہ اس مضمون کے ابتداء میں گزرا۔ قرآن پاک جس قطعی تواتر سے ثابت ہے، احادیث کا وہ حصہ جو اخبار آحاد کہلاتا ہے یقیناً اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، پھر احادیث کی جانچ

پرکھ کا جو معیار ہے تاریخ کا معیار یقیناً اس سے بہت فروتر ہے۔ دور برطانیہ سے پہلے سب مسلمان قرآن وحدیث اور تاریخ کو اپنے اپنے درجہ پر مانتے تھے۔ دور برطانیہ میں اسلام کے علمی ورثہ کو مشکوک بلکہ ناقابل اعتماد بنانے کی تحریک اتنے زور سے اٹھی کہ اچھے بھلے لوگ اس میں بہہ گئے۔ اس علمی سرمایہ کے انکار کی ابتداء انکار تاریخ سے کی گئی کہ جب اسلامی شخصیات کی عظمت کا ثبوت ہی باقی نہ رہے گا تو الفاظ کو مشکوک کرنا آسان ہو جائے گا۔ اس کی ابتداء ہمارے علم کے مطابق یوں ہوئی کہ میاں نذیر حسین دہلوی غیر مقلد نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے فضائل کا انکار کرنے کے لئے یہ شرط لگائی کہ امام اعظمؒ کے فضائل ہم وہ مانیں گے جو سند صحیح، متصل، مسلسل سے ثابت ہوں (معیار الحق ص ۵۱)۔ حالانکہ اس شرط پر تاریخ تو کیا بہت سی احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ صحیح کی شرط سے تمام حسن احادیث کا انکار ہو گیا اور متصل سے تمام مرسلات، تعلیقات، بلاغات کا انکار ہو گیا اور مسلسل کا مطلب ہے کہ سند میں عنعنہ نہ ہو تو دیکھو صحاح ستہ میں کتنی احادیث عنعنہ سے خالی ہیں۔ میاں نذیر حسین نے حضرت امام اعظمؒ کی دشمنی میں پوری تاریخ اسلام کو داؤ پر لگا دیا۔ اب سوال اٹھا کہ کیا ہر محدث اور ہر ہر راوی کے حالات سند صحیح، متصل، مسلسل سے ثابت ہیں؟ اس ایک فقرے نے پورے اسماء الرجال پر بھی پانی پھیر دیا۔ دیکھو امام دشمنی نے کہاں تک پہنچا دیا۔ اب غیر مقلد کتنے راویوں کے حالات اور کتنی احادیث کو اس معیار پر پورا اتار سکتے ہیں، اس معیار حق نے ساری تاریخ اور حدیث کو ناحق کر دکھایا۔ منکرین سنت نے کتنی سنتوں کا اس لئے انکار کر دیا کہ ان کی سند صحیح، متصل اور مسلسل نہیں۔ منکرین معجزات نے کتنے معجزات کا انکار کر ڈالا جن کی سند صحیح، متصل، مسلسل نہ تھی اور منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم، منکرین اہل بیت نے ان کے فضائل کی کتنی حدیثوں کا انکار کر دیا جو سند صحیح، متصل، مسلسل سے ثابت نہ تھیں۔ میاں صاحب نے تاریخ کو تاریخ کے مسلمہ معیار پر ماننے سے انکار کر دیا کہ ہم تاریخ کو جب مانیں گے کہ اس کو حدیث کے اعلیٰ ترین معیار پر ثابت کرو۔ جب نام نہاد اہل حدیث نے یہ قدم اٹھایا تو ان کے بھائی نام نہاد اہل قرآن کب پیچھے رہنے والے تھے۔

انہوں نے کہا کہ ہم صرف ان احادیث کو مانیں گے جن کا ثبوت قرآن کی طرح قطعی اور متواتر ہو۔ اب میاں صاحب کب تمام احادیث کو قرآنی معیار پر ثابت کر سکتے تھے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ امام صاحب سے دشمنی کے جوش میں ایسا ہوش کھویا کہ نہ تاریخ ہاتھ میں رہی اور نہ حدیث۔ آہ! اللہ والوں کی شان میں گستاخی کرنے کا وبال اسی طرح انسان کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے کہ فلاح کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

متن اور سند:

یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ محدثین کے ہاں حدیث سند کو کہتے ہیں، ان کو جو اہل حدیث یا اصحاب الحدیث کہتے ہیں اس کا معنی ہوتا ہے سند والے یعنی سند کی تحقیق اور چھان بین کرنے والے۔ اہل حدیث کا معنی غیر مقلد نہیں ہوتا اور فقہاء کرامؒ کے ہاں حدیث متن کو کہتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی محدث کسی حدیث کے بارے میں ضعیف یا لا أصل له کہے تو یہ حکم اس سند پر ہوتا ہے نہ کہ متن پر۔ عین ممکن ہے کہ وہی متن کسی دوسری صحیح سند سے ثابت ہو بلکہ متواتر ہو۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اس متن کو محدثین نہ صرف صحیح بلکہ متواتر مانتے ہیں، لیکن ھیثمی نے مجمع الزوائد میں کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ متن درج کر کے اس کو ضعیف لکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان سندوں سے یہ متن ضعیف ہے اگر چہ دوسری سندوں سے یہ متن نہ صرف صحیح بلکہ متواتر ہے۔ محدثین نے صحاح وغیرہ میں ان احادیث کی صحیح اور حسن سندیں جمع کیں۔ یہی متون جو ضعیف یا بے اصل سندوں سے تھے وہ ابن الجوزی وغیرہ نے تذکرۃ الموضوعات اور العلل المتناھیہ فی احادیث الواھیہ میں جمع کر دیئے۔ مشہور منکر حدیث حبیب الرحمٰن کاندھلوی نے تذکرۃ الموضوعات اور العلل المتناھیہ کو سامنے رکھ کر چار جلدوں میں ایک کتاب ''ہماری مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت'' مرتب کر ڈالی۔ محدثین کے نزدیک تو یہ متون ان سندوں سے ضعیف تھے مگر اس کا یہ مطلب نہیں

کہ یہ متون دوسری سندوں سے ہرگز ثابت نہیں لیکن ناواقف لوگ اس کی کتاب کو پڑھ کر یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاید فضائل علم، فضائل خلفاء راشدین وصحابہ رضی اللہ عنہم اور فضائل اہل بیت اور خصائص نبوی وغیرہ کے بارے میں کوئی بھی حدیث صحیح نہیں۔ پھر راویوں کے حالات نقل کرنے میں بھی اس نے جس دجل اور فریب سے کام لیا ہے اس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ ان کی توثیق نقل نہیں کی، جرح کا کوئی متفق علیہ سبب بیان نہیں کیا، نہ ہی یہ بتایا کہ جارح خارجی ہے یا ناصبی یا رافضی، متشدد ہے یا متعنت یا متعصب، مجروح اور جارح کے درمیان کتنا زمانہ ہے جارح اور ناقل کے درمیان کتنا وقفہ ہے، جارح اور مجروح کے درمیان کوئی دینی یا دنیاوی مخالفت تو نہیں، لیکن ایسی تحقیق تو وہ کرے جس کا مقصد احقاقِ حق ہو اور جس کا مقصد ہی جاہل عوام میں انکارِ حدیث اور اسلاف بیزاری پیدا کر کے ان کو دین سے بیزار کرنا ہو وہ کیوں ایسی تحقیق میں پڑے۔ اللہ تعالیٰ ایسے دھوکے بازوں سے اپنے دین اور مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں، آمین۔
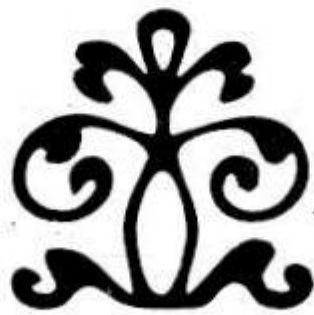
اصولِ حدیث و تقلید سے متعلق گیارہ سوالات کے جوابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال اول:

آج کل جو حدیث پاک کی کتابیں دستیاب ہیں، یہ کس زمانہ میں مرتب ہوئیں؟

جواب:

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی۔ باوجود اس کے کہ قرآن پاک بھی عربی زبان میں نازل ہوا، رسولِ اقدس ﷺ کی زبان بھی عربی تھی اور قرآن پاک کے اولین مخاطبین بھی اہل عرب تھے، تاہم قرآن پاک کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی تبیین یعنی وضاحت کا کام آپ کے سپرد تھا اور قرآن پاک کا معلم آپ ﷺ کو ہی قرار دیا گیا، جنہوں نے الفاظِ قرآن کو عملی جامہ کی شکل میں پیش فرمایا۔ اسی عملی جامہ کو قرآن نے "اُسوۂ حسنہ" قرار دیا اور اُمت میں اسی کا نام سنت نبوی ﷺ قرار پایا۔ جس طرح الفاظِ قرآن پاک سات ائمہ قرأت کے ذریعے اُمت کو مکمل طور پر اور متواتر اور یقینی طور پر ملے۔ تاہم جس علاقہ میں جس امام کی قرأت تلاوتاً متواتر ہوئی اس علاقہ میں اسی قرأت پر تلاوت جاری رہی۔ اس سے قرآن کی تلاوت بھی ہر ہر گھر میں جاری رہی اور اُمت میں اختلاف اور فتنہ کی نوبت بھی نہ آئی۔ ہر علاقہ میں جو لوگ نئے مسلمان ہوتے وہ سب اسی مروجہ قرأت پر تلاوت کرتے اور جو لوگ نئے پیدا ہوتے وہ بھی

اسی مروجہ قرأت پر تلاوت کرتے۔

الفاظِ قرآن کی طرح عمل بالقرآن جو آپ ﷺ نے فرمایا، جس کو اُسوہ حسنہ اور سنت نبوی ﷺ کہا جاتا ہے، یہ بھی اُمت کو مکمل اور عملاً متواتر شکل میں چار ائمہ کے ذریعے ملا۔ ان چار طریقوں کو مذاہب اربعہ کہا جاتا ہے۔ اب جس علاقہ میں جس امام کا مذہب درساً اور عملاً متواتر ہوگیا، وہ سب لوگ اسی مذہب کے مطابق سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے رہے، مثلاً ہمارے ملک پاک وہند میں مذہب حنفی کی شکل میں نبی پاک ﷺ کی سنت پہنچی، یہاں لاکھوں لوگ جو وقتاً فوقتاً اسلام لائے وہ حنفی مذہب کے مطابق ہی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے رہے اور ان کی اولادیں بھی آج تک مذہب حنفی کے مطابق ہی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتی آرہی ہیں۔ جس طرح اس ملک کے لوگ قاری عاصم کوفیؒ کی قرأت پر ہی خدا کی کتاب کی تلاوت کرتے آرہے ہیں، الغرض اس ملک کے مسلمانوں نے علم قرآن سے، عمل سنت نبوی ﷺ سے اور تشریح فقہ حنفی سے لی۔

دورِ صحابہ کرامؓ:

قرآن پاک بہت سے حفاظ صحابہ کرامؓ نے مکمل طور پر حفظ کرلیا اور خلافت راشدہ میں مکمل قرآن سینہ کے ساتھ ساتھ سفینہ (مصحف) میں بھی محفوظ کرلیا اور سنت جو روزمرہ کا عمل تھا وہ مکمل ان کے عمل میں محفوظ ہوگیا اور اُمت کو عملی تواتر سے ملا۔ یہی عملی تواتر ائمہ اربعہ کی فقہوں کی بنیاد بنا۔ اسی لئے کتب فقہ میں دین مکمل اور متواتر و مشہور طریقہ سے مدون ہوا اور وہی مکمل اور متواتر مذہب آج تک چلا آرہا ہے۔

علاوہ ازیں جو مسائل روزانہ پیش نہ آتے تھے ان کی احادیث بعض صحابہ کرامؓ زبانی یاد فرمالیتے، ان میں حضرت ابو ہریرہؓ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ اور بعض حضرات نوٹ بکوں کے انداز میں لکھ لیتے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ زیادہ مشہور تھے۔ ان کی نوٹ بک یا کتاب کا نام ''صادقہ'' تھا۔ اس دور میں رافضیت اور خارجیت نے جنم لیا۔ رافضیت نے تو اولین راویان حدیث صحابہ کرامؓ کو ناقابل اعتماد قرار دینے پر سارا زور صرف کردیا اور خارجیوں نے قرآن، قرآن کے نام سے گویا انکار حدیث کی بنیاد رکھی۔

دورِ تابعینؒ:

صحابہ کرامؓ کی مبارک زندگیوں کا اکثر حصہ میدان جنگ میں گزر گیا۔ ان میں روایتِ حدیث بھی عام تھی اور کتابتِ حدیث بھی، مگر اس کی مکمل تدوین کے لئے وقت نہ نکال سکے۔ دورِ تابعین میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک خط لکھا: ان عمر بن عبدالعزیز کتب الٰی أبی بکر بن عمرو بن حزم ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ أو سنته أو حدیث عمر أو نحو ھٰذا فاکتبه لی فانی قد خِفتُ دروس العلم وذھاب العلماء (موطا امام محمدؒ ص۳۸۹) ''بے شک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن عمرو بن حزم کو خط لکھا کہ دیکھو جو حدیث رسول اللہ ﷺ یا آپ کی سنت یا حضرت عمرؓ اور اس طرح کسی اور کی حدیث مل جائے، ان کو میرے لیے لکھ لو، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ علم مٹ نہ جائے اور علماء چلے نہ جائیں۔'' امام ابونعیم تاریخ اصبہان میں فرماتے ہیں کہ یہی خط حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہر ہر علاقے والوں کو تحریر فرمایا۔

علاقائی تدوین:

چنانچہ اس خط کے بعد ہر ہر علاقہ میں حدیث پاک کی تدوین کا کام زور پکڑ گیا، مگر یہ تدوین اپنے اپنے علاقہ میں جو صحابہؓ اور تابعینؒ تھے، ان کی احادیث کی حد تک محدود رہی۔ چنانچہ امام زہریؒ نے مدینہ منورہ میں مدنی احادیث کو جمع فرمایا اور امام شعبیؒ نے کوفی احادیث کو جمع فرمایا۔ امام شعبیؒ نے پانچ سو صحابہ کرامؓ کو پایا۔ ان کا وصال ۱۰۰ھ کے بعد ہوا۔ امام ابوبکر بن حزم ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے اور امام زہریؒ ۱۲۴ھ میں۔ امام شعبیؒ جو ان تینوں حضرات سے سبقت لے گئے، یہ حضرت امام اعظمؒ کے اکابر شیوخ حدیث میں سے ہیں اور امام زہریؒ بھی حضرت امام صاحبؒ کے استاذ حدیث ہیں۔ اس علاقائی تدوین میں علم اسماء الرجال کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اپنے علاقے کے اکابر شیوخ جن سے احادیث لیتے تھے، ان کا تقویٰ وطہارت اور ان کی ثقاہت اس علاقہ میں متواتر اور یقینی ہوتی تھی۔

تبع تابعینؒ کا دور:

اس دور میں تدوین اور عام ہوئی اور اپنے علاقے کے علاوہ دور دراز کے علاقوں

کے سفر بھی شروع ہوئے۔ اس دور میں کثرتِ اسانید کا ذوق بھی بڑھا اور اس شوق میں مشہور مشائخ حدیث کے علاوہ غیر مشہور راویوں سے بھی روایات لی جانے لگیں۔ اب دو قسم کے راوی ہو گئے۔ ایک مشاہیر، دوسرے عوام۔ مشاہیر کی تعدیل وثقاہت تو متواتر تھی، عام راویوں پر کلام کی ابتداء ہوئی۔

حدیث کی صحت وضعف کا معیار:

لیکن اس دور میں بھی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا معیار صرف اسماء الرجال نہ تھا بلکہ تعامل تھا۔ اسی لئے امام مالکؒ حدیث کے بعد تعامل اہل مدینہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور امام محمدؒ تعامل اہل کوفہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام عبدالرزاق حدیث کے بعد فقہاء صحابہؓ کے فتاویٰ کا ذکر فرماتے ہیں، جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں شہر وعلاقہ میں فلاں اختلافی حدیث پر فلاں فقیہ کی رہنمائی میں عمل جاری رہا۔ اور فلاں علاقہ میں فلاں اختلافی حدیث پر فلاں فقیہ کی رہنمائی میں عمل جاری رہا۔ امام بخاری کے اُستاد امام مکی بن ابراہیمؒ فرمایا کرتے تھے: کان ابو حنیفة زاهدًا عالمًا راغبًا فی الآخرة صدوق اللسان احفظ اهل زمانه. (موفق ص۲۱۴/ ج۱) امام ابوحنیفہؒ دنیا سے بے رغبت، عالم آخرت کی طرف راغب، سچے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ (الحدیث) تھے۔ بلکہ اس دور میں محدثین ان کو حدیث کا شہنشاہ فرماتے تھے۔ (بغدادی) امام المحدثین حضرت علی بن جعد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: أبو حنیفة إذا جاء بالحدیث جاء به مثل الدر (خوارزمی ص۳۰۸/ ج۲) کہ امام ابوحنیفہؒ کی حدیث سچے موتی جیسی ہوتی ہے۔ امام المحدثین، امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ ثقہ راویوں سے ہی صحیح احادیث لیتے ہیں اور اختلافی احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے آخری فعل کو اختیار فرماتے اور (احادیث کی صحت وضعف یا انتخاب میں صرف اپنی ذاتی تحقیق پر مدار نہ رکھتے، بلکہ علماء اہل کوفہ کے اتفاق کو اختیار فرماتے (الانتقاء لابن عبدالبر ص۱۴۲) جو حدیث، قرآن پاک یا فقہاء اہل کوفہ کے اجماع کے خلاف ہوتی، اس کو شاذ قرار دے کر ترک فرما دیتے۔ (الانتقاء ص۱۴۹)

خیر القرون کا طرزِ عمل:

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: إذا اختلف مذاهب الصحابة والتابعين في مسئلة فالمختار عند كل عالم مذهب أهل بلده وشيوخه لأنه أعرف بالصحيح من أقاويلهم من السقيم وأوعى للأصول المناسبة لها وقلبه أميل إلى فضلهم وتبحرهم (الانصاف) جب صحابہؓ اور تابعین کے مذاہب کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے ہیں تو ہر عالم اپنے شہر کے شیوخ و مجتہدین کے مذہب کو اختیار کرتا، کیونکہ وہ اپنے شہر کے مجتہد کے اقوال کے صحت وسقم کو خوب جانتا اور مجتہد کے اصولوں کو یاد رکھتا اور اس کا دل اس مجتہد کے فضل و تبحر کی طرف زیادہ مائل ہوتا (کیونکہ اس کے بارہ میں وہ تواتر اور یقین کے ساتھ جانتا۔)

امام مالکؒ کو خلیفہ نے کہا کہ اگر مؤطا کو ساری دنیا کا قانون بنا دیا جائے اور لوگوں کو اس پر جمع کیا جائے۔ تو امام مالکؒ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو، کیونکہ صحابہ کرامؓ میں فروعی اختلافات تھے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور ہر علاقے میں اس صحابی کا مسلک جاری ہوگیا۔ اب لوگوں کو اسی بات پر رہنے دو۔ یہی طریقہ خیر القرون کے بعد بھی اہل سنت میں آج تک چلا آرہا ہے کہ جس ملک میں جس مجتہد کا مذہب رائج ہوگیا، سب لوگ اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اس طرح سنت پر بھی مکمل عمل ہوتا ہے اور کوئی اختلاف اور جھگڑا بھی پیدا نہیں ہوتا۔

مابعد خیر القرون:

خیر القرون میں احادیث بھی جمع ہوگئیں اور فقہ کے چار مذاہب مدون ہوگئے۔ پہلی حدیث کی کتابوں میں فقہ کا ساتھ ذکر ہوتا، جیسے مؤطا امام مالک میں فقہاء اہل مدینہ کا تعامل مذکور تھا۔ مؤطا امام محمد میں اہل کوفہ کے فقہاء کا تعامل۔ ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق میں بھی احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہؓ اور تابعین کے فقہی فتاویٰ مذکور تھے۔ پھر اسی دور میں ائمہ اربعہ نے حدیث سے فقہ کو الگ کر کے صرف فقہی مذاہب کو مدون اور مرتب کرادیا اور

چار مذاہب اہل سنت میں رائج ہو گئے۔ اب محدثین میں بھی یہ بات چلی کہ احادیث کو فقہی فتاویٰ سے الگ کر کے مرتب کیا جائے۔ اس لئے اصحاب صحاح ستہ نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ اب سوال یہ تھا کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے فقہی فتاویٰ شامل نہ کئے جائیں، صرف مرفوع احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان مرفوع احادیث میں بھی اختلافی احادیث تھیں، ان میں سے کن کو لیا جائے اور کن کو چھوڑا جائے، تو خیر القرون میں انتخاب کا یہ طرز تھا کہ جس علاقے میں جس اختلافی حدیث کو فقہاء میں تلقی بالقبول نصیب ہو جاتی، اس حدیث کو لیا جاتا اور جو حدیث اس علاقے کی تلقی بالقبول سے ٹکراتی اس کو شاذ سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا۔ اب طریقہ یہ ہو گیا کہ مابعد خیر القرون کے محدثین، ائمہ اربعہؒ میں سے کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے۔ اس لئے اختلافی احادیث میں ان احادیث کا انتخاب کرتے جو ان کے امام کے مذہب کے موافق ہوتیں۔ دوسرے امام کے دلائل کو نقل کرنا وہ ضروری نہ سمجھتے تھے۔ اب ہم ان میں سے چند مشہور اور متداول کتابوں کی فہرست درج کرتے ہیں:

(۱) مسند امام اعظم ۱۵۰ھ
(۲) مؤطا امام مالک ۱۷۹ھ
(۳) مؤطا محمد ۱۸۹ھ
(۴) کتاب الآثار ابی یوسف ۱۸۲ھ
(۵) کتاب الآثار محمد ۱۸۹ھ
(۶) کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ ۱۸۹ھ
(۷) المدونۃ الکبریٰ ۱۹۱ھ
(۸) مسند الشافعی ۲۰۴ھ
(۹) ابو داؤد طیالسی ۲۰۴ھ
(۱۰) عبد الرزاق ۲۱۱ھ
(۱۱) مسند الحمیدی ۲۱۹ھ
(۱۲) سعید بن منصور ۲۲۷ھ
(۱۳) مسند ابی الجعد ۲۳۰ھ
(۱۴) ابن ابی شیبہ ۲۳۵ھ
(۱۵) مسند احمد ۲۴۱ھ
(۱۶) سنن دارمی ۲۵۵ھ
(۱۷) صحیح بخاری ۲۵۶ھ
(۱۸) صحیح مسلم ۲۶۱ھ
(۱۹) سنن ابن ماجہ ۲۷۳ھ
(۲۰) سنن ابوداؤد ۲۷۵ھ
(۲۱) جامع ترمذی ۲۷۹ھ
(۲۲) سنن نسائی ۳۰۳ھ
(۲۳) ابو یعلیٰ ۳۰۷ھ
(۲۴) ابن الجارود ۳۰۷ھ

(۲۵)الکنی والاسماء دولابی ۳۱۰ھ (۲۶)تفسیر طبری ۳۱۰ھ
(۲۷)صحیح ابن خزیمہ ۳۱۱ھ (۲۸)ابوعوانہ ۳۱۶ھ
(۲۹)شرح معانی الآثار طحاوی ۳۲۱ھ (۳۰)مشکل الآثار ۳۲۱ھ
(۳۱)معجم صغیر طبرانی ۳۶۰ھ (۳۲)معجم الاوسط ۳۶۰ھ
(۳۳)المعجم الکبیر طبرانی ۳۶ھ (۳۴)عمل الیوم واللیلہ ۳۶۴ھ
(۳۵)کتاب العظمۃ ۳۶۹ھ (۳۶)الدار قطنی ۳۸۵ھ
(۳۷)ناسخ الحدیث ومنسوخہ ۳۸۵ھ (۳۸)مستدرک حاکم ۴۰۵ھ
(۳۹)سنن بیہقی ۴۵۸ھ (۴۰)شعب الایمان ۴۵۸ھ
(۴۱)معرفۃ السنن والآثار ۴۵۸ھ (۴۲)جامع بیان العلم ۴۶۳ھ
(۴۳)مسند الفردوس ۵۰۹ھ (۴۴)شرح السنۃ ۵۱۶ھ
(۴۵)ابن حبان ۳۵۴ھ (۴۶)ابن شاہین ۳۸۵ھ
(۴۷)الکامل ابن عدی ۳۶۵ھ (۴۸)حلیۃ الاولیاء ۴۳۰ھ
(۴۹)الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ (۵۰)المحلی لابن حزم ۴۵۷ھ
(۵۱)خطابی ۳۸۸ھ (۵۲)جامع الاصول ۶۰۶ھ
(۵۳)مشکوۃ ۷۳۷ھ (۵۴)نصب الرایہ ۷۶۲ھ
(۵۵)جامع المسانید ابن کثیر ۷۷۴ھ (۵۶)مجمع الزوائد ۸۰۷ھ
(۵۷)فتح الباری ۸۵۲ھ (۵۸)عمدۃ القاری ۸۵۵ھ
(۵۹)الجامع الکبیر ۹۱۱ھ (۶۰)کنز العمال ۹۷۵ھ

ان کتابوں کے مؤلفین یا تو اہل سنت مجتہدین ہیں یا اہل سنت مقلدین۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ نہ اس میں اجتہاد کی اہلیت تھی اور نہ ہی تقلید کرتا تھا، بلکہ غیر مقلد تھا۔ اس لئے اجتہاد کو کارِ ابلیس کہتا تھا اور تقلید کو شرک کہتا تھا۔

سوال دوم:

کیا دین میں سند مطلوب ہے یا نہیں؟ اور اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب:

سند کا اگر یہ مطلب ہے کہ حدثنا فلاں عن فلاں تو اس کا حکم نہ قرآن پاک میں ہے اور نہ کسی حدیث میں۔ اسی لئے ابتدائے اسلام میں اس کو ضروری نہیں سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: **لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا سموا لنا رجالکم فینظر إلی أھل السنۃ فیوخذ حدیثھم وینظر إلی اھل البدع فلا یوخذ حدیثھم** (مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۱/ ج ۱) ''پہلے سند نہیں پوچھا کرتے تھے، جب فتنہ واقع ہوا تو کہنے لگے کہ راویوں کے نام بتاؤ تاکہ دیکھا جائے کہ اگر راوی اہل سنت ہوگا تو حدیث لی جائے گی اور اگر اہلِ بدعت ہوگا تو نہیں لی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ متقدمین نے تو اسناد کو مصلحتاً مخالفین اہل سنت کے واسطے نکالا تھا۔ اس کے بدعت حسنہ ہونے میں شک نہیں۔ یہ خود مقصود نہیں، بلکہ ایک مقصود کا ایک ذریعہ ہے۔ جس طرح اُمت کے انتظام کے لیے تقلید شخصی کا وجوب بالغیر ہے، اسی طرح سند کا لزوم بھی بالغیر ہے، بالذات نہیں۔ ابن سیرین کے بعد جن تبع تابعین یا بعد والوں نے سند کو ضروری کہا، عقلی دلائل سے کہا۔ کسی نے سند کو پرندے کے پروں سے تشبیہ دی، کسی نے اسلحہ سے تشبیہ دی۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ خیر القرون میں اس پر اتفاق تھا کہ اہل سنت کی حدیث لی جائے گی اور اہل بدعت کی حدیث نہیں لی جائے گی۔ لیکن خیر القرون کے ختم ہوتے ہی اس اتفاق کو ختم کر دیا گیا۔ خود بخاری و مسلم نے کتنے ائمہ اہل سنت سے حدیث نہیں لی اور ان کو چھوڑ کر اہل بدعت سے احادیث لیں اور آج کل سنت کے مسئلہ میں بہت افراط وتفریط ہو رہی ہے۔ ایک طرف اہل بدعت ہیں، وہ ثبوت مسئلہ کے لئے سرے سے کسی سند کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے اور خوب بے پر کی اُڑاتے ہیں۔ دوسری طرف غیر مقلدین ہیں۔ وہ متواترات کے لئے بھی سند تلاش کرتے ہیں۔ اگر نہ ملے تو انکار کر دیتے ہیں۔ یہ دونوں گمراہی کے راستے ہیں۔ پہلی بات کا نقصان یہ ہے کہ بہت سی باتیں جن کا دین میں ثبوت نہیں ان کو دین میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ اور دوسری بات کا نقصان یہ

ہے کہ بہت سی متواترات تک کا انکار کر دیا جاتا ہے۔

راہِ اعتدال:

راہِ اعتدال اس میں یہی ہے کہ جس طرح سورج اور بدر کامل گواہی کے محتاج نہیں، اسی طرح متواتر کی چاروں اقسام اور مشہورات سند کی محتاج نہیں۔ دیکھو قرآن پاک متواتر ہے۔ اس کی آیات کی سندیں تلاش کرنا بے فائدہ ہے، بلکہ یقینی کو ظنی بنانا ہے۔ اسی طرح کتاب وسنت کی سمجھ کے لئے ہمیں لغت کی بھی سب سے پہلے ضرورت پڑتی ہے۔ مگر لغت کے لفظ مثلاً کتاب کا واضع کون ہے؟ اور اس تک کوئی سند ہے، ہرگز نہیں۔ مگر کوئی جاہل یہ نہیں کہتا کہ ساری لغت بے سند ہے، بے ثبوت ہے، بلکہ یہ متواتر اور یقینی الثبوت ہے۔ اسی طرح صرف، نحو، معانی، بیان اور منطق کے اصول واصطلاحات اہل فن کے ہاں متواتر یا مشہور ہیں۔ کوئی شخص نہ ہی ان کی سند تلاش کرتا ہے، نہ ہی ان کو بے ثبوت کہتا ہے۔ اسی طرح اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر اور اصولِ فقہ یا تصوف کی اصطلاحات اہلِ فن کے ہاں متواتر یا مشہور ہیں۔ ان کتابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے، نہ ہی ان کی سند تلاش کی جاتی ہے، نہ ہی ان کو بے ثبوت کہا جاتا ہے۔ راویوں کی بحث میں اسماء الرجال کی کتابوں تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، خلاصہ، تذکرۃ الحفاظ اور میزان الاعتدال کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ جن راویوں کو انہوں نے ثقہ یا ضعیف لکھا ہے وہ ان کتابوں کے مصنفین سے چھ سات سو سال پہلے کے ہیں۔ نہ جارح تک سند ہے، نہ جارح سے راوی تک۔ اسی لیے مولانا عبدالحئ لکھنوی تحریر فرماتے ہیں: **أما الاعتماد علی کتب الفقه الصحیحة الموثوقة بها فقد اتفق العلماء فی هذا العصر علی جواز الاعتماد علیها والاستناد علیها لان الثقة قد حصلت بها کما تحصل بالروایة ولذالک اعتمد الناس علی الکتب المشهورة فی لغة النحو والطب وسائر العلوم محصول الثقة بها وبعد التدلیس ومن زعم ان الناس اتفقوا علی الخطاء فی ذالک فهو أولی بالخطاء منهم ولولا جواز الاعتماد علی ذالک لتعطل کثیر من المصالح المتعلقة بها، و کتب**

الحديث أولى بذالك من كتب الفقه وغيرها لاعتنائهم بضبط النسخ وتحريرها، فمن قال أن شرط التخريج من كتاب يتوقف على اتصال السند فقد خرج من الاجماع. نقله عن عزالدين بن عبدالسلام (الاجوبۃ الفاضلۃ ص ۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین زمانہ کی یہ روش کہ فقہ کی کتاب مشہورہ کی سند مانگتے ہیں، مگر لغت، صرف، نحو، اسماء الرجال، قرآن پاک کی سند نہیں مانگتے، ضد اور جہالت ہے۔ مشہورات کی سند مانگنا خرقِ اجماع ہے اور قرآن پاک نے خرقِ اجماع کو جہنمی قرار دیا ہے۔ أعاذنا اللّٰه منه.

سند عالی:

محدثین کے ہاں سند عالی کی بہت اہمیت ہے اور اس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مقام بعد والوں میں سب سے بلند ہے۔ ان کی مسند میں وحدانیات بھی ہیں، جن میں امام صاحبؒ اور نبی اقدس ﷺ کے درمیان ایک ہی واسطہ ہے اور وہ بھی صحابی کا۔ بہت سی سندیں ثنائیات ہیں، جن میں دو ہی واسطے ہیں: صحابی اور تابعی کا۔ کتبِ صحاح ستہ وحدانیات اور ثنائیات سے بالکل خالی ہیں۔ ان کی اعلیٰ ترین سندیں ثلاثیات ہیں۔ امام اعظم کی نازل سندیں ثلاثیات ہیں۔ فاين الثريا من الثرى. اسی طرح امام صاحبؒ نے صحابہؓ کی بھی زیارت کی اور صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین کا متواتر عمل ان کے مشاہدہ میں تھا، جس سے اصحاب صحاح ستہ محروم رہے۔

تعلیقات:

مؤطا امام مالک اور کتب امام محمد میں بعض بلاغات ہیں جن کی سند مذکور نہیں۔ اسی طرح بخاری میں تقریباً ۲۰۳۷ تعلیقات ہیں، جن میں سے ۸۸۰ کو تو امام بخاریؒ نے موصول فرمایا ہے، لیکن ۱۱۵۷ کو انہوں نے موصول نہیں فرمایا۔ البتہ ان میں سے اکثر کی سندیں حافظ ابن حجر نے تعلیق التعلیق میں جمع کی ہیں۔ پھر بھی کئی ایک تعلیقات کی سندیں نہیں ملیں، اسی طرح امام ترمذی فی الباب لکھ کر بہت سے نام بغیر سند کے لکھ دیتے ہیں۔

حضرت مولانا حبیب اللہ مختارؒ سابق رئیس الجامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی، ان کی تخریج اپنی مشہور کتاب کشف النقاب میں فرما رہے تھے، یہ کتاب مکمل ہو جائے تو ان شاء اللہ العزیز احادیث کا عظیم انسائیکلوپیڈیا ہوگا۔ تاہم بعض جگہ حضرت فرماتے ہیں کہ اس کی سند نہیں ملی۔ ایسی احادیث جن کی سند مذکور نہ ہو تعلیقات کہلاتی ہیں۔ ایسی احادیث کتب حدیث میں بھی ہوتی ہیں اور کتب فقہ میں بھی۔ غیر مقلدین کی کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ اگر بے سند حدیث بخاری، ترمذی، موطا یا کسی اور حدیث کی کتاب میں ملے تو اس کو تعلیق کہتے ہیں، لیکن اگر فقہ کی کتابوں میں ملے تو اس کا نام جھوٹ، بہتان اور موضوع رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ قیامت تک ان کے کسی راوی کو واضع الحدیث ثابت نہیں کر سکتے۔ ایسی احادیث کے بارے میں راہِ اعتدال یہی ہے کہ ان کو حجتِ ملزمہ تو نہیں مانا جا سکتا، لیکن جن کو اکابر فقہائے تقویٰ وثقاہت پر اعتماد ہے، ان کے لئے وہ حجتِ مطمئنہ کا درجہ ضرور رکھتی ہیں۔ اس لئے فقہی کتابوں میں جیسے فقہاء ان کو نقل در نقل کرتے آرہے ہیں بطورِ حجت مطمئنہ درست ہے۔

احکام:

احکام میں ایسی احادیث سے استدلال کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔ چار راوی میں، چار روایت میں۔ راوی کے بارے میں چار یہ ہیں: عقل، ضبط، عدالت، اسلام (المنار ص ۱۸۱) روایت کے بارے میں چار شرطیں یہ ہیں: وہ خبر واحد کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو، سنت معروفہ کے خلاف نہ ہو، حادثہ مشہور سے متعلق نہ ہو اور صدر اول میں متروک الاحتجاج نہ ہو (المنار ص ۱۸۵)

ضعیف سندیں:

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف احادیث کے بارے میں تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ وہ مطلقاً مردود ہے ھذا مذھب۔ دوسرا یہ ہے کہ مطلقاً مقبول ہے وھو توسع سخیف. تیسرے قول میں تفصیل ہے اور یہ مذہب مضبوط ہے (الاجوبۃ الفاضلہ ص ۴۳)۔ وہ تفصیل یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب اور فضائل و مناقب میں بالاتفاق

مقبول ہے اور احکام میں تین شرائط کے ساتھ مقبول ہے: (۱) شدید الضعف نہ ہو، (۲) وہ مسئلہ کسی اصول کلی کے تحت درج ہو سکتا ہو، (۳) اعتقاد ثبوت کا نہ رکھے، احتیاط کا رکھے۔

سوال سوم:

کیا مندرجہ بالا کتابوں میں درج تمام احادیث صحیح ہیں اور لازم العمل ہیں؟

جواب:

ان کتابوں میں درج احادیث بعض صحیح لذاتہ ہیں، بعض صحیح لغیرہ ہیں، بعض حسن لذاتہ ہیں، بعض حسن لغیرہ ہیں۔ یہ چاروں اقسام احکام میں حجت ہیں اور ضعیف احادیث بھی ہیں۔ زمانہ حال کے مشہور غیر مقلد ناصر الدین البانی نے تو یہاں تک ظلم کیا ہے کہ سنن اربعہ کے الگ الگ حصے صحیح اور ضعیف شائع کر دیئے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے تین لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے تین ہزار ایک سو پندرہ احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا، مگر البانی نے اس میں سے ۸۳۲- احادیث کو نکال کر الگ ''ضعیف ترمذی'' کے نام سے شائع کر دیا۔ اسی طرح امام ابوداوٗدؒ نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے ۴۸۰۰- احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا۔ مگر البانی نے اس مجموعہ میں سے ۱۱۲۷- احادیث کو نکال کر ''ضعیف ابوداوٗد'' کے نام سے الگ کر دیا۔ اسی طرح امام ابن ماجہؒ نے چار لاکھ احادیث سے ۴۰۰۰- احادیث کا مجموعہ سنن ابن ماجہ کے نام سے مرتب فرمایا۔ مگر البانی نے ۹۴۸- احادیث کو ابن ماجہ سے الگ کر کے ''ضعیف ابن ماجہ'' کے نام سے شائع کر دیا۔ امام نسائیؒ نے دو لاکھ احادیث سے ۴۳۲۱- احادیث کا مجموعہ سنن نسائی کے نام سے مرتب فرمایا، مگر البانی نے ۴۴۷- احادیث کو نسائی سے نکال کر الگ ''ضعیف نسائی'' کے نام سے شائع کر دیا۔ اسی طرح البانی نے سنن اربعہ جو صحاحِ ستہ میں شامل ہیں، ان کی ۳۳۳۴- احادیث کو ضعیف قرار دے دیا۔ اب غیر مقلدین غور فرمائیں کہ وہ روافض اور منکرین حدیث کو ساتھ ملا کر بھی فقہ حنفی کے متون معتبرہ ''الھدایہ، مختصر القدوری، الوقایہ، کنز'' سے اس کے عشر عشیر کے برابر بھی ضعیف اقوال نہیں نکال سکتے ﴿ولو کان بعضھم

لبعض ظهيرًا﴾ اسی طرح امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث سے بحذف مکررات ۲۷۶۲-احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا۔امام دارقطنی الشافعی نے اپنی کتاب الالزامات و التتبع میں ۲۲۰-احادیث پر اعتراض کیا۔البانی نے مسلم کی بھی کئی احادیث پر اعتراض کیا۔امام شعرانی ؒ (مقلد امام شافعیؒ) فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تین مسانید کا مطالعہ کیا اور سب احادیث کو صحیح پایا (میزان شعرانی) اس کے برعکس محدث علاؤالدین الدمشقی فرماتے ہیں کہ میں نے مسند احمد کا مطالعہ کیا: ان فيه أحاديث ضعيفة كثيرة وان فيه أحاديث يسيرة موضوعة (الاجوبۃ ص ۴۸) بے شک اس میں بہت سی حدیثیں ضعیف ہیں اور کچھ حدیثیں من گھڑت بھی ہیں، اسی طرح علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ دارقطنی کی کتابوں میں احادیث سقیمہ،، معلولہ، غریبہ، موضوعات ہیں (الاجوبۃ الکاملۃ الفاضلہ ص ۴۶) اسی طرح تصانیف بیہقی، تصانیف خطیب، تصانیف عالم بھی ایسی روایات سے بھری ہوئی ہیں (ایضاً ص ۴۶) اور ابن حبانؒ کی کتابیں حاکم کی مستدرک جیسی ہیں (ایضاً) آخر میں مولانا عبدالحئیؒ فیصلہ فرماتے ہیں: هذه عبارات العلماء قد أفادت وجود المنكرات والضعاف فی الكتب المدونة. (ص ۴۹) یعنی علماء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ، احادیث کی کتابوں میں منکرات اور ضعاف موجود ہیں۔

سوال چہارم:

جب کہ ان کتابوں میں صحیح، ضعیف، منکر، موضوع، ناسخ، منسوخ، ہر قسم کی احادیث ہیں، تو کیا عام اُردو دان ان کتابوں کے تراجم پڑھ کر دین پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:

ان کتابوں کی مثال ڈاکٹری کی کتابوں کی ہے، جس میں (مثلاً) بخار کے بیس نسخے لکھے ہوں اور وہ متضاد بھی ہوں۔ کوئی گرمی کے بخار کا، کوئی سردی کے بخار کا۔ کوئی کسی مزاج کا اور کوئی کسی مزاج کا۔ تو مریض خود اس سے اپنے لیے نسخہ نہیں لکھ سکتا۔ کسی ماہر فن ڈاکٹر کی تقلید اور راہنمائی میں ہی علاج کروانا ضروری ہے۔ جس طرح مرض کی تشخیص اور نسخہ

کی تجویز میں ڈاکٹر اپنے تجربہ اور رائے کو کام میں لاتا ہے- اسی طرح محدثین بھی اپنی رائے اور اجتہاد سے کسی حدیث کو صحیح اور کسی کو ضعیف وغیرہ کہتے ہیں-- جس طرح مجتہد کا اجتہاد اس مجتہد کے لئے حجت مطمئنہ ہے' لیکن دوسرے مجتہد پر حجت نہیں- اسی طرح ایک محدث کی رائے دوسرے محدث پر بھی حجت نہیں' چہ جائیکہ کسی عالمگیر مجتہد کو اس محدث کی رائے کی تقلید پر مجبور کیا جائے- یہ عجیب بات ہے کہ غیر مقلدین جو ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں' ان سے کم درجہ محدثین کی تقلید کو فرض مانتے ہیں-

سوال پنجم :

کیا ان محدثین میں احادیث کو صحیح یا ضعیف کہنے میں اختلاف بھی ہو جاتا ہے؟

جواب :

اجتہادیات میں اختلاف تو ہوتا ہی ہے' کوئی محدث ایک حدیث کو صحیح کہتا ہے' دوسرا اس کو موضوع اور من گھڑت تک کہہ گزرتا ہے- دیکھو امام ابن الجوزی نے صحیحین کی احادیث تک کو موضوع کہہ ڈالا ہے- حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں وهناك خلق كثير من المحدثين لهم تشدد في الجرح او تساهل في الحكم بالضعف والوضع مع جلالة قدرهم ورفعة ذكرهم (الاجوبه الفاضله ص ۵۳) کہ بہت سے محدثین جو بڑے جلیل القدر ہیں اور ان کا ذکر محدثین میں بہت بلند ہے- ان میں بہت سے جرح میں متشدد ہیں اور بہت سے بہت متساہل ہیں (متشددین صحیح احادیث کو ضعیف بلکہ موضوع تک کہہ جاتے ہیں جس کی مثال دور حاضر میں البانی کی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ ہے اور متساھلین ضعاف اور موضوعات تک کو صحیح کہہ جاتے ہیں)-

سوال ششم :

جب محدثین میں احادیث کی صحت اور ضعف میں رائیں مختلف ہیں تو پھر ان میں سے کس کی تقلید کرنی چاہئے؟

جواب :

تحقیق میں تین باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔(۱) یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں۔(۲) اس کا مطلب کیا ہے' (۳) اگر یہ حدیث کسی دوسری نص یا تعامل سے ٹکرا رہی ہے تو ان میں سے کونسی راجح ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور کونسی مرجوح ہے جس کو ترک کیا جائے۔ محدثین صرف پہلی بات کی تحقیق میں اپنی رائے صرف کرتے ہیں۔ دوسری اور تیسری بات میں وہ خود مجتہدین کے محتاج اور مقلد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کامل تحقیق بھی مجتہدین کی ہے اور کامل تقلید بھی ان کی ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے دیکھا جائے گا کہ ان کتب احادیث میں جو ایسی احادیث ہیں کہ چاروں ائمہ کرام کا ان پر عمل کرنے میں اتفاق ہے تو ان احادیث پر اجماعاً عمل کیا جائے گا۔ اور جن احادیث کے راجح یا مرجوح ہونے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے ان میں وہی طریقہ اختیار کیا جائے گا جو خیر القرون سے آج تک چلا آرہا ہے اور فتنہ سے بھی بالکل محفوظ ہے کہ جس مجتہد کا مذہب جس علاقہ میں متواتر ہوگا' اس نے ان اختلافی احادیث میں جس کو راجح قرار دیا اسی پر عمل کیا جائے گا۔ وہاں کے متواتر عمل کے خلاف دوسری حدیث پر عمل کر کے علاقہ میں فتنہ فساد کھڑا نہ کیا جائے گا۔ جہاں سب حنفی ہوں گے وہ امام صاحب کے مختارات پر عمل کریں گے۔ جہاں شافعی ہوں گے وہ امام شافعی کے مختارات پر عمل کریں گے۔ تاکہ سنت پر بھی عمل ہو جائے اور امت فتنہ سے بھی محفوظ رہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ اختلاف قراءت کے وقت ہر علاقہ میں وہی قراءت پڑھی جائے گی جو وہاں تلاوت میں معروف اور متواتر ہے یا جیسے سعودیہ والے عید ہی پڑھیں گے مگر ہم روزہ ہی رکھیں گے۔

سوال ہفتم :

اگر کوئی آدمی کتب حدیث کا ترجمہ دیکھے' جو حدیث اسے زیادہ صحیح معلوم ہو اس پر عمل کرے تو کیا جائز ہے' یا گناہ ہے تو کس درجہ کا؟

جواب :

قاضی القضاء امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: العامی اذا سمع حدیثا لیس لہ ان یاخذ بظاھرہ لجواز ان یکون مصروفا عن ظاھرہ او منسوخا بخلاف الفتوٰی (الکفایہ ص ۲۹۴ ج ۲) یعنی عام آدمی جب سنے کسی حدیث کو تو جائز نہیں کہ وہ ظاہر حدیث سے جو سمجھا ہے اس پر عمل کرے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ظاہری معنی اس کے مراد نہ ہوں یا منسوخ ہو بخلاف فتوٰی کے (کیونکہ یہ شبہ فتوٰی میں نہیں' اس لئے کہ مجتہد نے پوری تحقیق کے بعد فتوٰی دیا ہے۔ حضرت قاضی صاحب کا یہ ارشاد ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ عام آدمی اگر دنیا کے سب سے بڑے ڈاکٹر کی کتاب میں کوئی نسخہ پڑھے تو عامی کو جائز نہیں کہ اپنی سمجھ کے مطابق اس نسخہ کو اپنی بیماری میں استعمال کرے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے وہ نسخہ اس مریض کے مزاج کے خلاف ہو اور اس کی بیماری کو مزید پیچیدہ کر دے۔ اس کے برخلاف اگر وہ مریض ماہر ڈاکٹر سے نسخہ لکھوائے تو اس نسخہ میں وہ شبہ نہیں ہو سکتا' کیونکہ ماہر نے موسم کا حال دیکھ کر' پھر مریض کا مزاج پرکھ کر نسخہ تجویز فرمایا ہے۔ انما شفاء العی السوال (الحدیث)

اور اسی کفایہ میں یہ بھی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "یعنی لائق یہی ہے کہ مفتی ایسا شخص ہو جس سے سب لوگ مسئلہ فقہ کا پوچھتے ہوں اور علم فقہ کو سیکھتے ہوں اور اس شہر میں اس کے فتوٰی پر اعتماد رکھتے ہوں اور مفتی جب اس طرح کا ہو تو عامی پر پیروی اس کی واجب ہے۔ اگرچہ مفتی خطاء بھی کرے۔ عامی اس مفتی کی پیروی کے سوا اور کسی کا اعتبار نہ کرے (نہ اپنی ناقص رائے پر اعتماد کرے' نہ کسی دوسرے غیر مجتہد کی ناقص رائے پر اعتماد کرے) روایت کیا اس کو امام حسن نے امام ابو حنیفہؒ سے' اور ابن رستم نے امام محمدؒ سے اور بشیر نے ابو یوسفؒ سے (الکفایہ ص ۲۴۹ ج ۲) اور تقریر شرح تحریر میں ہے "عامی کو حدیث کے ظاہر کے موافق عمل کرنا درست نہیں ہے' شاید اس کے ظاہر معنی مراد نہ ہوں یا وہ منسوخ ہو بلکہ (عمل بالحدیث میں) کسی مجتہد کی تقلید اس پر واجب ہے۔ اس واسطے کہ اس عامی کو معلوم نہیں ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی غیر صحیح ہے اور کونسی ناسخ ہے اور کونسی

منسوخ ہے۔ پھر ایسا عامی شخص جب اپنے ناقص فہم پر اعتماد کر کے کسی حدیث پر عمل کرے گا تو اس نے اس واجب کو چھوڑ دیا جو اس پر تھا کہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ یعنی سوال کرو امور دینی میں جاننے والوں سے، اگر تم نہیں جانتے (بحوالہ شرعی فیصلے ص ۳۴۳) اور سب جانتے ہیں کہ واجب کا ترک گناہ ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ (بخاری) جب کوئی معاملہ نا اہل کے سپرد کیا جائے تو قیامت ٹوٹنے کا انتظار کر۔

سوال ہشتم :

جب حدیث کی کتابوں میں ہر زمانہ کی احادیث موجود ہیں، ناسخ بھی اور منسوخ بھی، تو کیا یہ محدثین صراحت کرتے ہیں کہ فلاں ناسخ ہے اور فلاں منسوخ ہے؟

جواب :

ایک تو نسخ حقیقی ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ فرمادیں کہ میں نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب اجازت دیتا ہوں۔ تو قبروں کی زیارت سے منع کی حدیث منسوخ ہو گئی ہے اور اجازت کی حدیث ناسخ قرار پائی۔ دوسرا نسخ اجتہادی ہوتا ہے کہ اجتہادی قرائن سے کسی حدیث کا مقدم یا موخر ہونا معلوم ہو جائے۔ اس بارے میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم ص ۱۵۶، ج ا پر آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کی احادیث ذکر کی ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر باب الوضو مما مست النار باندھا ہے اور شرح میں فرماتے ہیں کہ امام مسلم پہلے وہ احادیث لائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر وہ احادیث لائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ گویا وہ اشارہ فرما رہے ہیں کہ وضو ٹوٹنے والی احادیث منسوخ ہیں۔ امام مسلم اور دوسرے ائمہ حدیث کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے منسوخ احادیث لکھتے ہیں اور بعد میں ناسخ (نووی شرح صحیح مسلم ص ۱۵۶، ج ا) امام نووی نے محدثین کا قاعدہ بیان فرمادیا کہ وہ احادیث کے ساتھ ناسخ یا منسوخ کا لفظ نہیں لکھتے۔ البتہ ان کا

اصول یہ ہے کہ پہلے پہلے زمانہ کی یعنی منسوخ احادیث لاتے ہیں اور بعد میں بعد والے زمانہ کی یعنی ناسخ احادیث لاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ وضاحت حدیث کی ان کتابوں سے ہوگی جن میں دونوں طرح کی احادیث ہوں۔ اگر کسی کتاب میں صرف ایک پہلو کی احادیث ہوں تو یہ پتہ نہیں چل سکے گا کہ یہ حدیث پہلے زمانے کی ہے یا بعد کے زمانے کی۔

مثال اول :

امام بخاری نے بھی ص ۹۶ ج ا پر یہ اصول تحریر فرمایا ہے: انما یوخذ بالاخر فالاخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ آنحضرت ﷺ کے آخری عمل کو اختیار کیا جائے گا۔ پھر ص ۱۰۲ ج ا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ سے دو احادیث رفع یدین کرنے کی لائے ہیں، مگر ایک پہلو کی احادیث لائے ہیں۔ اس لئے پتہ نہیں چل سکتا کہ یہ رفع یدین کی احادیث پہلے زمانے سے متعلق ہیں یا بعد کے زمانے سے۔ ہاں امام بخاری کے دادا استاد عبدالرزاقؒ اپنی مصنف میں پہلے رفع یدین کی احادیث لائے ہیں اور بعد میں ترک رفع یدین کی۔ اور امام بخاری کے استاد امام ابوبکر بن ابی شیبہ بھی پہلے رفع یدین کرنے کی احادیث لائے ہیں اور پھر ترک رفع یدین کی۔ اسی طرح امام بخاری کے جلیل القدر شاگرد امام نسائی اپنی سنن میں ص ۱۵۸ ج ا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ کی رفع یدین والی وہ دونوں احادیث لائے ہیں جو امام بخاریؒ ص ۱۰۲، ج ا پر لائے ہیں اور بعد میں ترک ذالک کا باب لا کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے بخاری ص ۱۰۲، ج ا والی دونوں احادیث کو متروک قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام مسلم رفع یدین کی تین احادیث لائے، دو بخاری والی یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مالک بن الحویرثؓ سے ص ۱۶۸، ج ا اور تیسری حضرت وائل بن حجرؓ سے ص ۱۷۳، ج ا۔ ان کے بعد امام نسائی ص ۱۶۱، ج ا پر مسلم والی تینوں احادیث لائے ہیں اور ان کے بعد الرخصۃ فی ترک ذالک کا باب باندھ کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین کی حدیث لائے ہیں۔ اسی طرح امام ترمذیؒ جو امام بخاریؒ کے چہیتے شاگرد ہیں وہ

بھی رفع یدین کی حدیث لاکر بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین والی حدیث لائے ہیں۔ اور امام ابوداؤد بھی رفع یدین کی احادیث ذکر کرکے بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین والی احادیث لائے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے اساتذہ اور تلامذہ بھی اس بات پر اتفاق کررہے ہیں کہ رفع یدین کرنے کی احادیث پہلے زمانہ کی ہیں اور منسوخ ہیں اور ترک رفع یدین کی احادیث آخری زمانہ کی ہیں اور ناسخ ہیں۔خود امام بخاریؒ اگرچہ صحیح بخاری میں رفع یدین کی احادیث لکھ کر ان کے بقاء یا نسخ سے خاموش گزر گئے ہیں مگر جزء رفع یدین میں امام اوزاعیؒ سے نقل فرماگئے ہیں کہ نماز کے اندر کھڑے ہوکر جن تکبیرات کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے ذالک الامر الاول یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے(جزء رفع یدین ص ۶۹)اب ظاہر ہے کہ تکبیر تحریمہ تو شرط نماز ہے اور خارج ہے۔رکوع سے پہلے کھڑے ہوکر رفع یدین' رکوع سے اٹھنے کے بعد کھڑے ہوکر رفع یدین اور تیسری رکعت میں کھڑے ہوکر رفع یدین کو ہی امام اوزاعیؒ امر اول فرمارہے ہیں۔صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں کہ پہلے ترک کی حدیث ہو' پھر رفع کی۔

مثال دوم :

امام نسائی پہلے قراءت خلف الامام کے بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں' جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی ۱۱۳ سورتیں پڑھنے سے منع فرمایا اور صرف فاتحہ کی اجازت دی۔اس کے بعد آیت واذا قرئ القران (الایہ) لاکر اس کی تشریح واذا قرأ فانصتوا کے ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماکر یہ واضح فرمادیا کہ ۱۱۳ سورتیں تو فرش والے (نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہی منع فرمادی تھیں' صرف فاتحہ رہ گئی تھی' اس سے منع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عرش سے حکم انصات نازل فرمایا اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مقتدیوں کو یہی حکم دے کر فاتحہ پڑھنے سے ہمیشہ کے لئے منع فرمادیا۔اسی طرح امام ترمذیؒ پہلے باب القراءت خلف الامام باندھتے ہیں اور اس میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لاتے ہیں کہ ۱۱۳ سورتیں منع ہیں۔امام کے پیچھے صرف فاتحہ کی قراءت کی

اجازت ہے' پھرباب ترک القراءۃ خلف الامام باندھ کر منع کی حدیث لائے ہیں کہ جس فاتحہ کی اجازت پہلے باب میں تھی اب وہ بھی متروک اور ممنوع ہو گئی ہے۔اسی طرح امام ابوداؤد پہلے حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں کہ امام کے پیچھے قرآن کی ۱۱۳سورتیں پڑھنی منع ہیں مگر فاتحہ کی اجازت ہے۔اس کے بعد اسی فاتحہ خلف الامام کے مکروہ ہونے کا باب لائے ہیں۔امام بخاریؒ کے استاذ حدیث امام ابوبکر بن ابی شیبہ بھی پہلے قراءت خلف الامام کی رخصت کا باب لائے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی رخصت ہے' پھرباب من کرہ القراءۃ خلف الامام لاکر واضح فرمادیا کہ فاتحہ کی رخصت ختم کردی گئی۔اب اس کا بھی امام کے پیچھے پڑھنا مکروہ ہے۔جب کہ صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب میں بھی یہ نہیں دکھایا جاسکتا کہ اس نے پہلے فاتحہ خلف الامام کے مکروہ و ممنوع ہونے کا باب باندھا ہو اور پھر فاتحہ خلف الامام کی رخصت یا وجوب کا باب باندھا ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدین نے پہلے لوگوں کو فقہ کی کتابوں سے بدظن کیا' اب صحاح ستہ کی کتابوں کا نام لے کر بھی سادہ لوح عوام کو دھوکا دے رہے ہیں کہ پہلے زمانہ کی احادیث تقریر و تحریر میں بیان کرتے ہیں اور بعد والی چھپا جاتے ہیں۔افسوس ہے کہ اگر یہی کام کوئی عیسائی کرے کہ بیت المقدس والی حدیث دکھادے اور بیت اللہ والی بعد کے زمانے کی نہ دکھائے تو اسے دھوکے باز کہا جائے۔یہی کام کوئی رافضی کرے کہ پہلے زمانے کے متعہ کے واقعات دکھائے اور بعد والی منع کی روایات نہ دکھائے تو اس کو دھوکے باز کہا جائے' یہ کام کوئی شرابی کرے کہ پہلے دور کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے شراب پینے کے واقعات دکھائے اور بعد والی منع کی روایات نہ دکھائے تو اسے دھوکا کا نام دیا جائے' مگر یہی کام غیر مقلد کرے تو اس کا نام عمل بالحدیث رکھا جائے۔

سوال نہم : مجتہد اور غیر مجتہد میں مابہ الامتیاز کیا ہے؟

جواب :

اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ علم حساب ایک علم ہے۔سب سے پہلے اس کے

قاعدے بنائے گئے، جس نے وہ قاعدے بنائے، جن پر سارے علم حساب کا مدار ہے، اس شخص کو حساب کا مجتہد مطلق کہا جائے گا- دوسرا وہ شخص ہے جو حساب کا کوئی نیا قاعدہ تو نہیں بنا سکتا، لیکن بنائے ہوئے قاعدوں کو خوب سمجھتا ہے اور ان قاعدوں کو استعمال کرکے حساب کے نئے پیش آنے والے سوالات کا جواب نکال سکتا ہے- یہ گویا علم حساب کا مجتہد فی المذہب ہے- تیسرا وہ شخص ہے جو نہ حساب کا کوئی قاعدہ بنا سکتا ہے، نہ خود نئے سوال کا جواب نکال سکتا ہے، بلکہ کسی حساب دان کے جواب تسلیم کرکے عمل کرلیتا ہے- اس کو مقلد کہتے ہیں-

اسی طرح مجتہد مطلق وہ ہے جو کتاب وسنت سے قواعد کلیہ کا استنباط کرے، یہی مجتہد مطلق کا امتیاز ہے، اور جو خود اصول وقواعد تو وضع نہ کرسکے مگر مجتہد مطلق کے قواعد کو خوب سمجھتا ہو، قواعد میں تعارض کے وقت راجح مرجوح کو جانتا ہو، اسے مجتہد فی المذہب کہتے ہیں- معلوم ہوا کہ مجتہد کا امتیاز قواعد کے مطابق ادلہ اربعہ سے احکام کا استنباط اور اخذ ہے، اور مجتہد قیاس سے مسائل گھڑتا نہیں بلکہ اس کا قیاس مظہر احکام ہوتا ہے، جیسے حساب کے قاعدے کا جواب مثلاً ۹×۹=۸۱ کسی حساب دان کی ذاتی رائے نہیں ہوتی، بلکہ حساب کا جواب ہوتا ہے- اسی طرح فقہ امام کی ذاتی رائے نہیں ہوتی بلکہ کتاب وسنت کے قواعد سے کتاب وسنت کے پوشیدہ مسائل کو نکالا جاتا ہے-

سوال دہم :

اگر چاروں اماموں کو برابر کے درجہ میں مانا جائے اور کسی مسئلہ میں ایک کی تقلید کرے، کسی میں دوسرے کی- تو کیا اس میں سہولت نہیں؟ اور یہ طریقہ بہتر نہیں؟

جواب :

اول: برابر ماننے کا مطلب اگر یہ ہے کہ سب کو ماجور جانے اور کسی پر اعتراض نہ کرے- تو یہ درست ہے، لیکن سب کو ایک ہی درجہ میں لازم الاتباع جانے تو اس سے اجتماع نقیضین اور محال لازم آتا ہے، کیونکہ ائمہ کرامؒ میں حلال وحرام کا اختلاف ہے-

جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سب برحق ہیں۔ ایمان سب پر لازم ہے' مگر اتباع سب کی لازم نہیں' کیونکہ ان میں بھی حرام و حلال کا اختلاف ہے۔ اگر سب کو لازم الاتباع مانا جائے تو سجدہ تعظیمی جائز بھی ہوگا اور حرام بھی۔ عین اس وقت جب سجدہ تعظیمی کر رہا ہوگا' اس کی حرمت کا اعتقاد بھی ہوگا اور جب حرام کہہ رہا ہوگا' اس کے جواز کا اعتقاد بھی ہوگا۔ تو ایک ہی چیز ایک وقت میں حلال بھی ہوگی اور حرام بھی۔ بلکہ نہ حرام رہے گی نہ حلال اور تکلیف شرعی باطل ہو جائے گی۔ اس سے بچنے کے لئے ناسخ منسوخ کو ماننا پڑا' ہم سب پر ایمان رکھیں گے مگر منسوخ پر عمل نہیں کریں گے۔ ناسخ پر عمل کریں گے۔ اس طرح سب پر ایمان بھی برقرار رہا اور کوئی محال بھی لازم نہ آیا۔ جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام عقائد میں سب متفق تھے۔ احکام میں حلال حرام کا اختلاف تھا۔ اسی طرح عقائد میں چاروں امام متفق ہیں اور سب کے سب اہل السنت والجماعت ہیں' مگر احکام فرعیہ اجتہادیہ میں حلال و حرام کا اختلاف ہے۔ ایک چیز ایک امام کے ہاں حلال ہے دوسرے کے ہاں حرام ہے۔ جب ایک شخص سب کو برابر درجہ میں لازم الاتباع مانے گا تو ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں اس کے لئے حلال بھی ہوگی اور حرام بھی تو اجتماع نقیضین لازم آیا۔ اگر کہو کہ ایک دن اس کو حلال سمجھ کر استعمال کرے گا' دوسرے دن حرام سمجھ کر چھوڑ دے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ جب حلال سمجھ کر استعمال کر رہا ہوگا' ذہن میں اس کی حرمت کا اعتقاد ہوگا یا نہیں۔ اگر ہوگا تو عقیدہ میں اجتماع حلال و حرام کا آنا لازم ہے جو محال ہے اور اگر حرمت کا اعتقاد نہ ہوگا تو دوسرے امام کے مسئلہ کا انکار ہوگا تو سب کا برابر ماننا ختم ہو گیا۔ اس لئے یہاں راجح مرجوح کو اختیار کیا گیا کہ ہم راجح پر عمل کریں گے' مرجوح کو چھوڑ دیں گے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی امام کی تقلید کی جائے۔

دوم : نیز جب ائمہ میں حلال حرام کا اختلاف ہے تو امر مختلف فیہ ایک جانب کو ترجیح دینے کا منشا کیا ہوگا۔ ۱۔ دلیل شرعی تفصیلی ادلہ اربعہ سے یا تلہی اور خواہش نفسانی یا التزام ایک امام کی تقلید کا۔ صورت اول میں یہ شخص مجتہد ہوا نہ کہ مقلد اور اگر اس میں شرائط مجتہد نہیں مگر مجتہد بنتا ہے تو اس کا حال ایسا ہے کہ "کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول

گیا۔" اور وجود مشروط بلاوجود شرائط لازم آیا۔ یہ بھی محال ہے۔ اور اگر وجہ ترجیح محض خواہش نفسانی ہے اور دین کو کھلونا بنانا ہے تو تلہی اور تلعب بالدین لازم آیا' جو شرعاً اور عقلاً ہر طرح باطل ہے اور اگر وجہ ترجیح یہ ہے کہ میں نے اس امام کی تقلید کا التزام کیا ہے تو تقلید شخصی ہوئی' غیر شخصی اور آوارگی نہ رہی۔

سوم : مجتہد کا استدلال عمل کے لئے یہ ہوتا ہے ھذا مظنونی مجتھدا۔ و کلما ھو مظنونی مجتھدا فھو حکم اللّٰہ فی حقی۔ صغریٰ وجدانیات سے ہے اور کبریٰ قطعیات اور سمعیات سے۔ اب غیر مجتہد دو حال سے خالی نہیں' یا تو وہ بھی اس طرح سے استدلال کرے گا وھو خلاف المفروض کیونکہ مجتہد ہے ہی نہیں یا اس طرح استدلال کرے گا ھذا مظنون مجتھد ما و کلما ھو مظنون مجتھد ما فھو حکم اللہ فی حقی۔ صغریٰ مسلم ہے مگر کبریٰ باطل ہے۔ کیونکہ مستلزم محال ہے اور وہ تعدد حق ہے۔ یا وہ یوں استدلال کرے گا: ھذا مظنون مجتھدی و کلما ھو مظنون مجتھدی فھو حکم اللہ فی حقی۔ یہ تقلید شخصی ہے۔

چہارم : غیر مجتہد جمیع اقوال مجتہدین کو مساوی الترک والاخذ جانے گا تو تکلیف شرعی باطل ہوئی۔ ان شاء مَالَ اِلَی الحلالِ وان شاء مَالَ اِلَی الحرام واللازمُ باطلٌ۔ قال اللہ تعالیٰ: (وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى۔ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى) فالملزوم باطلٌ۔ اگر مساوی الترك والاخذ نہ جانے گا تو التزام راجح کا کر کے تقلید شخصی کرے گا۔ وھو المطلوب۔

سوال یازدھم :

اگر کسی کی نیت خواہش نفسانی کی نہ ہو' محض سہولت پسندی کے لئے کوئی نماز حنفی طریقے پر پڑھ کر کوئی شافعی طریقے پر پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :

اگر ائمہ کے مذاہب کو اس طرح جمع کرے کہ تلفیق لازم آئے' مثلاً وضو کیا اس کے بعد خون نکل آیا۔ اس نے سہولت پسندی سے دوبارہ وضو نہ کیا کہ امام شافعی کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹا۔ پھر باجماعت نماز پڑھی اور امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی۔ اس کی نماز بالاتفاق باطل ہے۔ اگرچہ وجہ بطلان مختلف ہے احناف کے نزدیک' اس لئے کہ اس نے بے وضو نماز پڑھی۔ اس لئے نماز باطل ہے اور شوافع کے نزدیک اس لئے کہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ اور اس صورت میں بھی سوال دہم والے سارے اشکالات آئیں گے کہ ایک وقت ایک مذہب کو ترجیح کا منشاء کیا ہو گا؟ پھر اس کو سہولت پسندی کا نام دینا بھی سہولت کے معنی سے ہی ناواقفیت ہے۔ ایک مذہب کو پورے طریقے سے سمجھنا آسان ہے یا چاروں مذاہب کو یاد کرنا۔ سہولت تو ایک مذہب پر عمل کرنے میں ہے۔ پھر آخر یہ سہولت آپ کو نماز میں ہی کیوں یاد آتی ہے۔ ساتوں قراءتوں میں ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر نماز میں ایک آیت ساتوں قراءتوں پر پڑھ لی جائے یا ایک رکعت میں ایک قراءت' دوسری میں دوسری' کیا یہ سہولت ہو گی؟ اور یہی سہولت آپ کو علاج میں کیوں یاد نہیں آتی کہ ایک ہی بیماری کا ایک نسخہ یونانی لے لیا' دوسرا ایلو پیتھی' تیسرا ہومیو پیتھی۔ پھر ہر خوراک میں تینوں نسخوں کو ملا لیا یا صبح ایک نسخہ استعمال کیا' دوپہر دوسرا' سہ پہر تیسرا' اور کیا اس کو سہولت پسندی کہا جائے گا یا علاج سے مذاق کا نام دیا جائے گا؟ جب آپ تقلید ہی کرنا چاہتے ہیں تو کتاب و سنت نے آپ پر تقلید کو لازم قرار دیا' لیکن قرآن و حدیث نے نہ یہ لازم کیا ہے کہ ایک ہی کی تقلید کرو اور نہ اس کو حرام قرار دے کر یہ لازم کیا ہے کہ ہر نماز میں نیا امام بدلو۔ ہاں اجماع امت نے انتظام امت کے لئے اور خواہش نفسانی اور دین کو کھیل بنانے اور امت کو فتنہ سے بچانے کے لئے تقلید شخصی کو واجب قرار دیا ہے' تو آپ اس واجب کے تارک بن کر گنہگار کیوں ہوتے ہیں؟

حجیت اجماع وقیاسِ شرعی

قیاس شرعی: قرآن پاک میں اللہ تعالی نے تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) وہ لوگ جو اولوا الالباب، اولوا الابصار، اہل الذکر، فقہاء اہل استنباط ہیں ان کو حکم دیا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار ۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر الاکلیل میں فرماتے ہیں الاعتبار ھو القیاس حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ عینیؒ بھی شروح بخاری میں فرماتے ہیں و القیاس[1] ھو الاعتبار و الاعتبار مامور بہ فالقیاس مامور بہ و ذلک قولہ تعالیٰ فاعتبروا یا اولی الالباب فکان حجۃ

(حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۶ ف ع)

(۲) اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اولوا الامر کی اطاعت کا حکم دیا اور اولوا الامر کے متعلق فرمایا لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (النساء) اور استنباط کا معنی یہ ہے کہ کنواں کھود کر زمین کی تہہ میں جو پانی خدا تعالی نے پیدا فرمایا ہے اس کو ظاہر کر دینا اسی طرح مجتہد کتاب وسنت کے الفاظ کی تہہ میں جو خدا رسول ﷺ کے احکام پوشیدہ ہوتے ہیں ان کو ظاہر کر دیتا ہے القیاس مظھر لا مثبت پس مجتہد کا کتاب وسنت سے احکام کا استنباط کرنا اجتہاد ہے اور غیر مجتہد کا ان کے احکام مستنبطہ کی طرف رجوع کرنا تقلید ہے۔

(۳) و ما کان المؤمنون لینفروا کافۃً فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون[2] (التوبہ) علامہ سرخسیؒ مبسوط کے دیباچہ میں فرماتے ہیں ان اللہ جعل ولایۃ الانذار

[1] اعتبار کا معنی قیاس اور جب اعتبار کا حکم ہے فاعتبروا میں تو گویا کہ قیاس کا بھی حکم ہوا پس قیاس بھی حجت ہوگا۔ [2] سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد میں جایا کرے تا کہ یہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ لوگ اپنی قوم کو جبکہ وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرادیں تا کہ وہ دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے بچیں۔

للفقهاء ۳؎ اور خود حضور ﷺ فرماتے ہیں نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاها ثم اداها الی من لم یسمعها فرب حامل فقه لا فقه له ورب حامل فقه الی من هو افقه منه ۴؎ الحدیث (دارمی ج۱ ص۷۵ و اللفظ لابن ماجة ص۲۱ مستدرك حاکم ج۱ ص۸۶ و قال الحاکم و الذهبی علی شرطهما۔ مجمع الزوائد ج۱ ص۱۳۹ و قال الهیثمی رجاله موثقون) امام حاکم فرماتے ہیں یہ حدیث مشہور ہے (معرفۃ علوم الحدیث ص۹۲) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں یہ متواتر ہے (مفتاح الجنۃ ص۵) نواب صدیق حسن فرماتے ہیں یہ حدیث سولہ صحابہ سے مروی ہے (الحرز المکنون ص۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حدیث سے اصل مقصود فقہ ہے اور فقہ صرف الفاظ حدیث یا لفظی ترجمہ کا نام نہیں بلکہ اس کا معنی ہے الشق والفتح یعنی وہ فقہی مسائل کا استخراج فرمائیں اور اپنے فقہی مسائل کو واسطہ انذار بنائیں چنانچہ فقہاء صحابہ کے ہزاروں فتاویٰ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہیں انہی فقہی فتاویٰ پر عمل کرنے کو تقلید کہتے ہیں بہر حال خدا اور رسول ﷺ کے نزدیک قرآن وحدیث میں فقیہ کا فہم حجت ہے نہ کہ عوام کالانعام کا۔

(۴) عن عمرو بن العاص و ابی هریرة رضی الله عنهما انه سمع رسول الله ﷺ یقول اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران و اذا حکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر (بخاری ج۲ ص۱۰۹۲، مسلم ج۲ ص۷۶، نسائی ج۲ ص۲۶۲، ترمذی ص۲۱۰، ابو داؤد ج۲ ص۷۰) ۵؎

قال العلماء اجمع المسلمون ان هذا الحدیث فی حاکم عالم اهل للحکم فان اصاب فله اجران اجر باجتهاده و اجر باصابته و ان اخطأ فله اجر باجتهاده...... قالوا فاما من لیس باهل للحکم فلا یحل له فان حکم فلا اجر له

۳؎ اللہ نے ڈرانے کا کام فقہاء کے سپرد کر دیا ہے۔ ۴؎ یعنی اللہ اس شخص کا چہرہ تروتازہ رکھے جس نے میری بات سن کر اس کو یاد کیا اور پھر آگے نہ سننے والوں تک پہنچایا کیونکہ بعض فقہ کے اٹھانے والے فقیہ نہیں ہوتے اور ان تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہیں۔ ۵؎ یعنی جب اہل اجتہاد اجتہاد کر کے حکم دیتا ہے اور درست فیصلہ کرتا ہے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر غلطی کرتا ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

بل هو آثم و لا ینفذ حکمه، سواء وافق الحق ام لا لان اصابته اتفاقیة لیست صادرة عن اصل شرعی فهو عاص فی جمیع احکامه سواء وافق الصواب ام لا و هی مردودة کلها لا یعذر فی شیء من ذلك و قد جاء فی الحدیث فی السنن القضاة ثلاثة قاض فی الجنة و اثنان فی النار قاض عرف الحق فقضی به فهو فی الجنة و قاض عرف الحق فقضی بخلافه فهو فی النار و قاض قضی علی جهل فهو فی النار (نووی ج۲ص۷۶)[۱]

امام نوویؒ تہذیب الاسماء میں داؤد ظاہری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

قال امام الحرمین ذهب الیه اهل التحقیق ان منکری القیاس لا یعدون من علماء الامة و حملة الشریعة لانهم معاندون مباهتون فیما ثبت استفاضة و تواتراً لان معظم الشریعة صادرة عن الاجتهاد و لا تفی النصوص بعشر معشارها و هولاء ملتحقون بالعوام[۲] **اس سے معلوم ہوا کہ منکرین قیاس نہ اولوا الامر ہیں نہ اولوالالباب۔**

حدیث بخاری: سردار نے ظاہر الفاظ پر عمل کیا اور ماتحت صحابہ نے قیاس کیا کہ آگ سے بچنے کے لئے ہی تو ہم ایمان لائے ہیں اب بھی ہم آگ میں کیوں کودیں آنحضرت ﷺ نے ظاہر پرستی کے مقابلہ میں قیاس کو سراہا۔

وکیع کا جو قول ترمذی نے لکھا ہے وہ تبع تابعی ہے دوسرے اس کو امامؒ کا مسلک مکمل معلوم نہیں مثل حدیث ابن مسعودؓ کے نماز میں شیطان کا حصہ داخل نہ کر لینا۔

(۵) عن ابی هریرةؓ ان اعرابیاً اتی رسول الله ﷺ فقال ان

---

[۱] یعنی امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ مذکورہ بالا حدیث اہل اجتہاد کے بارے میں ہے پس وہ اجتہاد کر کے درست فیصلہ کرے تو دو اجر، ایک اجتہاد کا اور دوسرا درستگی کا اور اگر غلطی کرے تو بھی اجتہاد پر ایک اجر ملتا ہے لیکن جو اہل نہ ہو اور پھر اجتہاد کرے تو وہ گنہگار ہے اور اسے کوئی اجر نہیں ملے گا خواہ درست فیصلہ ہی کیوں نہ دے اور اس کا فیصلہ مردود ہے۔ [۲] امام الحرمین فرماتے ہیں کہ محققین کہتے ہیں قیاس کے منکرین علماء امت نہیں اور حاملین شریعت نہیں کیونکہ ایسی چیزوں کے منکر ہیں جو شہرت و تواتر سے ثابت ہیں۔ کیونکہ شریعت کا بڑا حصہ اجتہاد سے ثابت ہے۔

امرأتی ولدت غلاماً اسود انی انکرته فقال له رسول اللّٰه ﷺ هل لك من اهل قال نعم قال فما الوانها قال حمر قال فهل فیها من اورق قال ان فیها لورقاً قال فانی تری ذلك جاء قال یا رسول اللّٰه عرق نزعها قال و لعل هذه عرق نزعه و لم یرحض له فی الانتفاء منه (بخاری ج۲ص ۱۰۸۸) [8]

(۲) عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما ان امرأة جاء ت الی النبی ﷺ فقالت ان امی نذرت ان تحج فماتت قبل ان تحج أ فاحج عنها قال نعم حجی عنها ارأیت لو کان علی امك دین أکنت قاضیة قالت نعم قال اقضوا الذی له فان اللّٰه احق بالوفاء [9] (بخاری ج۲ ص۱۰۸۸) و احتج المزنی بهذین الحدیثین علی من انکر القیاس و قال اول من انکر القیاس ابراهیم النظام و تبعه بعض المعتزلة و داؤد بن علی وما اتفق علیه الجماعة و هو الحجة فقد قاس الصحابة و من بعد هم من التابعین و فقهاء الامصار [10] (حاشیه بخاری ص۱۰۸۸) قال المزنی الفقهاء من عصر رسول اللّٰه ﷺ الی یومنا وهلم جرا اشتهوا المقائیس فی الفقه فی جمیع الاحکام ۔ فی امر دینهم قال و اجمعوا ان نظیر الحق حق و

[8] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میری بیوی نے کالا بچہ جنا ہے تو میں نے اس کا انکار کردیا ہے (کیونکہ میں سفید ہوں) اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تیرا خاندان بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا رنگ کیا ہے؟ اس نے کہا سرخ۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا ان میں کوئی سانولا بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ تب آپ ﷺ نے پوچھا ہو وہ کیسے ہوگئے؟ اس نے کہا کہ بنیاد کا اثر ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بھی کوئی بنیاد ہوگی جو ظاہر ہوگئی۔ اس لئے آپ ﷺ نے اسے نفی کرنے (لعان) کی اجازت نہ دی۔ [9] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن حج سے قبل ہی وفات پاگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس کی طرف سے حج کر۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس پر کسی کا قرضہ ہوتا تو کیا اسے ادا کرتی؟ تو اس نے کہاں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر قرض والے کا قرضہ ادا کرو اور اللہ تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے اس کا قرضہ ادا کیا جائے۔ [10] مزنی نے ان دونوں حدیثوں سے منکرین قیاس کے خلاف دلیل پکڑی ہے اور کہا ہے کہ قیاس کا پہلا منکر ابراہیم نظام ہے اور معتزلہ نے اس کی پیروی کی حالانکہ جس چیز پر جماعت کا اتفاق ہو جائے وہ حجت ہے اور صحابہؓ و تابعین اور فقہاء اجتہاد کرتے آئے ہیں اور اس انکار کے حجت ہونے پر اجماع ہے۔

نظیر الباطل باطل قال فلا یجوز لاحد انکار القیاس لانه التشبیه بالامور و التمثیل لها (جامع بیان العلم ج۲ ص٦٦)

(۷) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں انما اقضی بینکم برأیی فیما لم ینزل علی فیه [۱] (ابو داؤد ج۲ ص۷۱ فی قضاء القاضی اذا اخطأ)

(۸) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان ابا بکر اذا نزلت به قضیة فلم یجد فی کتاب اللّٰه منها اصلاً و لا فی السنة اثراً فاجتهد برأیه ثم قال هذا رأیی فان یکن صواباً فمن اللّٰه وان یکن خطأً فمنی و استغفر اللّٰه [۲] (جامع بیان العلم ج۲ ص۵۱، طبقات ابن سعد ج۳ ص۱۳٦)

(۹) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب مسئلہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں نہ ملتا رؤوس الناس و خیارهم فاستشارهم فاذا اجتمع رأیهم علی امر قضی به [۳] (دارمی ص۵۸)

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو تحریر فرمایا جب کوئی فیصلہ آئے تو پہلے کتاب اللہ سے فیصلہ کرا گر کتاب اللہ سے نہ ملے تو سنت رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرنا اگر سنت سے بھی نہ ملے تو جس پر اجماع ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا اگر اجماع سے بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا (جامع بیان العلم ج۲ ص۵٦ ج۲ ص۵۷، ج۲ ص۵۹)

(۱۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فتویٰ دیتے تو فرماتے هذا رأی عمر فان کان صواباً فمن اللّٰه وان کان خطأً فمن عمر رضی اللہ عنہ [۴] (میزان شعرانی ج۱ ص۴۹)

(۱۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری بیماری میں کہا فقال عثمان رضی اللہ عنہ ان نتبع رأیك (ای فی وراثة الجد) فهو رشد و ان نتبع رأی الشیخ

---

[۱] حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس مسئلہ کی بابت مجھ پر کوئی چیز نازل نہ ہو میں اس میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔

[۲] حضرت ابوبکرؓ کے پاس کوئی مقدمہ آتا اور آپ اس بارے میں کوئی فیصلہ قرآن و سنت میں نہ پاتے تو اپنی رائے سے فیصلہ فرماتے اور فرماتے کہ میری رائے ہے، اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ورنہ میری طرف سے۔

[۳] یعنی علماء کو جمع فرماتے اور ان سے مشورہ لیتے پس جس فیصلہ پر ان کی رائے مجتمع ہو جاتی تو اس کا فیصلہ فرماتے۔

[۴] یعنی یہ میری رائے ہے، اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ورنہ میری طرف سے۔

قبلك فنعم ذو الرأی کان ۱۵؎(مستدرك حاکم ج ٤ ص ٣٤٠ قال الحاکم و الذهبی صحیح)

(۱۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہی اس شرط پر کی گئی کہ وہ کتاب وسنت اور سنت العمرین کا اتباع کریں گے۔ (شرح فقہ اکبر ج ا ص ۷۹)

(۱۴) (حضرت علی رضی اللہ عنہ) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بیعت کا مشورہ ہوا تو سب ارباب حل وعقد کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا احکم بکتاب اللّٰہ و سنة رسوله و اجتهد برأیی ۱۶؎ (شرح فقہ اکبر ص ۷۹) نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ھیں سئل رسول اللّٰہ ﷺ عن العزم فقال مشاورة اهل الرأی ثم اتباعهم ۱۷؎(ابن کثیر ج ١ ص ٢٠) نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جس میں نہ امر ہو نہ نہی تو آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو (مجمع الزوائد ج ا ص ۱۷۸ رجالہ موثقون)

(۱۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ میں مفتی تھے آپ کا معمول یہ تھا کہ کتاب وسنت کے بعد حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثبوت نہ ملتا تو قال فیه برأیه (دارمی ج ا ص ۵۹ مستدرک وقال الحاکم والذھبی صحیح ج ا ص ۱۲۷ نحوہ فی سنن البیہقی ج ا ص ۱۱۵ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۷ و ۵۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہزاروں فتاویٰ مصنف عبدالرزاق ومصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہیں جن میں آپ نے دلیل ذکر نہیں کی۔

(۱۶) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (مدینہ منورہ میں) مدینہ میں آپ کا فتویٰ چلتا تھا اور اہل مدینہ آپ کی تقلید شخصی کرتے تھے حتیٰ کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس

۱۵؎ یعنی اگر میں آپ کی رائے کا اتباع کروں تو بھی درست ہے اور اگر آپ کے شیخ (ابوبکرؓ) کی رائے کا اتباع کروں وہ بھی بہت اچھی رائے والے تھے۔ ۱۶؎ یعنی میں اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا اور ان کا کوئی حکم نہ ہو تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ ۱۷؎ یعنی حضور ﷺ سے عزم کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل رائے سے مشورہ کرنا اور ان کی پیروی کرنا عزم ہے۔

رضی اللہ عنہما سے کہہ دیا تھا لا ناخذ بقولك و ندع قول زید [18] (بخاری ج ۱ ص ۲۳۷) لا نتبعك یا ابن عباس و انت تخالف زیدا [19] (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۷۷۴ نحوہ فی فتح الباری ج ۳ ص ۴۶۳) آپ جب فتویٰ دیتے تو فرماتے انما اقول برأیی [20] (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۸، بیہقی ج ۱ ص ۱۱۵)

(۱۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دار العلوم کوفہ میں مفتی تھے آپ کا منشور یہ تھا فمن عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما فی كتاب الله فان جاءه امر ليس فی كتاب الله فليقض بما قضىٰ به نبيه ﷺ فان جاء امر ليس فی كتاب الله و لا قضی به نبيه ﷺ فليقض بما قضىٰ به الصالحون فان جاء امر ليس فی كتاب الله و لا قضىٰ به نبيه ﷺ و لا قضىٰ به الصالحون فليجتهد برأيه [21] الحديث و الحديث جيد۔ (نسائی ص ۲٦٤ باب الحكم باتفاق اهل العلم) اور دارمی کے الفاظ یہ ہیں فان لم يكن فيما اجتمع عليه المسلمون فاجتهد برأيك [22] (ج ۱ ص ٦١، جامع بيان العلم ج ۲ ص ٥٧) وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انه قال فی غير ما مسألة اقول فيه برأی (جامع بيان العلم ج ۲ ص ٥٧)

(۱۸) حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو درداء، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم بھی رائے سے فتویٰ دیتے تھے (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۸)

(نوٹ) حافظ ابن عبد البرؒ نے تابعین میں سے ہر شہر کے اہل الرائے کی علیحدہ علیحدہ فہرست درج فرمائی ہے (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۶۱، ۶۲)

قال ابن عبد البر لا خلاف بين فقهاء الامصار و سائر اهل السنة و

---

[18] ہم زیدؓ کا قول چھوڑ کر آپ کا فتویٰ نہیں لے سکتے (یعنی ایک علاقہ میں ایک مفتی کے فتویٰ پر عمل ہوتا تھا)۔ [19] اے ابن عباس ہم آپ کا اتباع نہیں کر سکتے کیونکہ آپ زیدؓ کی مخالفت کرتے ہیں۔ [20] یعنی میں اپنی رائے سے کہہ رہا ہوں۔ [21] یعنی جس کے پاس کوئی مقدمہ آئے تو وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے، اور اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کرے، اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو تو سلف صالحین کی تقلید کرتے ہوئے ان کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہ ہو اور نہ ہی سلف صالحین سے اس بارے میں کوئی فیصلہ منقول ہو تو اجتہاد کرے اور اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرے۔
[22] اگر اس مسئلہ پر اجماع نہ ہو چکا ہو تو اجتہاد کرے۔

هم اهل الفقه و الحدیث فی نفی القیاس فی التوحید و اثباته فی الاحکام الا داؤد بن علی ۲۳ (جامع بیان العلم ج۲ ص۷٤) قرآن پاک میں ایک بھی آیت اور پورے ذخیرہ حدیث میں ایک بھی صحیح حدیث موجود نہیں جس میں فقہ واجتہاد کو کفر وشرک اور فقیہ ومجتہد کو کافر مشرک یا ان کے اجتہادی اور فقہی مسائل پر چلنے والوں کو کافر ومشرک اور گنہگار کہا گیا ہو هل من مبارز یبارزنی، دیدہ باید۔

(۱۹) عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ العلم ثلاثۃ آیۃ محکمہ او سنۃ قائمۃ او فریضۃ عادلۃ و ما سوی ذلك فهو فضل (ابوداؤد ج۱ص۱۶۹ ابن ماجہ ص۶) فریضہ عادلہ اشارہ ہے اجماع وقیاس کی طرف۔ فریضہ اس کو اس لئے کہا کہ اس پر عمل واجب ہے جیسے کتاب وسنت پر اور عادل کے معنی بھی یہی ہیں (یعنی حجت ہونے میں برابر) اس حدیث کے حاصل معنی یہ ہوئے کہ دین کے اصول چار ہیں کتاب وسنت واجماع وقیاس اور جو علم ان کے سوا ہیں وہ زائد ہیں اور بے معنی ہیں (حاشیہ غزنویاں غیر مقلدین بر مشکوۃ ج۱ص۶۶)

(۲۰) غیر مقلدین کے حاشیہ قرآن فوائد سلفیہ میں آیت اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم پر لکھا ہے اگر کسی بات پر قرآن وحدیث سے تصریح نہیں ملے گی تو اجماع واجتہاد کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ یہ بھی دونوں کتاب وسنت کے فروع میں سے ہیں (ترجمہ وحید الزمان ج۱ص۱۸۱)

(نوٹ) علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں صحابہ سے قیاس پر عمل کرنا وقت نہ ہونے نص کے متواتر ثابت ہے اگرچہ تفصیل ان کی احاد سے پہنچی ہے (توضیح تلویح ص۳۶۷) یعنی تواتر قدر مشترک ہے اور علامہ کی یہ بات نہایت درست ہے کیونکہ صرف ایک کتاب مصنف عبد الرزاق میں صحابہ وتابعین کے سترہ ہزار سے زائد اجتہادی فتاویٰ موجود ہیں جو دلیل تواتر قدر مشترک کی ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا الآیات بعد

۲۳ یعنی تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ توحید (عقائد) میں قیاس نہیں لیکن احکام میں قیاس ہے اس میں صرف داؤد بن علی کا اختلاف ہے۔

المائتین چنانچہ اس پیش گوئی کے موافق پہلا منکر قیاس ابراہیم بن سیار النظام پیدا ہوا، اور اس کی پیروی میں سب سے پہلے معتزلہ نے قیاس شرعی کے حجت ہونے کا انکار کیا (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۶۲) قرآن پاک میں چاروں دلائل کا ذکر ہے خدا اور رسول کی اطاعت کے بعد اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے جو اہل استنباط یعنی مجتہدین ہیں اسی طرح فقہاء کی بات ماننے کا بیان ہے اور اجماع کے حجت ہونے کا بھی ذکر ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی و نصله جهنم و ساءت مصیراً ۲۴ (النساء ۱۱۵،۱۷۴)

غیر مقلدین کے حواشی سلفیہ میں ہے ''اور کسی اجماعی مسئلے کی مخالفت کرنا بھی غیر مومنین کی راہ پر چلنا ہے (قرطبی) امت محمدیہ کو اللہ تعالی نے یہ شرف بخشا ہے کہ وہ اجتماعی طور پر غلطی اور خطاء سے محفوظ رہی ہے اور رہے گی یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ساری امت صدیوں ایک غلط راہ پر چلتی رہے اس بارے میں بہت سی صحیح حدیثیں وارد ہیں حتی کہ بعض علماء ان کے تواتر کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ نے اجماع کے حجت ہونے کا اسی آیت سے استنباط کیا ہے اور یہ استنباط بہت قوی اور عمدہ ہے (ابن کثیر) شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب معارج الوصول میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور امام شافعیؒ کے استدلال کی پُر زور تائید کی ہے (م،ع) (فوائد سلفیہ ص ۱۱۴،۴) پھر قرآن پاک میں ادلہ اربعہ کے ساتھ خصوصاً تابعین کے مسلک پر رضی الله عنهم و رضوا عنه کا وعدہ ہے اور و آخرین منهم میں عجمی مجتہد کی فضیلت کا بیان ہے جو امام ابوحنیفہؒ ہیں اور پھر ثلة من الاولین اور ثلة من الاخرین میں کثرت و مقبولیت عامہ کا ذکر ہے جو عموماً اہل سنت والجماعت اور خصوصاً احناف کو حاصل ہے اس لئے اہل قرآن (منکرین حدیث) اہل حدیث (منکرین اجماع و قیاس) کا دعوی عمل بالقرآن ناقص ہے اور اہل سنت والجماعت کا دعوئ عمل بالقرآن کامل ہے کیونکہ ادلہ اربعہ کو مانتے ہیں اور خصوصاً احناف کو اہل سنت والجماعت میں بھی برتری

---

۲۴ جو ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور مسلمانوں کے اجماعی مسئلہ کے خلاف چلے تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اسے جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

حاصل ہے۔

ائمہ مجتہدین میں سے وہ کونسا مجتہد ہے جس نے اپنا مسلک خیر القرون میں مدون فرمایا ہو والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ[25] وہ اہل عجم سے ہو و آخرین منھم اس کے مسلک کو پوری دنیا میں قبولیت عام نصیب ہوئی ہو اس کے مقلدین اس کثرت سے ہوں کہ ثلة من الاولین اور ثلة من الاخرین کے مصداق ہوں۔

صحیح بخاری: امام بخاری نے صحیح میں قرآن پاک کی آیات سے بھی استدلال کیا ہے اور احادیث سے بھی، اجماع امت کو بھی حجت ثابت کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی حدیث نقل فرماتے ہیں تلزم جماعة المسلمین و امامھم [26] (ج ۱ ص ۵۰۹) و من فارق الجماعة شبراً فمات الا میتة جاھلیة [27] (ج ۲ ص ۱۰۴۵) اور جماعت اور اطاعت امام سے خارج ہونے والوں کے قتل تک کا حکم دیا ہے یاتی فی آخر الزمان قوم حدثاء الاسنان سفھاء الاحلام (ج ۱ ص ۵۱۰) یقولون من قول خیر البریة یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیة لا یجاوز ایمانھم حناجرھم فاینما ثقفتموھم فاقتلوھم فان قتلھم اجر لمن قتلھم یوم القیامة (ج ۲ ص ۷۵۶) یخرج فیکم قوم تحقرون صلاتکم مع صلاتھم و صیامکم مع صیامھم و عملکم مع عملھم یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیة [28] (ج ۲ ص ۷۵۶) یعنی وہ لوگ آخری زمانہ کی پیداوار ہوں

---

[25] جو صحابہؓ کی اخلاص کے ساتھ اتباع کرے اللہ اس سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ [26] یعنی جماعت اور مسلمانوں کے امام کی اتباع کرو۔ [27] یعنی جو ذرہ بھر بھی جماعت سے الگ ہوگا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔
[28] یعنی آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی جو چھوٹی عمر کے بیوقوف ہوں گے، وہ بات حضور ﷺ کی کریں گے لیکن وہ خود اسلام سے ایسے نکلتے ہوں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔ ان کا ایمان ان کے نرخروں سے تجاوز نہیں کرے گا۔ پس جہاں بھی تم ان پر قابو پاؤ ان کو قتل کرو اور قتل کرنے والے کو قیامت کے دن اجر ملے گا۔ وہ لوگ تمہاری نمازوں، روزوں اور ہر قسم کے اعمال کو اپنے عملوں کے مقابلے میں گھٹیا سمجھیں گے۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن ان کے نرخروں سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکلتے ہوں گے جیسے تیر کمان سے۔

گے۔ ان میں شریک ہونے والے اکثر کم عمر (علمی بونے) ہوں گے اور ان کی جماعت فقہاء سے خالی ہوگی، گلہ پھاڑ پھاڑ کر قرآن، حدیث پڑھیں گے (تھوتھا چنا باجے گھنا) مگر گلے سے آگے اثر نہیں ہوگا نہ دل نہ ہر مقام قبولیت تک پہنچے گا، دین ایمان سے تیر کی طرح کورے ہوں گے، اسی طرح امام بخاریؒ نے اجتہاد وقیاس شرعی کے حجت ہونے کے دلائل بھی ذکر فرمائے ہیں بلکہ مجتہد سے خطا بھی ہو جائے تو اجتہاد کا اجر ملے گا (ج ۲ص ۱۰۹۲) پھر خود آنحضرت ﷺ کا انسان کے بچے کو اونٹ کے بچے پر قیاس فرمانا اور حج کو قرضے پر قیاس فرمانا روایت فرمایا ہے (ج ۲ص ۱۰۸۸) پھر حضرت سلیمانؑ کا قیاس (ج ۱ص ۴۷۷) اور صحابہ کا بنی قریظہ کو جاتے ہوئے اجتہاد کرنا اور آنحضرت ﷺ کا دونوں پہلوؤں کی تصویب فرمانا (ج ۲ص ۲۹۱) پھر (ج ۱ص ۱۷، ۱۸) پر فقہ کی خیریت کی احادیث نقل فرمائیں۔ اور باجماع اصول فقہ چار ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت، قیاس شرعی، فقہ کو ماننا دلائل اربعہ کو تسلیم ہے اس لئے دلائل اربعہ کو ماننے والے بخاری کو ماننے والے ہیں نہ کہ اجماع وقیاس کے منکرین، پوری بخاری شریف میں ایک بھی حدیث نہیں کہ اجماع یا فقہ کو ماننے والا کافر یا مشرک یا بدعتی ہے، خود امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ فقہ ثمرۃ الحدیث ہے، خود امام بخاریؒ نے اپنے مسلک کی تائید میں صحابہ، تابعین کے اقوال ذکر فرمائے ہیں جو ان کے قیاسی فتاویٰ ہیں، جب امتی کا اجتہاد حجت ہوا تو بخاریؒ نے خیر القرون کی خیریت کی احادیث صحیح بخاری ج ۱ص ۳۶۲، ج ۱ص ۵۱۵، ج ۲ص ۹۵۱، ج ۲ ص ۹۸۵ پر نقل فرمائی ہیں اور خاص طور پر رجل فارس کی پیش گوئی درج فرمائی ہے۔ (ج ۲ ص ۷۲۷) اور وہ رجل فارس جس نے خیر القرون میں دین حنیف کو مرتب کروایا اور اس ملازمت اور سبقت تدوین شرع حنیف کی وجہ سے ہر شخص کی زبان پر ابوحنیفہ کی کنیت اور امام اعظم کے لقب سے شہرت پائی اور پھر یہ بھی حدیث نقل فرمائی کو لوگ نااہل جاہلوں کو اپنا رؤس بنائیں گے، وہ رؤس خود گمراہ اور دوسروں کے گمراہ کنندہ ہوں گے چنانچہ آج کل لا مذہبوں نے خیر القرون کے مجتہد رجل فارس کو گمراہ اور دور برطانیہ کے جہال کو اپنا رؤس بنا رکھا ہے۔

الحاصل صحیح بخاری سے اہل سنت والجماعت کی صداقت ظاہر ہوتی ہے جو ادلہ اربعہ کے ماننے والے ہیں اور خصوصاً احناف جو خیر القرون کے مجتہد رجل فارس، فقہ کے باپ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں ان کی برتری ثابت ہوتی ہے اور لامذہب احداث الاسنان، سفہاء الاحلام کا ضال مضل اور واجب القتل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

صحیح مسلم: امام مسلمؒ نے بھی ادلہ اربعہ کا ہی ذکر فرمایا ہے تلزم جماعة المسلمین و امامهم (ج۲ ص۱۲۷) من فارق الجماعة شبراً فمات میتة جاهلیة (ج۲ ص۱۲۸) انه ستکون هناة و هناة فمن ارادان یفرق هذه الامة و هی جمیع فاضربوه بالسیف کائناً من کان ۲۹ (ج۲ ص۱۲۸) من اتاکم و امرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوه (ج۲ ص۱۲۸) چنانچہ امام و جماعت کی اطاعت سے نکلنے والوں کی نشانیاں بتائیں: غائر العینین مشرف الو جنتین ناشز الجبهة کث اللحیة محلوق الراس مشمر الازار (ج۱ ص۳٤۱) یحقر احدکم صلوته مع صلوتهم و صیامه مع صیامهم یقرؤن القرآن لا یجاوز تراقیهم یمرقون من الاسلام کما یمرق السهم من الرمیة ۳۰ (ج۱ ص۳٤۱) سیما هم التحالق ـ سیخرج فی آخر الزمان قوم احداث الاسنان و سفهاء الاحلام یقولون من قول خیر البریة فاذا لقیتموهم فاقتلوهم فان فی قتلهم اجراً لمن قتلهم عند الله یوم القیامة ۳۱ (ج۱ ص۳٤۲) هم شر الخلیقة و اللیقة و اشار بیده نحو المشرق ج۱ ص۳٤۳ یہ سب علامات لا مذہبوں میں ہیں۔

اجتہاد: اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران و اذا حکم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر ۳۲ (ج۲ ص۷٦) پھر سلیمانؑ کا دو عورتوں میں قیاس سے فیصلہ دینے کی

---

۲۹ یعنی مجتمع امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کر دو چاہے وہ کوئی بھی ہے (اب پاک وہند میں فقہ حنفی پر امت مجتمع ہے تو ان میں تفرقہ ڈالنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ ۳۰ اس کا مطلب حاشیہ نمبر ۲۲ پر گزرا۔ ۳۱ اس کا مطلب بھی حاشیہ نمبر ۲۲ پر گزرا۔ ۳۲ اس کا مطلب حاشیہ نمبر ۵ پر گزر چکا۔

حدیث لائے ہیں (ج ۲ ص ۷۷) خود آنحضرت ﷺ کا حج کو قرضے پر قیاس فرمانا (ج ۱ ص ۳۶۲) صحابہ کا آپ کی مراد کو سمجھنے کے لئے اجتہاد کرنا اور آپ کا تصویب فرمانا (صلوة فی بنی قریظة ج ٢ ص ٩٦) آنحضرت ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک عورت کو کوڑے لگانے کے لئے بھیجنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد سے آپ کے مطلق حکم کو مقید کر لینا (ج ۲ ص ۷۱) اور امام مسلمؒ فقہ کی تعریف میں احادیث لائے ہیں (ج ۲ ص ۱۴۴، ج ۲ ص ۲۶۸، ج ۲ ص ۳۰۸) اور فقہ کو ماننا، ادلہ اربعہ کو ماننا ہے اور صحیح مسلم میں ایک بھی حدیث ایسی نہیں کہ اجماع کو ماننے والا یا اجتہاد و فقہ کو ماننے والا کافر یا مشرک یا گنہگار رہے۔ نیز یہ حدیث لائے ہیں قال [۳۳] الدین النصیحة قال لمن قال للّٰه و لکتابه و لرسوله و لائمة المسلمین و عامتهم (ج١ ص٥٤) و قد یتناول ذلك علی الائمة الذین هم علماء الدین و ان من نصیحتهم قبول ما رووه و تقلیدهم فی الاحکام و احسان الظن بهم قاله الخطابی نووی (ج١ ص٥٤) اب جب امتیوں کے اجتہاد کا دلیل شرعی ہونا معلوم ہو گیا تو امت کا بہترین طبقہ خیر القرون ہے اور ان کی افضلیت بالترتیب ہے (ج ۲ ص ۳۰۸، ۳۰۹) اور اس قرن میں بھی رجل فارس کی علمی پرواز ثریا تک ہے (ج ۲ ص ۳۱۲) پس اہل سنت والجماعت کی حقانیت عموماً اور احناف کی افضلیت خصوصاً معلوم ہوئی اس کے بالمقابل ضال مضل لوگوں کا بھی ذکر فرمایا ان اللّٰه لا ینتزع العلم من الناس انتزاعاً و لکن یقبض العلماء فیرفع العلم معهم و یبقی فی الناس رؤساً جهالاً یفتونهم بغیر علم فیضلون و یضلون [۳۴] (ج٢ ص ٣٤٠) اور یہ بھی نشان دہی فرمائی کہ وہ حدیثوں سے گمراہ کیا کریں گے سیکون فی آخر امتی اناس

---

[۳۳] آپ نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ پوچھا کہ کس کی خیر خواہی؟ فرمایا کہ اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے ائمہ اور عام لوگوں کی خیر خواہی۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ائمہ دین کو بھی شامل ہے اور ان کی خیر خواہی یہ ہے کہ جو وہ روایت کریں اسے قبول کر لیا جائے اور احکام میں ان کی تقلید کی جائے اور ان سے حسن ظن رکھا جائے۔ [۳۴] یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم قبض کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ صحیح علماء کو اٹھا لے گا، بس باقی جاہل لوگ بڑے بن جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتوی دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

یحدثونکم بما لم تسمعوا انتم و لا آباؤکم (ج١ ص٩) یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم و لا آباؤکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم ۳۵(ج١ ص١٠) ادھر امام مسلمؒ نے طائفہ منصورہ کی حدیث (ج ۲ ص ۱۴۳،۱۴۴) پر سات صحابہ سے روایت کی ہے اس جماعت منصورہ کی دو خاص نشانیاں ہیں۔

(۱) قتال علی الحق یعنی ان کو سیاسی غلبہ نصیب ہوگا خلفاء اور ملوک ہوں گے جن کی سرپرستی میں وہ ملک گیری اور قتال علی الحق کو جاری رکھیں گے۔

(۲) فقہ فی الدین یعنی ان کو سب پر علمی برتری نصیب ہوگی کیونکہ فقہ کا مدار اصول اربعہ ہیں جو فقہ میں غالب ہے وہ علوم قرآن، علوم سنت، اجماع و اجتہاد سب میں غالب ہے یعنی مجاہدین ملک حاصل کریں گے اور فقہاء قانون اسلامی نافذ کریں گے اما هذه الطائفة فقال البخاری هم اهل العلم و قال احمد بن حنبل ان لم یکن اهل الحدیث فلا ادری من هم قال القاضی عیاض انما اراد احمد اهل السنة و الجماعة و من یعتقد مذهب اهل الحدیث قلت و یحتمل ان هذه الطائفة مفرقة بین انواع المؤمنین منهم شجعان مقاتلون و منهم فقهاء و منهم محدثون و منهم زهاد و آمرون بالمعروف و الناهون عن المنکر و منهم انواع اخری من الخیر و لا یلزم ان یکونوا مجتمعین بل قد یکون متفرقون فی اقطار الارض و فی هذا الحدیث معجزة ظاهرة فان هذا الوصف ما زال بحمد الله تعالی من زمن النبی ﷺ الی الآن و لا یزول حتی یاتی امر الله المذکور فی الحدیث (نووی ج٢ ص ١٤٣) حدیث میں دو باتیں تھیں مجاہدین اُن کا ذکر پہلے کر دیا پھر فقہاء کا ذکر تھا ان کی مناسبت سے محدثین کا ذکر کیا کہ اصول فقہ میں حدیث بھی ہے، یہ فقہاء کے خادم ہیں، خود کہتے ہیں کہ فقہاء طبیب ہیں اور ہم پنساری، آمرین

۳۵ یعنی آخر زمانہ میں ایسے دجال کذاب آئیں گے جو تمہیں ایسی ایسی حدیثیں سنائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباؤ اجداد نے، تم ان سے بچنا تاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں۔

بالمعروف اور ناهین عن المنکر فقہ کی تبلیغ کرنے والے ہیں، زہاد فقہ پر عمل کرنے والے ہیں، باقی انواع خیر کا منبع بھی فقہ ہی ہے چنانچہ اسی حدیث میں ہے من یرد اللّٰہ به خیراً یفقهه فی الدین (ج۲ ص۱۴۴)

صاحب درمختار فرماتے ہیں"و الحاصل ان ابا حنیفة النعمان من اعظم معجزات المصطفی بعد القرآن و حسبك من مناقبه اشتهار مذهبه (ای فی عامة بلاد الاسلام بل فی کثیر من الاقالیم و البلاد لا یعرف الا مذهبه کبلاد الروم و الهند و السند و ما وراء النهر و سمرقند و قد نقل ان فیها تربة المحمدیین دفن فیها نحو من اربعمائة نفس کل منهم یقال له محمد صنف و افتیٰ و اخذ عنه الجم الغفیر و لما مات صاحب الهدایة منعوا دفنه بها فدفن بقربها و روی انه نقل مذهبه نحو من اربعة آلاف نفر و لا بد ان یکون لکل اصحاب وهلم جراً الخ) ماقال قولا الا اخذ به امام من الائمة الاعلام (سب ائمہ خوشہ چیں ہیں) وقد جعل اللّٰه الحکم لاصحابه و اتباعه من زمنه الی هذه الایام (فالدولة العباسیة و ان کان مذهبهم مذهب جدهم فاکثر قضا تها و مشائخ اسلامها حنفیة یظهر ذلك لمن تصفح کتب التواریخ و کان مدة ملکهم خمسمائة سنة تقریباً و اما الملوك السلجوقیون و الخوارزمیون فکلهم حنفیون و قضاة ممالکهم غالبها حنفیة و اما ملوك زماننا سلاطین آل عثمان ایده اللّٰه تعالی دولتهم ما کر الجدید ان فمن تاریخ تسع مائة الی یومنا هذا لا یولون القضاء سائر مناصبهم الا للحنفیة) الی ان یحکم بمذهبه عیسی علیه السلام (یعنی عیسیٰ کا اجتہاد موافق امام صاحب کے ہوگا۔ راجع کشف شعرانی) و هذا یدل علی امر عظیم اختص به بین سائر العلماء العظام کیف لا و هو کالصدیق رضی اللّٰہ عنہ له اجره و اجر من دوّن الفقه و الفه و فرّع احکامه علی اصوله العظام الی یوم الحشر و القیام و قد اتبعه علی مذهبه کثیر من الاولیاء الکرام ممن اتصف بثبات المجاهدة و رکض فی میدان المشاهدة کابراهیم بن ادهم و شقیق البلخی و معروف الکرخی و ابی یزید البسطامی و

فضیل بن عیاض و داؤد الطائی و ابی حامد اللفاف و خلف بن ایوب و عبد اللّٰہ بن المبارك و وكيع بن الجراح و ابی بکر الوراق ممن لا یحصی لبعده ان یستقصی فلو وجدوا فیه شبهة ما اتبعوه و لا اقتدوا به و لا وافقوه و قال الاستاذ ابو القاسم القشیری فی رسالته مع صلابته فی مذهبه و تقدمه فی هذه الطریقة سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق یقول انا اخذت هذه الطریقة من ابی القاسم النصرابازی و قال ابو القاسم انا اخذتها من الشبلی و هو اخذها من السری السقطی و هو من معروف الکرخی و هو من داؤد الطائی و هو اخذ العلم و الطریقة من ابی حنیفة و کل منهم اثنیٰ علیه و اقره بفضله فعجباً لك یا اخی! الم یکن لك اسوة حسنة فی هؤلاء السادات الکبار کانوا متهمین فی هذا الاقرار و الافتخار و هم ائمة هذه الطریقة و ارباب الشریعة و الحقیقة، و من بعدهم فی هذا الامر فلهم تبع و کل ما خالف ما اعتمدوه مردود و مبتدع، بالجملة فلیس ابو حنیفة فی زهده و ورعه و عبادته و علمه و فهمه بمشارك (درمختار مع الشامی ج۱ ص۳۸،۴۲) **الغرض تاریخ اسلام میں سیاست اور تفقہ فی الدین پر ہمیشہ احناف کا غلبہ رہا ہے، لامذہب غیر مقلدین کو کبھی نہ ہی سیاسی غلبہ نصیب ہوا نہ ہی فقہی برتری، ملکہ وکٹوریہ کے دور سے پہلے یہ ذرا محدثین، فقہاء، سلاطین، مجاہدین، اولیاء کرام اور اپنی کتب حدیث کتب فقہ کی فہرست پیش کریں الغرض طائفہ منصورہ کے اولین و کامل مصداق احناف ہیں۔**

نوٹ: اس ملک میں سب حنفی تھے اور امام صاحبؒ کے مقلد۔ اب اس میں فتنہ ڈالنا حدیث پاک فوابیعة الاول کی مخالفت تھی ج۱ص۱۲۶ نیز بخاری ج۲ص۱۰۹۲ پر اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے بیعت لی ان لا ننازع الامر اهله۳۶ تو اگر کوئی نااہل کسی محدث یا مجتہد یا فقیہ یا مفتی سے نزاع کرتا ہے تو وہ نبی اقدس ﷺ کے فرمان

۳۶ یعنی کسی بھی معاملہ میں اس معاملہ کے اہل لوگوں سے جھگڑا نہ کریں۔ (مثلاً اجتہاد کے معاملہ میں ائمہ مجتہدین سے جھگڑا نہ کریں)

کا مخالف ہے۔

جامع ترمذی: امام ترمذیؒ نے بھی اجماع کی احادیث نقل فرمائی ہیں ابواب الفتن میں باقاعدہ فی لزوم الجماعۃ لائے ہیں اور حضرت عمرؓ کا خطبہ جابیہ سے یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمائے ہیں علیکم بالجماعۃ و ایاکم و الفرقۃ فان الشیطان مع الواحد و ھو من الاثنین ابعد من اراد بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ [۳۷] ھذا حدیث حسن صحیح غریب ان اللہ لا یجمع امتی اوقال امۃ محمد علی ضلالۃ و ید اللہ علی الجماعۃ و من شذ شذ الی النار (ص ۳۱۵) اور ص ۳۱۹ پر ماجاء فی صفۃ المارقۃ میں خوارج کا تذکرہ فرمایا ہے اور ایک بھی حدیث نہیں کہ اجماع کا ماننے والا دوزخی ہے۔

اجتہاد: اذا حکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران و اذا حکم فاخطأ فلہ اجر واحد [۳۸] (ص ۲۱۰ ابواب الاحکام) اور پھر حدیث معاذؓ لائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسائل اجتہادیہ میں مجتہد اجتہاد کرے گا اور باقی اس کے اجتہاد پر عمل کریں گے اس کو تقلید کہتے ہیں اگر کوئی غیر مجتہد، مجتہد کی بجائے اپنی خود رائی کرے تو اس پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے و اعجاب [۳۹] کل ذی رأی برأیہ فعلیك بنفسك خاصۃ ودع امر العوام (ص ۴۳۵ تفسیر المائدۃ) ای یجد کل احد فعل نفسہ حسنا و ان کان قبیحا و لا یراجع العلماء فیما فعل بل یکون مفتی نفسہ (سندھی) و اعجاب کل ذی رأی برأیہ قال القاری ای من غیر نظر الی الکتاب

---

[۳۷] تم پر جماعت کے ساتھ چلنا لازم ہے اور جماعت سے علیحدہ ہونے سے بچو کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے زیادہ دور ہو جاتا ہے اور جو جنت کا وسط چاہے تو جماعت کو لازم پکڑے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہیں فرمائیں گے۔ اور جماعت کے ساتھ اللہ کی نصرۃ ہوتی ہے اور جو جماعت سے الگ ہوا وہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ [۳۸] اس کا مطلب حاشیہ نمبر ۵ پر گذرا۔ [۳۹] اور ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرنے لگے تو تم اپنی فکر کرو اور لوگوں کو چھوڑ دو۔ امام سندھیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کام کو باوجود برا ہونے کے اچھا سمجھے اور علماء سے مراجعت نہ کرے بلکہ خود اپنا مفتی بن جائے۔ امام ملا علی قاریؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ وہ کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کو چھوڑ دے اور ائمہ اربعہ کی اقتداء نہ کرے۔

و السنة و اجماع الامة و القیاس علی اقوی الادلة و ترك الاقتداء بنحو الائمة الاربعة قاله الطیبی (انجاح الحاجة ص ۲۹۹) اورابواب العلم میں حدیث من یرد اللّٰہ به خیراً یفقهه فی الدین [40] (ص ۳۷۹) اور فقہ جامع ادلہ اربعہ کو ہے اور رب حامل فقه الحدیث لاکر بتایا کہ فہم محدث حجت نہیں فہم فقیہ حجت ہے (ص ۳۸۰) اور یہ حدیث فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد [41] (ص ۳۸٤) خصلتان لا تجتمعان فی منافق حسن سمت و لا فقه فی الدین [42] (ص ۳۸٤) فقہ سے اختلاف یا شیطان کو ہے یا منافق کو اور منافق کی یہ بھی نشانی ہے الشاة العائرة بین الغنمین اسی لئے امام ترمذیؒ نے فقہاء کے مذاہب بھی نقل فرمائے ہیں اور علماء یعنی فقہاء کے بالمقابل لوگ جہال کو روٴس بنائیں گے وہ خود فقہ سے خالی ہوں گے خود گمراہ ہوں گے اورلوگوں کو گمراہ کریں گے اور وہ علم اس نیت سے پڑھیں گے من طلب العلم لیجاری به العلماء اولیماری به السفهاء ویصرف به وجوه الناس الیه ادخله اللّٰہ النار [43] (ص ۳۸۰) اور جیسے یہود ونصاریٰ تورات انجیل پڑھتے تھے مگر سمجھتے کچھ نہ تھے (ص ۳۸۰) یہی حال غیر مقلدوں کا جس طرح یہود احبار رہبان (غیر مجتہدین) کی رائے پر چلتے تھے (ص ۴۴۱) التوبہ اب جبکہ امتی مجتہدین عوام اور نبی ﷺ کے مابین واسطہ فی البیان اور واسطہ فی التفہیم قرار پائے تو کس دور کے مجتہدین کو زیادہ قابل اعتماد سمجھا جائے گا۔ اس سلسلہ میں خیر القرون کی افضلیت منصوص ہے (ص ۳۲۳، ۵۴۸ ابواب الفتن) ابواب النفس اور خیر القرون میں بھی اہل فارس و الذی [44] نفسی بیده لو کان الایمان بالثریا لتناوله رجال من هؤلاء (ص ٤٧٦ و الجهاد ص ٥٥٦ مناقب) اور اس کے مذہب کو قبولیت عامہ بھی نصیب ہوئی ہو سیجعل لهم الرحمن

---

[40] اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا فیصلہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ (فقہ) عطا فرماتے ہیں۔ [41] ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے بھاری ہے۔ [42] منافق میں نہ حسن خلق جمع ہوسکتی ہے نہ ہی دینی سمجھ۔ [43] جس نے علم دین حاصل کیا تاکہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا جاہلوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کو اپنا معتقد بنائے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کریں گے۔ [44] یعنی خدا کی قسم اگر ایمان ثریا ستارے پر چلا جائے تو فارس کے لوگوں میں سے رجال اسے وہاں سے بھی لے آئیں گے۔ (اس کا اولین مصداق امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں)

ودا (ص۴۵۲ تفسیر سورت مریم) یہ سب باتیں امام اعظم میں ہی پائی جاتی ہیں۔

و کذلك قال الفقهاء و هم اعلم بمعانی الحدیث [۴۵] (ص ۱٦٢ باب غسل المیت) فقهاء الاشراف و اولوا الالباب (ص ٣٧٥) اضافه الفرائض الی الایمان قول وکیع اشعار البدن (ص ١٥٢) اهل الرأی۔ باب ماجاء فی الطلاق قبل النکاح (ص ١٩٠، ١٩١)

ابوداؤد: آپ اجماع کی دلیل میں ۷۳ فرقوں والی حدیث لائے ہیں اور ناجی جماعت هی الجماعة (ج٢ ص ١٦٤ کتاب السنه) من فارق الجماعة (ج٢ ص ١٧٩) **اور اجتہاد کے لئے** اذا حکم الحاکم (ج٢ ص ٧٠ کتاب الا قضیة) **حدیث معاذ** رضی اللہ عنہ (ج٢ ص ٧١، ٧٢) القضاة ثلاثة (ج٢ ص ٧٠) **اور** انما اقضی بینکم بالرأی فیما لم ینزل علی فیه [۴٦] (ج٢ ص ٧١) العلم ثلاثة (ج٢ ص ٩ کتاب الفرائض) نضر الله عبداً سمع مقالتی (ج٢ ص ٧٨ کتاب العلم) لا یقص الا امیر او مامور او مختال (ج٢ ص ٧٩) **امیر مجتہد، مامور مقلد اور مختال غیر مقلد** باب قتل الخوارج (ج٢ ص ١٧٩، ١٨٠) انما شفاء العی السوال (ج١ ص ٣٦ باب فی المجروح یتیمم) **اور بوقت اختلافِ احادیث عمل صحابہ** رضی اللہ عنہم **دیکھا جائے گا۔** (ج١ ص ٧٢ قبل ابواب تفریع استفتاح الصلوٰة)

نسائی اجماع کے لئے من فارق الجماعة الحدیث ج٢ ص ١٤٥، ١٤٦ ذکر ما یحل به دم المسلم **اور اجتہاد کے لئے** اذا حکم الحاکم قیاس حج بر دین، منشور عمر رضی اللہ عنہ ادله اربع، منشور ابن مسعود رضی اللہ عنہ ادله اربعه (ج٢ ص ٢٦٤) کتاب آداب القضا الدین النصیحة (ج٢ ص ١٦٤)

ادلہ اربعہ: بسم اللہ نوشتن از انگشت بر پیشانی میت از کتاب اللہ تعالی وسنت رسول اللہ ﷺ و اجماع امت و قیاس مجتہدین ثابت نیست و ہر چہ ازیں ادلہ اربعہ ثابت

[۴۵] یعنی فقہاء حدیث کا معنی سب سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ [۴٦] یعنی کسی مسئلہ میں مجھ پر وحی نہ آئے تو میں اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہوں۔

نباشد کردنش روانیست ۷۴ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۲ ص ۶۷)

اجماع: علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح (ص ۳۶۷) پر فرماتے ہیں:

صاحب دراسات نے جو قصہ لواقع سے نقل کیا ہے سو اس کا نشان تک کتب حنفیہ میں نہیں ہے ابو حنیفہ کئی لوگوں کی کنیت ہے نواب صدیق الحسن کشف الالتباس (ص ۲۴۵) پر لکھتے ہیں یہ حکایت محمد بن نعمان ملقب بہ شیطان الطاق کی ہے نہ نعمان بن ثابت ابو حنیفہؒ کی کیونکہ یہ لوگ بسبب بے علمی کے عبارت ائمہ کو نہ سمجھتے تھے پس ترتیب کرنا قیاس شرعی کا ان سے ممکن نہ تھا اس لئے ائمہ نے ان کو قیاس سے منع فرمایا اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کو بملاحظہ کثرت علم قوت اجتہاد اجازت قیاس کی دی چنانچہ کتب حنفیہ اور رسائل اہل بیت میں اجازت امام جعفر صادق کی امام صاحب کے لئے مصرح ہے۔

نیا فرقہ: اور ہمارے اس زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباعِ حدیث کا دعویٰ رکھتا ہے اور درحقیقت وہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے (بہت دور) ہیں جو حدیثیں سلف اور خلف کے ہاں معمول بہا ہیں ان کو ادنیٰ سی قدح اور کمزور جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں اور صحابہ کے اقوال اور افعال کو ایک بے طاقت سے قانون اور اپنا نام محقق رکھتے ہیں حاشا وکلا، اللہ کی قسم یہی لوگ ہیں جو شریعت محمدیہ کی حد بندی کے نشان گراتے ہیں اور ملت حنفیہ کی بنیادوں کو کہنہ کرتے ہیں اور سنت مصطفویہ کے نشانوں کو مٹاتے ہیں اور احادیث مرفوعہ کو چھوڑ رکھا ہے اور متصل الاسانید آثار کو پھینک دیا ہے اور ان کے دفع کرنے کے لئے وہ حیلے بناتے ہیں جن کے لئے کسی یقین کرنے والے کا شرح صدر نہیں ہوتا اور نہ کسی مومن کا سر اٹھتا ہے (فتاویٰ علماء حدیث ج ۷ ص ۷۹، ۸۰ فتاویٰ غزنویہ ج ۱ ص ۲۰۶) یہ فتوی مولانا عبد الجبار غزنوی کا عربی میں ہے جس کا ترجمہ مولانا عبد التواب ملتانی نے کیا ہے اور مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی نے اس کو فتاویٰ علماء حدیث میں نقل کیا ہے۔

یہ تین شہادتیں ہوئیں۔

---

۷۴ یعنی میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ سنت رسول علیہ ﷺ سے نہ اجماع سے نہ قیاس سے۔ اور جو چیز ان چاروں دلائل میں سے کسی سے ثابت نہ ہو اس کا کرنا جائز نہیں (یعنی انہوں نے چار دلائل کو مان لیا)

القول المحمود لهداية داؤد

المعروف بہ

کیا جرابوں پر مسح جائز ہے؟

آغاز سخن:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، أما بعد:

برادران اسلام! پاکستان جن حالات میں وجود میں آیا اور اس نوزائیدہ مملکت کو جس اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے، اس کا احساس ہر صاحبِ ضمیر پاکستانی کو ہے۔ پھر پاکستان میں فیصل آباد کو جو مرکزیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں یہاں کے علماء اہلِ سنت (حضرات علماء دیو بند) نے ہمیشہ صلح و آشتی کا درس دیا، یہ شرعی فریضہ بھی تھا اور ملک کی ضرورت بھی، لیکن اس کے برعکس حضرات غیر مقلدین نے ایک طرف عوام کے سامنے عامل بالحدیث ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا، دوسری طرف بغیر کسی تازہ چھیڑ چھاڑ کے دینی و مذہبی تقیہ بازی اور تبرا بازی کے اظہار کے لئے ''داد حق'' نامی پمفلٹ ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا، لیکن اس کا مواد اتنا گندہ تھا کہ ہر شریف النفس نے ان کی طرف تھوک دیا۔ اہلِ سنت و الجماعت نے پھر بھی اپنی ساری توجہ دین کے تعمیری کاموں میں مبذول رکھی اور ایسے گندہ فطرت لوگوں کو منہ نہ لگایا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس خاموشی پر گالیاں دینے والے الحیاء شعبة من الایمان کے موافق شرمسار ہوتے اور آئندہ ایسی حرکت سے توبہ کر لیتے اور مسلمانوں کو

پیار و محبت کا درس دیتے، لیکن پھر ایک رسالہ ''مسلک احناف'' نامی شائع کر دیا گیا، جس پر بظاہر نام ایوب کا ہے لیکن دراصل یہ رسالہ تمام جماعت کے عیوب کا آئینہ دار ہے، اس پر بھی علماء اہلِ سنت والجماعت نے یہ سمجھ کو تھوک دیا کہ ان کے مذہب غیر مہذب کی بنیاد ہی بدگمانی اور بدزبانی پر ہے جو کچھ دیگ میں ہوتا ہے وہی باہر آتا ہے، چونکہ ان دونوں رسالوں سے ہر منصف مزاج سمجھ چکا تھا کہ اس فرقہ کے پاس کتاب وسنت کا علم نہیں صرف گالیاں ہی گالیاں ہیں کیونکہ ان کے بڑے بڑے اداروں میں سے جو بھی نکلا ہے سو باون گز ہی نکلا، وہ گالیوں کی گردان یاد کرتا ہوا نکلا۔ اس کے بعد پھر ان کی میٹنگ ہوئی کہ ہمارا فرقہ ساری عوام میں گالیوں والا فرقہ مشہور ہو گیا ہے اور ہر شخص پر یہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث کی کوئی خدمت نہیں کرتے۔ ادھر علماء احناف نے گندہ دہنوں کو منہ لگانے کے قابل ہی نہ سمجھا، اس لئے اب کوئی حدیثی کارنامہ انجام دو تاکہ سابقہ سبکی کی بھی تلافی ہو جائے اور ہمارا کوئی تعمیری کام بھی سامنے آئے، مگر سوال یہ تھا کہ دین کا تعمیری کام مقلدین نے اتنا مکمل کر دیا ہے جس پر اضافے کی کوئی گنجائش نہیں، اب ہم کیا کریں؟ سیرت نبوی ﷺ، سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم، سیرت فقہاء، سیرت محدثینؒ وغیرہ سب پر مقلدین نے خوب کام کیا ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔ آخر اس جماعت کو ان کے اپنے ذوق کے موافق یہ کام پسند آیا کہ کوے کی سیرت اور اس کے فضائل وفوائد پر کتاب لکھی جائے، اس پر ادارہ علوم اثریہ نے نہ صرف مبارکباد پیش کی بلکہ ماموں کانجن کے شیخ الحدیث بھی خراج تحسین پیش کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کتاب کا نام ''کشف الحجاب'' رکھا گیا جس سے اس کے دعویٰ حدیث اور تہذیب سے پردہ اٹھ گیا اس رسالہ میں اپنے دعویٰ عمل بالحدیث سے یوں پردہ اٹھایا کہ حدیث شریف کی مشہور اور مسلمہ کتاب صحیح مسلم شریف کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کر دیا گیا:

شاباش ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اور اپنی تہذیب سے یوں پردہ اٹھایا کہ تمام عالم اسلامی میں رائج فقہ حنفیہ کو:

(۱)............مذمومہ موہومہ عطر شریعت (ص ۹۱)

(۲)............کوفہ کا سوشلزم (ص ۱۶)

(۳)............خباثت باطنی وظاہری نجاست (ص ۵۲)

(۴)............شیطانی الہامات (ص ۶۲)

(۵)............فقہ حنفی میں غلیظ مواد (ص ۳۰)

(۶)............سینکڑوں محرمات کا ارتکاب (ص ۹۲)

کے خطاب سے نوازا گیا۔

اور علماء اہلِ سنت والجماعت متوسلین حضرات علماء دیو بند کو:

۱............مذہبی مسلی اور مراثی (ص ۱۵)

۲............سروجی حضرات (ص ۱۸)

۳............حالات کے پروردہ، گردش ایام کی تخلیق (ص ۱۹)

۴............انگریز کے ہمنوا (ص ۱۹)

۵............ایمانوں پر ڈاکہ زن (ص ۱۹)

۶............نوسر باز (ص ۲۰)

۷............لچر اور بیہودہ (ص ۲۰)

۸............حنفی ملاؤں (ص ۶۰)

۹............فبهت الذی کفر (ص ۶۱)

۱۰............مقلدین کا موروثی دجالانہ پن (ص ۶۱)

۱۱............بدطینت لوگ (ص ۶۱)

۱۲............کذب وافترا اور دجالیت (ص ۶۱)

۱۳............شاطرانہ چال (ص ۷۱)

۱۴............یہ (دیوبندی، بریلوی) ایک گاہک، دوسرا دلال ایک ہی قسم کے ہیں یہ دونوں

دجال (ص ۲۴)

۱۵............چکر بازی (ص ۸۶)

۱۶............خیانت ودجالیت (ص ۱۸)

۱۷............منافقانہ سیاسی لاتعلقی (ص ۲۰)

۱۸............من حرامی (ص ۹۱)

۱۹............حنفی عوام کالأنعام (ص ۹۱)

اتنی گالیوں کے بعد مطالبہ یہ کیا کہ ''تقلیدی جمود اتار کر ابو حنیفہ (بغیر لفظ امام یا حضرت) کی کلیۃً بغاوت کر دیں۔'' ص (۶۹)

عجیب بات تو یہ ہے کہ پوری جماعت غیر مقلدین میں سے ایک بھی رجلِ رشید نہ اٹھا جو انہیں ایسی حرکتوں سے باز رکھتا اور انہیں یہ کہتا کہ دوسری طرف سے کوئی تازہ چھیڑ چھاڑ نہیں ہو رہی اور اہلِ سنت والجماعت نے تمہاری اس ناز و ادا کو معشوقانہ چھیڑ چھاڑ سے زیادہ اہمیت نہیں دی بلکہ لب ہائے عقیقی کی ان گالیوں کو کسی حسینہ کی جبلت خودنمائی کی طرح مجبوری پر محمول کیا، یہاں تک کہ کسی نے اتنا بھی نہ کہا:

لگے ہو منہ چڑانے، دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجئے دہن بگڑا

بہر حال علماء اہلِ سنت والجماعت نے پھر بھی یہی کہا: ایک بنو اور نیک بنو، اس کے بعد شاید چند ہی دن سکون سے گزرے ہوں گے مگر خدا ستیاناس کرے جبلت خودنمائی کا جو أنا خیر منه کا نعرہ لگواتی ہے۔ مولانا یوسف انور صاحب کو مسلمانوں کا اتفاق ایک آنکھ نہ بھایا۔ انہوں نے ایک پمفلٹ ''جرابوں پر مسح'' شائع فرما کر فیصل آباد کی ہر مسجد اور ہر گھر کو پھر میدانِ جنگ بنا دیا۔ اگر مولانا یوسف انور صاحب یہ پمفلٹ شائع نہ فرماتے تو دنیا کیسے جانتی کہ دنیا میں ایسے صاحب انوار مجتہد بھی ہیں جو پوری امت کو نئے اجتہادات سے روشناس کرا سکتے ہیں۔ اس پمفلٹ سے دینی خرابی تو یہ رونما ہوئی کہ لوگ فرائض وضو کے

تارک ہو کر اپنی نمازیں ضائع کرنے لگے جو اسلام کی سب سے بڑی عبادت ہے اور دنیاوی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کی بجائے نفاق واختلاف کا ایک سیلاب اُمڈ آیا۔ ایک طرف سے دوسرے فریق کو منکر حدیث کا طعنہ دیا جانے لگا، دوسری طرف فریق اول کو بے نماز اور منکر قرآن اور احادیثِ متواترہ کا منکر کہا جانے لگا پھر یہ جھگڑا بھی ہر روز پانچ مرتبہ شروع ہوتا۔ اس فساد سے شاید نفاق پسند طبیعتوں کو کوئی مسرت حاصل ہو لیکن با ضمیر حضرات اس فضاء کو نہ دیکھ سکے چنانچہ مولانا قاری ریاض احمد صاحب نے ایک مختصر پمفلٹ شائع فرمایا جس میں نہ کسی محدث کو گالی دی اور نہ کسی کو برا بھلا کہا بلکہ اس غرض سے کہ یہ اختلاف کی فضاء مٹ جائے اور مسلمان مل کر تعمیری کام کریں۔ مولوی یوسف انور کے تین مسلمہ بزرگوں: (۱) ان کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (۲) مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب دہلوی (۳) مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کے بیانات شائع کر دیئے، اس کا مقصد مسلمانوں میں اتفاق واتحاد برقرار رکھنا تھا۔ الحمد للہ کہ قاری صاحب کی یہ کوشش بہت بار آور ثابت ہوئی۔ بہت سے غیر مقلدین نے میاں صاحب اور دیگر بزرگوں کے فتاویٰ دیکھ کر جرابوں پر مسح چھوڑ دیا کیونکہ ان تین بزرگوں نے صاف لکھا تھا کہ جرابوں پر مسح نصِ قرآنی کے خلاف ہے، احادیثِ متواترہ کے خلاف ہے اور جن روایات سے یوسف انور صاحب کو دھوکہ ہوا ہے (یا دانستہ ایسا کیا گیا ہے) نہ ہی ان کی صحت ثابت ہے اور نہ ہی ان میں باریک اور مروجہ جرابوں کا ذکر ہے، عوام اور منصف مزاج غیر مقلدین تو بات کو سمجھ گئے لیکن بعض ضدی لوگوں کو یہ اتفاق نہ بھایا، چنانچہ ان کی نیند حرام ہو گئی۔ ہر ادارے میں میٹنگز (MEETINGS) ہونے لگیں، لیکن اپنے موقف کی کمزوری ان کو معلوم ہو چکی تھی۔ آخر جواب لکھنے کا فیصلہ ہوا لیکن جواب کون لکھے اور کس نام سے چھپے؟ تمام مدارس کے بڑے چھوٹے حضرات نے لال بجھکڑ کا خطاب محمد داؤد خان امرتسری کو دیا کہ محنت سب کی ہوگی نام آپ کا! محمد داؤد خان کو فیصل آباد میں درس و خطابت کے لئے کوئی مسجد نہ مل سکی۔ حدیث پاک میں مسجد کو خیر البقاع اور بازار کو شر البقاع

فرمایا ہے۔ مولوی موصوف ایک بازار (شر البقاع) میں نماز پڑھاتے ہیں اور مدرسہ دار القرآن والحدیث میں شیخ الحدیث ہیں۔ شاید اس بازاری ملا کو اس مناسبت کی وجہ سے منتخب کیا گیا کہ بازاری زبان کے استعمال میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ اس بازاری ملا محمد داؤد خان صاحب کا مبلغ علم یہ ہے کہ جناب نے سارا مواد رسالہ المسح علی الجوربین تالیف علامہ جمال الدین قاسمی ناشر جمعیت الدعوۃ الاسلامیہ حاجی آباد فیصل آباد سے چوری کیا ہے۔ دعویٰ ترک تقلید کے ساتھ یہ سرقہ بازی کوئی قابل تعریف حرکت نہیں۔

رسالہ کا نام:

جناب نے رسالہ کا نام رخصة رسول الثقلين فی المسح علی الجوربين و النعلين رکھا ہے یعنی رسول پاک ﷺ نے یہ رخصت دی ہے کہ وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے جرابوں اور جوتوں پر مسح کر لیا کرو صرف جوتوں پر مسح کرنے کا رواج ابھی تک غیر مقلدین نے نہیں اپنایا کہ جرابیں ہوں تو جرابوں پر مسح کر لیں ورنہ صرف جوتوں پر مسح کر لیں تاکہ قرآن پاک کی مکمل مخالفت ہو جائے۔ آخر غیر مقلدین یہ روش کب اپنائیں گے، قرآن پاک اور احادیثِ متواترہ کا تو صاف انکار کریں اور کوئی ضعیف اور شاذ روایت مل جائے تو اس کو بھی آدھی مانیں آدھی ترک کر دیں، یہ حدیث دشمنی ہے یا عمل بالحدیث؟ أفتؤمنون ببعض الكتاب و تكفرون ببعض بازاری ملا نے اپنے سارے رسالے میں جوتے پر مسح کے احکام ذکر نہیں کئے گویا اپنے رسالے کے نام کے آدھے حصے پر زور آزمائی ہوئی اور آدھا نام نسیاً منسیاً ہو گیا۔

مرقع تہذیب:

مولوی داؤد صاحب نے رقیق (باریک) جرابوں پر مسح نہ کرنے والوں: میاں نذیر حسین، مولوی شرف الدین، مولوی عبد الرحمٰن مبارکپوری پر طرح طرح کی عنایات کی ہیں:

۱..........عذاب الیم کے مستحق ہیں یعنی جہنمی ہیں (ٹائیٹل)
۲..........وہ نائی عن الحق یعنی حق سے منہ موڑنے والے ہیں (ص۲)
۳..........وہ اپنی خواہشوں کو خدا و معبود مانتے ہیں یعنی مشرک ہیں (ص۲)
۴..........وہ (نذیر حسین وغیرہ) علیمیت صبیان (لونڈے) ہیں (ص۲)
۵..........یہ لوگ بلیک میلر ہیں (ص۲)
۶..........یہ لوگ خدا کے منکر ہیں (ص۳)
۷..........یہ لوگ بد بخت ہیں (ص۵)
۸..........سخت مغالطہ میں ہیں (ص۶)
۹..........یہ کم تولنے والے لعنتی ہیں (ص۷)
۱۰..........یہ صداقت کا منہ چڑاتے ہیں (ص۹)
۱۱..........اسرائیلی سنت ہے (ص۱۱)
۱۲..........ان سے خدا ناراض ہے (ص۱۲)
۱۳..........جو مسح نہ کرے وہ شیطان ہے (ص۱۳)
۱۴..........سنت کا مخالف ہے (ص۱۳)
۱۵..........ان کے پیشوا بے عقل اور گمراہ ہیں (ص۱۴)
۱۶..........اندھا بن کر (ص۱۴)
۱۷..........مینڈکی کو بھی زکام ہو گیا (ص۱۷)
۱۸..........موٹی جرابوں کی شرط لگانا غلو فی الدین ہے (ص۱۶)
۱۹..........غلو زیادتی کرنے والے تباہ ہو گئے (ص۱۲)
۲۰..........یہ وہ کوے ہیں جو قوم کو مردار خوری پر لگاتے ہیں۔
۲۱..........وہ پیغمبر کے راستے کے مخالف ہیں جو کبھی منزل پر نہیں پہنچیں گے (ص۱۰)
۲۲..........یہ اندھے جانور ہیں بے مہارے ہیں (ص۱۷)

یہ بائیس بازاری گالیاں ہیں جو مولوی صاحب نے میاں نذیر حسین دہلوی، مبارکپوری اور شرف الدین صاحب اپنے بزرگوں کو دی ہیں۔ اتنی گالیاں نکال کر بھی یہ فرماتے ہیں:

مجھ سا وفادار نہ پاؤ گے جہاں میں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر

میں جمعیت اہلِ حدیث اور ان کے شیخ الحدیث سے پوچھتا ہوں کہ یہ بازاری گالیاں حضرت محمد ﷺ کی سنت ہیں (معاذ اللہ) یا مرزا قادیانی اور سوامی دیانند کی؟ نیز میں خواص و عام غیر مقلدین سے پوچھتا ہوں کہ دیکھئے اپنے مدارس میں گالیوں کی جو گردانیں یاد کراتے ہیں اب میاں نذیر حسین، مبارکپوری اور شرف الدین صاحب کو بھی وہ حصہ پہنچ رہا ہے، کیا آپ نے مولوی داؤد صاحب کو اس پر مبارک باد پیش کی ہے؟ داؤد صاحب نے اپنے اکابر کو گالیاں دینے کا جو ریکارڈ قائم کیا ہے، شاید ہی یہ ریکارڈ بیٹ (BEAT) ہو سکے (یعنی شاید اس ریکارڈ کو کوئی مات دے اور شاید ہی کوئی توڑ سکے)۔ داؤد صاحب! آپ نے ان اکابر کو ۲۲ گالیاں پارسل کر دیں لیکن جن اصاغر نے آپ کو اس پر ابھارا ہے وہ بھی تو جوتوں پر مسح نہ کر کے آپ کی مندرجہ روایات کے مخالف ہیں، آپ خود بھی جوتوں پر مسح نہیں کرتے، اس لئے ہم جناب کا تیار کردہ گالیوں کا ہار آپ ہی کو پیش کرتے ہیں اور ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ حق بحق دار رسید۔

اکابر اور اصاغر غیر مقلدین:

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی، مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری اور میاں شرف الدین صاحب دہلوی کے فتاویٰ کے جواب میں اصاغر غیر مقلدین ''داؤد اینڈ کو'' لکھتے ہیں:
غیر مقلد تو کسی کی تقلید نہیں کرتے سوائے خاتم النبیین ﷺ کے تو پھر بعض علماء کے فتاویٰ پیش کر کے یہ امید رکھنا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے، دیانت اور صداقت کا خون کرنا

ہے۔ اپنے پر قیاس کرنا غیروں کو کار بے لذت ہے (ص ۱۷) دیکھئے مولوی صاحب نے کتنے پتے کی بات بتادی کہ میاں نذیر حسین وغیرہ اکابر غیر مقلدین خاتم النبیین ﷺ کو نہیں مانتے تھے، نہ ان کے فتووں میں خاتم النبیین ﷺ کے احکام ہوتے تھے چونکہ وہ حضور ﷺ کے باغی تھے اس لئے ہم ان کی بات نہیں مانتے۔

میں عام غیر مقلدین حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ اکابر غیر مقلدین کے فتووں کو پڑھیں، انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن وحدیث سے لکھا ہے لیکن داؤد صاحب خدا جانے کس کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں کیونکہ مرزا جی بھی خاتم النبیین ہونے کے مدعی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکابر کے فتوے حجت نہیں تو آپ نے رسالہ لکھنے کی زحمت کیوں گوارا فرمائی؟ کیا آپ کو یقین ہے کہ آج کل کے غیر مقلدین آپ (داؤد صاحب) کو خاتم النبیین سمجھتے ہیں؟ اگر آپ میاں نذیر حسین، مبارکپوری اور شرف الدین صاحب کے فتووں کو ردی کی ٹوکری میں پھینک سکتے ہیں تو جناب کے رسالہ کو کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اس گالی نامے، جھوٹ اور خیانت کے طومار کو دریا برد نہ کیا جائے؟ کیا آپ نے تمام غیر مقلدین سے دستخط لے لئے ہیں کہ وہ آپ کی تقلید شخصی کر کے مشرک نہ بن جائیں گے؟ پھر آپ نے کتنا بڑا جھوٹ بول دیا کہ غیر مقلدین خاتم النبیین کی تقلید کرتے ہیں۔ مولوی صاحب! ہمارا تو مشاہدہ یہ ہے کہ ہم نے غیر مقلدوں کو بارہا قرآن وسنت کا بیان سنایا لیکن وہ حمر مستنفرہ کی طرح قرآن وسنت سے بھاگے اور مذہبی اجارہ داروں کی لن ترانیوں سے ہی ان کی فطرت کی تسکین ہوئی، اگر آپ نے قرآن وسنت کے ماننے والے غیر مقلدین کہیں دیکھے ہوں تو ہمارے پاس بھیجیں، ہم کتاب وسنت سنائیں گے، اگر وہ مان گئے تو آپ کی بات سچی ورنہ ہم نے دیکھا ہے کہ جونہی ہم نے قرآن پاک کی آیت یا نبی ﷺ کی حدیث پڑھی، غیر مقلدین کے چہرے سیاہ ہو گئے۔ قرآن وحدیث کی دشمنی کی سلوٹیں چہرے پر نمودار ہو گئیں، اگر شک ہو تو مشاہدہ کر لیں، ہاں ذرا یہ بھی وضاحت فرما

ئیں کہ ہم تو مقلد ہوئے، آپ غیر مقلد لیکن میاں نذیر حسین وغیرہ کس تیسری جنس سے تھے، ان کا کیا مذہب تھا؟ پھر سب سے بڑی لطف کی بات یہ ہے کہ جب تک ان اکابر کے فتوے فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ میں تھے تو داؤد صاحب کو ان کا رد شائع کرنے کا یہ خیال نہ آیا اور جب ان کو مجلس حنفیہ نے شائع کر دیا تو آپ کو ان کا رد لکھنے کی فکر سوجھی، آخر یہ کیوں؟ اگر یہ غلط تھے تو شیطانِ اخرس کا کردار کیوں ادا کیا اور اگر صحیح تھے تو اب آپ الد الخصام کیوں بن بیٹھے؟ الغرض اہلِ حدیث کے مقتدر بزرگوں کے واضح بیانات کے بعد مولوی صاحب جیسی سطح کے لوگوں کو اس مسئلہ میں مزید پیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر شوق تحریر کے ہاتھوں مجبور ہی تھے تو اپنے بزرگوں کی ارواح کو درس حقائق دیتے اور جماعت کو ان کی پھیلائی ہوئی گمراہی سے روشناس کراتے یا انکار کر دیتے کہ ہمارے بزرگوں نے کہیں ایسا نہیں لکھا یا دعویٰ کرتے کہ حنفی لوگ ان عبارتوں کو کم فہمی کی وجہ سے سمجھ نہیں سکے۔ اگر جواب اسی دائرہ تک محدود رہتا تو مولوی صاحب ان بزرگوں کے نام لیوا ہونے کی وجہ سے اپنی صحیح ذمہ داری سے عہدہ برآ بھی قرار پاتے، یہ جماعتی خدمت بھی ہوتی اور شاید ہمیں بھی مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی مگر ناس ہو اس تعصب کا کہ مولوی صاحب نے فتویٰ دینے والوں کو اپنا سمجھ کر معاف کر دیا اور فتویٰ شائع کرنے والوں کو غیر سمجھ کر دھر لیا۔ ایسی صورت میں قاری صاحب نے ضروری خیال کیا کہ قدرے تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے اور مولوی صاحب کے مذعومہ دلائل کا مکمل جائزہ پیش کیا جائے۔ بفضلہٖ قاری صاحب نے اپنی ذمہ داری کا حق ادا کر دیا ہے اور اس مقالہ کو حقائق کا ایسا جامہ پہنا دیا ہے کہ اس پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ قاری صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی سعی کو مفید عام بنائے۔

فضل امین

صدر مدرس جامع قاسمیہ غلام محمد آباد، فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه الذی ہدنا لھذا و ما کنا لنھتدی لولا أن ھدنا اللّٰه و الصلوة و السلام علی محمد و آله وصحبه أجمعین ۔ أما بعد:

جرابوں کی قسمیں:

جراب پاؤں کے لفافے کو کہتے ہیں۔ یہ چمڑے کی بھی ہوتی ہے جن کو عربی میں خف اور اردو میں موزہ کہتے ہیں اور اون، سوت، نیلون وغیرہ کی بھی جن کو عربی میں الشراب کہتے ہیں۔ اونی، سوتی وغیرہ جرابوں کی دو قسمیں ہیں (۱) موٹی جن کو ثخین کہتے ہیں (۲) باریک جن کو رقیق کہتے ہیں۔

ثخینین:

وہ جرابیں ہیں جن میں مندرجہ ذیل تینوں شرائط اکٹھی پائی جائیں (۱) جو موٹی ہوں اور حنفیہ کے نزدیک کم از کم تین میل اور شافعیہ کے نزدیک تین دن رات بغیر جوتا پہنے چل سکے (۲) وہ جرابیں اپنے موٹاپے کی وجہ سے بغیر گیٹس وغیرہ کے پنڈلی پر قائم رہ سکیں اور ان کا یہ قائم رہنا چستی یا تنگی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ موٹاپے کی وجہ سے ہو (۳) وہ اتنی موٹی ہوں کہ ان میں سے پانی وغیرہ نہ چھنے۔ ایسی جرابوں کو ثخینین اور صفقین کہتے ہیں (الفقه علي المذاهب الاربعة ص۱۳۶)

رقیق:

وہ جرابیں ہیں جن میں مندرجہ بالا شرطوں میں سے کوئی شرط کم ہو۔

پھر جرابوں کی چمڑے کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں: (۱) مجلد (۲) منعل۔

مجلد:

وہ جرابیں ہیں جن پر اتنا چمڑا لگا ہو جتنا پاؤں وضو میں دھونا فرض ہے۔

منعل:

وہ جرابیں ہیں جن پر چمڑا فرض پاؤں دھونے سے کم لگا ہوا ہو۔ اس طرح جرابوں کی چھ قسمیں ہوئیں۔

ثخینین مجلد:

وہ جرابیں ہیں جن میں مندرجہ بالا تینوں شرطیں پائی جائیں اور ان پر اتنا چمڑا لگا ہوا ہو جتنا پاؤں وضو میں دھونا فرض ہو یہ موزہ کے حکم میں داخل ہے، ان پر بالاتفاق مسح جائز ہے۔

ثخینین منعل:

وہ جرابیں ہیں جن میں مندرجہ بالا تینوں شرطیں پائی جائیں اور ان پر چمڑا لگا ہوا ہو، لیکن وہ چمڑا صرف تلوے پر یا صرف پنجے اور ایڑھی پر یا اس سے کم زیادہ ہو مگر وہ چمڑا ٹخنوں سے اوپر تک نہ ہو، یہ بھی موزے کے حکم میں ہیں، ان پر بھی مسح جائز ہے۔

ثخینین سادہ:

وہ موٹی جرابیں جن میں مندرجہ بالا تینوں شرطیں پائی جائیں لیکن چمڑا نہ لگا ہو، ان میں یہ اختلاف تھا کہ کیا یہ بھی موزہ کے حکم میں ہیں یا نہیں؟ صاحبین ان کو بھی موزہ کے حکم میں مانتے ہیں۔ امام صاحبؒ پہلے اس کو موزہ کے حکم میں نہ مانتے تھے، بعد میں رجوع فرمالیا۔ اس لئے ان پر مسح کرنا بھی جائز ہے، فتویٰ اسی پر ہے۔

رقیق مجلد:

وہ جرابیں جن میں مندرجہ بالا تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط کم ہو لیکن ان پر ٹخنوں کے اوپر تک چمڑا چڑھا ہوا ہو چمڑے کی وجہ سے یہ بھی موزہ کے حکم میں ہیں اور ان پر مسح جائز ہے۔

رقیق سادہ:

وہ جرابیں جن میں مندرجہ بالا تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط کم ہو اور ان پر چمڑا بھی نہ لگا ہو، ان جرابوں پر باجماع امت مسح ناجائز ہے (البدائع والصنائع ص ۱۰ ر ج ۱، البحر الرائق ص ۱۹۲ ر ج ۱)

رقیق منعل:

وہ جرابیں جن میں مندرجہ بالا تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط کم ہو اور نچلے حصے میں چمڑا لگا ہوا ہو۔ ان میں بھی قول فیصل یہی ہے کہ یہ موزہ کے حکم میں نہیں ہیں، اس لئے مسح نہ کیا جائے۔

محل نزاع:

آج کل جو بحث چل نکلی ہے وہ یہ ہے کہ جو جرابیں ہمارے علاقہ میں دستیاب ہیں وہ پانچویں قسم کی جرابیں ہیں یعنی رقیق سادہ، ان پر باجماع امت مسح جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ان جرابوں پر مسح کرے تو اس کا وضو نہیں ہوگا اور بے وضو نماز ادا نہ ہوگی۔ ائمہ اربعہ اور غیر مقلدین کے بانی میاں نذیر حسین دہلوی، میاں شرف الدین دہلوی، مولوی عبد الرحمٰن مبارک پوری اور مولوی شمس الحق عظیم آبادی بھی اس مسح کو ناجائز کہتے ہیں۔

مؤلف کے دلائل کا جائزہ لینے سے پہلے مؤلف کی علمی واخلاقی حالت کا اندازہ لگائیں کہ:

لطیفہ:

مولوی نے بار بار یہ طنز کیا ہے کہ مقلد جاہل ہوتا ہے۔ اب آپ حضرات غور

فرمائیں کہ ان کے مدارس کا نصاب مقلدین کی کتابوں پر مشتمل ہوتا ہے: بلوغ المرام ابن حجر شافعی مقلد کی ہے، صاحب مشکوۃ بھی شافعی مقلد ہیں، امام بخاریؒ بھی شافعی مقلد ہیں (طبقات شافعیہ ص۲ ج۲، الحطہ نواب صدیق حسن ص۱۲۱) امام مسلم شافعی مقلد ہیں (الیانع الجنی ص۴۹) امام ابوداؤد حنبلی مقلد ہیں، امام نسائیؒ شافعی ہیں (الحطہ ص۱۲۵) امام ترمذی اور امام ابن ماجہ بھی شافعی ہیں (العرف الشذی) امام طحاوی حنفی ہیں۔ علاوہ ازیں علامہ سیوطی، دار قطنی، بیہقی وغیرہ تمام محدثین مقلد ہیں کیا معاذ اللہ یہ سب کے سب کافر ہیں؟ مزید تفصیل کتب طبقات میں دیکھیں۔ دنیا میں مطلب پرستی بھی عجیب بات ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

آنچہ شیراں را کنند روباہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

مؤلف صاحب ایک طرف مقلدین کو جاہل کہتے ہیں، لیکن اسی رسالہ میں ہم نے دیکھا کہ وہ مقلدین کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں اور اس وقت لکھتے ہیں علامہ محقق ماردینیؒ (ص۶) کیا علامہ ماردینیؒ حنفی مقلد نہیں؟

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد
صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

اب مقلد محقق بھی بن گئے اور علامہ بھی۔ اسی طرح ملا جی نے امام ترمذیؒ شافعی، امام تقی الدینؒ مالکی، امام بخاریؒ شافعی، امام یحییٰ بن معینؒ حنفی، امام مسلمؒ شافعی، حافظ ابن حجرؒ عسقلانی شافعی، امام زیلعیؒ حنفی کو امام کے لفظ سے یاد کرتے ہیں، آخر جاہل مقلدین کو امام کہنا کیسے درست ہوا، صرف اور صرف مطلب پرستی کے لئے۔

ایک اور لطیفہ سن لیجئے اور شیخ الحدیث کے علم و انصاف کا ماتم کیجئے کہ اس کے خیال میں سلطان محمود غزنوی جب حنفی مقلد تھا تو قابل استہزاء تھا جب شافعی مقلد ہو گیا تو عامل بالحدیث ہو گیا۔ اگر تقلید جہالت ہے خواہ حنفی ہو خواہ شافعی، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ حنفی کہلانا جہالت ہو اور شافعی بن جانا عمل بالحدیث، معلوم ہوا تقلید سے دشمنی نہیں بلکہ صرف

حنفیت کے خلاف حسد ہے ورنہ حنفی مقلد اور شافعی مقلد میں فرق کرنا تلك اذا قسمة ضیزی کا مصداق ہے۔ افسوس ہے کہ داؤد صاحب ویل للمطففین (لینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور) کی زد میں خود ہی بری طرح پھنس گئے۔

شیخ الحدیث کا علمی حدود اربعہ:

مقلد کا جاہل ہونا تو مولوی صاحب نے کیا ثابت کرنا تھا خود مقلدین کو امام محقق اور علامہ تسلیم کر لیا۔ غیر مقلد کا جہل مرکب قابل دید اور لائق داد ہے:

۱..... ص ۶ پر لکھتا ہے: ان میں تین عشرہ مبشرہ ہیں ایک کا تین ہو یا تین کا ایک ہونا عیسائی دین تھا، ان سے سیکھ کر تین طلاق کو ایک کہنا بھی سیکھ لیا، مگر یہ تین دس ہوتے ہیں۔ یہ نیا علم حساب ہے جو مقام شیخوخت پر فائز ہونے کا عظیم شاہکار ہے۔

۲..... مولوی صاحب کی حساب دانی کے بعد ذرا عربی دانی بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں: کما لا یحفی علیٰ من طالع مسلماً (ص ۹) اہلِ علم بتلائیں کہ اس عبارت کا مطلب اس کے بغیر کیا ہے کہ ''جس نے مطالعہ کیا کسی مسلمان کا۔'' ہم نے تو پہلے سن رکھا تھا کہ امرتسر میں ایک غیر مقلد تھا جس نے رواہ مسلم کا ترجمہ کیا تھا: ''روایت کیا کسی مسلمان نے اس کو۔'' اب معلوم ہوا کہ وہ صاحب امرتسر سے فیصل آباد آ گئے ہیں۔

۳..... لکھتے ہیں: قال الحافظ رجال کلهم ثقات (ص ۱۰) ''یہ رجال حافظ نے کہاں لکھا ہے۔''

۴..... مولوی صاحب نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو شیخ الصحابہ تحریر فرمایا ہے، اس ترکیب میں ''الف، لام'' کس قسم کا ہے۔

۵..... مولوی داؤد صاحب نے سعدی کے شعر کو جس جہالت سے ذبح کیا ہے وہ بھی پڑھئے:

گر شپرہ چشم در رو بیند
آفتاب را در آنچہ گناہ

(ص ۱۶)

۶............ایک شعر فلعنة ربنا الخ نقل کیا ہے اور حوالہ شامی کا دیا ہے حالانکہ وہ شعر درمختار میں ہے شامی میں نہیں (ص ۱۴)

۷............ائمہ اربعہ کا عنوان دے کر امام مالکؒ کو استاذ الائمة الثلاثة کا خطاب دیا ہے یعنی امام مالکؒ باقی تینوں اماموں امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں۔ تینوں کا استاذ کہنا کتنی بڑی جہالت ہے؟

ان جہالتوں پر بھی مولوی صاحب آپ سے دادخواہ ہیں، لکھتے ہیں:

انصاف کیجئے ذرا دیکھ بھال کے
کاغذ پہ رکھ دیا ہے دل نکال کے

آپ یہ نہ سمجھیں کہ شیخ الحدیث میں صرف یہی دو خوبیاں ہیں۔ گالیوں سے نوازیں یا جہالت کی باتیں لکھ دیں نہیں بلکہ ہر فن مولا ہیں جھوٹ، خیانت اور بہتان میں تو آپ نے جو ریکارڈ قائم فرمایا ہے کہ سوامی دیانند اور مرزا قادیانی کی فن کاری قصہ پارینہ بن گئی۔

قرآن دانی:

یآیھا الذین أمنوآ اطیعوا اللّٰہ و أطیعوا الرسول و أولی الأمر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللّٰہ و الرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہ و الیوم الآخر ذلك خیر و أحسن تأویلاً (النساء) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خوشی خوشی فرمانبرداری کرو اللہ کی اور دل کی خوشی سے فرمانبرداری کرو رسول کی اور اولی الامر (یعنی مجتہدین) کی پھر (اے مجتہدین!) اگر تم میں جھگڑا ہو جائے کسی بات میں تو پھیر دو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔'' اس آیت میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا بھی حکم ہے۔ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ترتیب یوں ہے: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجتہاد اور دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: العلم ثلاثة علم تین

ہیں: آیة محکمة وہ آیت جو نص صریح اور غیر منسوخ ہو، وسنة قائمة آپ ﷺ کا وہ طریقہ جو بطور دوامی قانون جاری رہا ہو، محض ہنگامی ضابطہ نہ ہو، فریضة عادلة فریضہ عادلہ کا معنیٰ خود ان کے حاشیہ مشکوۃ پر ہے: فریضہ عادلہ اشارہ ہے اجماع اور قیاس پر جو کتاب و سنت سے نکلا ہو۔ فریضہ اس کو اس لئے کہا کہ اس پر عمل واجب ہے اور عادل کے معنیٰ بھی یہی ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین کے اصول چار ہیں: کتاب وسنت، اجماع و قیاس (حاشیہ مشکوۃ غیر مقلدین ص ٦٦) چونکہ اس آیت سے تقلیدِ مجتہد کا واجب ہونا نکلتا تھا، اس لئے داؤد صاحب قرآن کی آیت نقل کرتے وقت وأولی الأمر منکم والا حصہ چھوڑ گئے۔ قرآن دشمنی کی مثال غیر مقلدین کے سوا کہاں ملے گی؟

ستم بالائے ستم:

قرآن پاک کی اس آیت سے مجتہد کی تقلید کا واجب ہونا جو ثابت ہوا صرف اس کو نقل نہ کرنا ہی یہودیانہ تحریف سے کم نہ تھا لیکن شیخ الحدیث نے شیخی میں آکر قرآن پاک کی دو آیتیں اور نقل کیں: ان الظن لا یغنی من الحق شیئا (النجم) ترجمہ یہ کیا کہ "بے شک رائے اور قیاس حق کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" (ص ٦) حالانکہ یہاں جس ظن کا ذکر ہے وہ عقائد قطعیہ کے مقابلہ کا ظن مراد ہے پھر جو ظن مردود ہے وہ غیر مقلد کا ہے نہ کہ مجتہد کا یعنی مسائل فرعیہ میں پھر لکھتے ہیں: و اذا قیل لهم اتبعوا ما أنزل الله قالوا بل نتبع ما ألفینا علیه آباءنا أو لو کان آباؤهم لا یعقلون شیئا و لا یهتدون "جب مقلدین سے کہا جاتا ہے کہ منزّل من الله کی پیروی کرو تو جواب میں کہتے ہیں: ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو پایا، اگرچہ ان کے آباؤ اجداد بے عقل اور گمراہ ہی کیوں نہ ہوں۔" یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ مشرک عقیدہ قطعی توحید کو چھوڑ کر اپنے بے عقل اور گمراہ مشرک باپ دادوں کی بات مانتے تھے۔ اس آیت میں ان کی پیروی سے روکا گیا ہے جو توحید کے منکر ہوں اور بے عقل اور گمراہ ہوں، دیکھا شیخ الحدیث نے ایک

ہی شوخی میں مجتہدین امت امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ کو بے عقل، مشرک اور گمراہ ثابت کر دیا۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

چیلنج:

ہم اس شیخی خورے شیخ الحدیث کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ صرف قرآن پاک کی ایک آیت ایسی پیش کریں جس میں خاص مسائل اجتہادیہ میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کو کفر، شرک اور حرام کہا گیا ہو۔ ہم اس شوخ چشم کو ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ دیدہ باید۔

الغرض تقلیدِ مجتہد کے وجوب کی آیت کو چھوڑ کر ایک مشرک، بے عقل اور گمراہ کی تقلید والی آیت نقل کرنا خالص تلبیس حق بالباطل ہے اور بروایت بخاری خارجیوں کی خاص علامت ہے۔

قرآن پاک پر افتراء:

شوخ شیخ الحدیث لکھتا ہے: اور تحقیق ہم نے قرآن پاک میں ہر قسم کا مسئلہ ولقد صرفنا للناس في هذا القرآن من كل مثل فأبى أكثر الناس الا كفورا (بنی اسرائیل آیت ۸۹) "تحقیق ہم نے ہر قسم کا مسئلہ بشمول مسح علی الجوربین بیان کر دیا، پس اکثریت انکار کرتی ہے۔" خدارا انصاف، یہ بشمول مسح علی الجوربین قرآن پاک کے کن الفاظ کا ترجمہ ہے؟ کیا اس آیت میں فروعی مسائل کا بیان مراد ہے؟

انعامی چیلنج:

اگر یہ شیخی خور شیخ الحدیث کسی صحابی اور مسلمہ مفسر کی اس آیت کا یہ ترجمہ دکھا دے تو ہم اسے مبلغ دس ہزار روپے انعام دیں گے اور اگر نہ دکھا سکا اور ہرگز ہرگز نہ دکھا سکے گا تو اس کا فرض ہے کہ توبہ نامہ شائع کرے اور ایسی خیانت بلکہ ناپاک جسارت سے پرہیز

کرنے کا خدا تعالیٰ سے عہد کرے۔

وضو اور قرآن:

یآیھا الذین آمنوآ اذا قمتم الی الصلاۃ فاغسلوا وجوھکم و أیدیکم الی المرافق و امسحوا برؤسکم و أرجلکم الی الکعبین "اے ایمان والو! جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھولو اور دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھولو اور سر پر مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت دھولو۔" اس آیت میں وضو کے چار فرائض بیان کئے ہیں اور پوری امت ان کے فرض ہونے پر متفق ہے۔ غیر مقلدین نے دو فرضوں کی تو کھلم کھلا مخالفت شروع کر رکھی ہے:

۱............ قرآنی حکم سر پر مسح کرنے کا ہے، یہ لوگ پگڑی اور ٹوپی پر مسح کر لیتے ہیں شاید حکیم صاحب انہیں سر پر ملنے کے لئے دوا دیں، وہ بھی یہ پگڑی پر مل لیتے ہوں گے اور اگر حکیم کے حکم کا یہ اس طرح مذاق نہیں اڑاتے تو قرآنی حکم کا اس طرح کیوں مذاق بنا رکھا ہے؟

۲............ قرآنی حکم پاؤں دھونے کو فرض قرار دیتا ہے، یہ پاؤں دھونے کی بجائے جرابوں پر مسح کرتے ہیں جس سے یقیناً وضو کا یہ فرض فوت ہو جاتا ہے اور انسان بے وضو نماز پڑھ کر نماز کو ضائع کرتا ہے۔ غیر مقلدین کا یہ کہنا ہے کہ سر پر مسح کرنے اور پاؤں دھونے کا حکم صرف اس وقت ہے جب سر اور پاؤں ننگے ہوں، ان پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ ہو تو ہم کہتے ہیں کہ پھر چہرہ اور ہاتھ دھونے کی کیا ضرورت ہے، ہاتھ پاؤں پر دستانے اور آستین بھی ہوتی ہے، ادھر عورت کے چہرہ پر نقاب ہوتا ہے تو چاروں فرائض کو چھٹی دے دو۔

آیت قرآنی کا تقاضا تو یہ تھا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے، کسی حالت میں مسح کی اجازت نہیں۔ اگر دو تین احادیث بھی اس کے خلاف ہوتیں تو قرآنی حکم کو ختم نہیں کر سکتی تھیں۔

مسح موزہ:

ہاں پاؤں پر چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے مسح کرنے کے ثبوت میں اسی (۸۰)

سے زائد متواتر اور صحیح احادیث مروی ہیں۔ اگر اس بارے میں بھی صرف دو تین صحیح احادیث ہی اس حکم قرآنی کے خلاف ہوتیں تو اس کو کبھی قبول نہ کیا جاتا لیکن جب یہ روایات درجہ تواتر کو پہنچ گئیں اور مسحِ موزہ کے احکام بھی وضاحت سے روایات میں آ گئے تو ان احادیثِ متواترہ کی بنا پر امت نے مسحِ موزہ کی رخصت کو قبول فرمایا۔

جرابیں:

چمڑے کے موزوں کا حکم جب احادیثِ متواترہ سے ثابت ہوگیا تو وہ جرابیں جو اتنی موٹی ہوں کہ چمڑے جیسی ہوں نہ ان میں سے پانی چھنے اور نہ انہیں کھڑا رکھنے کے لئے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہو، ان کو پہن کر کم از کم تین میل چلا جا سکتا ہو تو ایسے موزوں کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہوا لیکن جمہور فقہاء نے ان کو موزوں کے حکم میں قرار دے کر مسح جائز قرار دے دیا اور یہ تخمین کی قید متواتر احادیث سے اخذ کی جو مسحِ موزہ کے متعلق ہے۔

باریک جرابیں:

باقی وہ جرابیں جو نہ چمڑے کی ہوں اور نہ چمڑے جیسی ہوں، ان پر مسح باجماع امت ناجائز ہے۔ اس سبیل میں (اجماع کی) مخالفت کا حکم قرآنی جہنم رسید ہونا ہے جو مولوی صاحب نے خود نمبر ۴ پر نقل کیا ہے۔

فرقہ شاذہ غیر مقلدین:

آنحضرت ﷺ نے نہایت تاکیدی حکم فرمایا: علیکم بالجماعة فانه من شذ شذ في النار (مشکوۃ) کہ جماعت و اجماع مجتہدین سے علیحدہ ہونے والا دوزخی ہے۔ غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح، تین طلاق کو ایک کہنے، اذان جمعہ کو بدعت کہنے، اردو میں خطبہ پڑھنے، باریک جرابوں پر مسح کرنے اور پگڑی پر مسح کرنے میں فرقہ شاذہ ہیں۔

غیر مقلدین کا نصِ قرآنی اور احادیثِ متواترہ کی مخالفت کرنا:

وضو میں پاؤں کا دھونا نصِ قرآنی سے ثابت ہے اور احادیثِ متواترہ میں بھی

آنحضرت ﷺ کا وضو میں پاؤں دھونا ثابت ہے لیکن غیر مقلدین نے نصِ قرآنی اور احادیثِ متواترہ کی مخالفت شروع کر دی ان کے نزدیک اب پاؤں دھونا کسی حالت میں بھی فرض نہ رہا کیونکہ:

۱.........اگر پاؤں پر موزے ہوں تو بھی مسح ہوا پاؤں نہ دھوئے گئے۔

۲.........اگر پاؤں پر باریک جرابیں ہوں تو بھی مسح کر لیا پاؤں نہ دھوئے گئے۔

۳.........اگر پاؤں ننگے ہوں نہ ان پر موزے ہوں، نہ جرابیں صرف جوتا پہن رکھا ہو تو جوتے پر مسح کر لیا، پاؤں پھر بھی نہ دھوئے گئے۔

نوٹ: غیر مقلدین کے مذہب میں جوتے اتار کر نماز پڑھنا یہود کی سنت ہے اور جوتے پہن کر نماز پڑھنا نبی پاک ﷺ کی سنت ہے (اربعین محمدی، فتاویٰ ستاریہ)

اصل فریضہ:

اب مولوی صاحب کا اصل فریضہ تو یہ تھا کہ وہ ایک نصِ قرآنی یا حدیث متواترہ ایسی پیش کرتے کہ باریک جرابوں پر مسح کی رخصت ہے اور اس پر امت کا اجماع بھی ثابت کر کے دکھاتے لیکن:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب آیئے مؤلف کے دلائل کا جائزہ لیں۔

قرآن پاک میں تحریف:

برادران اسلام! قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وأرجلكم الى الكعبين (لام کی زبر سے) اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ۔ اگر ٹخنوں سمیت ایک بال بھی خشک رہ گیا تو وضو نہیں ہوگا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے کسی کی خشک ایڑی دیکھ کر فرمایا: ويل للاعقاب من النار کہ ان ایڑیوں کو آگ کا عذاب ہوگا، اگر أرجلكم الى الكعبين (لام کی زیر سے) تو یہ زیر جوار کی ہوگی۔ آیت کا معنی پھر بھی پاؤں

دھونا ہی ہوگا کیونکہ ٹخنوں سمیت کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ ٹخنوں سمیت پورے پاؤں کا مکمل احاطہ کیا جائے اور پاؤں یا موزہ کے مسح کرنے والوں میں سے کوئی بھی مسح کے احاطہ کا قائل نہیں۔ ٹخنے سمیت ایک بال بھی ایسا نہ رہے جہاں تر ہاتھ نہ پھیرا جائے، اس لئے قرآن پاک نے الی الکعبین فرما کر ٹخنوں سمیت پورے پاؤں کا غسل فرض فرما دیا، مسح مراد نہیں ہو سکتا۔

چوری اور سینہ زوری:

مولوی صاحب نے ص ۴ پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''قرآن مجید میں جرابوں پر مسح کا ثبوت''

اصل آیت: وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ اِلَى الۡكَعۡبَيۡنِ

نقل کردہ آیت: وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَ اَرۡجُلِكُمۡ

پہلی چوری:

۱......... ایک تو أرجلكم کو لام کی زیر سے لکھا ہمارے موجودہ مطبوعہ قرآن پاک میں زیر کے ساتھ نہیں ہے۔

۲......... الی الکعبین کو چھوڑ دیا۔ اس خیانت کا مقصد یہ تھا کہ یہ الفاظ ٹخنوں سمیت پاؤں کے احاطہ پر دلالت کرتے ہیں اور یہ مسح میں ضروری نہیں، اس لئے یہاں مسح کا معنی نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے مولوی داؤد صاحب نے لا تقربوا الصلوۃ تو پڑھ لیا اور و أنتم سکری کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے، آخر غیر مقلد جو ہوئے فقہ میں کیڑے نکالنے کی ایسی لت پڑی ہے، اب قرآن پاک پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے ہیں، اس کارروائی پر اہلِ حدیث جماعت کو مولوی صاحب کی ترقی کے لئے شیخ الحدیث سے شیخ القرآن کا لقب عطا کرنا چاہئے اور توثیق کے لئے سرکارِ برطانیہ سے درخواست کی جائے۔

۳......... تیسری چوری یہ کی چونکہ یہ دراصل شیعہ کا مذہب ہے لیکن شیعہ أرجلكم کا معنی پاؤں ہی کرتے ہیں اور وہ پاؤں پر مسح کے قائل ہیں لیکن شیخ الحدیث صاحب نے أرجلكم

کا معنی پاؤں میں جرابیں بھی ملالیں۔ ائمہ اہلِ سنت کی تقلید کو گمراہی، جہالت کہنے والے شیعہ کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں: فیا اسفیٰ

میرے دل سے گیا پالا ستم گر سے پڑا
مل گئی او غیرے کفران نعمت کی سزا

علامہ آلوسیؒ تو یہاں مسحِ موزہ مراد لینے کے متعلق بھی فرماتے ہیں: نعم هذا الوجه لا يخلو عن بعد و القلب لا يميل اليه (روح المعانی ص۷۶/ ج۶)

۴...... مولوی صاحب نے اپنے جھوٹ کو سچ دکھانے کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، عکرمہ، شعبی، قتادہ اور جعفر صادق کا نام ذکر کیا ہے تا کہ ان کے ان پڑھ مقلدین اس کے شیخ القرآن والحدیث ہونے کا ڈھنڈورا پیٹیں لیکن ذرا اصل حقیقت ملاحظہ فرمائیں: قال الامام الرازی: فنقل القفال فی تفسیره عن ابن عباس و أنس بن مالك و عكرمه و شعبی و أبی جعفر محمد بن علی الباقر ﷺ أن الواجب فيها المسح وهو مذهب الامامية و قال جمهور الفقهاء و المفسرين: فرضها الغسل (روح المعانی ص۷۳/ج۶) ''امام رازی فرماتے ہیں کہ قفال نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عکرمہ، شعبی اور امام باقر سے نقل کیا ہے کہ پاؤں کا مسح کرنا وضو میں واجب ہے اور وہ شیعہ کا مذہب ہے اور جمہور فقہاء اور مفسرین کہتے ہیں کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔

تنبیہ: اہلِ سنت کی تقلید کو تو گمراہی، جہالت اور شرک کہا جاتا ہے لیکن اس آیت کے بیان میں شیعہ کی تقلید کی جا رہی ہے، ویسے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن کرنے والے بڑے رافضی اور ائمہؒ پر طعن کرنے والے چھوٹے رافضی ہیں۔

دیکھا مولوی صاحب نے کس قدر دیانت کا کرشمہ دکھایا کہ صاف موجود ہے کہ یہ شیعہ کا مذہب ہے لیکن ملا جی نے بتلایا نہیں کہ میں شیعہ ہو گیا ہوں۔ مناسب تھا کہ شیعہ انجمن تالیف قلوب کے جذبہ سے امام باڑہ میں مرثیہ خوانی کی ملازمت عنایت کرتی مگر عوام

شیعہ کو کس جادو سے قائل کریں کہ مولوی صاحب کو تو صحیح طور پر بارہ اماموں کے نام بھی یاد نہیں کہ ابوجعفر کو امام جعفر صادق لکھ رہا ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف:

مولوی صاحب جوش تعصب میں آ کر قرآن پاک پر جھوٹ بولتے جا رہے ہیں لیکن دل مطمئن نہیں۔ لکھتے ہیں: ''جراب کے بغیر تو پاؤں دھونا فرض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے (کہ) جو شخص پاؤں اچھی طرح دھوتا نہیں وہ آگ میں لے جانے کا باعث بنیں گے اور حدیث جریر اس کی تائید کرتی ہے، جس کے متعلق ابراہیم نخعیؒ کہا کرتے تھے کہ مجھے حدیث جریر بہت پسند ہے کیونکہ اس میں وضو والی آیت نازل ہونے کے بعد مسح کا ذکر ہے (خواہ جراب ہو یا موزے) جو کہ نسخ کا احتمال نہیں رکھتا۔'' (ص ۵ بحوالہ ابن ماجہ ص ۴۱) اس عبارت میں مولوی صاحب نے خود تسلیم کر لیا کہ آیت اور حدیث سے پاؤں کا دھونا ثابت ہے اور مسح کی حدیث میں یہ احتمال ہے کہ وہ آیت سے پہلے کا واقعہ ہو اور منسوخ ہو لیکن حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس آیت کے بعد کا واقعہ ہے، اس حدیث کے منسوخ ہونے کا احتمال نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جراب اور موزوں پر مسح آیت کے خلاف نہیں۔

مؤلف کی اس بات پر اس عورت کی مثال یاد آئی جو سارا دن سوت کاتتی رہتی اور شام کو سارے دن کا سوت توڑ دیتی۔ شیخ الحدیث صاحب نے قرآن پاک پر بھی جھوٹ بولا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی بہتان باندھا لیکن آخر میں مان لیا کہ آیت سے پاؤں دھونا فرض ثابت ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں: خسر الدنیا والآخرۃ ہاں جھوٹ بولنے کی ایسی عادت پڑ گئی کہ اپنی بات بنانے کے لئے کہہ دیا کہ ابن ماجہ میں حدیث جریر میں آیت کے نازل ہونے کے بعد جرابوں پر مسح کا ذکر ہے۔ خدایا ایسے جھوٹ سے تیری پناہ۔ اگر شیخ الحدیث صاحب ابن ماجہ میں حدیث جریر رضی اللہ عنہ میں جراب کا لفظ دکھا دیں تو ہم انہیں مبلغ دس ہزار روپے

انعام دیں گے، میں شیخ الحدیث کے طلباء اور مولوی داؤد صاحب کے مقتدیوں کو جھنجھوڑ کر غیرت دلاتا ہوں کہ اگر آپ کا ضمیر زندہ ہے تو مولوی داؤد صاحب کو اس پر تیار کرو۔ ہم نے بارہا کئی ہزار روپے انعام کا چیلنج دیا ہے، وہ ہم سے ہزاروں روپے وصول کر کے کوئی مسجد بنا لیں ورنہ ساری عمر بازاری امام ہی رہیں گے، ہمیں یقین ہے کہ اتنی غیرت دلانے کے بعد بھی وہ سامنے نہیں آئیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

احادیث کی بحث:

مؤلف نے قرآن پاک پر جھوٹ بولا، لیکن کبھی جھوٹ سے دل مطمئن نہیں ہوتا، اب احادیث کی طرف آیا، یہاں شیخ الحدیث صاحب کا فرض تھا کہ مسحِ موزہ کی متواتر احادیث بیان کرتے جب ہی نصِ قرآنی کا مقابلہ ہوسکتا تھا لیکن افسوس کہ مؤلف یہاں بھی نامراد رہا۔ پھر قولی احادیث کا نمبر تھا لیکن مؤلف ناکام رہا ہے۔

چیلنج:

اگر مؤلف اپنے سارے رسالہ سے ایک قولی متواتر صریح حدیث دکھا دے تو ہم مبلغ دس ہزار روپے رائج الوقت انعام دیں گے۔ جب ایسی کوئی روایت نہیں تو کسی خبرِ واحد سے نصِ قرآنی اور متواتر احادیث کو چھوڑنا بے دینی کی انتہاء ہے۔ اصولی طور پر تو اخبار آحاد کا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں لیکن شیخ الحدیث صاحب کی شیخی ظاہر کرنے کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ:

حدثنا وكيع حدثنا سفيان عن أبي قيس عن هزيل بن شرحبيل عن المغيرة بن شعبة أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين و النعلين۔
اس حدیث کے متعلق محدثین کے ریمارکس یہ ہیں:

(۱) امام بخاریؒ:

امام بخاریؒ نے حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ ص ۳۱ ج ۱ پر روایت کی ہے لیکن موزوں کا ذکر فرمایا ہے جرابوں کا بالکل ذکر نہیں فرمایا، مولوی داؤد صاحب بخاری سے روگردانی کرنے والے کو بدبخت کہتے ہیں۔ اب ہم یہی لقب عطائے تو بلقائے تو کہہ کر جناب کو پیش کرتے ہیں۔

(۲) امام مسلمؒ:

امام مسلمؒ نے بھی حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ میں موزوں کا ذکر فرمایا ہے، جرابوں کا ذکر نہیں فرمایا (صحیح مسلم ص ۱۳۳ ر ج ۱) بلکہ امام مسلمؒ نے فیصلہ فرما دیا کہ اس روایت میں جراب کا ذکر ہی ضعیف ہے اور فرمایا کہ جراب کا ذکر جلیل القدر محدثین کی روایت کے خلاف (شاذ) ہے اور پھر یہ بھی فرمایا کہ ہم اس روایت کی وجہ سے قرآن پاک کی ظاہر (نص) کو کبھی نہیں چھوڑیں گے (سنن کبریٰ بیہقی ص ۲۸۴ ر ج ۱)

(۳) امام ابوداؤدؒ:

امام ابوداؤدؒ اس حدیث کو نقل کر کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اس حدیث کو قابل بیان ہی نہ سمجھتے تھے کیونکہ محدثین میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی جو معروف حدیث ہے اس میں موزوں پر مسح کرنے کا ذکر ہے نہ کہ جرابوں پر مسح کا (ابوداؤد ص ۱۶ ر ج ۱)

(۴) امام ابن ماجہؒ:

امام ابن ماجہؒ نے بعض نسخوں میں اس عبارت کے بعد مندرجہ بالا فرمان عبد الرحمٰن بن مہدی کا ذکر کیا ہے (حاشیہ ابن ماجہ ص ۴۱)

(۵) امام نسائیؒ:

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ پوری جستجو اور تحقیق کے بعد ابو قیس کا کوئی متابع نہیں مل سکا اور اس حدیث میں صحیح لفظ موزوں کا ہی ہے (نہ کہ جرابوں کا) (سنن کبریٰ نسائی بحوالہ زیلعی ص ۱۸۴ ج ۱)

(۶) امام عبد الرحمٰن بن مہدیؒ:

امام عبد الرحمٰن بن مہدیؒ جو صحاح ستہ کے اجماعی شیخ ہیں، وہ اس حدیث کو منکر بتاتے تھے (بیہقی ص ۲۸۴ ج ۱)

(۷) امام الجرح والتعدیل امام یحییٰ بن معینؒ:

امام یحییٰ بن معینؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ابو قیس کے سوا تمام لوگ اس میں موزوں کا لفظ ہی ذکر کرتے ہیں (بیہقی ص ۲۸۴ ج ۱)

(۸) امام سفیان ثوریؒ:

امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور ردی ہے (بیہقی ص ۲۸۴ ج ۱)

(۹) امام علی بن المدینیؒ:

امام علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی مسح کی حدیث اہلِ مدینہ، اہلِ کوفہ، اہلِ بصرہ (تمام مراکز اسلامی) میں مشہور و معروف ہے اور اس میں سب نے مسحِ موزہ کا ذکر کیا ہے۔ صرف ہزیل بن شرحبیل نے سب محدثین کے خلاف جراب کا ذکر کیا ہے۔ (بیہقی ص ۲۲۸۴ ج ۱)

(۱۰) امام احمدؒ:

امام احمدؒ نے بھی یہ حدیث سن کر فوراً عبد الرحمٰن بن مہدی سے اس کا منکر ہونا بیان فرمادیا (بیہقی ص۲۸۴ ر ج ۱)

(۱۱) امام نوویؒ:

امام نوویؒ فرماتے ہیں: اتفق الحفاظ علی تضعیفه تمام حفاظِ حدیث اس حدیث کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں (زیلعی ص۱۸۴ ر ج ۱)

(۱۲ تا ۱۵):

غیر مقلدین کے اکابر میاں نذیر حسین دہلوی، شمس الحق عظیم آبادی، مولوی عبد الرحمٰن مبارکپوری اور میاں شرف الدین دہلوی بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور مخالف قرآن کہتے ہیں۔

مؤلف کا فریب:

مؤلف کی مطلب پرستی ملاحظہ ہو۔ اس حدیث کے ضعف پر سب محدثین کا اتفاق رہا ہے لیکن مؤلف کو شافعی مقلد امام ترمذیؒ کا قول پسند آیا کہ امام ترمذیؒ نے حسن صحیح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے: سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ پانچوں امام جرابوں پر مسح کے قائل تھے۔ ص ۵ پر پھر مؤلف نے خوب سرخیاں جما کر ص ۱۱ پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک ترمذی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور بڑی شیخیاں اور شوخیاں دکھائی ہیں لیکن جب شیخ الحدیث کے شاگردوں اور مقتدیوں کو پتہ چلے گا کہ ہمارے حضرت نے کتنا بڑا فریب دیا ہے کہ ترمذی میں ان سب کا مذہب نقل کرتے ہوئے آگے یہ جملہ بھی ہے: اذا کانا ثخینین (ترمذی ص۱۴۱ ر ج ۱) کہ یہ سب امام ان جرابوں پر مسح جائز کہتے ہیں جو چمڑے کے موزے جیسی ہوں جیسا کہ ثخینین کا معنیٰ گزر چکا ہے، تو دیانتدار شیخ الحدیث کا کیا حشر ہوگا۔

ثخینین کی شرط:

سید التابعین امام سعید بن المسیبؒ اور علامۃ التابعین امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں: یمسح علی الجوربین اذا کانا صفیقین (ابن ابی شیبہ ص ۱۸۸ رج ۱) یعنی جرابوں پر مسح کی شرط یہ ہے کہ وہ صفیقین (ثخینین) ہوں۔ اس وقت صحابہ ؓ بھی بکثرت موجود تھے، تابعین، تبع تابعین بھی تھے مگر خیر القرون کے کسی محدث نے اس کو باطل یا غلو فی الدین نہ فرمایا۔ پھر قاضی ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام عبداللہ بن مبارکؒ اور امام ترمذیؒ نے بھی یہی شرط لگائی ہے۔ یہ شرط رائے اور قیاس سے نہیں بلکہ متواتر احادیث جن میں مسحِ موزہ کا جواز ہے، ان کو سامنے رکھ کر یہ شرط لگائی گئی کہ جرابیں چمڑے کے موزے جیسی ہوں تو وہ موزے کے حکم میں ہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے اس شرط کو غلو فی الدین فرمایا (ص ۱۶) اور یہ فتویٰ بھی جڑ دیا کہ غلو اور زیادتی کرنے والے تباہ ہو گئے (ص ۱۲) پھر ان غالیوں کی روایتیں بھی بیان کرتے جا رہے ہیں۔

اصول حدیث اور شیخ الحدیث:

اس شیخ الحدیث نے اپنے اَن پڑھ مقلدین کو دھوکہ دینے کے لئے توثیقِ رواۃ کا ڈھونگ رچایا تا کہ لوگ سمجھیں کہ راوی ثقہ ہیں، لیکن شیخ الحدیث صاحب نے خوب تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا ہے۔ حدیث کی صحت کے لئے صرف راویوں کا ثقہ ہونا کافی نہیں بلکہ شذوذ اور علت سے سلامتی بھی شرط ہے، اس حدیث کے ضعف کی بنیادی وجوہ دو ہیں: (۱) یہ روایت شاذ ہے کہ متواتر احادیث کے خلاف ہے (۲) معلول ہے کہ ظاہر قرآن پاک کے خلاف ہے۔ ایسی حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو اس حدیث کو شاذ اور معلول ہونے کی وجہ سے رد کر دیا جائے یا کوئی ایسی تاویل کر لی جائے کہ یہ حدیث معناً احادیثِ متواترہ کے موافق ہو جائے۔ محدثین نے بالاتفاق اصول حدیث کے موافق اس روایت کو ضعیف اور منکر قرار دیا۔ ہاں بعض نے اس ضعیف روایت کی تضعیف کی

کہ ثخینین جرابیں مراد لیں تو اگر چہ اسنادی شذوذ باقی رہے لیکن معنوی علت ختم ہو جاتی ہے۔ امام ترمذیؒ اس بارے میں متساہل ہیں جب ثخینین کی تاویل نے غیر مقلدین کے فریب کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا:

اس جماعتِ شاذہ کا عجیب حال ہے۔ ہمیشہ اقوالِ شاذہ کی تلاش میں رہتے ہیں، یہاں بھی ایک قول تلاش کر لیا کہ یہ امر زائد ہے معارض نہیں حالانکہ بالکل غلط ہے۔ خود مؤلف کے اکابر میاں نذیر حسین وغیرھم نے اس کو معارض فرمایا ہے۔ مزید برآں رسالہ کا نام ہی رخصت رسول الثقلین رکھا ہے۔ معنی الرخصة السهولة في الشرع ماثبت علیٰ خلاف دلیل شرعی بدلیل آخر معارض (جزری ص ۱۳۵/ ج۱) یعنی رخصت وہ ہے جو دلیل شرعی کے خلاف دوسری دلیل شرعی سے ثابت ہو جو پہلی دلیل سے معارض ہو۔ رخصت کے معنی سے ہی معلوم ہو گیا کہ اصل حکم شرعی پاؤں کا دھونا ہے اور مسح جراب اصل حکم کے معارض ہے۔ اب اگر حدیث متواتر سے ثابت ہو جائے تو رخصت ہو گا ورنہ باطل لیکن یہاں آ کر اس کو امر زائد کہنا شروع کر دیا ہے۔ پہلے تو ہم سمجھتے تھے کہ غیر مقلد وہ ہے جو کسی کی بات نہ مانے، اب معلوم ہوا کہ غیر مقلد وہ ہے جو اپنی بات پر بھی قائم نہ رہے۔

ایک سوال:

ہم شیخ الحدیث صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ حدیث شاذ کی ایسی جامع مانع تعریف کر دیں جس سے فصاعداً، و اذا قرأ فا نصتوا کی روایات تو شاذ ہو جائیں اور جو ربین کی روایت شاذ نہ ہو۔ ہاں یاد رہے کہ وہ تعریف کسی مقلد کی کتاب سے چوری کی ہوئی نہ ہو ورنہ ساری دنیا میں جگ ہنسائی ہوگی کہ جن مقلدین کو جاہل، گمراہ اور مشرک کہا جاتا ہے، ان ہی سے مسائل چوری کر کے اپنا دستر خوان سجایا جاتا ہے۔

سونے پر سہاگہ:

مؤلف نے اس حدیث کو شذوذ سے نکالنے کے لئے اپنے دماغ کا سارا عصارہ ختم کرلیا۔ وہ طاغوت آشیاں دماغ جو مجتہدین کے سامنے جھکنا عار سمجھتا تھا، اس کا غرور ایسا خاک میں ملا کہ حنفی مقلد علامہ ماردینیؒ اور شافعی مقلد امام ترمذیؒ کی دہلیز پر جبیں سائی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ مگر نتیجہ وہی نکلا کہ نقصان مایہ شماتت ہمسایہ۔ اب سونے پر سہاگہ کا عنوان دے کر اپنے مقلدین کو ایک اور فریب دیتے ہیں، چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی نقل کرتے ہیں لیکن نہ کسی کی سند نقل کی، نہ اس کی صحت کسی دلیل سے ثابت کی۔ بس اپنے معتقدین کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ میری تقلید شخصی میں بلا دلیل مان لو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جرابوں پر مسح کرتے تھے، سند نہ پوچھنا، جاہل اور اندھے مقلد بن کر مان لینا اور خبردار اتنے اندھے، بہرے، گونگے بن جانا کہ مجھ سے یہ بھی نہ پوچھنا کہ جرابیں کیسی تھیں، ثخینین تھیں یا رقیق؟ صرف نام یاد کر کے دل کو تسلی دے لینا کہ جب یہ صحابہ رضی اللہ عنہم مسح کرتے تھے تو وہ حدیث ضرور صحیح ہوگی، جس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ہمارے شیخ الحدیث کاسہ گدائی لے کر مقلدین سے گداگری بھی کر آئے مگر یہی پڑھتے ہوئے واپس لوٹے:

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

شیخ الحدیث صاحب! آپ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ سند ہی دین ہے، مگر آج آپ کیوں بے دین بن رہے ہیں؟ کیسی مطلب پرستی کہ آج صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی آپ کو ضرورت پڑ گئی جب کہ نماز تراویح کی بحث میں آپ کی جماعت سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو بدعتی قرار دے چکی ہے (معاذ اللہ)۔ طلاق ثلاثہ کی بحث میں تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخالفِ پیغمبر تک کہہ دیا لیکن آج صحابہ رضی اللہ عنہم کی ضرورت محسوس کیوں کی؟ لیکن افسوس کہ شیخ الحدیث کی یہ شیخی بھی کرکری ہوگئی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ترجمان ان کے شاگرد ہیں، انہوں نے صاف

اعلان فرمادیا کہ مسح تخنین جرابوں پر کیا جاتا ہے، جس سے فریب کا پردہ چاک ہوگیا۔ کیا ہم شیخ الحدیث صاحب سے امید رکھیں گے کہ ویل للمطففین (الآیۃ) کے موافق تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے بیس رکعت کی حدیث کی صحت کا اعلان فرمادیں گے؟

حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ:

حافظ ابن حجرؒ درایہ میں لکھتے ہیں: الحادی عشر۔عن ثوبان قال بعث رسول اللہ ﷺ سریة فأصابهم البرد فأمرهم أن یمسحوا علی العصائب و التساخین أخرجه أحمد و أبوداؤد و الحاکم و اسناده منقطع و لفظ أحمد أن ﷺ توضأ ومسح علی خفیه و الخمار و العمامة (درایه)۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک لشکر بھیجا ان کو سردی لگی تو آپ ﷺ نے فرمایا اور حکم دیا کہ پٹیوں اور موزوں پر مسح کرو۔ اس کی سند منقطع ہے اور امام احمدؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وضو فرمایا، اپنے موزوں اور خمار اور عمامہ پر مسح کیا۔'' اس روایت میں جراب کا لفظ نہیں۔ التساخین کا معنی موزے ہیں (دیکھو! زیلعی ص ۱۶۵ ج ۱، المنجد ص ۳۳۴، مصباح اللغات ص ۳۶۷) اور احمد کی روایت میں خفیه کا لفظ صریح ہے۔ الغرض نہ یہ حدیث متواتر، نہ خبر واحد صحیح، نہ جراب کا لفظ، خدا جانے مؤلف نے کیوں دھوکہ دیا ہے اور تساخین کا ترجمہ خلاف حدیث جرابیں کر کے ضلوا فاضلوا کا مصداق بن گئے۔

چیلنج:

اس روایت میں اگر مؤلف باریک جراب کا لفظ دکھا دے تو ایک ہزار روپے انعام کا مستحق ہو۔

لطیفہ:

اگرچہ یہ روایت مولوی صاحب کے لئے مفید مدعا نہیں لیکن انہوں نے اپنی شیخ

الحدیث کا رعب دکھانے کے لئے یہاں توثیق روایات کی بحث چھیڑی ہے۔ معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے حدیث کا علم کسی کامل استاذ سے نہیں پڑھا ورنہ ایسی کچی باتیں نہ لکھتے۔

ا.......... اس سند کا پہلا راوی یحیٰ بن سعید ہے۔ قال الذهبی كان يفتى برأى أبى حنيفة كذا في الطبقات یعنی آپ جلیل القدر محدث اور امام الجرح والتعدیل ہونے کے باوجود خاص امام ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے۔ مولوی صاحب مقلد کو جاہل کہتے ہیں اور تقلید کو گمراہی، اب ایک مقلد کی تے چاٹ رہے ہیں۔

۲.......... دوسرا راوی ثوبان بن یزید ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ ثقہ معروف ہے (ص ۷) لیکن یہ بات چھپائی کہ وہ تقدیر کا منکر اور بدعتی تھا (تقریب، خلاصہ)۔ امام احمدؒ طلباء کو اس کے پاس جانے سے بھی ڈراتے تھے کہ وہ "ثور" تمہیں سینگوں سے زخمی کر دے گا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر آتا تو کہا کرتا تھا: لا أحب رجلا میں اس شخص کو پسند نہیں کرتا کیونکہ علی نے میرے دادا کو جنگ صفین میں قتل کیا تھا (حاشیہ خلاصہ تہذیب الکمال ص ۵۰)

۳.......... تیسرا راوی راشد بن سعد ہے، جس کو ثقہ ثابت کرنے کے لئے امام یحیٰ بن معینؒ کا قول تو نقل کر دیا کہ ثقہ ہے لیکن اپنے امام المجدد ابن حزم اندلسی (ص ۱۱) کی جرح کو چھپایا کیونکہ اس نے اسے ضعیف کہا ہے (میزان الاعتدال ص ۳۵ ج ۲) حالانکہ یحیٰ بن معینؒ کے متعلق علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں متعصب حنفی تھے (الرواۃ الثقات ص ۱۷ ج ۲، تانیب الخطیب ص ۱۵۷) راشد بن سعد کو ثقہ کہنے والے نے یہ بھی بتایا کہ وہ کثیر الارسال تھا (تقریب)۔ امام احمدؒ نے فرمایا تھا کہ راشد نے یہ روایت ثوبان سے نہیں سنی کیونکہ وہ کثیر الارسال اور مدلس ہے اور مدلس جو روایت عن سے کرے، وہ منقطع ہوتی ہے اس کا جواب صرف یہ تھا کہ خاص اس حدیث کی سند میں وہ راشد کے سماع کی تصریح دکھا دیتے، لیکن وہ اس میں سو فیصدی ناکام رہے ہیں، اس لئے اس انقطاع کو ختم نہیں کر سکتے۔ شیخ الحدیث صاحب نے شوخی تو بہت دکھائی، کبھی سمع سے، کبھی معاصرت سے لیکن اصول حدیث سے اس کی جہالت آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر ہو گئی کیونکہ کثیر الارسال اور مدلس کا انقطاع

صرف اس خاص سند میں سماع کی تصریح سے دور ہو سکتا ہے ورنہ دونہ خرط القتاد اب امام احمدؒ کو بے علمی کا طعنہ دینا (ص ۸) خود اپنی بے علمی کا بھانڈا پھوڑنا ہے۔ امام بخاریؒ پر بھی بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی سند میں سماع کی صراحت ہرگز نہیں دکھائی۔

تنبیہ:

شیخ الحدیث صاحب نے ص ۵ پر امام بخاریؒ پر اعتراض کرنے والے کو بد بخت کہا ہے، اب ص ۷ پر بتایا کہ مسئلہ لقا میں جمہور محدثین نے امام بخاریؒ کی مخالفت کی ہے اور امام مسلمؒ نے مقدمہ مسلم میں بخاریؒ کی خوب خبر لی ہے۔ اب امام مسلم اور جمہور محدثین کے متعلق وہی معاذ اللہ بد بخت ہونے کا فتویٰ ہے یا کچھ اور؟ اتنی جہالت کے بعد شیخ الحدیث کی یہ شوخی بھی ملاحظہ ہو، اب نتیجہ صاف ہے کہ حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ متصل الاسناد غیر معلل لاشاذ ہے فتفکر و لا تعمل بالرأی البحت۔ سچ ہے جہالت مرکبہ انسان کو اسی طرح ذلیل کرواتی ہے۔

حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

تیسرے نمبر پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر فرمائی ہے، جس کے متعلق امام ابوداؤد فرماتے ہیں: نہ ہی یہ حدیث متصل ہے اور نہ ہی قوی ہے (ابوداؤد) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ضحاک کا سماع ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں اور عیسیٰ بن سنان ایسا ضعیف ہے جس کی روایت حجت نہیں (سنن کبریٰ ص ۲۸۵ ر ج ۱) خود مؤلف نے بھی تسلیم کیا ہے کہ خود امام احمدؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے عیسیٰ بن سنان کو ضعیف کہا ہے (ص ۸) ہاں ابو حاتم جن کو شیخ الحدیث صاحب ص ۷ پر امام الجرح والتعدیل لکھ آئے ہیں وہ بھی فرماتے ہیں: لیس بالقوی (میزان الاعتدال ص ۳۱۲، ج ۳) الغرض یہ حدیث صحیح ہے نہ حسن، متواتر تو کہاں سے ہوتی؟ پھر اس میں باریک جرابوں کی قید بھی نہیں اور جوتوں پر مسح خود غیر مقلدین بھی نہیں کرتے۔ کیا ایسی روایت کی بنا پر قرآن اور احادیثِ متواترہ کو چھوڑ دیا جائے؟

بر ایں عقل و دانش بباید گریست

ضعیف حدیث:

شیخ الحدیث چاروں طرف کی خاک چاٹ چکے ہیں، جب حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوسکی تو اپنے معتقدین کو دھوکہ دینے کے لئے ایک اور پینترا بدلا کہ اگر چہ یہ حدیث ضعیف بھی ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ ضعیف حدیث میرے نزدیک رائے وقیاس سے بہت زیادہ پسند ہے۔

فریب:

لیکن یہ کتنا بڑا فریب ہے۔امام صاحبؒ نے فرمایا کہ رائے کے مقابلہ میں ضعیف زیادہ محبوب ہے اور یہاں پر ضعیف حدیث رائے کے مقابل نہیں بلکہ قرآن پاک کی نص اور احادیثِ متواترہ کے خلاف ہے، افسوس ہے کہ شیخ الحدیث علمی طور پر اتنے یتیم واقع ہوئے کہ امام صاحب کی صاف بات کو سمجھنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔

حق برزبان جاری:

آج تک غیر مقلدین یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں کہ حنفی مذہب حدیث کے خلاف ہے لیکن مؤلف نے خود امام صاحبؒ کا فرمان نقل فرمادیا کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے (ص ۱۷) پھر یہ غیر مقلدین جھوٹ بولتے رہے ہیں کہ امام صاحبؒ صحیح حدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، اب امام صاحبؒ کا ارشاد خود نقل فرمایا کہ وہ ضعیف حدیث کے مقابلے میں بھی قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں، مؤلف نے خود غیر مقلدین کے منہ پر وہ زبردست طمانچہ رسید فرمایا ہے کہ جس سے ان کی بتیسی جھڑ گئی ہے۔

مرسل روایت:

مؤلف نے ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کی مثال پوری کرنے کے لئے یہ بہانہ بھی بنایا ہے کہ احناف کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الحدیث صاحب

نے تلبیس حق بالباطل کی ٹریننگ خاص یہود سے لی ہے۔ احناف کے نزدیک نص کتاب اور متواتر احادیث کے خلاف نہ متصل روایت حجت ہے اور نہ مرسل۔ ہاں احناف کے ہاں فرق مراتب ہے ایسے مقام پر مرسل کا درجہ بھی ہے لیکن مؤلف کی بے بسی پر ترس آتا ہے، جدھر بے چارے ہاتھ مارتے ہیں قسمت ساتھ نہیں دیتی۔

ضروری نوٹ:

مؤلف نے اپنے رسالے کی پہلی حدیث ترکت فیکم أمرین الحدیث موطا کے حوالے سے نقل کی ہے وہ مرسل بلکہ معضل ہے۔ ایسی روایت کو دلیل کے طور پر پیش کرنا کس کی تقلید ہے؟

فریب:

ص ۹ پر لکھا ہے: اب کسی مقلد کو حق باقی نہیں رہ سکتا جب تک اس حدیث مسح کو نہ مان لے۔ دیدہ باید۔

ہم حاضر ہیں:

ہم مولوی صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت وتواتر بطور نص ہمارے امام سے ثابت کر دیں، ہم ضرور اسے صحیح تسلیم بھی کرلیں گے اور آپ کو ایک ہزار روپیہ انعام بھی دیں گے۔

توضیح تلویح میں کہاں لکھا ہے کہ خلاف قرآن اور خلاف سنت متواترہ کسی ضعیف یا شاذ روایت کو کوئی جہل مرکب ضد وتعصب کی بنا پر صحیح کہہ دے، اس کو صحیح نہ ماننے والا امام ابوحنیفہؒ کا مقلد نہیں رہتا۔ مولوی صاحب! علامہ سبکیؒ نے طبقات شافعیہ میں صاف لکھ دیا ہے: أصحاب الظواهر ليسوا من علماء الشريعة تم جیسے ظاہر بین کو عالم کہنا ہی درست نہیں۔

امام مسلمؒ:

ص ۹ پر ہی امام مسلمؒ کے نام سے دھوکہ دیا ہے کہ امام مسلمؒ ایسی ضعیف روایات کو تائید میں لے آئے ہیں، حالانکہ امام مسلمؒ اس حدیث کو ہرگز متابعات میں نہیں لائے۔ اس کو متابعات میں لانا تو کجا، امام مسلمؒ تو جرابوں پر مسح کی روایت کو ظاہر قرآن کے خلاف کہتے ہیں۔ خدا جانے حضرات غیر مقلدین نے مولوی داؤد صاحب سے رسالہ لکھنے سے پہلے یہ حلف لیا تھا کہ جھوٹ، خیانت، دھوکے اور فریب کے بغیر کوئی بات نہ کرنا اور داؤد صاحب اس بات کو نباہ رہے ہیں ورنہ کوئی باضمیر آدمی غیرت سے اتنا تہی نہیں ہوتا کہ بات بات پر فریب دے۔

چوتھی حدیث اور سند میں زبردست خیانت:

مولوی صاحب نے اپنے سارے رسالے میں صرف ایک روایت سند کے ساتھ نقل کی ہے، یہ نبی پاک ﷺ کی حدیث نہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور کسی حدیث کی کتاب سے نہیں بلکہ الدولابی کی "الکنیٰ و الأسماء" سے نقل کی ہے اور اصل کتاب سے نہیں بلکہ رسالہ المسح علی الجوربین ص ۱۷ سے چوری کی ہے۔ أخبرنی أحمد بن شعیب عن عمرو بن علی قال أخبرنی سھل بن زیاد أبو زیاد الطحان قال حدثنا الأرزق بن قیس قال رأیت أنس بن مالك أحدث فغسل وجھه و یدیه و مسح علی جوربیه من صوف فقلت أتمسح علیھما فقال ھی خفان و لکنھما من صوف۔ الارزق بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بے وضو ہوئے یا بقول داؤد زور سے پاد مارا، پھر وضو کیا جس میں منہ دھویا، ہاتھ دھوئے اور اون کی جرابوں پر مسح کیا (میں نے منہ دھونے اور ہاتھ دھونے پر اعتراض نہ کیا کیونکہ ایک معروف بات تھی لیکن یہ مسح جوربین ایک غیر معروف اور منکر بات تھی، اس لئے میں خاموش نہ رہ سکا) تو پوچھ لیا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ اون کے موزے ہیں (یعنی موزوں جیسی ہیں، اس لئے میں نے موزوں پر ان کو قیاس کر لیا)

سند میں خیانت:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں۔ مولوی داؤد صاحب نے دوسرے اور تیسرے راوی کا نام اپنے رسالہ میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ ان دونوں کا عادل اور ضابط ہونا باصول محدثین ثابت نہیں کر سکتے تھے۔ اس جرم کو محدثین زنا کاری سے بھی بدتر جرم قرار دیتے ہیں کیونکہ زانی شخص تو صرف اپنا ہی دین خراب کرتا ہے لیکن ایسا مجرم پوری امت کے دین کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

مطالبہ:

ہم جامعہ سلفیہ، ادارہ علوم اثریہ اور دار القرآن والحدیث وغیرہ کے ذمہ دار علماء سے پوچھتے ہیں کہ جو راوی سند میں چوری کرے، محدثین کے نزدیک اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا، سند کی خیانت کے بعد اب متن سے استدلال کا حال دیکھئے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جرابیں:

مؤلف نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ ص ۹ پر لکھا ہے کہ اون، سوت، نیلون کی جرابوں پر مسح جائز ہے، کیا مؤلف سوت، نیلون کا لفظ اس حدیث سے دکھا سکتے ہیں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ جرابیں کیسی تھیں، اس روایت میں اتنا ہے کہ وہ اون کی تھیں۔ باریک تھیں یا موٹی، اس کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو خفان فرمایا کہ موزہ جیسی تھیں اور سنن کبریٰ بیہقی ص ۲۸۵ ر ج ا میں تو یہ صراحت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جرابوں کے نیچے چمڑا لگا ہوا تھا تو یہ جرابیں، درج کی گئی چھ قسموں میں سے ثخینین مجلد یا ثخینین منعل ہوئیں، باریک جرابوں کا حکم اس میں کہاں سے نکلا؟ شیخ الحدیث کا یہ فرمانا کہ و الحدیث صریح الدلالۃ وصحیح الاسناد ڈبل جھوٹ ہے۔ نہ اس کی سند صحیح ثابت ہوئی اور نہ اس میں سوت نیلون یا باریک کے لفظ کی صراحت موجود ہے۔

اعجوبہ:

مولوی صاحب ص ۱۰ پر لکھتے ہیں: موزہ اور جراب ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اب ہم یہی کہتے ہیں کہ جورب کے لفظ کے ساتھ جو روایات آئی ہیں ان سے موزے ہی مراد ہیں نہ کہ یہ باریک جرابیں جن کو الشراب کہتے ہیں۔

اصول فقہ میں دسترس:

مولوی صاحب اپنی اوقات سے پوری طرح واقف ہو چکے تو اصول فقہ میں بھی اپنی جہالت کو ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس کی سند میں خیانت کی تھی، اس کو مطلق قرار دے کر المطلق یجری علی اطلاقه کا ورد شروع کر دیا لیکن ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جرابوں پر چمڑا چڑھا ہوا تھا پھر مولوی صاحب کو یہ بھی علم نہیں کہ نفسِ فعل میں عموم و اطلاق نہیں ہوا کرتا۔ حکایة الفعل لا عموم لها ان کا متفقہ ضابطہ ہے، اس قاعدے کے غلط استعمال کی مثال ایسی ہی ہوگی کہ کسی نالائق شاگرد کو استاد نے تقسیم کا سوال لکھایا، اس نے تقسیم کی بجائے ضرب کے قاعدے سے سوال نکالا تو جواب یقیناً غلط ہوگا۔ اب جاہل مرکب یہی شور مچاتا جائے کہ ضرب کا قاعدہ حساب کا قاعدہ نہیں ہے تو اس ألد الخصام کو یہی کہا جائے گا کہ قاعدہ تو حساب کا ہی ہے لیکن تو نے اس کا استعمال غلط کیا ہے، اس لئے تیرا جواب غلط ہے، تو فیل ہے، سرے سے پاس ہی نہیں چہ جائیکہ اپنی نادانی سے وظیفہ ملنے کی امید لگائے بیٹھا ہے، مولوی صاحب نے ایک اصول کہیں سن لیا تھا، اس کو موقع بے موقع استعمال کرنا شروع کر دیا، جیسے کسی نے درانتی کو بخار اتارنے کے لئے کنویں میں لٹکایا، پھر یہی اصول اپنی والدہ پر استعمال کیا اس نے بے اصولی سے اپنی والدہ کو مار ڈالا تھا۔ مولوی داؤد صاحب بے اصولی سے لوگوں کا دین برباد کر رہے ہیں، کہیں تو نص قطعی اور متواتر آحادیث کو ضعیف اخبار آحاد سے منسوخ یا مخصوص کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں اور کہیں اطلاق و عموم کے قواعد کا بے جا استعمال

فرماتے ہیں، سچ ہے کہ جس کا کام اسی کو ساجھے اور کرے تو ٹھینگا باجے۔ اصول فقہ کسی فقیہ سے پڑھ لئے ہوتے تو اس جہالت میں مبتلا نہ ہوتے۔

پانچویں حدیث:

مؤلف نے اب آخری روایت نقل کی ہے۔ یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ الغرض صحاح ستہ میں سے پانچ کتابوں میں موجود ہے لیکن کسی کتاب میں جوربین کا لفظ نہیں ہے۔ غیر مقلد رات دن صحاح ستہ کی ہمنوائی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں لیکن یہاں ان سب سے صرفِ نظر کر کے طبرانی کی روایت درایہ سے نقل کر دی ہے، طبرانی کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے، اس نے وھماً یہاں جوربین کا لفظ ذکر کیا ہے، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے موق، جرموق کا لفظ بھی مروی ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کے اوپر سے جرموق یا جرابیں پہن رکھی تھیں، ان پر مسح فرمایا۔ مؤلف کی نقل کردہ روایت میں بھی خفین و الجوربین کے الفاظ ہیں۔ اس روایت نے تو مؤلف کے سارے رسالے پر پانی پھیر دیا کیونکہ اولاً تو اس میں لفظ جوربین شاذ ہے، کتب صحاح کے خلاف ہے، ثانیاً موزے کے اوپر پہنی ہوئی جرابوں کا ذکر ہے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی جوربین کی روایت صحیح ہوتی تو بھی اس میں ان جرابوں پر مسح کا ذکر ہوتا جو موزے کی حفاظت کے لئے اوپر سے پہنی ہوئی ہوں۔

دلیلِ محکم:

اب تھک ہار کر مؤلف کو تلقی بالقبول یاد آئی جو تراویح کی بحث میں بالکل نسیاً منسیا ہوتی ہے لیکن یہ دعویٰ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے کیونکہ امت تخینین کے علاوہ رقیق جرابوں پر مسح کرنے کی ہرگز ہرگز قائل نہیں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ شاید تلقی بالقبول کا کوئی نیا معنی مؤلف کے حاشیہ دماغ میں ہے کہ جس کو کوئی نہ مانے وہی تلقی بالقبول ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام:

مؤلف اس مسئلہ میں نہ نصِ قرآنی پیش کر سکے، نہ حدیثِ متواتر۔ حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔ حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ میں جرابوں کا ذکر ہی نہیں۔ حدیث موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی ضعیف ہے اس کے بعد حدیث انس رضی اللہ عنہ و بلال رضی اللہ عنہ غیر صحاح کی روایت کی طرف آئے لیکن ایک حدیث بھی موافق مدعا نہ مل سکی۔ اب مؤلف یہ ورد کریں:

اے میرے باغِ آرزو! کیسا ہے باغ؟ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو، کوئی کلی کھلی نہیں

ائمہ اربعہؒ کے فتاویٰ:

مؤلف کا دل جانتا تھا کہ پیش کردہ روایات نہ صحیح ہیں، نہ متواتر بلکہ نصِ قرآنی اور احادیثِ متواترہ کے خلاف ہیں، اس لئے اب محض رعب جمانے کے لئے ائمہ اربعہ پر بہتان طرازی شروع کر دی۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ:

امام مالکؒ کا مسلک یہ تھا کہ جن جرابوں پر نیچے اوپر چمڑا لگا ہوا ہو، ان پر مسح جائز ہے لیکن آخر عمر میں اس سے بھی رجوع فرمالیا کہ کسی قسم کی جرابوں پر مسح جائز نہیں (المدونۃ الکبریٰ)

چیلنج:

اگر مؤلف امام مالکؒ کا آخری قول باریک جرابوں پر مسح کا دکھا دے تو ہم ایک ہزار روپے انعام دیں گے۔

امام شافعیؒ:

امام شافعیؒ ثخینین جرابوں پر مسح کے قائل ہیں اور یہ مسلک انہوں نے صاحبین

سے لیا ہے کیونکہ وہ امام محمدؒ کے شاگرد ہیں۔ داؤد صاحب نے سب سے بڑا دھوکہ یہ دیا کہ ان کا مذہب نقل کرنے میں اذا کانا ثخینین کا لفظ چھوڑ گئے (ترمذی ص ۱۴۱ ج ۱)

امام احمد بن حنبلؒ:

امام احمد بن حنبلؒ بھی ثخینین جرابوں پر مسح کے قائل ہیں (ترمذی ص ۱۴۱، ج ۱)۔ ان باریک جرابوں پر مسح کرنے کو امام احمدؒ نے کبھی جائز قرار نہیں دیا۔ مؤلف کا محض بہتان ہے اور نقل مذہب میں خیانت بھی۔

سیدنا امام اعظمؒ:

آپ پہلے صرف دو قسم کی جرابوں پر مسح کرنے کے قائل تھے۔ ثخینین مجلد، ثخینین منعل اور ثخینین سادہ پر بھی مسح کے قائل نہ تھے۔ آخر عمر میں بیماری میں ثخینین پر مسح فرمایا جس کو بعض فقہاء نے دلیلِ رجوع قرار دیا۔ باریک، اونی، سوتی، نیلون وغیرہ کی جرابوں پر یہ ہرگز ہرگز مسح کے قائل نہیں (ہدایہ، شامی، بحر الرائق، کبیری وغیرہ)

علامہ صدر الشریعہ پر بہتان:

مولوی صاحب نے صدر الشریعہ کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا سنت ہے۔ (شرح وقایہ ص ۱۱۱) وہاں مجلد منعل، ثخینین جرابوں کا ذکر ہے اور بس، مؤلف نے یہ عبارت چھوڑ دی ہے۔ جاز بالسنة کا ترجمہ ''سنت ہے'' کرنا جہالت کی انتہاء ہے۔

مولانا عبد الحئیؒ صاحب:

آپ نے عمدۃ الرعایہ ص ۱۰۱ پر صاف لکھا ہے کہ پوری امت کا اتفاق ہے کہ جو جرابیں ثخینین نہ ہوں ان پر مسح جائز نہیں۔ لیکن الزام تراشی کے شوق میں ان پر بھی بہتان لگا دیا۔

متنِ حدیث میں زبردست خیانت:

مولوی صاحب نے ص ...... پر مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۸۰ ج ۱ کے حوالہ سے

حضرت علامہ ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ جو لاپرواہ ہو کر جرابوں پر مسح چھوڑ دے وہ شیطان ہے، حالانکہ یہ صاف جھوٹ ہے، اگر مولوی صاحب وہاں جراب کا لفظ دکھادیں تو ہم دس ہزار روپے انعام بھی دیں گے اور ان کے شیخ الحدیث ہونے کا اقرار بھی کرلیں گے۔ اگر وہ نہ دکھا سکے اور ہرگز ہرگز نہ دکھا سکیں گے (ان شاء اللہ العزیز) تو ہم ان کے حسب کردار کوئی دوسرا لقب اختیار کرنے کی ترغیب دیں گے۔

آخری بات:

مؤلف نے ص ۱۲ پر عنوان قائم کیا ہے: ''باریک جرابوں پر مسح کا ثبوت''۔ یہی عنوان رسالے کا اصل مقصد تھا۔ جھوٹ، خیانت، بہتان اور گالیوں سے کچھ فرصت ملی تو شیخ الحدیث صاحب کو خیال آیا کہ اف اصل مسئلہ تو ابھی اسی طرح میرے اور میری جماعت کے سر پر قرض ہے۔ چنانچہ آپ نے عنوان تو لکھ دیا لیکن دلائل میں نہ کتاب اللہ، نہ سنت رسول اللہ ﷺ، نہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، نہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم، نہ اصحاب خیر القرون، نہ ائمہ اربعہؒ، نہ محدثین صحاح ستہ کسی سے بھی باریک جرابوں کا لفظ پیش نہ کرسکے صرف اور صرف ابن حزم کا قول پیش کیا۔ دوسرے لوگوں کو اقوال الرجال کا طعنہ دینے والے ابن حزم کی تقلید شخصی کرکے خود ہی طعن کا مصداق ٹھہرے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مولوی صاحب وضاحت فرمائیں:

برادران اسلام! اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اس میں مسائل مفصل طور پر موجود ہیں۔ مثلاً مسحِ موزہ کی رخصت شریعت میں ثابت ہے تو اس کے مکمل مسائل بھی کتب حدیث وفقہ میں موجود ہیں مثلاً مسحِ موزہ کی روایات متواتر ہیں۔

۱............مسح موزہ پر اس وقت جائز ہے جب حالت طہارت میں موزے پہنے ہوں۔

۲............مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات تک مسح کرسکتا ہے۔

۳............آپ موزے کے اوپر مسح فرمایا کرتے تھے۔

۴..........آپ مسح کے لئے انگلیاں پنجوں کی طرف سے پنڈلی کی طرف کھینچتے تھے اور موزہ پر مسح کی لکیریں ظاہر ہو جاتیں۔

۵..........حالت جنابت میں آپ موزے اتارتے، غسل کے وقت مسح نہ کرتے۔

مولوی صاحب! مسحِ جوربین کے لئے بھی آپ مندرجہ بالا احکام شرطِ طہارت، مدتِ مسح، مسنون طریق، مسح جراب کن کن چیزوں سے باطل ہو جاتا ہے، مدت مسح ختم ہونے پر کیا کرے؟ جراب اتر جائے تو مسح رہتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے؟ یہ سب حکم صریح صحیح احادیث سے بتائیں، قیاس نہ کریں، اسی طرح مسحِ نعلین کی شرائط، مسح کا حکم شرعی، مسح کا مسنون طریقہ، مسحِ نعلین کی مدت، مسح کن کن باتوں سے باطل ہو جاتا ہے، یہ احادیث صریحہ صحیحہ سے پیش فرمادیں، اگر مولانا صاحب مسحِ جوربین اور مسحِ نعلین کے مکمل احکام صحیح احادیث سے ثابت کر دیں تو ہم مبلغ دس ہزار روپے انعام دیں گے اور اگر وہ ان مسحوں کے احکام صریح احادیث سے نہ دکھا سکے اور ہرگز ہرگز تا قیامِ قیامت نہیں دکھا سکیں گے (ان شاء اللہ) تو پھر مان لیں کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اگر کوئی یہ مسئلہ ہوتا تو اس کے مکمل احکام اسلام میں موجود ہوتے۔ آپ کے مقتدی مسح کی رخصت تو آپ کے رسالہ سے پڑھ لیں گے لیکن مسح کے مفصل احکام کے لئے کس کی قبر پر ماتم کریں گے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین:

کہ وضو میں پاؤں دھونا نص قطعی اور احادیثِ متواترہ اور باجماع امت فرض ہے لیکن:

۱..........مولوی داؤد صاحب یخالفون عن أمره (الآیة) پڑھ رہے ہیں کہ وضو میں پاؤں دھونا امر نبوی ﷺ کے خلاف ہے۔ اس پر ابتلاء فتنہ اور عذاب الیم کی وعید ہے، وہ امر نبوی کونسا ہے؟

۲..........وضو میں پاؤں دھونے کے فرض کو مولوی داؤد صاحب پہلی امتوں کی تکلیف مالا

یطاق قرار دے کر آیت یضع عنهم اصرهم و الأغلال التی کانت علیهم سے منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ کیا واقعی پاؤں دھونے کا حکم تکلیف مالا یطاق ہے اور کیا واقعی یہ فریضہ اصر اور اغلال ہے؟

۳.......... پاؤں دھونے کے بارِ گراں کو مولوی داؤد صاحب ملت بیضاء کا حکم نہیں سمجھتے بلکہ اس کے خلاف قرار دے رہے ہیں۔

۴.......... مولوی داؤد صاحب انما یسر ناه بلسا نك کا معنی یہ کر رہے ہیں کہ اس کے مسائل سہولت پر مبنی ہیں اور وضو میں پاؤں دھونا اس آیت کے خلاف ہے۔

۵.......... ہم اہلِ سنت والجماعت نص قرآنی، احادیثِ متواترہ کے مطابق وضو میں پاؤں دھوتے ہیں لیکن اس فرض کی تعمیل کے جرم میں مولوی داؤد صاحب ہمیں نائی عن الحق (حق سے دور) کہہ رہے ہیں۔ کیا فرائض پر عمل کرنے سے انسان واقعی حق سے دور ہو جاتا ہے؟

۶.......... مولوی داؤد صاحب فرض پر عمل کرنے والوں کو من اتخذ الهه هواه اپنے نفس کا پجاری فرما رہے ہیں، کیا واقعی پاؤں دھو لینے والا نفس کا پجاری ہے؟ پھر یہ بھی فرمائیں کہ نفس کا پجاری سہولتیں تلاش کیا کرتا ہے یا آپ کی مفروضہ مالا یطاق پر مجاہدانہ عمل پیرا ہوتا ہے۔

۷.......... مولوی داؤد صاحب نے نصِ قرآنی اور احادیثِ متواترہ کو علیت صبیان کہہ دیا ہے کیا خدا اور رسول کے متعلق علیت صبیان کا اطلاق جائز ہے؟

۸.......... مولوی داؤد صاحب نے فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی آیت لکھی ہے۔ عبادی سے مراد امت محمد یہ ہے تو ان کا تو اجماع اور اتفاق ہے کہ باریک جرابوں پر مسح جائز نہیں۔ اگر آپ کے نمازی بازار کے مقتدی ہیں تو کیا جنت میں جانے کے لئے بازاری ہونا بھی ضروری ہے؟

اکابر اہلِ حدیث کے فتاویٰ

غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کا فتویٰ:

اونی یا سوتی جرابوں پر مسح جائز ہے یا نہیں، اس کے جواب میں میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں، تفصیل فتاویٰ نذیریہ میں دیکھیں (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۲۷ تا ۳۳۴ ج ۱)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی کا فتویٰ:

یہ (جرابوں پر مسح کا) مسئلہ نہ قرآن سے ثابت ہوا ہے نہ حدیث مرفوع صحیح سے نہ اجماع سے نہ قیاس سے نہ چند صحابہ کے فعل اور اس کے دلائل سے اور غسل رجلین (پیروں کا دھونا) نصِ قرآنی سے ثابت ہے، لہذا خف چرمی (موزہ) کے سوا جراب پر مسح کرنا ثابت نہیں ہے (فتاویٰ ثنائیہ ص ۴۲۳ ج ۱)

غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا فتویٰ:

جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے جواز پر کوئی صحیح دلیل نہیں (فتاویٰ ثنائیہ ص ۴۲۳ ج ۱)

غیر مقلدین کی نماز:

بازاری مولوی نے آخری ورق پر اپنی گندی تہذیب کا مظاہرہ کیا ہے جس میں شافعی اور حنفی نماز کا مقابلہ کیا ہے، حالانکہ اس واقعہ کی تاریخی حیثیت الف لیلیٰ سے زیادہ نہیں لیکن ملاجی اس کو صحیفہ آسمانی سمجھ رہے ہیں تو ان سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کے خیال کے موافق سلطان محمود غزنوی کو حدیث کی جستجو کا شوق ہوا تو ان کو اپنی وسیع ترین سلطنت میں

کوئی غیر مقلد کیوں نہ ملا جس سے وہ حدیث کی تحقیق کرتے۔ معلوم ہوا شاہی وسائل جستجو کے موافق بھی اس دور میں غیر مقلد ایک نایاب جنس تھی، اس سے بڑھ کر حیرانی یہ ہے کہ سلطان محمود کو فقہ کی کتابوں کے ترجمہ کے لئے ایک عربی دان عیسائی تو مل گیا لیکن کوئی غیر مقلد نہ مل سکا۔ مولوی صاحب! سلطان محمود غزنویؒ کی وسیع سلطنت میں کوئی ایک آدھ غیر مقلد ہی تلاش کر لیتے۔ آپ نے تو یہ واقعہ لکھ کر اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ اسلامی حکومتوں میں غیر مقلدیت کے کھوٹے سکے ہرگز رائج نہ تھے، یہ تو خاص برطانوی ٹکسائل پر ڈھلے ہیں پھر آپ یہ بتائیں کہ غزنی شروع سے آج تک فقہ حنفی کا گہوارہ رہا ہے، سلطان محمود غزنویؒ نے کون سی کتاب فقہ حنفی کے خلاف لکھوائی؟ پاک و ہند میں محمود غزنویؒ نے جو نائب چھوڑے وہ سب کے سب حنفی تھے۔ اس تواتر کے خلاف مولوی صاحب یوسف زلیخا، الف لیلیٰ جیسے افسانوں کو جزو ایمان سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس واقعہ کے آخری نتیجہ میں مولوی صاحب نے غیر مقلدیت کو بالکل دفن کر دیا، وہ لکھتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی عامل بالحدیث شافعی مذہب کے عامل بن گئے (ص ۱۸)۔ خوب فیصلہ فرمایا کہ مذہب شافعی کے مقلد نہ مشرک ہیں اور نہ بدعتی بلکہ عامل بالحدیث ہیں۔ مذہب کی نسبت بھی مجتہد کی طرف جائز ہوگئی، مجتہد کی تقلید عمل بالحدیث قرار پائی اسی کو کہتے ہیں:

ہوا مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

بہرحال یہ بات تو روز روشن کی طرح صاف ہوگئی کہ انگریز کے دور سے پہلے تمام مسلمان اہلِ سنت والجماعت تھے اور اصحاب مذہب تھے، لامذہب (غیر مقلد) کوئی نہ تھا۔ اب چونکہ دور غلامی کی یادگار سامراج کا تحفہ (غیر مقلدین) بھی یہاں موجود ہیں، اس لئے ان کی نماز کا نقشہ بھی پیش کیا جاتا ہے، لیکن اس سے پہلے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ غیر مقلدین کی پہچان کیسے ہو؟ کیونکہ بے دلیل دعویٰ تو مانا نہیں جا سکتا۔ اس لئے سب سے پہلے تو غیر مقلد کی پہچان یہ ہے کہ وہ پہلے بجو کے کباب، مینڈک کا اچار، گوہ کا قیمہ، خارپشت کا

شوربا، منی کا کسٹرڈ استعمال کرے تو اس دلیل سے اس کا غیر مقلد ہونا معلوم ہو جائے گا پھر وہ گائے کے پیشاب سے وضو کرے، نماز پڑھنے کی جگہ پر مردار کتے کی انتڑیاں بچھالے، خنزیر کی غیر مدبوغ کھال کو بطور لباس پہن لے، منہ پر منی کا میک اپ اور کتے کے خون کی سرخی لگالے، جسم پر نجاست کا آئل مل لے تا کہ مچھر اور مکھیوں کی دعوت کا سامان مکمل ہو جائے، پھر ننگے سر، پاؤں کم از کم تین فٹ چوڑے کر کے کھڑا ہو جائے، سر ننگا ہو، سر اور داڑھی میں کم از کم ڈھیڑ سیر دھول ہو، وقت سے پہلے ہی بغیر نیت کے نماز میں کھڑا ہو، کہنیوں کو کندھے کے ساتھ ۹۰ درجے کا زاویہ بنا کر ہاتھوں کو چھاتیوں کی طرف اٹھا کر گلے کے قریب رکھ لے، لیکن فوراً ایک ہاتھ سے ناک کے چوہے نکالنا شروع کر دے، دوسرے ہاتھ سے جسم کے اعضاء مخصوصہ کی خارش کو سہلاتا ہوا اور اپنی مخوض کٹا قرأت سے قرآن پڑھے، ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے رکوع میں جائے، تسبیحات کی بجائے اردو زبان میں مقلدین کو گالیاں اور بددعائیں دے، پھر سجدوں میں بھی تسبیحات کی بجائے پنجابی زبان میں برطانیہ سامراج کے لئے دعائیں کرے۔ دوسری رکعت میں پاؤں مزید چوڑے کر کے مسجد کا محراب بنائے۔ نماز کے آخر میں بھی سلام سے پہلے پنجابی میں مقلدین حنفیہ کو بددعائیں اور مقلدین حنبلیہ کے لئے دعائیں کرے۔ پھر سامنے کی طرف ایک سلام کرے اور بغیر دعا کئے ہوئے علامہ شامیؒ اور صاحب ہدایہؒ پر تبرا بازی شروع کر دے اور حنفی مسلمانوں کو ایک ہی سانس میں کافر، مشرک، جہنمی، من حرامی، بدعتی کہتا چلا جائے اور آخر میں بازار میں کھڑا ہو کر غیر مقلدیت کی جے پکارے۔ پھر اس عیسائی کو تلاش کرے تا کہ ہم بھی غیر مقلدوں کی کتابوں کا ترجمہ اسی سے بازاری ملاجی کو سنائیں۔ بہر حال ہم ان حوالہ جات کی مکمل ذمہ داری قبول کرتے ہیں جس کو وقت آنے پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

کچھ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں:

مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ علامہ شامی نے لکھا ہے:

فلعنة ربنا أعداد رمل
على من رد قول أبي حنيفة

ترجمہ: ریت کے ذروں کے برابر اس پر لعنتیں ہوں جو امام ابوحنیفہ کی بات کو رد کر دیتا ہے (ص ۱۴)

مؤلف نے اس شعر کو علامہ شامیؒ کا شعر قرار دیا ہے، حالانکہ یہ شعر نہ علامہ شامیؒ کا ہے، نہ شامی میں ہے۔ یہ شعر ایک نظم کا آخری شعر ہے جو امام اعظمؒ کے بارے میں کہی گئی ہے اور صاحب درمختار نے اس کو نقل فرمایا ہے۔ یہ نظم حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ کی ہے۔ یہ عبداللہ بن مبارکؒ وہ بزرگ ہیں جن کو بہتانی مولوی صاحب نے جرابوں پر مسح کرنے کے گواہوں میں شمار کیا ہے، ان کے قول سے ثخینین کی قید پر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے (ص ۵)۔ علامہ ذہبیؒ ان کو الامام، العلامہ، الحافظ، شیخ الاسلام، فخر المجاہدین، قدوۃ الزاہدین لکھتے ہیں (تذکرہ ص ۲۵۳ رج ۱)، علامہ نوویؒ شافعی فرماتے ہیں: ''ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے، وہ تمام چیزوں میں امام تھے۔ ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کی محبت کی وجہ سے بخشش کی توقع کی جاتی ہے۔ ابن سعد ان کو مقتدا، حجت اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔'' (تہذیب الاسماء ص ۲۸۵ رج ۱) مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں: وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے (تحفۃ الاحوذی ص ۲۲ رج ۱)

ہم پہلے عبداللہ بن مبارکؒ کی پوری نظم مع ترجمہ و مختصر تشریح عرض کرتے ہیں۔
حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں:

لقد زان البلاد و من عليها
امام المسلمين أبو حنيفة
بأحكام و آثار و فقه
كآيات الزبور على الصحيفة

ترجمہ وتشریح:

دنیا بھر کو سب مسلمانوں کے امام ابو حنیفہؒ نے مزین فرما دیا ہے کیونکہ دنیا کی ساری بہار اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ نے احکام شرعیہ کو ایسی ترتیب سے اور اتنی جامعیت سے جمع فرما دیا ہے کہ تمام عبادتیں، تمام حکومتیں تمام عدالتیں، تمام معاملات اس فقہ کے موافق چل رہے ہیں جس سے جہالت اور فساد کی تاریکیاں ختم ہو کر دین کی مکمل بہار قائم ہوگئی ہے اور علم حدیث میں بھی سب سے پہلی کتاب کتاب الآثار آپ ہی کی لکھوائی ہوئی ہے اور عقائد کی درستگی کے لئے بھی آپ نے فقہ اکبر لکھ کر امت میں اٹھنے والے سب فتنوں کا خاتمہ کر دیا۔ آپ نے دین الٰہی کو زبور کی آیات کی طرح چمک دار فرما دیا ہے۔ یہ شعر اس حدیث پاک کا ترجمہ ہے جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی زینت ۱۵۰ھ میں اٹھ جائے گی۔ اسی سن میں امام صاحبؒ کا انتقال ہوا، اس حدیث کے مطابق آپ زینت قرار پائے۔

فما فی المشرقین له نظیر
و ما فی المغربین و لا بکوفة
یبیت شمرأ سهر اللیالی
و صام نهاره لله خیفة

ترجمہ وتشریح:

امام اعظم ابو حنیفہؒ ایسے بے مثل امام ہیں کہ ہم نے مشرق ومغرب کو چھان مارا لیکن آپ کی نظیر کہیں نہ مل سکی اور نہ ہی دار العلم کوفہ میں آپ جیسا کوئی اور ہے، آپ نے علمی میدان میں وہ کام کیا جس کی نظیر نہیں لیکن آپ صرف علم ہی نہیں عمل کے بھی آدمی ہیں، آپ نے سالہا سال تک شب بیداری فرمائی اور صائم الدہر رہے یعنی ہمیشہ روزہ رکھتے اور یہ عبادت ریاکاری کے لئے نہ تھی بلکہ محض اخلاص اور خوف الٰہی سے تھی۔ ان اشعار میں امام

عبداللہ بن مبارکؒ نے امام صاحب کے کمال علم اور کمال اخلاص کا بیان فرمایا ہے۔

وصان لسانہ من کل افک
وما زالت جوارحہ عفیفة

ترجمہ وتشریح:

آپ نے اپنی زبان کی ہر گناہ سے حفاظت فرمائی اور آپ کے تمام اعضاء ساری عمر گناہ تو کجا شبہات سے بھی پاک رہے، آپ ایسے عفیف اور پاک باز تھے۔

یعف عن المحارم و الملاھی
و مرضاة اللہ لہ وظیفة

ترجمہ وتشریح:

ہر قسم کے محارم اور ملاہی سے محفوظ رہے اور آپ کا کمال صرف سلبی ہی نہ تھا بلکہ ہمیشہ رضائے الٰہی ان کی زندگی کا وظیفہ رہی۔ ان اشعار میں آپ کی کمال ورع اور رضا بالقضاء کا بیان ہے۔

فمن کابی حنیفة فی علاہ
امام للخلیقة و الخلیفة

ترجمہ وتشریح:

امام صاحب کے درجات عالیہ تک کس کی رسائی ہو سکتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے نائب، آپ ﷺ کے دین کے شارع، آپ ﷺ کے مزاج شناس وارث ہیں اور بعد میں آنے والی مخلوقات کے امام ہیں۔ آپ تمام علوم دینیہ کی ترتیب وتدوین میں قطب مدار ہیں۔

رأیت العائبین لہ سفیھاً
خلاف الحق مع حجج ضعیفة

ترجمہ وتشریح:

امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظمؒ پر نکتہ چینی کرنے والوں کو پرلے درجے کا بیوقوف پایا ہے، وہ لوگ محض اوہام فاسدہ سے حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔ امام حسن بن ہانی کیا خوب فرماتے ہیں۔ انہوں نے کسی کو امام صاحبؒ پر نکتہ چینی کرتے سنا تو فرمانے لگے: او مضبوط پہاڑ کو سر مار کر زخمی کرنے کا ارادہ کرنے والے! یاد رکھ مضبوط پہاڑ تو زخمی نہیں ہوگا، ہاں تیری کھوپڑی کے ٹکڑے تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکیں گے۔

کیف یحل أن یوذی فقیه

له فی الأض آثار شریفة

ترجمہ وتشریح:

امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: کسی حال میں بھی کسی فقیہ کو ایذا پہنچانا جائز نہیں کیونکہ اگر وہ صواب پر ہے تو دو اجر کا مستحق ہے اور اس کی خطا پر بھی اجر ہے، زمین پر اس کی باقیات صالحات صدقہ جاریہ کی شکل میں محفوظ ہیں، جن کا ثواب ان کو ہر لمحہ پہنچ رہا ہے۔ علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے امام اعظمؒ پر نکتہ چینی کی۔ میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ ایک فلک بوس پہاڑ ہے جو سراپا نور ہے اور اس کی نورانی شعاعیں مشرق ومغرب، شمال وجنوب کو بقعۂ نور بنا رہی ہیں، اتنے میں ایک چھوٹا سا پتنگا آ کر اس پہاڑ سے ٹکرانے لگا، اس کے پر ٹوٹ گئے اور وہ خاک میں مل گیا لیکن پہاڑ اور اس کی نورانیت میں کچھ فرق نہ آیا۔ علامہ فرماتے ہیں وہ نورانی پہاڑ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ تھے۔

و قد قال ابن ادریس مقالاً

صحیح النقل فی الحکم اللطیفه

ترجمہ وتشریح:

اب امام عبداللہ بن مبارکؒ اپنے سابقہ بیان پر شہادت پیش کرتے ہیں کہ فن حدیث اور اجتہاد کے امام حضرت امام شافعیؒ نے بڑی پر لطف بات فرمائی ہے۔

بأن الناس فی الفقه عبال
علی فقه الامام أبی حنیفه

ترجمہ وتشریح:

کہ تمام لوگ دینی بصیرت میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کی دینی بصرت کے سامنے محض طفل نابالغ ہیں، یعنی جس طرح باپ اصل ہوتا ہے اور اولاد باوجود اختلاف مزاج کے بھی اس کی نسل ہوتی ہے، اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کی دینی بصیرت بعد میں آنے والوں کے لئے اصل ہے اور لوگوں کی بصیرت اس کی نقل ہے، امام شافعیؒ نے اس میں امام صاحبؒ کی جامعیت کو بیان فرمایا ہے۔ تمام بعد میں آنے والے محدثین کا سلسلۂ سند امام اعظم ابو حنیفہؒ کے تلامذہ پر ختم ہوتا ہے۔ فقہ میں امام مالکؒ بھی امام صاحبؒ کی فقہ پر فتویٰ دیتے رہے۔ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے اونٹ کے بوجھ کے برابر علم حاصل کیا۔ امام احمدؒ نے حدیث وفقہ میں امام صاحبؒ کے تلامذہ سے کسب فیض فرمایا۔ امام بخاریؒ نے بھی فقہ حنفی سے استفادہ فرمایا۔

فلعنة ربنا أعداد رمل
علیٰ من رد قول أبی حنیفة

ترجمہ وتشریح:

امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں: اس پر ریت کے ذروں کے برابر لعنت ہو جو امام ابو حنیفہؒ کے ان فتاویٰ شرعیہ کو رد کرے جو آپ نے کتاب وسنت سے اخذ کئے ہیں، کیونکہ فتاویٰ شرعیہ کو رد کرنے والا خدا کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے، اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو فتاویٰ شرعیہ کو حقیر سمجھ کر رد کر دیتے ہیں۔ آج کل بھی جیسے بعض لوگ کتاب وسنت کے احکام کو مولوی کا مسئلہ یا ملا ازم کہہ کر رد کر دیتے ہیں، اگرچہ وہ بظاہر نام مولوی اور ملا کا لیتے

ہیں لیکن دراصل احکامِ کتاب وسنت کو رد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اس زمانہ میں نعیم بن حماد وغیرہ چند ایسے لوگ تھے جو امام اعظمؒ کے خلاف جھوٹے الزام تراشتے اور ضد میں اتنے آگے نکل گئے تھے کہ فقہ حنفی کے خلاف جھوٹی حدیثیں بناتے تھے۔ جو شخص دین میں جھوٹی حدیثیں بنائے اور کتاب وسنت کے صحیح مسائل کو قولِ امام کہہ کر رد کرے، وہ کس طرح رحمت کا مستحق ہوسکتا ہے؟ ورنہ آپ سے محض اختلافِ فہم رکھنے والے اس شعر کے مصداق نہیں۔

امام بخاریؒ کے شاگرد محدث ابو عمر بن خفاف اپنے استاذ امام بخاریؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ سے بیس (۲۰) گنا زیادہ حدیث دان تھے۔ جو شخص امام بخاریؒ کے متعلق ذرہ بھر بات کرے اس پر ایک ہزار لعنت (تہذیب التھذیب)۔ غیر مقلد حضرات سے پرسوز اپیل ہے کہ تم لوگ اگر امام عبداللہ بن مبارکؒ کا شعر ہر کتاب اور ہر تقریر میں بیان کرتے ہو، ہر طالب علم کو رٹواتے ہو تو محدث خفاف کی عبارت بھی رٹواؤ۔ اس کو صرف محدث خفاف کی عقیدت نہیں بلکہ محدثین کا عقیدہ کہو۔ پھر امام مسلمؒ نے جو کچھ امام بخاریؒ کے متعلق فرمایا ہے، اس پر فتوے چسپاں کرو کہ امام مسلمؒ، امام حاکمؒ، امام ذہلیؒ کی متعلق محدثین کا کیا عقیدہ ہے؟ خود مؤلف نے لکھا ہے کہ بخاری پر اعتراض تو کوئی بد بخت ہی کرسکتا ہے (ص ۵)۔ اب ظاہر ہے کہ ان لعنتوں اور بد بختیوں کا مستحق وہی شخص ہے جو امام بخاریؒ کے خلاف از راہ بغض وعناد زبان درازی کرے نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے دیانت داری سے امام بخاریؒ سے علمی اختلاف کیا۔ مثلاً:

۱.........امام مسلمؒ نے مقدمہ صحیح مسلم میں امام بخاریؒ سے سخت اختلاف کیا ہے۔

۲.........ابن ابی حاتم کے والد جن کو مؤلف نے امام الجرح والتعدیل لکھا ہے (ص ۷) انہوں نے ایک مستقل کتاب میں امام بخاریؒ کے تاریخی اوہام کو جمع فرمایا ہے۔

۳.........اسی طرح علامہ ابن جوزیؒ نے امام بخاریؒ پر کئی علمی اعتراض کئے ہیں۔

۴.........امام حاکمؒ نے بخاریؒ پر استدراک کیا ہے۔

۵.........امام بخاریؒ معاصرت کی بجائے لقاء کو شرط قرار دیتے ہیں، جمہور محدثین نے ان

کی بات کورد کر دیا ہے۔

۶.........امام بخاریؒ حسن حدیث کو حجت نہیں سمجھتے، جمہور علماء ان سے اتفاق نہیں رکھتے۔

۷.........امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ بیوی سے صحبت کرے اور انزال نہ ہوتو غسل فرض نہیں لیکن امت کا اجماع اس کے خلاف ہے۔

۸.........امام بخاریؒ صحیح بخاری ص ۲۸ پر فرماتے ہیں: لا یمسح علی النعلین۔ ''جوتوں پر مسح جائز نہیں'' اور مؤلف نے پورا رسالہ اس کے خلاف لکھ مارا ہے، رسالے کا عنوان ہی پڑھ لیجئے۔

۹.........امام بخاریؒ کتے کو پاک کہتے ہیں (حاشیہ بخاری ص ۲۹)۔ جبکہ مؤلف جلد مدبوغ کا بھی خاکہ اڑا رہا ہے۔

۱۰.........صحیح بخاری میں ہے کہ جس مرد، عورت پر غسل فرض ہے وہ قبل غسل قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے ہیں۔

۱۱.........بخاری میں گندگی پر نماز کا جواز مذکور ہے، جس پر آپ کا عمل نہیں۔

۱۲.........بخاری میں بیوی کی دبر زنی کو قرآنی حکم کہا گیا ہے، خدا جانے مؤلف اس رخصت پر عمل نہ کرنے والوں کو بھی وہی ۲۲ گالیاں سنائیں گے۔

ہدایہ شریف:

مؤلف نے قرآن پاک میں تحریفات کیں، احادیث کی اسانید و متون میں چور بازاری کو روا رکھا، ائمہ مذاہب کے دروازوں پر کاسہ گدائی لے کر حاضر ہوا، مقلدین سے بھیک مانگی لیکن جس در پر گیا وہاں سے ناکام لوٹا، آخر اپنی جبلی عادت اشتعال انگیزی پر اتر آیا۔ بیہودانہ قطع و برید کر کے ہدایہ سے حوالہ نقل کیا، پھر بڑے طمطراق سے لکھا ہے: ''یہ حوالہ اس مقدس کتاب کا ہے جسے بعض غالی حنفی قرآن پاک کے برابر جانتے ہیں''

الهداية كالقرآن قد نسخت

ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

ہدایہ قرآن پاک کی طرح ہے۔اس نے شریعت کی سابقہ کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے (العیاذ باللہ)۔کیا اب بھی ہدایہ شریف کو ماننے سے انکار ہو سکتا ہے۔دیدہ باید (ص ۱۵)

الجواب:

جناب من ہم ہدایہ کا انکار نہیں کرتے۔ہدایہ لے آئیں،اگر اس میں باریک رقیق جرابوں پر مسح کا جواز دکھا دیں تو ہم آپ کو دس ہزار روپے انعام دیں گے۔کیا دنیا میں کوئی باغیرت غیر مقلد ہے جو اپنے بازاری امام کو ہمارے سامنے لائے تا کہ ہم اس کی یہودیانہ تحریفات کا پردہ چاک کر سکیں۔رہا شعر کا ترجمہ تو اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔''بے شک ہدایہ نے ان کتابوں سے بے نیاز کر دیا ہے جن کو فقہاء نے اس سے پہلے تصنیف کیا تھا جیسے قرآن پاک نے پہلی کتابوں کو منسوخ کر کے ان سے بے نیاز کر دیا ہے۔''

پہلی خیانت:

مولوی صاحب نے پہلی بے ایمانی تو یہ کی کہ شعر میں صنفوا کا لفظ ہے جس کا معنی تصنیف کرنا ہے،اس لفظ کا ترجمہ مولوی صاحب نے نہیں کیا کیونکہ اس کا ترجمہ کرنے سے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی تھی۔قرآن پاک کسی کی تصنیف نہیں بلکہ تنزیل ہے۔کتب احادیث کے مجموعے بھی تصنیفات نہیں بلکہ تالیفات ہیں،ہاں کتب فقہ تصنیفات ہیں،اس شعر میں ہدایہ کی برتری کتبِ فقہ پر ظاہر کی گئی ہے۔

دوسری خیانت:

نسخ کا معنی کسی کے خاتمہ کی مدت بتانا ہوتا ہے۔ہدایہ کی تصنیف سے پہلے کئی فقہ کی کتابیں داخل نصاب تھیں۔ہدایہ جیسی جامع کتاب کو ایسا قبول عام حاصل ہوا کہ تمام دنیا کے مدارس میں نصاب فقہ کی آخری کتاب کا مقام اس کو نصیب ہوا۔ہدایہ کے بعد کسی کتاب کو داخل نصاب کرنے کی ضرورت نہیں جو ہدایہ کے بعد پڑھائی جا سکے اور ہدایہ کو نصاب

کے آخری درجہ میں ایسا قبول عام حاصل ہوا کہ حنفی مدارس سے گزر کر غیر مقلدین کے ہاں بھی فقہ کی آخری کتاب ہدایہ ہی داخل نصاب ہے۔ بلکہ امریکہ، برطانیہ وغیرہ میں لاء کالجوں میں بھی ہدایہ داخل نصاب ہے۔ جس طرح قرآن پاک کے آنے سے پہلے تورات، زبور، انجیل داخل نصاب تھیں لیکن قرآن پاک نے ان سے بالکل بے نیاز فرمادیا، اب ہر جگہ قرآن پاک ہی کو قبول عام ہوا ہے۔ منسوخ کا معنی یہاں مٹانا نہیں ہے کیونکہ ہدایہ نے خود سارا مواد کتب سابقہ سے ہی لیا ہے۔

تیسری خیانت:

بہتانی مولوی صاحب نے کالقرآن کی تشبیہ کو برابری کے معنی میں لیا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ محدث ابوشامہ نے علامہ شاطبی کے متعلق یہ فرمایا ہے:

رأيت جماعة فضلاء فازوا

برؤية شيخ مصر شاطبي

وكلهم يعظمه ويثني

كتعظيم الصحابة للنبي

"میں نے فضلاء کی جماعت کو دیکھا جو شیخ شاطبیؒ کی زیارت سے بامراد ہوئے، وہ سب اس کی ایسی تعظیم کرتے تھے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔"

کیا مولوی صاحب محدث ابوشامہؒ کی اس عقیدت کو تمام محدثین کا عقیدہ بھی قرار دیں گے؟ آئندہ ہر غیر مقلد اپنی تحریر وتقریر میں شاطبی کالنبی شاطبی محدثین کا نبی، شاطبی نبی کے برابر کا معاذ اللہ راگ الاپے گا؟

آخری گزارش:

ہم نے پمفلٹ کے آخر میں عوام اہل حدیث (غیر مقلدین) سے استدعا کی تھی کہ اگر آپ کے دل و دماغ قرآن وسنت کی پیروی سے سرشار ہیں تو جرابوں پر مسح چھوڑ

دیں، ایسا کرنا قرآن وسنت کے بالکل خلاف ہے اور آپ کے بزرگ علماء کے فتاویٰ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ بفضلہ اس اپیل کا خاصا اچھا اثر ہوا، چنانچہ ہمارے علم میں ہے کہ بہت سے اہلِ حدیث (غیر مقلدین) احباب نے اپنے بزرگوں کے فتاویٰ سے متاثر ہو کر جرابوں پر مسح کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مولوی صاحب جیسی ذہنیت کے مالک سے ایسی امید لگانا ایک فضول بات ہوگی مگر جماعت کے عام دوستوں سے مکرر عرض ہے کہ قرآن وسنت کے حقائق سے آگاہ ہونے کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ آپ ایک غلط روش پر چلتے رہیں اور اپنے ہی اکابر کے بیانات کی پیروی کو تقلید اور گمراہی کا عنوان دے کر دور بھاگ جائیں مگر اصاغر کے پھیلائے ہوئے جال میں ہمیشہ کے لئے پھنس کر رہ جائیں۔

شرائطِ مناظرہ

(موضوع مکمل نماز)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم اہل سنت والجماعت چار دلائل شرعیہ مانتے ہیں، جو بالترتیب یہ ہیں:

۱- کتاب اللہ ۲-سنت رسول اللہ ﷺ، ۳-اجماعِ اُمت، ۴-اجتہادِ مجتہد۔

اور ہم حنفی اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی کے مفتیٰ بہا اقوال کے پابند ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک فرقہ اہل قرآن کہلاتا ہے، جس کا دعویٰ یہ ہے کہ زندگی کے تمام مسائل قرآن پاک کی صریح نصوص سے ثابت ہیں، اس لئے نہ سنت رسول ﷺ کی ضرورت ہے نہ اجماعِ امت اور نہ اجتہاد کی۔ ہم اُن سے یہ کہتے ہیں کہ نماز جو ارکانِ اسلام میں سب سے اہم ہے اس کی تمام شرائط، ارکان، واجبات، سُنن، مستحبات، مُباحات، مکروہات، مفسدات، تعدادِ رکعات وغیرہ کے ہر ہر جزئی مسئلہ کو قرآن پاک کی نصوص صریحہ سے ثابت کر دیں۔ لیکن وہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، جس سے ان کے دعویٰ کا جھوٹا ہونا آفتابِ نیمروز کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا فرقہ ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتا ہے، جس کا دعویٰ ہے کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں، اس لئے اُمت کا اجماع یا اُمتی مجتہد کا اجتہاد نہیں مانتے، پس فقہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے ہم ان سے بھی یہی مطالبہ کر کے کہتے ہیں کہ مکمل نماز کی شرائط، ارکان، واجبات، سنن مؤکدہ، مستحبات، مباحات، مکروہات،

مفسدات، تعدادِ رکعات اور احکام تمام کامل جزئی جزئی قرآن پاک اور احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت کر دیں اور ایسی احادیث پیش فرمائیں جن کے معارض کوئی دلیل شرعی نہ ہو۔ اگر وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے تو ان کا دعویٰ عمل بالحدیث ایسے ہی باطل ہوگا جیسے فرقہ اہل قرآن کا دعویٰ عمل بالقرآن غلط ہے۔ ان ہر دو فریق کے دعووں کے غلط ثابت ہونے کے بعد ہم ان شاء اللہ العزیز ادلہٗ اربعہ سے اپنی مکمل نماز ثابت کریں گے۔

نوٹ : چونکہ غیر مقلدین ائمہ اربعہ کو اربابًا من دون اللّٰہ میں شامل سمجھ کر اُن کو مصداق اُن احبار و رُھبان کا قرار دیتے ہیں جن کے بارہ میں قرآن پاک نے اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (حرام خور) سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ (جھوٹے) فرمایا ہے۔ اور اُن کی فقہ کو مصداق یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰہِ کا بتاتے ہیں۔ اور ان کے مقلدین کو مثل ابوجہل کے مشرک اور مثل یہود و نصاریٰ کے گمراہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ جو آیات ان کی تقلید کے رد میں نازل ہوئیں وہ ان پر چسپاں کرتے ہیں۔ اس لئے وہ ائمہ اربعہ یا ان کے مقلدین کی کتابوں سے استدلال کے مجاز نہیں ہوں گے، بلکہ ایسی کتاب سے احادیث پیش کریں گے جس کے مؤلف نے اس اپنی کتاب میں صراحتًا اپنا عقیدہ یوں بیان کیا ہو کہ میں ائمہ اربعہ کو مثل آباء مشرکین اور مثل احبار و رُھبان یہود و نصاریٰ اور ان کے مقلدین کو مثلِ ابوجہل و یہود و نصاریٰ سمجھتا ہوں۔

شرائط : حضرات غیر مقلدین اپنے مسلک کا سب سے بڑا امتیاز یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم دین کے بارہ میں خدا اور رسولِ خدا ﷺ کے بغیر کسی غیر معصوم اُمتی کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے ان حضرات کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ہر مسئلہ کا

(۱) جو حکم مع تعریف فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح، مکروہ، حرام بیان کریں، وہ کسی غیر معصوم اُمتی کی بجائے حدیث صحیح صریح غیر معارض سے بیان کریں۔

(۲)　کتب حدیث میں درجہ بندی بھی کسی اُمتی کے قول کی بجائے نبیٔ اقدس ﷺ کی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے ثابت کریں۔

(۳)　جو احادیث پیش ہوں اُن کا صحیح یا ضعیف ہونا بھی اُمتی کے قول کی بجائے نبی معصوم ﷺ کی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے دکھائیں۔

(۴)　دورانِ بحث اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر، اصولِ فقہ یا صرف ونحو کا کوئی قاعدہ یا جرح وتعدیل کا کوئی اصول بیان کریں تو کسی غیر معصوم اُمتی کے قول کی بجائے رسولِ معصوم ﷺ کی صحیح صریح غیر معارض مرفوع غیر مجروح حدیث سے ثابت کریں۔

(۵)　کسی راوی کا ثقہ یا ضعیف ہونا یا احادیث میں تطبیق وترجیح کے سلسلہ میں بھی قولِ اُمتی کی بجائے نبی معصوم ﷺ کی صریح حدیث پیش کریں۔

(۶)　حضرات غیر مقلدین اپنا دوسرا امتیاز سند بتایا کرتے ہیں۔اس لئے لغت، اصولِ حدیث، اصولِ فقہ، صرف ونحو، اسماء الرجال اور آیاتِ قرآنی جو بھی پیش کریں گے پوری سَند اور توثیق روایت کے ساتھ پیش کریں گے۔

(۷)　اگر کسی موقع پر بھی دورانِ بحث غیر مقلد مناظر نے کسی اُمتی کی طرف رجوع کیا یا کوئی چیز بغیر سند کے پیش کی تو پہلی دفعہ اُسے تحریری معافی نامہ لکھنا ہوگا۔اور دوسری دفعہ اس کی شکست کا اعلان کر دیا جائے گا۔کیونکہ اس نے اپنا مسلک چھوڑ کر غیر معصوم اُمتیوں کے اقوال اور بے سند کتابوں کی پناہ لی ہے۔

(۸)　اگر کوئی غیر مقلد عالم مندرجہ بالا شرائط میں سے کسی شرط کا غلط ہونا قرآن پاک کی آیت یا حدیث صحیح صریح سے ثابت کردے گا تو ہم اس شرط کو غلط مان کر کاٹ دیں گے۔

(۹)　ہم اہل سنت والجماعت چونکہ ہر فن میں اُس فن کے ماہر کی بات تسلیم کرتے ہیں، اس لئے غیر مقلدین کے بعد ہم اپنی باری میں ان ماہرین کے ارشادات بھی پیش کریں

گے، یعنی کر سکیں گے۔

(۱۰) غیر مقلد مناظر زیرِ بحث مسئلہ کے متعلق تمام احادیث پیش کرنے کا پابند ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ بعض احادیث بیان کرے اور بعض کو چھپائے۔

(۱۱) مسئلہ پر مناظرہ کا کل وقت دو گھنٹے ہوگا۔

(۱۲) ہر تقریر پانچ پانچ منٹ کی ہوگی۔

(۱۳) ہر فریق کی تقریریں برابر ہوں گی۔

(۱۴) مقام مناظرہ بالکل غیر جانب دار ہوگا، جو مقامی کمیٹی طے کرے گی۔

(۱۵) صاحبِ مکان فریقین کو مناظرہ کا تحریری اجازت نامہ دے گا۔

(۱۶) فریقین کے آدمی برابر شریک ہوں گے، جن کا مکمل پتہ تحریر کیا جائے گا اور ہر فریق کا ایک صدر اُن کی ذمہ داری لے گا۔

(۱۷) منصف فریقین کے مسلّمہ ہوں گے اور وہ فیصلہ تفصیلی لکھیں گے کہ مدعی کے کل اتنے دلائل تھے، اتنے منع، اتنے نقض، اتنے معارضہ کی نذر ہو گئے اور اتنے دلائل منع نقض اور معارضہ سے سالم رہے اور اتنے موضوع سے متعلق سوالات کا جواب نہیں دے سکے۔

تصویر کے دورُخ

(اہل سنت والجماعت اور غیر مقلدین)

اہل سنت والجماعت ایک ایسی جماعت ہے جس کے پاس تعمیری پروگرام ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ملک میں دورِ برطانیہ کی باقیات سے دو فرقے ہیں، جن کا مقصد اہل سنت والجماعت عوام کے دل میں وسوسے پیدا کر کے ان کو دینِ حق سے بیزار کرنا ہے۔ ان میں سے ایک فرقہ نے اپنا نام اہل قرآن رکھا ہوا ہے۔ ان کا پروپیگنڈہ یہ ہے کہ احادیثِ نبویہ ﷺ سراسر خلافِ قرآن ہیں۔ ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ ہم حدیث شریف کی کتاب سے ترتیب وار ایک ایک حدیث پڑھتے ہیں، آپ ہر ہر حدیث صحیح کے خلاف ایک ایک آیت قرآنی پیش کرتے جائیں جس کا معنی صراحتاً اُس حدیث کے خلاف ہو۔ تو وہ حدیث شریف کی کتاب کا ایک صفحہ بھی اس طرح خلافِ قرآن ثابت کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ پھر یہ کہنا شروع کرتے ہیں کہ سب احادیث تو نہیں! ہاں اکثر احادیث قرآن پاک کے خلاف ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آیئے اسی دعویٰ کو ثابت فرمائیں، ہم دس صفحات حدیث کی کتاب کے پڑھتے ہیں، آپ ہر ہر حدیث پر جو حدیث قرآن کے موافق ہو اس کے موافق ایک ایک آیت پیش کرتے جائیں اور جو جو حدیث قرآن پاک کے خلاف ہو اس کے خلاف ایک ایک آیت پیش کرتے جائیں تو وہ ہرگز ہرگز اس پر بھی تیار نہیں ہوتے۔ محض اپنی کج فہمی کی بناء پر لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں، اور دوسرے فرقہ نے اپنا نام اہل حدیث رکھا ہوا ہے، یہ فرقہ ایسا بزدل فرقہ ہے کہ ان کے اصل مدمقابل منکرین حدیث

ہیں۔ لیکن یہ فرقہ اُن سے بحث کرنے سے (دُم دبا کر) ہمیشہ فرار کی راہ اختیار کر جاتا ہے۔
ایک منکرِ حدیث نے مدّت سے یہ اشتہار شائع کر رکھا ہے کہ اہل حدیث کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام احادیث قرآن پاک کی تفسیر ہیں تو کوئی اہلِ حدیث عالم اس پر تیار ہو جائے۔ ہم حدیث کی کتاب سے بالترتیب احادیث پڑھیں گے اور اہل حدیث عالم ہر ہر حدیث پر ایک ایک آیت قرآنی پیش کرتا جائے گا جس سے وہ حدیث ماخوذ ہو۔ مگر اُن کا کہنا ہے کہ کوئی اہل حدیث عالم اس کے لئے تیار نہیں ہوا۔ یہ اُس فرقہ (اہل حدیث) کی بزدلی ہے کہ منکرین حدیث کا سامنا نہیں کرتے۔ ہاں عوام میں یہ پروپیگنڈہ تقریر و تحریر سے کرتے رہتے ہیں کہ فقہ سراپا حدیث کے خلاف ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی غیر مقلد مردِ میدان بنے، ہم فقہ کی کتاب سے بالترتیب مسائل پڑھیں گے، وہ ہر ہر مسئلہ پر اُس کے خلاف ایک ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کرتے جائیں۔ لیکن تقریر و تحریر میں رات دن یہ پروپیگنڈہ کرنے والے اس طریقِ فیصلہ پر ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوتے۔ ہاں پھر یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ فقہ کے سب مسائل تو حدیث کے خلاف نہیں ہیں، اکثر مسائل حدیث کے خلاف ہیں۔ ہم پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم بالترتیب فقہ کی کتاب سے مسائل پڑھتے ہیں۔ فقہ کا جو مسئلہ حدیث کے موافق ہو، اُس کے موافق صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کرتے جائیں، اور جو مسئلہ فقہ کا حدیث کے خلاف ہو اس کے خلاف صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کرتے جائیں۔ مگر جس طرح منکرین حدیث اس طریقِ فیصلہ سے عاجز ہیں اسی طرح منکرینِ فقہ بھی اس طریقِ فیصلہ پر ہرگز ہرگز تیار نہیں ہوتے۔ ہم نے بارہا غیر مقلدین کو کہا کہ اپنے علماء کو اس طریقِ فیصلہ پر تیار کرو، آپ کو اللہ تعالیٰ بہت اجر دیں گے، پوری فقہ احادیث کے خلاف ہے، لیکن اُن کے فرار سے دنیا جان گئی ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔ غیر مقلد علماء جب فقہ کے مسائل پر عمل بھی کرتے ہیں اور فتوے بھی دیتے ہیں جیسا کہ فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ سے پتہ چلتا ہے تو اپنے عوام کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم چاروں اماموں کی فقہ سے وہ مسئلہ قبول کرتے ہیں جو قرآن حدیث کے موافق ہو۔ یہ بھی ایک غلط پروپیگنڈہ ہے۔ ہم نے بارہا کہا ہے کہ اپنا کوئی عالم پیش کرو، اُس کے سامنے ہم فقہ کے

مختلف ابواب سے صرف ایک سو مسئلے پیش کریں گے۔ وہ ہر ہر مسئلہ پر پہلے ائمہ اربعہ کا مسلک بیان کرے اور پھر ہر امام کے دلائل بیان کرے اور اُس کے بعد صحیح صریح حدیث سے ایک امام کے قول کو قابلِ عمل اور باقی تین اماموں کے اقوال کو حدیث صحیح صریح ہی سے نا قابلِ عمل ہونا ثابت کرے، مگر آج تک ان کا کوئی عالم صرف ایک سو مسائل پر بھی اپنے اس دعویٰ کے موافق بات پر آمادہ نہیں ہوا تو پھر فقہ کے ہزاروں مسائل پر ہم اُن کے اس جھوٹے دعویٰ کو کیسے اور کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں۔

تصویر کے دو رُخ:

پہلا رُخ: ہم اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ اسلام دین حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا اور آنحضرت ﷺ پر یہ سلسلہ ختم فرما کر دین کو کامل فرما دیا۔ پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی مثال موسمی پھولوں جیسی تھی، جیسے ہر موسم کا پھول اپنے موسم میں بہار دکھاتا ہے۔ مگر موسم کے ختم ہونے پر اُس کا نام تو زبانوں پر باقی رہ جاتا ہے مگر وہ باغ میں نظر نہیں آتا، بالکل اسی طرح پہلے انبیاء کی شریعتوں نے اپنے اپنے موسم میں دنیا کو تازگی بخشی مگر آج اُن کتابوں کا نام ہی زبان وقلم پر رہ گیا ہے۔ وہ کتابیں اپنی اصلی صورت میں کہیں نظر نہیں آتیں۔ اس کے برعکس آنحضرت ﷺ کی کامل شریعت کی مثال اُس سدابہار پھول کی ہے جو موسم کی قید سے آزاد ہے۔ ہر موسم میں باغ کی رونق بنتا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت آج بھی اُسی طرح محفوظ ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے محفوظ تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی اس کامل اور جامع شریعت کو کن لوگوں نے محفوظ کیا ہے۔ تو جس طرح خدا کی کتاب قرآن پاک کی ساتوں متواتر قرأتوں کو اہل سنت والجماعت کے سات قاریوں نے اس طرح محفوظ کر لیا کہ آج سب اہلِ اسلام ساری دنیا کے سامنے فخر سے کہتے ہیں کہ قرآن کا کوئی حکم تو کیا ایک نقطہ بھی گم نہیں ہوا اور سب مسلمان اُن قاریوں کے احسان مند ہیں اور اُن کی قرأت پر قرآن پڑھنے کو خدا کی کتاب کی تلاوت ہی سمجھتے ہیں۔

ائمہ اربعہؒ سنت نبویؐ کی حفاظت کا ذریعہ ہیں:

بالکل اسی طرح آنحضرت ﷺ کی پاک سنت کے اجماعی اور اختلافی سب پہلوؤں کو اہل سنت والجماعت کے چار مجتہدین نے محفوظ فرمایا ہے اور پوری اُمت کے لئے سنت پر عمل کرنے کا طریقہ آسان فرمادیا ہے۔ تمام محدثین، مفسرین، فقہاء، متکلمین، اولیاء اللہ، سلاطین اور عوام ان میں سے ہی کسی ایک کی تقلید میں آنحضرت ﷺ کی شریعت پر عمل کرتے رہے، اور کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اور پوری اُمت ان ائمہ اربعہ کی احسان مند ہے۔ الغرض آنحضرت ﷺ کی شریعت مطہرہ کے محفوظ رہنے کا جو وعدۂ الٰہی تھا وہ ائمہ اربعہ کے ہاتھ پر پورا ہوا۔ ان ائمہ اربعہ میں اولیت کا شرف سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کو حاصل ہوا۔ اور بعد میں آنے والے تینوں امام ان کی فقہ کی خوشہ چینی فرماتے رہے۔ ان ائمہ اربعہ میں سے تابعیت کا شرف بھی صرف امام صاحبؒ کو نصیب ہوا۔ **واتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه** کی بشارت میں شامل ہوئے۔ ان ائمہ اربعہ میں سے فارسی النسل بھی صرف امام صاحبؒ ہی ہیں۔ اس لئے آیت **وآخرین منهم** اور حدیث **رجل من اهل فارس** کے کامل تر مصداق آپ اور آپ کے تدوین فقہ کے ساتھی ہیں۔ الغرض حفاظتِ شریعت نبویہ میں کامل ترین حصہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کا ہے۔

مثال دوم:

پہلے انبیاء کی وحی کی مثال گیس کی سی تھی۔ ایک گیس ایک گلی یا ایک محلہ کو روشن کرتا ہے، مگر وہ ساری دنیا کو روشن کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح پہلے انبیاء علیہم السلام ایک ایک قوم اور ایک ایک شہر کے لئے نبی بن کر آتے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ کی نبوت کی مثال آفتاب عالم تاب کی سی ہے۔ جس طرح خدا کا سورج ساری دنیا کو روشن کرتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کی نبوت بھی جغرافیائی حدود، تاریخی قیود اور رنگ و نسل کے امتیاز سے بالا ہے، سب کے لئے ہے اور آپ ﷺ نے بار بار فرمایا کہ میری شریعت دنیا کے ہر ملک میں

پھیلے گی۔ الحمد للہ آپ علیہ السلام کی یہ پیش گوئیاں دوپہر کے سورج کی طرح پوری ہو چکیں۔

احناف کی عظمت شان:

آپ تاریخی وجغرافیہ کی اٹل حقیقتوں کو سامنے رکھ کر جب یہ سوال پوچھیں گے کہ فلاں ملک میں نبی کا کلمہ، نبی کی سنت، نبی کی اذان، نبی کی نماز، نبی کے معجزات، نبی کی سیرت کون لایا اور کس نے اس ملک کے رہنے والوں کو نبی کے رنگ میں رنگ دیا تو دنیا کے ہر ملک اور ہر ملک کے ہر کونے سے ایک ہی آواز آئے گی کہ ہمیں یہ ساری نعمتیں لا کر دینے والے ''اہل سنت والجماعت حنفی'' تھے..... زمین کے باسیوں اور عرش تک کے فرشتوں کی ایک ہی پکار ہے۔ مبارک ہیں وہ جن کے ہاتھوں شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کی حفاظت کرائی گئی۔ مبارک ہیں وہ جن کے وسیلے سے سنت محمدیہ ﷺ چار دانگ عالم میں پھیلی، پھولی اور پوری دنیا کو برکتوں سے معمور کر دیا۔ نبی علیہ السلام کا خون، صحابہؓ کی قربانیاں رنگ لائیں اور ساری دنیا سنت کے رنگ میں رنگی گئی۔ صبغة الله ومن احسن من الله صبغة.

دوسرا رُخ: حضرات غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنا اور اپنے صحابہ کا خون دے کر قرآن وحدیث لوگوں تک پہنچایا، مگر ان قربانیوں کا اثر آنحضرت ﷺ کے وصال تک ہی رہا۔ ابھی آپؐ کی نماز جنازہ بھی ادا نہ ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ نے قیاس کا دروازہ کھول دیا۔ امامت نماز پر خلافت کو قیاس کر لیا اور تمام صحابہ نے اس قیاس کو تسلیم کر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی۔ حضور علیہ السلام نے دلائل شرعیہ قرآن و حدیث دو ہی بتائے تھے۔ مگر آپ کے خلفاء نے (دوگنا) دو کو چار کر دیا۔ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس اور یہی منشور قرار پایا (دارمی) خلافت راشدہ میں مفتی صاحبان برملا اپنے اجتہاد و قیاس سے فتویٰ صادر کرتے، نہ مفتی صاحبان اپنے قول کی تائید میں کوئی آیت یا حدیث پیش کرتے اور نہ ہی مستفتی دلائل کا مطالبہ کرتے۔ اس طرح تسلیم قول بلا دلیل یعنی تقلید ان کے رگ وریشہ میں سما گئی۔ ابھی تین سال بھی وصال پر نہ گزرے تھے کہ خاص

مدینہ پاک اور مسجد نبویؐ میں بیس رکعت تراویح کی بدعت شروع ہوگئی۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دے کر اُس بیوی کو اپنے خاوند کے لئے حلال رکھا تھا، مگر حضرت عمرؓ نے اُسی منبر نبوی اور مسجد نبوی میں اعلان فرما دیا کہ وہ عورت (اپنے خاوند پر) حرام ہوگئی ہے، اسی طرح شریعت کے حلال کو حرام کر دیا۔ قرآن پاک نے صاف صاف اعلان کیا تھا کہ خدا کے حلال کو حرام کرنا احبار ورھبان کی گمراہی تھی اور خدا کے احکام کے خلاف تقلیدِ آباء ابوجہل کا طریقہ تھا۔ مگر حضرت عمرؓ نے جب حلال کو حرام کر دیا اور بیس رکعت تراویح کی بدعت کو رائج کیا، وہاں سینکڑوں مہاجرین وانصار موجود تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کئے، انسانی قوانین کو مٹانے کے لئے قیصر وکسریٰ سے بھڑ گئے، اپنے گھر چھوڑ دیئے یا تقسیم کر دیئے۔ لیکن حیرانی ہے کہ فارس وروم میں تو وہ رسوم باطلہ کو برداشت نہیں کر سکے مگر مدینہ شریف میں بدعات جاری ہو رہی ہیں، حلال کو حرام کیا جا رہا ہے، متعہ حج کا برملا انکار کیا جا رہا ہے اور یہ سب خاموش ہیں۔ حضرت عثمانؓ کا دور خلافت آتا ہے تو جمعہ کی ایک اذان کو دو کر دیا گیا ہے۔ سنت کے ساتھ رائے کا پیوند لگا دیا ہے، مگر سب مہاجرین وانصار بخوشی اس پیوند کاری کو قبول کر رہے ہیں۔ حضرت علیؓ نے گاؤں والوں پر جمعہ کی فرضیت ختم کر دی ہے اور اس فرض کا برملا انکار کر دیا ہے مگر اس کے خلاف ایک آواز بھی نہیں اُٹھتی۔ ایک آنسو بھی کسی آنکھ سے نہیں ٹپکتا۔ حضرت عمرؓ نے ایک شہر بسایا جس کا نام کوفہ رکھا، وہاں تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ آباد ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسے علم سے بھر دیا۔ حضرت علیؓ نے اُسے دارالخلافہ قرار دیا، تابعین کے دور میں وہاں ہزاروں محدثین اور سینکڑوں فقہاء تھے، مگر اس دور میں امام ابوحنیفہؒ نے سنت نبوی کے خلاف اپنی ایک نہایت جامع اور کامل فقہ ایجاد کی۔

چاہئے تو یہ تھا کہ محدثین اور علماء اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے، مگر محدثین اور فقہاء نے خود اُسے ہاتھوں ہاتھ قبول کیا اور فقہ کو حدیث کی تفسیر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کو منظور یہی تھا۔ اب سنت نبویؐ کی جگہ عدالتوں میں، مدارس میں، مساجد میں فقہ حنفی آ گئی۔ آہ وہ کتنا دل گداز منظر تھا کہ ابھی آنحضرت ﷺ کو وصال فرمائے سوا صدی بھی نہ گزری تھی کہ خود

حرمین شریفین میں فقہ حنفی کا دخل و عمل ہو گیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے پورے چھ سال مستقل حرمین شریفین میں قیام فرمایا اور حرمین شریفین (مکہ، مدینہ) میں گھر گھر فقہ حنفی کا چرچا ہو گیا۔ مکے اور مدینے والے بڑی خوشی سے اس کو قبول کر رہے تھے۔ مکہ کے کسی آدمی نے نہیں کہا کہ حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت سمیہؓ اور دوسرے صحابہ کی قربانیوں کو یاد کرو۔ طائف میں آنحضرت ﷺ کے بہنے والے خون کی قدر کرو۔ اُحد، بدر اور خندق کی لڑائیوں کو یاد کرو۔ جان و مال، گھر و زر، اقرباء خویش سب کو سنت نبوی کے لئے قربان کر دیا تھا، مگر تم تو سب تقلید کی بدعت میں گرفتار ہو رہے ہو۔ ہائے مدینہ سے بھی سنت اُٹھ گئی۔ امام ابو حنیفہؒ کی دیکھا دیکھی مدینہ میں امام مالکؒ نے، پھر مکہ میں امام شافعیؒ نے بھی اپنی فقہ کی بنیاد رکھ دی۔ اور بغداد میں امام احمدؒ نے اپنا مذہب مدون فرمایا۔ مگر یہ سب حضرات قدرے مخالفت کے باوجود امام صاحب کے خوشہ چین تھے۔ امام مالکؒ نے فقہ حنفی کے ۶۰ ہزار مسائل کو مدینہ میں رواج دیا (ترتیب المدارک)۔ امام شافعیؒ نے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر فقہ حنفی کی کتابیں مکہ میں داخل کرلیں۔ امام احمد بھی قاضی ابو یوسفؒ کی کتابوں کے خوشہ چین تھے۔ ان چاروں اماموں میں اگرچہ اختلاف آپس میں بھی تھا، مگر سب کی مشترکہ کوشش یہی تھی کہ سنت نبوی مٹ کر ہماری فقہ رائج ہو جائے۔ محدثین اگرچہ کوشش کرتے تو شاید اس تقلید کا توڑ نکل آتا، مگر محدثین تو خود ان کی تقلید میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ محدثین کے حالات میں جو کتابیں خود محدثین نے مرتب فرمائیں وہ چار طبقات میں منقسم ہیں:

طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ، طبقات حنابلہ

تاریخ کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ شیعہ محدثین کے حالات میں تو مستقل کتابیں ملتی ہیں مگر غیر مقلدین محدثین کے حالات میں کوئی مستقل کتاب نہیں ملتی۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ جیسے محدثین کے سردار خود فقہ حنفی کو خراسان تک پھیلا رہے ہیں۔ امام حسن بن زیاد جیسے محدث فقہ حنفی کو لے کر بصرہ پہنچتے ہیں تو امام حسن بصریؒ اور عثمان بتی کی فقہ رخصت ہو جاتی ہے۔ امام یحیٰی بن معین جیسے محدث جو امام بخاریؒ کے اُستاد ہیں، یہ گواہی دیتے ہیں کہ فقہ حنفی ہر جگہ پہنچ چکی ہے۔ محدثِ حرم امام سفیان بن عیینہ گواہی دیتے ہیں کہ فقہ حنفی

آفاق تک پہنچ چکی ہے۔ تمام محدثین، فقہاء، مجاہدین، سلاطین، مفسرین، متکلمین، عوام کلمہ نبی کا پڑھتے ہیں، تبرک کے لئے قرآن و حدیث بھی پڑھتے ہیں، مگر عمل فقہ پر کرتے ہیں۔ اور سب یہی یقین کئے بیٹھے ہیں کہ یہی فقہ سنت نبوی ہے۔ پورے بارہ سو سال اس اندھیر نگری میں گزر گئے ہیں۔ آخر انگلستان کی ملکہ وکٹوریہ کی زیر سرپرستی ایک فرقہ جنم لے کر اُبھرتا ہے اور اس راز سے پردہ اُٹھاتا ہے کہ دنیا میں کہیں نام ونشان بھی سنت نبوی کا نہیں ملتا۔ ائمہ اربعہ کو مشرکین کے آباء کی مثل اور یہود کے احبار و رھبان کی مثل قرار دیتا ہے جنہوں نے نبی اور صحابہ کی سب قربانیوں پر پانی پھیر دیا۔ تمام مقلدین کو ابوجہل جیسے مشرک قرار دیتا ہے۔ طائفہ منصورہ اور فرقہ (مظالم انگریز سے) ناجیہ کا واحد ٹھیکیدار ہے، مگر رُبع صدی کے اندر اندر اِسی فرقہ سے قادیانیت، منکرینِ حدیث، نیچریت کے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ دین سے بیزار چند لوگ اس فرقہ میں ہیں، لیکن روپڑی ثنائیوں کو کافر کہتے ہیں اور ثنائی روپڑیوں کو بے دین کہتے ہیں۔ غرباء اہل حدیث والے جماعت اہل حدیث والوں کو جہنمی کہتے ہیں۔ نہ نبی کی سنت کسی نے محفوظ کی نہ دنیا میں پھیلائی۔

آنحضرت ﷺ سے جس طرح قرآن پاک لفظی تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اسی طرح آپ ﷺ سے نماز عملی تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔

مسلمان ہر ملک میں ہر گھر میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتے ہیں لیکن جس طرح متواتر قرآن کے خلاف بعض شاذ قرائتیں کتابوں میں ملتی ہیں مگر ان کو آج تک مسلمانوں نے تلاوت قرآن میں شامل نہیں کیا اسی طرح اس متواتر عملی نماز کے خلاف بھی بعض شاذ روایات کتابوں میں ملتی ہیں مگر ان کو اہل اسلام نے اپنی متواتر نماز میں داخل نہیں کیا۔

مثلاً: قرآن پاک میں سب مسلمان یہ آیت پڑھتے ہیں و اللیل اذا یغشی و النهار اذا تجلی و ما خلق الذکر و الانثی (اللیل ۱،۳) مگر بخاری شریف میں ایک قرأت یوں ہے و اللیل اذا یغشی و النهار اذا تجلی و الذکر و الانثیٰ (بخاری ج ۲ ص ۷۳۷) اب تمام مسلمان اسی متواتر قرأت کی تلاوت کرتے ہیں۔

اس ملک میں جس طرح قرآن پاک حنفی لے کر آئے اسی طرح حضور ﷺ کی نماز بھی احناف کے ذریعہ یہاں پہنچی، اس ملک میں قرآن پاک قاری عاصم کوفی کی قرأت اور قاری حفص کوفی کی روایت کے مطابق پہنچا تو نماز بھی امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کی تدوین

کے مطابق پہنچی۔ اب کوئی شاذ قرائتوں کے اختلاف سے اس قرآن پاک کے بارے میں وسوسے ڈالنے لگے اور اس قرآن کو کوفی قرآن کہہ کر اس کا انکار کرے تو یہ کوئی دینی خدمت نہیں ہوگی۔ اسی طرح بعض شاذ و متروک اور مرجوح روایات کی بنا پر اس متواتر نماز کے خلاف وسوسے ڈالے اور اس کو کوفی نماز کہہ کر غلط قرار دے تو یہ دین دشمنی ہے۔

اس ملک میں کافروں کو مسلمان احناف نے کیا اور ان کو نماز سکھائی تو سب لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تھے، بارہ سو سال کے طویل عرصہ میں کبھی یہ آواز نہیں اٹھی کہ نماز کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے، اس بارہ سو سال کے طویل عرصہ میں یہاں کے علماء، اولیاء اللہ اور عوام حج اور تعلیم کے لئے حرمین شریفین کا سفر کرتے رہے مگر وہاں بھی کسی عالم نے ان کو یہ نہ کہا کہ تم خلاف سنت نماز پڑھتے ہو، پوری تاریخ اسلام میں ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

۱۲۹۰ھ میں نہ مکہ مکرمہ میں، نہ مدینہ منورہ میں، نہ کسی اسلامی سلطنت میں بلکہ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں ہندوستان میں مولوی محمد حسین بٹالوی وکیل اہل حدیث ہند نے ایک اشتہار کے ذریعہ اس متواتر عملی نماز کے خلاف آواز اٹھائی کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے، یہ اشتہار شہر شہر قریہ قریہ پھیلایا گیا، اس اشتہار نے حکومت برطانیہ کی ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا۔ اور برصغیر کی ہر مسجد اور ہر گھر کو میدان جنگ بنا کر رکھ دیا۔ قرآنی حکم والفتنة اشد من القتل کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکائی۔ حکومت برطانیہ کی تعریف اور اکابر اسلام پر سب وشتم کر کے لعن آخر ھذہ الامة اولھا کا غلغلہ بلند کیا۔

اب فطری بات تھی کہ اس متواتر نماز کے خلاف ان کے پاس کون سی متواتر دلیل تھی۔ ان سے سوال ہوا کہ کیا سینے پر ہمیشہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کی کوئی متواتر دلیل آپ حضرات کے پاس ہے؟ تو مولوی ثناء اللہ نے کہا۔

پہلی دلیل:

قرآن پاک کی یہ آیت فصل لربك و انحر کے معنی یہ ہیں کہ نماز پڑھو اور

سینے پر ہاتھ باندھو، (فتاویٰ علماء حدیث ج ۳، ص ۹۵) اندازہ لگایئے کہ متواتر نماز کے خلاف قرآن کے غلط ترجمہ میں بعض روافض کی تقلید کی گئی۔ جبکہ احادیث صحیحہ میں "و انحر" کی تفسیر قربانی کرنے سے آئی ہے تو کہنے لگے ہم سنیوں کے موافق اس آیت کی تفسیر قربانی سے بھی کرتے ہیں اور رافضیوں کے موافق سینے پر ہاتھ باندھنے سے بھی۔ تو کہا گیا کہ جب اس آیت میں نماز عید اور قربانی کا ذکر ہے تو آپ بھی عید کی نماز کے بعد جب قربانی کریں تو ہاتھ سینے پر باندھ لیا کریں۔ دیکھئے متواتر نماز کے خلاف کس طرح قرآن پاک کی آیت کا غلط مطلب لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی حفاظت فرمائیں۔

دوسری دلیل:

اس متواتر نماز کے خلاف غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ نے یہ لکھا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایات بخاری، مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱، ص ۴۴۳۔ فتاویٰ علماء حدیث ۳/۹۱) مگر افسوس کہ یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا مرزائی قادیانی نے کہا تھا کہ بخاری میں حدیث ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے، نہ مرزا کی یہ بات بخاری میں ہے، نہ مولوی ثناء اللہ کی بات بخاری و مسلم میں ہے۔ مرزا نے صرف بخاری پر جھوٹ بولا اور ثناء اللہ نے بخاری مسلم دونوں پر۔

تیسری دلیل:

اس متواتر نماز کے خلاف قرآن پاک بخاری اور مسلم پر جھوٹ بولنے کے بعد ایک اور دلیل تلاش کی گئی۔ ابن ماجہ، ترمذی، دارقطنی اور مسند احمد میں دو جگہ ایک حدیث حضرت ھلب سے تھی۔ کہیں یہ الفاظ تھے کہ آپ ﷺ نے دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا، کسی میں تھا کہ ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا، مسند احمد میں ایک جگہ ھذہ علی ھذہ میں کاتب کی غلطی سے یوں ہوگیا یضع ھذہ علی صدرہ یہاں صدرہ کاتب کی غلطی تھی کیونکہ مجمع

الزوائد، کنز العمال اور جمع الجوامع میں یہ لفظ نہیں آیا جبکہ مسند احمد کی زیادات سب ان کتابوں میں درج ہیں، دوسرے ھذہ کو کاتب نے غلطی سے صدرہ کر دیا تھا، پہلے ھذہ کو مولوی ثناء اللہ نے یدہ سے بدل دیا۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۵۸، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶) اور اس طرح تحریف لفظی کر کے متواتر نماز کو غلط قرار دینے پر زور لگایا گیا۔

چوتھی دلیل:

قرآن پاک کی تحریف معنوی، بخاری مسلم پر جھوٹ اور مسند احمد میں تحریف لفظی کرنے پر بھی مسئلہ ثابت نہ ہوا تو آخری سہارا صحیح ابن خزیمہ کو بنایا گیا۔ اس میں ایک حدیث حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے ہے، جس میں علی صدرہ کا لفظ ہے مگر سند یوں تھی: مؤمل بن اسماعیل، سفیان، عاصم، کلیب، وائل۔ ان میں پہلا راوی انتہائی ضعیف، اس کے بعد کے تینوں راوی کوفی تھے، ان کا عقیدہ ہے کہ عراقی ہزار حدیث بھی سنا دے تو نوسو نوے تو چھوڑ ہی دے اور باقی دس میں بھی شک کر (حقیقت الفقہ ص ۱۰۱) نیز سفیان کو یہ لوگ: آہستہ آمین کی حدیث میں غلط کار قرار دے چکے ہیں، اور عاصم کو ترک رفع یدین کی حدیث میں ضعیف کہہ چکے ہیں اور کلیب کو بھی ترک رفع یدین کی ایک روایت میں ضعیف کہہ چکے ہیں۔ ان چاروں راویوں میں سے ایک بھی کسی سند میں آجائے تو یہ اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں تو جس سند میں یہ چاروں اوپر نیچے آجائیں، وہ کیسے صحیح ہو سکتی تھی۔ آخر اس کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ سند ہی بدل دی اور حدیث سے ابن خزیمہ ج ۱، ۲۴۳ کی سند اتار کر مسلم ج ۱ ص ۱۷۳ کی سند لگا دی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۴۴۔ فتاویٰ علماء حدیث ج ۱ ص ۹۱) وہ سند یہ ہے کہ عفان عن ھمام عن محمد بن جحادة عن عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل عن ابیه۔ ایک متواتر نماز کو غلط قرار دینے اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر انگریز کو خوش کرنے کے لئے کیسی کیسی حرکتیں کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کو اپنی حفاظت میں رکھیں۔

پانچویں دلیل:

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس متواتر نماز کو غلط ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک کی تحریف معنوی کی، بخاری مسلم پر جھوٹ بولا، مسند احمد کی حدیث میں تحریف لفظی کی، صحیح ابن خزیمہ کی سند تبدیل کی، آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ آخر گوجرانوالہ کے مستری نور حسین میدان میں نکلے، آپ نے اپنے رسالہ اثبات رفع یدین ۲۰/۱۹ پر حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث لکھی جس میں علی صدرہ کا لفظ لکھا اور صحیح مسلم ۱/۱۷۳، ابن ماجہ ص ۶۴، دارمی ص ۱۰۷، دار قطنی ص ۱۱۸، ابوداؤد ص ۱۹۳، بخاری ص ۱۴، مسند احمد ۳/۱۴۷، مشکوٰۃ آٹھ کتابوں کا حوالہ دیا، جبکہ ان میں یہ جملہ کسی ایک میں بھی موجود نہیں ہے، ایک ہی سانس میں حدیث کی آٹھ کتابوں پر جھوٹ بڑے حوصلے کی بات ہے، اگر چہ حدیث پاک میں جھوٹ بولنا منافق کی نشانی قرار دیا گیا ہے، مگر اہل حدیث نے وہ ریکارڈ توڑ ڈالا کیونکہ ہمیں کسی ایسے منافق کا نشان نہیں ملا جس نے ایک ہی سانس میں حدیث کی آٹھ کتابوں پر جھوٹ بول دیا ہو، اگر کسی صاحب علم کو ایسا منافق معلوم ہو تو ہمارے علم میں ضرور اضافہ فرمائیں۔

فقہ پر جھوٹ:

اب غیر مقلدین جب ہر طرف سے لاجواب ہو گئے تو بے چارے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے یوں لکھ مارا۔ ''ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے (ہدایہ ۱/۳۵۰) سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق محدثین...... (ھدلیۃ ص ۲۵۰، شرح وقایہ ص ۹۳) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں ہے (شرح وقایہ ص ۹۳) یہ تینوں حوالے محض جھوٹ ہیں کوئی غیر مقلد ہدایہ اور شرح وقایہ کے متن کی اصلی عبارت پیش کر دے جس کا یہ ترجمہ ہو تو ہم دس ہزار روپے فی حوالہ انعام دیں گے۔ اور آخر میں آپ حیران ہوں گے یہ بھی لکھ دیا گیا کہ ''حضرت مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر باندھنے کی دلیل کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ

باندھتے تھے (ہدایہ ۱/۳۵۱) یہ بھی محض جھوٹ ہے۔ کیا کوئی غیر مقلد ہے جو ہمت کر کے اس عبارت کی اصل عربی ہدایہ کے متن میں دکھا سکے اور دس ہزار روپے مزید انعام لے، اور یاد رہے کہ صاحب ہدایہ کا وصال ۵۹۳ھ میں ہو گیا تھا اور حضرت مظہر جان جاناں ان کے وصال کے ۵۱۸ سال بعد ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر ان کا قول اور عمل صدیوں پہلے کی کتاب میں کیسے درج ہو گیا، یہ سارے جھوٹ حقیقت الفقہ ص ۱۹۳ پر ہیں۔

نوٹ: فتاویٰ علماء حدیث (۳/۹۳) پر حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت السنن الکبریٰ کے حوالے سے مذکور ہے، علامہ ابن ترکمانی نے اس پر تحریر فرمایا تھا کہ اس میں محمد بن حجر کے بارے میں امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ اس کی احادیث منکر ہیں اور ام عبد الجبار مجہول ہے (الجوہر النقی ۲/۳) علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس سند کا راوی سعید بن عبد الجبار بھی ضعیف ہے۔ (کذا فی المیزان و التقریب، آثار السنن ۱/۶۹)

جھوٹ پر جھوٹ:

فتاویٰ علماء حدیث (۳/۹۴) پر ہے کہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اعتراف فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء حنفیہ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جو موثق نہیں ہیں، حالانکہ یہ عبارت عمدۃ القاری میں موجود نہیں ہے، پھر ابن امیر الحاج کی شرح منیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی سینے والی حدیث کے علاوہ کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، یہ بات بھی شرح منیہ میں نہیں ملی، پھر فتاویٰ علماء حدیث (۳/۹۵) پر شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی شافعیؒ کی کتاب عوارف المعارف سے نقل کیا ہے کہ وانحر کا معنی ہے ہاتھ سینے پر رکھو۔ حالانکہ عوارف المعارف عربی ص ۳۰۹ پر تحت الصدر اور مترجم اردو ص ۴۶۳ پر ہے کہ سینے کے نیچے رکھو، افسوس ہے کہ جھوٹ اور خیانت میں ان لوگوں نے سب کو مات کر دیا ہے اللہ تعالیٰ ہی اپنے دین کا محافظ ہے تاہم (فتاویٰ علماء حدیث ۳/۹۲) پر یہ تسلیم کر لیا کہ "سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث نہ

ائمہ اربعہ کو پہنچی نہ ہی صحابہ اور تابعین کے زمانے میں اس پر عمل تھا تاہم یہ عمل نہ ہونا تنسیخ کی دلیل نہیں'' حیرت ہے کہ باقی نماز تو بچوں تک کو پہنچ جائے مگر یہ نماز کی حدیث ائمہ اربعہ صحابہ اور تابعین کو خواب میں بھی نظر نہ آئے اس سے بڑھ کر شندوذ اور کیا ہوگا۔

(۲) عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال رأیت النبی ﷺ یضع یمینه علی شماله تحت السرة (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۳۹۰ الشافعی استادِ بخاری)

ترجمہ: حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر زیر ناف رکھا۔ اس کی سند نہایت صحیح ہے۔ (آثار السنن ۱/۶۹)

مولوی محمد حنیف فرید کوٹی جھنگوی اس سنت رسول کا مذاق یوں اڑاتے ہیں

''حنفیوں کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ آلہ تناسل پر ہاتھ باندھتے ہیں'' (قول حق ص ۲۱)

قیام حشر کیوں نہ ہو کہ اک کلچڑی گنجی
کرے ہے حضور بلبل بستاں نوا سنجی

(۳) عن علی قال سنة الصلوة وضع الایدی علی الایدی تحت السرة (مصنف ابن ابی شیبه ۱/۳۰۱ مسند احمد ۱/۱۱۰)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

سنت دائمی عمل کو کہتے ہیں غیر مقلد اگر ایک صحیح حدیث پیش کریں جس سے حضور ﷺ کے سینے پر ہاتھ باندھنے کو کسی خلیفہ راشد نے دائمی عمل یعنی سنت قرار دیا ہو تو ہم ان کو مبلغ پچاس ہزار روپیہ نقد انعام دیں گے۔

(۴) عن انس رضی اللہ عنہ قال ثلاث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار وتاخیر السحور و وضع الید الیمنی علی الیسری فی الصلوة تحت السرة (۲/۳۲ بحوالہ ابن حزم ۴/۱۳)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تین باتیں سب نبیوں کے اخلاق میں ہیں:

جلد افطار کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر زیر ناف رکھنا۔

کیا کوئی غیر مقلد انبیاء علیہم السلام کا دائمی عمل سحر و افطار کی طرح سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۵) عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال وضع الكف على الكف فی الصلوٰة تحت السرة (الجوہر بحوالہ ابن حزم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاتھ کو ہاتھ پر نماز میں ناف کے نیچے رکھا جائے۔

غیر مقلدین میں جرات ہے تو لاکھ سے زائد صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کا قول پیش کریں کہ ہاتھ سینے پر باندھا کرو۔

(٦) عن ابراهيم النخعیؒ قال يضع يمينه على شماله فی الصلوٰة تحت السرة (ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۰)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

قال محمد و به ناخذ (کتاب الآثار) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا اسی پر عمل ہے۔

(۷) عن ابی مجلز يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله و يجعلهما اسفل من السرة (ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۱)

ابو مجلز م ۱۰۰ھ فرماتے ہیں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے بیرونی حصہ پر رکھے اور ان کو ناف کے نیچے رکھے۔

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تمام تابعینؒ اور تمام تبع تابعینؒ میں سے کسی ایک سے بھی سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت نہیں اور قیامت تک کوئی ثابت بھی نہیں کر سکتا بلکہ فتاویٰ علماء حدیث ۳/۹۳ پر اس کا اعتراف کرلیا ہے کہ صحابہ و تابعین کا اس حدیث پر عمل نہیں تھا۔

(۸،۹) ابن حزم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعلیقاً اور مسند الامام زید میں سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ تین باتیں تمام انبیاء کرام کے اخلاق سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھنا۔

ائمہ اربعہ:

جس طرح قرآن پاک سات قاریوں کی قرأت سے امت کو ملا ہے جو قرأت ان ساتوں قاریوں میں سے کسی سے ثابت نہ ہو وہ شاذ اور مردود ہے، قرآن ہرگز نہیں۔ اسی طرح جس روایت پر ائمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی عمل نہ کیا ہو، وہ قطعاً اور یقیناً شاذ ہے، سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مسلک نہیں (نووی شرح مسلم ۱/۱۷۳) اور امام ترمذی اختلافات کا ذکر کیا کرتے ہیں انہوں نے ترمذی شریف میں کسی کا مسلک سینہ پر ہاتھ باندھنا نہیں بتایا۔ فتاویٰ علماء حدیث ۳/۳۰ پر اعتراف کر لیا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث ائمہ اربعہ کو نہیں پہنچی۔

اجماع:

مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں۔ اما فی حق النساء فاتفقوا علی ان السنة لهن وضع الیدین علی الصدر (العنایہ ۳/۱۵۲)

ترجمہ: بہرحال علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے حق میں یہ سنت ہے کہ وہ ہاتھ نماز میں سینہ پر رکھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے سینہ پر ہاتھ باندھنا اجماعی مسئلہ ہے۔ اور اجماع کا مخالف قرآن وحدیث کے موافق دوزخی ہے۔

غیر مقلدین سنت کی دشمنی کے لئے اپنی مساجد میں اشتہار لگاتے ہیں ان میں ایک اشتہار ہے ''نماز میں سینہ پر ہاتھ'' اس میں دائیں کونے پر اطیعوا اللہ لکھا ہے اور پھر اللہ کے حکم فصل لربك و انحر سے رافضیوں کی تقلید میں نماز عید کے بعد سینہ پر ہاتھ باندھنا لکھا ہے۔

حدیث اول کی سند بھی ضعیف ہے اس کا راوی سماک بن حرب ہے اور حدیث کے ترجمہ میں ہے کہ آپ دونوں طرف سلام پھیرتے اور وہ ہاتھوں کو سینہ پر رکھتے تھے۔ یہ

''ہاتھوں'' خدا جانے کس لفظ کا ترجمہ ہے، پھر ابن خزیمہ والی روایت نقل کی ہے جس کا ضعیف ہونا بیان ہو چکا ہے، پھر طاؤس کی مرسل اور ضعیف سند جس کا راوی سلیمان بن موسیٰ ہے لکھی ہے، یہ نہایت ضعیف حدیث ہے، محمد بن حجر ضعیف، سعید بن عبدالجبار ضعیف اور ام یحیٰی مجہولہ ہیں پھر ابن عباس کا قول جو بالکل جھوٹا ہے نقل کیا ہے کیونکہ راوی روح بن المسیب جھوٹی احادیث بنا تا تھا۔

یہ شاذ، متروک اور ضعیف روایات بھی اس کے دعویٰ کی دلیل نہیں، کسی ضعیف حدیث میں بھی سنت یعنی دائمی عمل مذکور نہیں۔ خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، کسی ایک صحابی، ایک تابعی، ایک تبع تابعی، ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا مذہب بھی وہ سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثابت نہیں کر سکا۔ ان شاذ روایات کو سنت کہنا ایسی ہی جہالت ہے جیسے کوئی جاہل ساتوں قرأتوں کے خلاف کسی شاذ اور متروک روایت کو قرأت کا نام دے اور اس متواتر قرآن کے خلاف اشتہار بازی کرے۔ یہ حرکت پادری فانڈر، سوامی دیانند، پنڈت رام چندر نے تو کی تھی اب اہل حدیث بھی ان کی تقلید میں اسی حرکت پر اتر آئے ہیں۔

اہل سنت حضرات کو ان کے وساوس سے اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہئے اور سورت والناس پڑھ کر ان پر دم کر دینا چاہئے کہ یا اللہ ان کے وسوسے ان ہی کے پاس رہیں، ہمیں ان وسوسوں سے محفوظ رکھنا آمین یا الٰہ العالمین۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ بوقت اختلاف خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو مضبوط پکڑنا۔ ہم نے اس مسئلے میں ان احادیث پر عمل کیا جن پر عمل کو خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنت کہا اور حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو حدیثیں میری سنت کے خلاف ہوں وہ میری طرف سے نہیں (دار قطنی) اس لئے ہم نے اس روایت پر عمل نہیں کیا جو خلاف سنت ہے، ہاں اگر کوئی غیر مقلد سینے پر ہاتھ باندھنے کا سنت ہونا کسی خلیفہ راشد سے ثابت کر دے تو ہم اسے بھی سنت مان لیں گے۔

سنت کا مذاق:

یہ فرقہ سنتوں کا دشمن ہے، یہ سنت جو تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، اس کے بارے میں غیر مقلد عالم فیض عالم صدیقی اپنی کتاب اختلاف امت کا المیہ ۷۸ پر لکھتے ہیں ''مردوں کو ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہئیں'' (کتب فقہ) یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ خلفاء بنی عباس میں سے ہارون کا ایک نماز میں ازار بند کھل گیا اور اس نے سینے سے ہاتھ نیچے کر کے ازار بند سنبھال لیا، نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں نے حیرانی سے ہارون الرشید کے اس فعل کو دیکھا، قاضی ابو یوسف صاحب نے فتویٰ دے دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے''۔

بڑے سے بڑے منکر حدیث نے بھی حدیث کا ایسا مذاق نہ اڑایا ہوگا جیسا اس نام نہاد اہل حدیث نے سنت کا مذاق اڑایا ہے، فقہ کا نام آتے ہی یہ لوگ سراپا استہزاء بن جاتے ہیں ذرا فقہ کا تھوڑا سا تقابل دیکھئے۔

فقہ حنفی	فقہ غیر مقلدین
۱۔ منی ناپاک ہے۔	منی پاک ہے۔ (عرف الجادی ص۱۰۔ کنز الحقائق ص۱۶)
۲۔ دم مسفوح (خون) ناپاک ہے	حیض کے سوا سب خون پاک ہیں (کنز الحقائق ۱۶)
۳۔ خنزیر ناپاک ہے۔	خنزیر پاک ہے۔ اسی طرح اس کی ہڈی، پٹھے وغیرہ پاک ہیں۔ (کنز الحقائق ص۱۳)
۴۔ خمر (شراب) ناپاک ہے۔	خمر (شراب) پاک ہے۔ (کنز الحقائق ص۱۶)
۵۔ مردار نجس ہے۔	مردار نجس نہیں۔ (عرف الجادی ص۱۰)
۶۔ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔	کتے کا جھوٹا اور پیشاب اور پاخانہ پاک ہے، حق یہی ہے۔ (نزل الابرار ۴۹۸)

افسوس ہے کہ سنتوں کا انکار اور گندے مسائل کی اشاعت حدیث کے نام پر کی جا رہی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے قبول اور عمل و استقامت کی توفیق عطا فرمائیں۔

غیر مقلدین کی قسمت میں اتباعِ حدیث کہاں!

(تحت السرۃ والی صحیح حدیث کا انکار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم . امابعد :

نام نہاد جماعت اہلحدیث بہاولپور نے احادیث پر جھوٹ بولنے اور احادیث کے انکار کی جو مہم شروع کر رکھی ہے اس سلسلہ میں انکے ایک پمفلٹ ''ہم نماز میں رفع یدین کیوں کرتے ہیں؟'' پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے اپنی بہاولپور کی تقریر میں کہا تھا کہ غیر مقلدین کو اپنی رفع یدین کی گنتی بھی یاد نہیں، یہ لوگ چار رکعت میں دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرتے ہیں اور ۱۸ جگہ کبھی رفع یدین نہیں کرتے، جس بچے کو صرف بیس تک گنتی یاد ہو وہ بھی ان کی رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کے مقامات گن سکتا ہے۔ اس پمفلٹ میں صفحہ ۷ پر انہوں نے حدیث نقل کی ہے کہ چھ شخصوں پر اللہ کا رسول بھی لعنت کرتا ہے اور اللہ بھی لعنت کرتا ہے، ان چھ شخصوں میں سے ایک وہ شخص ہے جو سنت رسول اللہ ﷺ کا تارک ہو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ جس شخص کے نزدیک آپ ﷺ کی ایک سنت ثابت ہو جائے پھر اس کا وہ تارک ہو تو وہ لعنتی ہے۔ جماعت اہلحدیث بہاولپور نے صفحہ ۱ پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث لکھی ہے، اس میں نہ پوری دس جگہ رفع یدین کرنے کا ہمیشہ کا اثبات ہے نہ ۱۸ جگہ ہمیشہ رفع یدین کی نفی ہے۔ گویا دعویٰ سے مطابقت نہیں، اسی طرح صفحہ ۳ پر حضرت

مالک بن الحویرثؓ اور حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث کا حوالہ دیا ہے، ان کی احادیث میں بھی نہ دس جگہ کا اثبات نہ ۱۸ جگہ کی نفی نہ ہمیشہ کا لفظ۔

پہلا چیلنج...... میں نے چیلنج کیا تھا کہ ان تینوں مندرجہ احادیث کے موافق نماز پڑھنے والا جماعت اہلحدیث بہاولپور کے نزدیک نمازی نہیں بلکہ لعنتی ہے ورنہ وہ ان تینوں احادیث میں دس جگہ کا اثبات ۱۸ جگہ کی نفی اور ہمیشہ کا لفظ دکھادیں۔

دوسرا چیلنج...... جماعت اہلحدیث بہاولپور نے صفحہ ۳ پر لکھا ہے: حضرت مالک بن حویرثؓ ۹ھ گرمی میں مسلمان ہوئے۔ (بخاری، مسلم) میرا چیلنج یہ تھا کہ یہ جماعت اہلحدیث بہاولپور کا جھوٹ ہے نہ بخاری میں ہے کہ حضرت مالک بن حویرثؓ ۹ھ گرمی میں مسلمان ہوئے نہ مسلم میں۔ یہ بخاری ومسلم سے دکھادیں ورنہ حدیث پاک کے مطابق جھوٹ بولنا منافق کی علامت ہے نہ کہ اہلحدیث کی۔

تیسرا چیلنج...... جماعت اہلحدیث بہاولپور نے صفحہ ۳ پر لکھا ہے: حضرت وائل بن حجرؓ ۹ھ میں سردی میں مسلمان ہوئے پھر ۱۰ھ میں وہ سردیوں میں دوبارہ مدینہ منورہ آئے۔ (ابوداؤد، طحاوی، جزء رفع یدین) میرا چیلنج ہے یہ بات ان تینوں کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی نہیں ہے۔

چوتھا چیلنج...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق لکھا ہے جو یہ متنازع فیہ رفع یدین نہ کرتا تھا اسے پتھر مارتے تھے (احمد) یہ مسند احمد سے دکھادیں کہ جو شخص دس جگہ رفع یدین نہ کرتا اور ۱۸ جگہ کرتا اس کو پتھر مارتے تھے، وہاں ہرگز نہیں ہے۔ یہ روایت اصل مسند میں حمیدی میں ہے جسمیں ہے کہ جو ہر اونچ نیچ پر رفع یدین نہ کرتا اس کو پتھر مارتے، ہر اونچ نیچ پر رفع یدین کرنے سے چار رکعت میں ۲۸ جگہ رفع یدین بنتی ہے اور غیر مقلد صرف دس جگہ کرتے ہیں گویا ہر چار رکعت میں غیر مقلدین ۱۸ پتھر کھانے کے حق دار ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ اگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کو دیکھ لیتے تو سنگسار کردیتے یہ بات بھی نامکمل لکھی ہے۔

انصاف...... اگر جماعت اہلحدیث بہاولپور میں ذرہ بھر بھی انصاف ہوتا تو

انکا فرض تھا کہ پہلے یہ میرے چیلنج میرے الفاظ میں نقل کرتے، پھر نیچے لکھتے کہ یہ چیلنج قبول ہیں، مگر انصاف اور غیر مقلدین میں مشرق ومغرب کا اختلاف ہے۔ عوام کو دھوکا دینے کیلئے ویسے ہی لکھ دیا کہ چیلنج قبول ہے۔ اگر ان میں حیاء وغیرت کا ایک ذرہ بھی ہے تو وہ میرے یہ چاروں چیلنج لکھ کر شائع کریں کہ ہمیں چیلنج قبول ہے۔ مگر وہ جہنم میں رسید ہونا تو قبول کر سکتے ہیں اس طرح میرے چیلنج لکھ کر کبھی قبول نہیں کر سکتے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

وہ بھاگے...... جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ. اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا.

''حق آیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی والا تھا۔'' اب بہاولپور میں یہ شور مچایا کہ ہم فقہ حنفی پر مناظرہ کریں گے، گویا یہ مہر لگادی کہ ہم مندرجہ بالا باتوں میں جھوٹے ہیں۔ ان چیلنجوں کو ہرگز قبول نہیں کر سکتے نہ ہی کریں گے بلکہ ایک جھوٹ سے دوسرے جھوٹ کی طرف بھاگتے رہیں گے اور یہ بھاگنا ان کا اس دن تک ختم نہیں ہوگا جب تک حضرت عزرائیل علیہ السلام ان کو گرفتار کر کے ان جھوٹوں کو آخری حساب کیلئے خداوند کے حضور پیش نہ کر دیں۔

جس طرح اہل قرآن کہلانے والے دو دعوے کرتے ہیں کہ حدیث کو ماننا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے حدیث کو ماننے سے منع کیا ہے اور دوسرا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ احادیث قرآن پاک کے خلاف ہیں۔ اسی طرح غیر مقلدین بھی دو دعوے کرتے ہیں کہ ہم فقہ کو بالکل نہیں مانتے کیونکہ اللہ ورسول نے فقہ کو ماننے سے منع کیا ہے۔ دوسرا دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ فقہ حنفی کے مسائل صراحتاً قرآن وحدیث کے خلاف ہیں:

پہلا مناظرہ...... اس لئے پہلا مناظرہ اس بات پر ہوگا کہ وہ قرآن وحدیث سے ثابت کریں گے کہ اللہ ورسول اللہ ﷺ نے فقہ کو ماننے سے منع کیا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ ثابت کریں گے کہ فقہ کو ماننے کا ذکر ہے۔ اگر انہوں نے قرآن وحدیث سے ثابت کر دیا کہ فقہ کو ماننا منع ہے تو ہم فقہ کو چھوڑ دیں گے، اس کے بعد دوسرے مناظرے کی

ضرورت باقی نہ رہے گی اور اگر ہم نے ثابت کر دیا کہ فقہ کو ماننا ضروری ہے تو وہ فقہ کو مان لیں گے۔ ہاں اگر یہ صورت بن گئی کہ فقہ کو ماننا ضروری ہے اور ہم بھی فقہ کو مانتے ہیں لیکن ہماری فقہ صحیح ہے اور حنفی فقہ غلط ہے مثلاً نزل الابرار صحیح ہے اور در مختار غلط ہے، کنز الحقائق صحیح ہے اور کنز الدقائق غلط ہے، ہدیۃ المہدی صحیح ہے اور ہدایہ غلط ہے وغیرہ۔

دوسرا مناظرہ......تو پھر دوسرا مناظرہ اس طرح ہوگا کہ ہم نزل الابرار پیش کریں گے اور بالترتیب ایک ایک مسئلہ پڑھتے جائیں گے وہ ہر مسئلہ کے موافق ایک ایک آیت یا ایک ایک صحیح، صریح، غیر معارض حدیث لکھواتے جائیں گے، جب ایک کتاب چیک ہو جائے گی تو ہم اس کو مان لیں گے اور حنفی فقہ کو چھوڑ دیں گے۔ اگر وہ اپنی فقہ کو قرآن وحدیث کے موافق ثابت نہ کر سکے اور چونکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو چکا ہوگا کہ فقہ کو ماننا ضروری ہے اور اہل السنۃ کا دعویٰ ہے کہ فقہ کے چار اصول ہوتے ہیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت اور قیاس۔

تیسرا مناظرہ......تو پھر تیسرا مناظرہ اس پر ہوگا کہ ہم فقہ حنفی کے مفتیٰ بہا اور معمول بہا مسائل بالترتیب پڑھیں گے اور غیر مقلدین ہر مفتیٰ بہ اور معمول بہ مسئلہ کے خلاف ایک ایک آیت یا ایک ایک صحیح، صریح، غیر معارض حدیث لکھواتے جائیں گے اور جس مسئلہ کے خلاف آیت یا حدیث پیش نہ کرسکیں گے اس کے سامنے یہ لکھ کر دستخط کر دیں گے کہ ہم نے جھوٹ بولا تھا کہ فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے:

شرائط مناظرہ:

(۱)......اہل السنۃ مناظر اپنے اصول اربعہ کی پابندی کرے گا اور ادلہ اربعہ سے باہر نہیں نکلے گا اور غیر مقلد مناظر اپنے اصول کی پابندی کرے گا کہ قرآن وحدیث سے باہر نہیں نکلے گا۔ وہ کسی حدیث کو صحیح کہے گا تو اللہ ورسول سے ثابت کرے گا، کسی حدیث کو ضعیف کہے گا تو وہ اللہ ورسول سے ثابت کرے گا۔

(۲)......چونکہ غیر مقلدین فقہ کے خلاف عام طور پر پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اس لئے

مناظرہ کھلا اور عام ہوگا اور انتظامیہ کی ذمہ داری ان پر ہوگی کیونکہ ان کا پروپیگنڈہ ہی مناظرے کا سبب بنا ہے۔

(۳)...... اگر وہ برسر عام مناظرے سے فرار اختیار کریں تو وہ پہلے لکھ کر دیں گے کہ ہم آئندہ عوام میں کبھی فقہ کے خلاف پروپیگنڈہ نہیں کریں گے اور گزشتہ جو پروپیگنڈہ کیا اس کی تحریری معافی مانگیں گے۔ ہاں اس کے بعد اگر وہ عدالت میں مناظرہ کرنا چاہیں تو وہ مندرجہ بالا طریقے پر عدالت میں مناظرہ کرلیں، چونکہ حنفی فقہ کم وبیش ہزار سال تک پوری اسلامی دنیا کی عدالتوں میں چلتی رہی ہے، ہمیں تو اس پر مکمل اعتماد ہے۔ اب چونکہ غیر مقلدین کو اعتماد کی ضرورت ہے اس لئے فریقین کا خرچہ ان کو برداشت کرنا ہوگا۔

(۴)...... مناظرین کا تعین بروقت ہوگا۔

ضروری تنبیہ...... جس طرح قرآن پاک وہی قرآن ہے جس کی مسلمان ہر جگہ تلاوت کر رہے ہیں۔ بعض کتابوں میں درج شاذ ومتروک قرأت وروایات قرآن ہرگز نہیں، نہ ہی ان سے اس متواتر قرآن پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح مذہب حنفی ان مسائل کا نام ہے جن پر ہر جگہ احناف کا متواتر عمل ہے اور وہ مفتیٰ بہا اقوال بھی ہیں۔ بعض کتابوں میں شاذ ومتروک اقوال جو ہیں وہ مذہب حنفی ہرگز نہیں نہ ان پر اعتراض، مذہب حنفی پر اعتراض ہے اور نہ ہی حنفی ان کے جواب دہ ہیں جیسے موضوع متروک احادیث اور شاذ متروک قرائتوں کے ہم جواب دہ نہیں ہیں، فقط۔

اختلاف نسخہ یا تحریف:۔

کتب احادیث میں اکثر نسخوں کا اختلاف پایا جاتا ہے، کسی نسخہ میں کوئی حدیث ہوتی ہے دوسرے نسخہ میں نہیں ہوتی۔ آج تک علماء ایسی احادیث کو قبول کرتے چلے آرہے ہیں جو بعض نسخوں میں موجود ہوں۔ حافظ ابن حجر کی کتابوں میں ایسی احادیث موجود ہیں جو (حوالہ شدہ) کتابوں کے بعض نسخوں میں ہیں اور بعض میں نہیں۔ کسی نے یہ انداز اختیار نہیں کیا کہ حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ میں فوت ہوئے ہیں ان سے پہلے بھی ان کتابوں سے

محدثین نے روایات نقل کی ہیں مگر کسی نے اس روایت کو نقل نہیں کیا اس لئے یہ ابن حجر کی تحریف ہے، اس نے جھوٹی حدیث بنالی ہے۔

نام نہاد اہلحدیث کا مزاج:

نام نہاد اہلحدیث فرقہ جو دور وکٹوریہ کی پیداوار ہے، اس کا ایک خاص مزاج ہے۔ اپنا مسئلہ ثابت کرنے کیلئے جھوٹے دلائل گھڑنے سے بھی باز نہیں آتا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے سچے دلائل کا انکار بڑے بھونڈے انداز میں کرتا ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں اخلاقاً اور شرعاً گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِيْنَ ۔ ''پھر اس سے ظالم زیادہ کون ہے جس نے جھوٹ بولا اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس کے پاس، کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا منکروں کا۔'' جب سے پاک و ہند میں اسلام آیا یہاں سب نمازی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے رہے، اس پر دور برطانیہ سے پہلے نہ کوئی جھگڑا ہوا نہ مناظرہ ہوا۔ جب نام نہاد اہلحدیث پیدا ہوئے تو انہوں نے شور مچا دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے نماز نہیں ہوتی۔ مولانا محمد حسین بٹالوی (۱۳۳۸ھ) نے سب سے پہلے اس پر اشتہار بازی کی، نواب وحید الزمان صاحب (۱۳۳۸ھ) نے لکھا: دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے اور پھر دونوں کو سینے پر رکھے یہی مختار مذہب ہے۔ (نزل الابرار ج ۱/ص ۷۳) جبکہ امام ترمذی الشافعی (۲۷۹ھ) نے اختلاف مذاہب نقل کرتے وقت سینے پر ہاتھ باندھنا کسی کا مذہب نقل نہیں کیا اور امام نووی الشافعی (۶۷۶ھ) نے بھی سینے پر ہاتھ باندھنا کسی کا مذہب نقل نہیں کیا۔ (شرح مسلم ج ۱/ص ۱۷۳) اب نئے مذہب کیلئے دلائل کی ضرورت تھی تو اس کیلئے کیسے ہاتھ پاؤں مارے گئے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری کے پانچ جھوٹ:

مولانا ثناء اللہ امرتسری (۱۹۴۸ء) نے اس کے دلائل مہیا کئے، پہلے قرآن پاک سے آیت پیش کی فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. اور اس سے سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت کیا

(فتاویٰ ثنائیہ ج ا/ص ۵۳۴، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳/ص ۹۵) قرآن پاک پر جھوٹ بولنے کے بعد بخاری، مسلم پر بھی جھوٹ بول دیا اور لکھا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری اور مسلم اوران کی شروح میں بکثرت ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ا/ص ۴۴۳، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۳/ص ۹۱) پھر تیسرا جھوٹ مسند احمد پر بولا کہ اس میں ان الفاظ میں حدیث ہے یضع یدہٗ علی صدرہٖ (فتاویٰ ثنائیہ ج ا/ص ۴۵۸) پھر چوتھا جھوٹ ابن خزیمہ پر بولا کہ ابن خزیمہ نے سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ا/ص ۴۵۷) پانچویں جھوٹ میں تو کمال کر دی کہ حدیث کی سند ہی بدل دی۔ ابن خزیمہ کی سند یوں تھی: ابوطاہر، ابوبکر، ابوموسیٰ، مؤمل، سفیان، عاصم بن کلیب، کلیب، وائل بن حجرؓ۔ اس کی بجائے صحیح مسلم کی سند لگا دی جو یوں ہے: زھیر بن حرب، عفان، ھمام، محمد بن احجادہ، عبدالجبار بن وائل، علقمہ بن وائل، وائل بن حجرؓ، یہ کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ ابن خزیمہ کی سند میں راوی مؤمل بن اسماعیل ہے جس کو امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۴/ص ۲۲۸) امام ذہبی ہی لکھتے ہیں کہ جس راوی کو امام بخاریؒ منکرا لحدیث فرمادیں اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ (میزان الاعتدال) اس کے علاوہ (۱) ابوحاتم، (۲) ابن حبان، (۳) یعقوب بن سفیان (۴) ساجی، (۵) دارقطنی (۶) ابن سعد (۷) محمد بن نصر مروزی (۸) ابوزرعہ، اسکو کثیر الخطاء کہتے ہیں۔ (میزان، تہذیب) اس کے بعد راوی سفیان ثوری ہیں جو خود اس حدیث کے خلاف ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں۔ (نووی شرح مسلم) جو راوی خود حدیث روایت کرے اور عمل اس کے خلاف کرے اس کی عدالت باقی رہتی ہے یا نہیں؟ ان کے بعد راوی عاصم بن کلیب ہے، نام نہاد اہلحدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترک رفع یدین والی حدیث کو نہیں مانتے کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن کلیب ہے اور وہ منفرد ہے جبکہ اس روایت میں بھی عاصم بن کلیب منفرد ہے۔ آخر قوم شعیب کی طرح ان کے لینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور کیوں ہیں۔ اس کے بعد کلیب بھی کوفی راوی ہے اور نام نہاد اہلحدیث کے نزدیک اہل کوفہ کی روایت نا قابل اعتماد ہے۔

یہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کے جھوٹ ہیں، جن کو یہ فرقہ شیخ الاسلام کہتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَایَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ. ''بے شک اللہ اس کو راہ نہیں دیتا جو بے لحاظ ہو جھوٹا۔'' اس طرح سندوں کا بدلنا اور اپنے مذہب نا مہذب کیلئے جھوٹ بولنا ان کا شیوہ ہے۔

محمد یوسف جے پوری جھوٹ کا ٹھیکیدار:

محمد یوسف جے پوری نے ''حقیقۃ الفقہ'' لکھی، اس نے بھی جھوٹ میں حصہ ملانا ضروری سمجھا۔ اس نے لکھا کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق محدثین صحیح ہے۔ (ہدایہ ج ۱/ص ۳۵۰) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین ضعیف ہے۔ (ہدایہ ج ۱/ص ۳۵۰) ابن المنذر رنے امام مالکؒ سے ہاتھ باندھنا روایت کیا ہے۔ (ہدایہ ج ۱/ص ۳۵۰) اور یہ بھی لکھا ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث مرفوع نہیں وہ قول حضرت علیؓ سے ہے اور ضعیف ہے (شرح وقایہ ص ۹۳) یہ چاروں باتیں بالکل جھوٹ ہیں، ہدایہ اور شرح وقایہ دونوں عربی زبان میں ہیں ان کے متن سے وہ عربی عبارت دکھائیں، جس کا ترجمہ یہ ہو اور محمد یوسف جے پوری اور مولوی داؤد راز کے چہرہ سے یہ جھوٹ کی کالک دھوئیں مگر یہ ہرگز نہ دھو سکیں گے۔ ایک اور لطیفہ ان دونوں کا سنیں، لکھتے ہیں: حضرت مرزا مظہر جان جاناں مجددی حنفی سینہ پر ہاتھ باندھنے والی حدیث کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے (مقدمہ ہدایہ ج ۱/ص ۱۱۱، ہدایہ ج ۱/ص ۳۱۵) یہ ہدایہ پر سفید نہیں سیاہ جھوٹ ہے۔ ہدایہ شریف سے وہ عربی عبارت پیش کریں جس کا یہ ترجمہ ہو اور یہ معمہ بھی حل کریں کہ صاحب ہدایہ ۵۹۳ھ میں وصال فرما گئے تھے اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ ۱۱۱۱ھ میں ہوئے، بارہویں صدی کی بات چھٹی صدی کی کتاب میں کیسے لکھی گئی۔ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ۔ ''اس طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ ہر دل پر غرور والے سرکش کے۔''

مولوی نور حسین گرجاکھی:

مولوی نور حسین گرجاکھی نے بھی اس جھوٹ میں حصہ ملانا ضروری سمجھا جس مذہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہو وہ اگر جھوٹ نہ بولیں تو کیا کریں۔ انہوں نے ''اثبات رفع یدین'' نامی کتابچہ لکھا اس میں حضرت وائل بن حجرؓ کی رفع یدین والی حدیث لکھی اور عربی حدیث میں علیٰ صدرہ یعنی سینے پر ہاتھ باندھنے کا لفظ اپنی طرف سے شامل کر کے نو کتابوں کا حوالہ دے دیا۔ (صحیح مسلم ج۱/ص۱۷۳، ابن ماجہ ص۶۲، دارمی ۱۰۷، دارقطنی ص ۱۱۸، ابوداؤد ج۱/ص۱۹۳ جزء بخاری، مسند احمد ج۳/ص ۱۴۷، بیہقی، مشکوٰۃ) حالانکہ اس حدیث میں علیٰ صدرہ نہیں ہے۔ یہاں یہی پڑھا جاسکتا ہے **سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْم**. ''اللہ تو پاک ہے، یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔'' نام نہاد اہلحدیث ایسے جھوٹ بولتے ہیں، ان کو خوب چھاپتے اور پھیلاتے ہیں لیکن جب بحث ومناظرہ کی نوبت آئے تو سب اندھے ہو جاتے ہیں، کسی کو اپنے فرقے کے مولویوں کے یہ جھوٹ اور خیانتیں نظر نہیں آتیں بلکہ الٹا اہل السنۃ والجماعۃ پر الزام تراشی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ:

حدثنا وکیع عن موسیٰ بن عمیر عن علقمه بن وائل بن حجر عن ابیه قال : رأیت النبی صلی اللہ علیه وسلم وضع یمینه علیٰ شماله فی الصلوٰة تحت السره. (ج۱/ص۳۹۰ ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ کراچی) حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کے بعض نسخوں میں یہ حدیث ہے، اس میں تحت السرہ کا لفظ نہیں اور بعض نسخوں میں تحت السرہ کا لفظ ہے۔ ان دونوں نسخوں کی اشاعت کا شرف اہل السنۃ و الجماعۃ احناف کو نصیب ہوا۔ جس میں تحت السرہ نہیں اس کو بھی سب سے پہلے احناف

نے ہی حیدر آباد دکن سے شائع کیا اور جس میں یہ لفظ ہے اسکو بھی احناف نے ہی کراچی سے شائع کیا۔ جس سے احناف کی امانت و دیانت واضح ہوتی ہے کہ یہ دونوں نسخوں کو مانتے ہیں لیکن نام نہاد اہلحدیث کا باوا آدم ہی نرالا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہود کی روش کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے: اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ. اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ. (بقرہ۔۸۷) ''پھر بھلا کیا جب پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔'' دوسری جگہ فرماتے ہیں کُلَّمَا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ وَفَرِیْقًا کَذَّبُوْا فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ. (المائدۃ۔۷۰) جب لایا انکے پاس کوئی رسول وہ حکم جو خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ یعنی غلام کی وفاداری کا امتحان اسمیں ہے کہ جس بات کو دل نہ چاہے آقا کے حکم سے کر گزرے اور اپنی رائے یا خواہش کو آقا کی مرضی کے تابع بنا دے، ورنہ صرف ان چیزوں کو مان لینا جو مرضی اور خواہش کے موافق ہوں کون سا کمال ہے۔

ان آیات میں یہود بے بہبود کی حالت کا نقشہ کھینچا کہ اگر کوئی رسول ایسا حکم سناتا جو ان کی خواہش کے موافق ہوتا تو اس کو بڑی خوشی سے مان لیتے اور اگر کوئی رسول ان کی خواہش کے خلاف حکم سناتا تو اس رسول کو جھٹلاتے بلکہ بعض کو شہید تک کر دیتے۔ یہی حال ان نام نہاد اہلحدیثوں کا ہے، کوئی حدیث ان کی خواہش نفس کے مطابق ہو تو بہت خوش ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی حدیث ان کی خواہش نفس کے خلاف ہو تو اس حدیث کو جھٹلانے میں یہود کو بھی مات کر دیتے ہیں۔ اس حدیث کو پوری قوت سے شہید کر دیتے ہیں۔ یہی حال بالکل یہاں ہوا کہ ''تحت السرہ'' کا لفظ ان کی خواہش نفس کے خلاف تھا اس لئے باقی روایات میں آیا ان کو ضعیف کہہ کر جھٹلا دیا مگر ابن ابی شیبہ میں ''تحت السرہ'' کے لفظ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنالیا، ہر جاہل و عالم غیر مقلد اس کے انکار کو ہی اپنا دین وایمان جانتا ہے۔

اس نسخہ کی اطلاع سب سے پہلے الشیخ قاسم بن قطلو بغا شاگرد رشید شیخ ابن ہمامؒ نے دی، ان کا وصال ۸۷۹ھ ہے۔ ان کی مخطوطات پر وسیع نظر تھی، بہت بڑے محدث

تھے، پوری دنیا میں ان کے علم کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس صدی میں اور پھر دسویں صدی میں گیارہویں صدی کے نصف تک دنیا بھر میں عرب یا عجم کے کسی محدث نے اس کا انکار نہ کیا۔ تقریباً پونے تین سو سال کا عرصہ گزرنے کے بعد محمد حیات سندھی نے کہا کہ مجھے اس قلمی نسخہ میں یہ الفاظ نہیں ملے جو میں نے دیکھا ہے۔ یہ محمد حیات سندھی، محمد معین ٹھٹھوی کا شاگرد ہے جو دراصل شیعہ تھا لیکن تقیہ کر کے اپنے آپ کو حنفی کہتا تھا۔ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دراسات اللبیب کے ضمیمہ میں اس کے شیعی عقائد کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ محمد حیات سندھی کی وفات ۱۱۶۳ھ میں ہے، نہ ہی محمد حیات سندھی بعد میں حنفی رہا اور نہ ہی محمد فاخر الہ آبادی حنفی تھا، اس کی وفات ۱۱۶۴ھ میں ہے وہ بھی محمد حیات سندھی کا ساتھی تھا جو محمد معین شیعہ کی وجہ سے حنفیت سے برگشتہ ہو گیا اور محمد فاخر بھی اسی کے مذہب پر تھا۔ الغرض پونے تین سو سال بعد اس نے انکار کیا کہ میرے نسخہ میں نہیں تو مولانا قائم سندھی اور مولانا محمد ہاشم سندھی نے اس کو صحیح نسخہ میں تحت السرہ کا لفظ دکھا کر اس کی بولتی بند کر دی۔ اب یہ اعتراض تو نہ رہا کہ یہ تحت السرہ کسی نسخے میں نہیں ہے، لیکن غیر مقلدیت کے ساتھ ضد اور انکار حدیث تو لازم و ملزوم ہیں وہ چونکہ انکار کر چکا تھا لیکن اس ضد کو چھوڑ نہیں سکتا تھا اس لئے یہ شور مچایا: **ما سمعنا بهذا في الملة الآخرة** یہ نہیں سنا ہم نے پچھلے دین میں۔ مولانا ثناء اللہ کی سوانح عمری میں ہے کہ محمد فاخر الہ آبادی نے پہلی دفعہ جامع مسجد دہلی میں آمین بالجہر کہہ کر تقلید کی بکارت زائل کر دی۔ (نقوش ابوالوفاء ص ۳۵)

خلاصہ...... خلاصہ یہ ہے کہ الشیخ قاسم بن قطلوبغا (۸۷۹ھ) نے یہ حدیث ''تحت السرہ'' کے لفظ کے ساتھ لکھ کر ''تخریج احادیث الاختیار'' میں لکھا: **هذا سند جيد** اور اس صدی میں کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، پھر شیخ ابوالطیب المدنی السندھی نے شرح ترمذی میں یہ حدیث لکھ کر فرمایا: **هذا حديث قوى من حيث السند** ان کا وصال ۱۱۴۰ھ میں ہے اور شیخ ابوالحسن السندھی کے معاصر ہیں۔ جب شیخ حیات سندھی نے انکار کیا تو شیخ قائم السندھی اور شیخ ہاشم سندھی نے انکو نسخہ صحیحہ دکھایا اور محمد فاخر نے اس زیادت کا انکار

نہیں کیا۔ اس کے بعد شیخ عابد السندھی (۱۲۵۷ھ) نے بھی طوالع الانوار شرح در مختار میں اس حدیث کو ذکر کیا اور اس پر ایک آواز بھی اس کے خلاف بلند نہ ہوئی کیونکہ محمد حیات السندھی کا انکار نہ صرف بے دلیل بلکہ خلاف دلیل تھا۔

مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری:

تا آنکہ مولوی عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد ۱۳۳۵ھ نے محمد حیات السندھی کی مردود بات کو دوبارہ ہوا دی اور اس پر تیل چھڑ کا لیکن مبارک پوری بھی مانتا ہے کہ بعض نسخوں میں یہ زیادت ہے۔

پہلا وہم = سہو کاتب:

انکار حدیث ہر غیر مقلد کی سرشت میں داخل ہوتا ہے اسلئے انکار حدیث کیلئے انکا کہنے ہے کہ نسخوں میں ''تحت السرہ'' تو ہے مگر یہ سہو کاتب ہے، نچلی سطر میں ''تحت السرہ'' تھا وہ غلطی سے نظر سے چوکنے سے اوپر والی حدیث میں لکھ دیا۔ اگر انکا یہ وہم مان لیا جائے تو پھر نیچے والی روایت میں تحت السرہ کا لفظ نہیں رہنا چاہئے آخر دو سطروں میں دو جگہ ''تحت السرہ'' تو فوراً نظر آ جاتا ہے۔ تصحیح کے وقت اصل نسخہ میں ایک تحت السرہ ہوتا نقل میں ساتھ ساتھ دو جگہ نظر آئے تو یہ غلطی کبھی چھپی نہیں رہ سکتی اسلئے یہ محض وہم ہے وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا. ''سو اٹکل کام نہیں دیتی حق بات میں کچھ بھی۔''

دوسرا وہم:

دوسرا وہم یہ ہے کہ ابن ترکمانی، زیلعی، عینی وغیرہ نے اسکا ذکر نہیں کیا تو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے دو نسخے ہیں ایک میں یہ الفاظ ہیں ایک میں نہیں تو انکے پاس پہلا نسخہ ہو تو اس سے دوسرے نسخے کی نفی کیسے ہوگی۔ شیخ قاسم کے بعد ابن طولون حنفی (۹۵۳ھ)، علی متقی حنفی (۹۷۵ھ)، ملا علی قاری حنفی (۱۰۱۴ھ)، احمد شبلی حنفی (۱۰۲۷ھ)، شیخ عبدالحق حنفی (۱۰۵۲ھ)، محدث ایوب بن احمد خلوتی حنفی (۱۰۷۱ھ)، محدث حسن بن علی عجیمی مکی حنفی

(۱۱۱۳ھ)، محدث ابن الهادی السندھی (۱۱۳۹ھ)،محدث شیخ عبدالغنی نابلسی حنفی (۱۱۴۳ھ)،محدث محمد بن احمد عقیلہ مکی حنفی (۱۱۵۰ھ)، شیخ محدث عبداللہ بن محمد اماسی حنفی شارح بخاری و مسلم (۱۱۶۷ھ)، شیخ محدث محمد بن حسن المعروف بابن ہمات حنفی (۱۱۷۵ھ)، شیخ محدث سید محمد مرتضٰی زبیدی حنفی (۱۲۰۵ھ)،محدث فقیہ محمد ہبۃ اللہ بالی (۱۲۲۴ھ)، محدث شہیر ابن عابدین (۱۲۵۲ھ) ، شیخ محدث شاہ ولی اللہ حنفی (۱۲۷۶ھ)، شیخ محدث عبدالغنی مجددی المدنی (۱۲۹۶ھ)، شیخ محمد عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ)وغیرہ ہم کسی نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا۔

تیسرا وہم:

اپنی خواہش کے مخالف حدیث کو جھٹلانا بلکہ اس حدیث کو شہید کرنا غیر مقلدیت کی سرشت میں شامل ہے، پہلے دونوں وار کارگر نہ ہوئے تو اب تیسرا اور آخری وار کیا۔ جو پہلے دو سے بھی زیادہ بودا اور کمزور ہے بلکہ بیت عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ حدیث مسند احمد اور دار قطنی میں ہے، اس میں ''تحت السرہ'' نہیں ہے، اسلئے مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ''تحت السرہ'' نہیں ہے۔

ازالہ:

اختلاف نسخہ کی پہلی مثال......اگر یہ اعتراض بھی علم حدیث میں کوئی حیثیت رکھتا ہے تو اسی مسئلہ میں غیر مقلدین جو حدیث مسند احمد سے پیش کرتے ہیں:

عن هلبؓ (الطائی) قال : رأيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ينصرف عن يمينه و عن شماله و رأيته يضع هذه علی صدره و صف يحيیٰ اليمنی علی اليسری فوق المفصل . (احمد)

ترجمہ......ہلب طائی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ دائیں اور بائیں طرف سے پھرتے تھے اور میں نے دیکھا آپ نے اس کو اپنے سینے پر رکھا یحییٰ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر گٹ پر رکھ کر دکھایا۔

(۱)......اس حدیث کی سند اوپر سے یوں ہے: سفیان، سماک، قبیصہ، ھلب اس حدیث کو (۱) ترمذی، (۲) ابن ماجہ نے ابوالاحوص، سماک الخ سے روایت کیا ہے اور اسمیں صدرہ نہیں۔ دار قطنی نے (۳) عبدالرحمٰن بن المحدی اور (۴) وکیع عن سفیان سے اس کو روایت کیا ہے اسمیں علیٰ صدرہ نہیں پھر (۵) امام احمد نے خود وکیع عن سفیان سے اس کو روایت کیا ہے، اس میں علی صدرہ نہیں۔ پھر (۶) امام احمد نے ہی اس کو شریک عن سماک سے روایت کیا ہے اسمیں بھی علیٰ صدرہ نہیں ہے۔ اپنا فیصلہ یہاں بھی جاری کریں کہ ۶ جگہ علیٰ صدرہ نہیں صرف ایک جگہ ہے اس لئے علیٰ صدرہٖ تحریف ہے۔

(۲)......اس حدیث میں مرکزی راوی سماک بن حرب ہے اور وہ منفرد ہے: قال النسائی اذا انفرد باصلٍ لم یکن بحجة لانه کان یلقن فیتلقن. (میزان الاعتدال ج ۲/ص ۲۳۳) امام نسائی فرماتے ہیں جب وہ اکیلا ہو تو حجت نہیں کیونکہ وہ تلقین کو قبول کر لیتا تھا۔ پھر یہ سماک کوفی بھی ہے اور اہل کوفہ کی روایت کو صاحب حقیقۃ الفقہ نے ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔

(۳)......اس سند میں سفیان ثوری بھی ہیں جو اس حدیث کے خلاف ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے۔

(۴)......اس میں نماز کے بعد کا ذکر ہے کہ اس کو اپنے سینے پر رکھا، کوئی صاف معنی نہیں بنتا، نہ نماز کے اندر ہاتھ باندھنے کا معنی نکلتا ہے۔

(۵)......امام احمد بھی اس حدیث کو نہیں مانتے، ان کا ایک قول ''فوق السرہ'' اور دوسرا ''تحت السرہ'' کا ہے ''علیٰ صدرہٖ'' کا کوئی قول نہیں۔

(۶)......یحییٰ بن سعید نے دایاں ہاتھ بائیں گٹ پر رکھا، غیر مقلد دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھتے ہیں۔

(۷)......ابن عبدالبر نے ''التمہید'' میں اس حدیث میں ''علیٰ صدرہٖ'' ذکر نہیں کیا۔

(۸)......علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں مسند احمد کی تمام زائد احادیث لی ہیں اور اس روایت ''علی صدرہٖ'' والی کا ذکر تک نہیں۔

(۹)...... علامہ سیوطی نے ''جمع الجوامع'' میں مسند احمد کی روایات لی ہیں مگر اس روایت کا نشان تک نہیں۔

(۱۰)...... علی متقی نے ''کنز العمال'' میں مسند احمد کی روایات لی ہیں مگر اس میں ''علی صدرہٖ'' کا نشان تک نہیں بتایا۔

کیا ان دس دلائل قاہرہ سے آپکے اصول پر تحریف ثابت ہوگئی یا نہیں، اب ذرا مسند احمد کے حوالہ سے ''علیٰ صدرہٖ'' نقل کرنے والوں کے خلاف بھی گالیوں کا پلندہ شائع کرو۔

اختلاف نسخہ کی دوسری مثال...... اگر اس طرح تحریف ثابت ہوتی ہے تو جو حدیث غیر مقلدین صحیح ابن خزیمہ کے حوالہ سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی پیش کرتے ہیں اس کا حال ملاحظہ فرمائیں:

(۱)...... یہ حدیث حضرت وائل بن حجرؓ سے ہے اور حضرت وائلؓ نے اپنی آخری زندگی ساری کوفہ میں گزاری ہے اور اہل کوفہ کا سینے پر ہاتھ باندھنا ہرگز ثابت نہیں، پس اس پر خود صحابی کا عمل ہی ثابت نہیں۔

(۲)...... حضرت وائلؓ سے انکے ایک صاحب زادہ علقمہ (احمد ج ۴/ص ۳۱۶، دار قطنی ج ۱/ص ۱۱۷، نسائی ج ۱/ص ۱۴۱) اور انکے دوسرے صاحبزادے عبدالجبار عن علقمہ واہل بیت و مولیٰ لہم روایت کرتے ہیں۔ (مسلم ج ۱/ص ۱۷۳، ابوداؤد ج ۱/ص ۱۱۲، بیہقی ج ۲/ص ۲۶، احمد ج ۴/ص ۳۱۸، دارمی ج ۱/ص ۱۶۴) مگر کسی روایت میں نہ ''علی صدرہٖ'' ہے اور نہ ہی حضرت وائلؓ کے خاندان میں سے کسی ایک کا سینے پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔

(۳)...... عاصم بن کلیب سے شعبہ (احمد ج ۴/ص ۳۱۹) عبدالواحد (ایضاً ج ۴/ص ۳۱۶) زہیر بن معاویہ (ایضاً ج ۴/ص ۳۱۸) زائدہ (ایضا ج ۴/ص ۳۱۸) بشر بن المفضل (ابوداؤد ج ۱/ص ۱۱۲) عبداللہ بن ادریس (ابن ماجہ/ص ۵۹) سلام بن سلیم (طیالسی ص ۱۳۷) خالد بن عبداللہ (بیہقی ج ۲/ص ۳۱) روایت کرتے ہیں اور کسی ایک روایت میں بھی علیٰ صدرہ نہیں ہے۔

(۴)...... عاصم سے صرف سفیان ثوری کی سند میں ہے اور وہ اس کے خلاف زیر ناف ہاتھ باندھتے ہیں۔ (شرح المہذب ج ۳/ص ۳۱۳، مغنی ابن قدامہ ج ۱/ص ۵۱۹)

(۵)...... اسکے بعد مؤمل بن اسماعیل کا انفراد اور ضعف بھی بیان ہو چکا۔

اب فرمایئے! اس کو آپ تحریف کہیں گے؟ محمد حیات سندھی، محمد فاخر الہ آبادی اور مبارک پوری نے اس کو تحریف نہیں، سہو کاتب کہا تھا، جوان کا وہم تھا۔ جبکہ ان تین غیر مقلدوں کے علاوہ کسی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نے اسکو سہو کاتب بھی نہیں کہا۔ مگر آج کے لونڈے اپنے علماء کے بھی منہ آ رہے ہیں، انکو انڈیا کے ایک غیر مقلد عالم نے دردمندانہ پیغام میں کہا ہے ''ایک اور المیہ یہ بھی ہے کہ علماء کے علاوہ جماعت کے عوام تک ادھر ادھر سے دو چار مسائل جان لینے کے بعد خود کو اس قابل سمجھنے لگتے ہیں کہ ہر مسئلے میں بڑے سے بڑے عالم سے الجھنے لگیں۔ علماء سے بحث و مباحثہ اور ان پر تنقید کو اپنا مستقل مشغلہ بنا لیتے ہیں اور اس مذموم حرکت کو بہت بڑا دینی کارنامہ تصور کرنے لگتے ہیں اور ساتھ ہی بڑے فخر سے یہ کہا کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین عمر فاروق ؓ کو جب ایک معمولی بڑھیا نے سختی سے ٹوک دیا تھا تو یہ علماء ان سے بڑے مرتبے والے تو نہیں۔ کاش ان اللہ کے بندوں کو معلوم ہوتا کہ وہ لوگ امیر المؤمنین کو صرف ٹوکتے ہی نہیں تھے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ان کا ادب و احترام بھی کرتے تھے اور ان لوگوں کے اندر امیر کی اطاعت کا بھرپور جذبہ بھی پایا جاتا تھا لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ عوام کو یہ جرأت رندانہ بخشنے والے اور بات بات پر علماء سے الجھنے کا مزاج بنانے والے بھی ہمارے بعض کم اندیش اور ناتجربہ کار علماء ہی ہیں۔ یہ لوگ عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دیتے ہیں کہ کسی حکمران یا عالم کو ٹوکنا بہت بڑا جہاد ہے اور دینی کارنامہ ہے، کاش! یہ حضرات سمجھ سکتے کہ انکا دیا ہوا یہ سبق کل ان ہی کے آگے دہرایا جائے گا۔'' (ہفت روزہ ترجمان دہلی ص ۸، ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۴ء)

اختلاف نسخہ کی تیسری مثال:

(۱)...... تمام غیر مقلدین اہل السنۃ والجماعۃ کی ضد میں وتر میں دو رکعتوں کے بعد قعدہ نہیں

کرتے، وہ مستدرک حاکم کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں **لا یقعد الا فی آخر هن** مگر یہ مستدرک کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ علامہ زیلعی، شیخ ابن ہمام، علامہ عینی، سید مرتضیٰ زبیدی سب نے لایقعد کی جگہ لایسلم ہی نقل کیا ہے لیکن وہ چونکہ غیر مقلدین کی خواہش کے موافق ہے اس لئے قبول ہے اس کو تحریف نہیں کہیں گے۔

ابوداؤد:

(۲)......ابوداؤد سے سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث ابن الاعرابی کے نسخہ میں ہے۔ لؤلؤی جو آخری نسخہ ہے اسمیں بالکل نہیں مگر اس کو تحریف نہیں کہتے۔

(۳)......ابوداؤد شریف میں ہی یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترک رفع یدین والی حدیث کے بارے میں انہوں نے فرمایا ہے: **لیس بصحیح بهذا اللفظ** یہ عبارت ابوداؤد کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ ابن الاعرابی کے نسخہ میں بھی بریکٹ میں ہے اور ابوداؤد کے آخری اور صحیح ترین نسخے لؤلؤی میں نہیں ہے۔ جب آخری نسخہ سے خود ابوداؤد نے اس کو نکال دیا تو اب دوبارہ اس کو ابوداؤد میں داخل کرنے کی ضرورت کیا تھی، صرف خواہش نفسانی۔

(۴)......مگر ابوداؤد شریف میں ہی بعض نسخوں میں ابی بن کعبؓ کی حدیث میں **عشرین رکعةً** ہے، چونکہ یہ روافض کی تقلید میں بیس رکعت تراویح کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس نسخہ کا انکار کر دیا، اب بجائے اس کے کہ انکار حدیث پر کچھ شرم کرتے الٹا شور مچا دیا کہ دیوبندیوں نے تحریف کر دی۔ ان کے شیخ الحدیث سلطان محمود جلال پوری نے اس پر پورا رسالہ لکھ مارا، اس کو کہتے ہیں:

چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ج ۱/ص ۴۰۰ پر ابوداؤد سے سند کے ساتھ **عشرین رکعةً** (بیس رکعت) ہی نقل کیا ہے۔ اس کتاب کے محققین شعیب الارنوط اور حسین الاسد نے بھی اسکی حاشیہ میں تائید کی ہے۔ ذہبی کا وصال ۷۴۸ھ ہے اس وقت سے

لے کر آج تک کسی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، محدث نے اس نسخہ کا انکار نہیں کیا۔ اس کے انکار کی لعنت جلالپوری کے چہرہ پر برسی اور انکار پر شرم کرنے کی بجائے الٹا اسے تحریف کا نام دیا۔

(۵)...... حضرات انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے کی جو عادات یہود میں تھیں احادیث رسول کو جھٹلانے میں غیر مقلدین نے یہود کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ مسند الحمیدی میں ایک نہایت صحیح السند حدیث ترک رفع یدین پر ہے جو ان کے اس جھوٹ کے خلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ رفع یدین کرتے رہے۔ ان کو چاہئے تھا کہ اس صحیح حدیث کے بعد اپنے جھوٹ سے توبہ کر لیتے ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، مگر اپنے جھوٹ سے توبہ کرنے کی بجائے الٹا اس حدیث کا انکار کر دیا کہ یہ حدیث دمشق کے مکتبہ ظاہریہ کے نسخہ میں نہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نے جن نسخوں کو سامنے رکھ کر آڈٹ کیا ہے، کیا ان نسخوں میں نہیں ہے؟ کوئی ماں کا لعل ثابت کر سکتا ہے کہ کسی نسخہ میں نہیں۔ جب ان نسخوں میں یقیناً ہے تو اب اس کا انکار یقیناً صحیح حدیث کا انکار ہے اور اپنے اس گناہ کو چھپانے کیلئے دوسروں کو تحریف کا الزام دینا اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔

(۶)...... اسی طرح صحیح ابوعوانہ میں نہایت صحیح سند سے ترک رفع یدین کی حدیث ہے جس کو ماننا ان کے مذہب کی موت ہے، اس کے انکار کیلئے پہلے تو تحریف معنوی کرتے رہے کہ لا یرفع پیچھے نہیں آگے لگتا ہے اور غتر بود کے لطیفے کو دہراتے رہے۔ مشہور ہے کہ ایک طالب علم نے سعدی کا یہ شعر پڑھا:

سعدی　که　گوئے　بلاغت　ربود
در　ایام　ابوبکر　بن　سعد　بود

اس نے بلاغت کی غت کو پیچھے لگانے کی بجائے آگے لگا دیا اور استاد سے پوچھا کہ غتر بود کا کیا معنی ہے؟ یہی کچھ اس منکر حدیث فرقے نے حدیث ابوعوانہ کے ساتھ کیا۔ پھر جب ہر طرف سے اپنوں اور بیگانوں نے ملامت کی تو اب یہ شور مچا دیا کہ ایک نسخہ میں ''و'' زائد مل گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن نسخوں کا حوالہ آڈٹ کرنے والوں نے دیا ہے ان نسخوں میں یہ حدیث اسی طرح ہے تو حدیث ثابت ہوگئی، اس کا انکار کر کے منکرین حدیث

کی جماعت میں آپ شامل ہو گئے ہیں۔

جس طرح قرآن وحدیث روافض کی خواہشات نفسانی کے خلاف ہے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم قرآن وسنت کو اس لئے نہیں مانتے کہ اس سے ہماری خواہشات نفس پامال ہوتی ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن وسنت میں صحابہ کرام نے تحریف کر دی ہے، اس لئے ہم نہیں مانتے۔ اسی طرح چھوٹے رافضی جن احادیث صحیحہ کو اپنی خواہشات نفسانی کے خلاف پاتے ہیں ان کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں اور انکار کی وجہ یہ بتاتے ہیں اہل السنۃ والجماعۃ احناف نے قرآن وحدیث میں تحریف کر دی ہے۔ اس عقیدہ میں دونوں متفق ہیں کہ قرآن وحدیث میں تحریف ہو چکی ہے، صرف اختلاف اس میں ہے کہ تحریف صحابہ نے کی یا اہل السنۃ والجماعۃ نے۔ لیکن اس طرح انکار حدیث کر کے یہ اپنی ہی دنیا اور دین بگاڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

فقط محمد امین صفدر

۱/۱۱/۹۴

نماز میں ہاتھوں کا ناف کے نیچے رکھنا:

عن ابی جحیفة ان علیا رضی اللہ عنه قال السنة وضع الكف علی الكف فی الصلوٰة تحت السرة (ابوداؤد ص ۷۶ ج ۱، دارقطنی ص ۲۸۶ ج ۱)

ترجمہ: حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز میں ہاتھ کو ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا مسنون طریقہ ہے۔

نوٹ: یہ روایت ابوداؤد کے مشہور تین نسخوں میں سے ابن اعرابی کے نسخہ میں موجود ہے۔ (بحوالہ اعلاء السنن ص ۱۸۹ ج ۲)

بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا:

عن انس قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (مسلم ج ۱، ص ۱۷۲)

ترجمہ: حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھی۔ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے نہیں سنا (یعنی اونچی آواز سے نہیں پڑھتے تھے)

امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنا:

عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیوتم به

فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد (نسائی ج۱ص۱۴۶)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لئے ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

عن ابی موسیٰ الاشعری قال خطبنا رسول اللہ ﷺ فعلمنا سنتنا وبین لنا صلوٰتنا فقال اذا کبر الامام فکبروا واذا قرء فانصتوا (صحیح ابوعوانہ ص۱۲۳ ج۲۔ واللفظ لمسلم ج۱ص۱۹۳)

ترجمہ: ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی اور ہمیں نماز کا طریقہ بتلایا کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

آمین آہستہ کہنا:

عن وائل بن حجر قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ فلما قرأ غیر المغضوب علیھم ولاالضالین قال آمین واخفی بھا (مسند امام احمد ص۳۱۶ ج۴۔ دارقطنی ج۱ص۳۳۴)

ترجمہ: وائل ابن حجر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ جب آپ نے غیر المغضوب علیھم پڑھا تو آہستہ آواز سے آمین فرمایا۔

نماز میں تحریمہ کے بغیر رفع یدین نہ کرنا:

عن علقمة عن عبداللہ قال الا اخبر کم بصلوٰۃ رسول اللہ ﷺ قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد (نسائی ص۱۵۸ ج۱)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کیا میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں مطلع نہ کروں؟ چنانچہ کھڑے ہوئے اور ایک ہی مرتبہ ہاتھ اُٹھائے، پھر آخر تک ایسا نہ کیا۔

عن عبداللہ عن النبی ﷺ انه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود (طحاوی ج۱ص۱۱۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تکبیر اولیٰ کے وقت رفع یدین کرتے، پھر (پوری نماز میں) کہیں ایسا نہ کرتے۔

دو رکعتوں کے درمیان جلسہ استراحت نہ کرنا:

عن ابی ہریرة قال کان النبی ﷺ اینهض فی الصلوٰة علی صدور قدمیه (ترمذی ج۱ص۶۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نماز میں اپنے قدموں کے بل کھڑے ہو جاتے۔

بائیں پاؤں پر بیٹھنا اور دایاں پاؤں کھڑا کرنا:

عن عائشة قالت کان رسول اللہ ﷺ یستفتح الصلوٰة بالتکبیر (الی ان قالت) و کان یفترش رجله الیسری وینصب رجله الیمنی (مسلم ج۱ص۱۹۴،۱۹۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر سے نماز کا آغاز کرتے (ان کے مفصل بیان کے آخر میں ہے کہ) آپ بایاں پاؤں بچھا دیتے اور دایاں پاؤں کھڑا کر دیتے۔

فجر کی سنتیں سورج کے طلوع ہونے کے بعد ادا کرنا:

عن ابی سعید الخدری یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا صلوٰة بعد الصبح حتیٰ ترتفع الشمس و لا صلوٰة بعدالعصر حتیٰ تغیب الشمس (بخاری ج۱ص۸۲،۸۳)

ترجمہ: ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ صبح کے بعد سورج کے بلند ہونے تک اور عصر کے بعد سورج کے غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں۔

عن ابی ہریرة قال رسول اللہ ﷺ من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلهما بعد ما تطلع الشمس (ترمذی ج۱ص۹۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں تو اس کو چاہئے کہ ان کو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے۔

فجر کو سفیدی میں ادا کرنا:

عن رافع بن خديج قال سمعت رسول الله يقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر (ترمذی ص ۴۱ ج ۱)

ترجمہ: رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کو روشنی میں پڑھا کرو، کیونکہ ایسا کرنا ثواب کے لئے بہت سودمند ہے۔

عن محمود بن لبيد عن رجال من قومه من الانصار ان رسول الله ﷺ قال ما اسفر تم بالصبح فانه اعظم بالاجر (نسائی ص ۹۴ ج ۱)

ترجمہ: محمود بن ولید اپنی قوم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم فجر کو جس قدر روشنی میں پڑھو گے، ثواب میں زیادتی ہوگی۔

گرمیوں میں ظہر کا دیر سے پڑھنا:

عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم (بخاری ص ۷۷ ج ۱)

ترجمہ: حضرت ابوسعید کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہوتی ہے۔

عن انس بن مالک قال کان رسول الله ﷺ اذا كان الحر ابرد بالصلٰوة واذا كان البرد عجل (نسائی ص ۷۷ ج ۱)

ترجمہ: انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گرمی میں نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے اور سردی میں جلدی کرتے۔

تین وتر:

عن عبدالله بن عباس انه رقد عند رسول الله ﷺ (الٰی ان قال)

ثم اوتر بثلاث (مسلم ص ۲۶۰ ج ۱)

ترجمہ: عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سوئے ہوئے تھے (اس طویل بیان کے آخر میں کہتے ہیں کہ) آپ نے پھر تین وتر پڑھے۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بسبح اسم ربک الاعلیٰ وقل یا ایھا الکفرون وقل ھو اللہ احد (ترمذی ص ۱۰۶ ج ۱؛ نسائی ص ۲۵۱ ج ۱؛ ابن ماجہ ص ۸۳)

ترجمہ: ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سبح اسم ربک الاعلیٰ اور قل یاَیھا الکٰفرون اور قل ھو اللہ احد (تین سورتوں سے) وتر پڑھا کرتے تھے۔

عیدین میں زائد چھ تکبیریں:

ان سعید ابن العاص سئل ابا موسیٰ الاشعری وحذیفۃ بن الیمان کیف کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی الاضحیٰ والفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعًا تکبیرۃ علی الجنازۃ فقال حذیفۃ صدق فقال ابو موسیٰ کذالک کنت اکبر فی البصرۃ حیث کنت علیھم (ابوداؤد ص ۱۷۰ ج ۱)

ترجمہ: سعید ابن العاصؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں کس طرح تکبیر کرتے تھے، تو ابوموسیٰ الاشعری نے کہا کہ جنازہ کی تکبیروں کی طرح ہر رکعت میں چار تکبیریں کرتے (پہلی رکعت میں تین تکبیریں زائد اور تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں تین تکبیریں زائد اور ایک تکبیر رکوع کی) اس پر حذیفہ نے ان کی تصدیق کی۔ ابوموسیٰ اشعری نے مزید کہا کہ میں بصرہ میں تھا، اسی طریقہ سے تکبیریں کرتا تھا جب وہاں کا حاکم تھا۔

بیس تراویح:

عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ (مؤطا امام مالک ص ۴۰)

ترجمہ: یزید بن رومان سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب کے زمانہ میں لوگ رمضان کی

راتوں میں تئیس رکعتیں پڑھتے (بیس تراویح اور تین وتر)

وروی مالک من طریق یزید ابن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة (فتح الباری ج۵ص۱۵۷وعلیہ سکت الحافظ)

فی المؤطا من طریق یزید ابن خصیفة عن السائب بن یزید انها عشرون رکعة (نیل الاوطار ج۲،ص۲۸۹،۲۹۹)

وروی محمد بن نصر المروزی من طریق مالک عن یزید ابن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة (قیام اللیل)

ان روایات کے بعینہ راوی بخاری ص۳۱۲ پر موجود ہیں۔

عن حسن بن عبدالعزیز عن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۹۳جز۲)

ترجمہ: حسن بن عبدالعزیز رفیع سے روایت کرتے ہیں کہ ابی بن کعب مدینہ میں لوگوں کو بیس رکعتیں اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔

حج کے مواقع کے سوا دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع نہ کرنا:

عن عبداللّٰہ بن مسعود قال ما رایت رسول اللّٰہ ﷺ صلی صلوٰة الا لمیقاتها الا صلوٰتین صلوٰة المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتها وفی روایة قبل وقتها بغلس (مسلم ج۱ص۲۱۷)

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے وقت کے بغیر کبھی نماز پڑھتے نہیں دیکھا، سوائے دو نمازوں کے، یعنی مغرب اور عشاء جن کو مزدلفہ میں (ایک ہی وقت میں) پڑھا اور اس دن فجر کو اپنے وقت سے پہلے پڑھا۔

نماز مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھنا:

عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی عهد رسول اللّٰہ ﷺ یصلیهما. (ابوداؤد ص۱۸۹ج۱)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے کہا میں نے عہد نبوی میں یہ دو رکعتیں پڑھتے کسی کو نہیں دیکھا۔

نماز جنازہ جنازہ گاہ میں:

عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ صف بھم بالمصلی فکبر علیھم اربعًا (بخاری ص ۱۷۷، ج۱)

حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جنازہ گاہ میں صفیں بنوائیں اور (نجاشی) کے جنازہ پر تکبیریں کہیں۔

جنازہ غائبانہ:

عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ صلی علیہ وھم لا یظنون الاان جنازتہ بین یدیہ (ابن حبان وفی روایۃوما نحن نحسب الا انھا موضوعۃ بین یدیہ (مسند۴-۴۴۶)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (نجاشی) کی نماز جنازہ پڑھائی۔ہم سب صحابہ یہی گمان کرتے تھے کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے رکھا ہوا ہے۔(یعنی یہ جنازہ نماز غائبانہ نہ تھا)

جنازہ اور مسجد:

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی الجنازۃ فی المسجد فلا شئ لہ (ابن ابی شیبہ۳-۳۶۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کو کوئی اجر نہیں ملتا۔

تکبیراتِ جنازہ:

عن ابراھیم قال قبض رسول اللہ ﷺ والناس مختلفون فی التکبیر علی الجنائز لا تشاء ان تسمع رجلا یقول سمعت رسول اللہ ﷺ

یکبر سبعا و آخر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یکبر خمسا و آخر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یکبر اربعًا الا سمعته فاختلفوا فی ذٰلک فکانوا علٰی ذالک حتٰی قبض ابوبکر فلما ولیٰ عمر ورأی اختلاف الناس فی ذالک شق ذالک علیه جدا فارسل الٰی رجال من اصحاب رسول اللہ ﷺ فقال انکم معاشر اصحاب رسول اللہ ﷺ متی تختلفون علی الناس یختلفون من بعدکم ومتی تجتمعون علی امر یجتمع الناس علیه فانظروا امرا تجتمعون علیه فکانما ایقظهم فقالوا نعم ما رایت یا امیر المؤمنین فاشر علینا فقال عمر بل اشیروا انتم علیّ فانما انا بشر مثلکم فتراجعوا الامر بینهم فاجمعوا امرهم علی ان یجعلوا التکبیر علی الجنازۃ مثل تکبیر الاضحی والفطر اربع تکبیرات فاجمع امرهم علٰی ذٰلک (طحاوی مترجم ا-۳۴۴)

امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک تکبیر جنازہ کے متعلق اختلاف تھا۔ کوئی کہتا کہ میں نے آپ کو سات تکبیریں کہتے سنا۔ کوئی کہتا میں نے آپ کو پانچ تکبیریں کہتے سنا۔ کوئی کہتا میں نے آپ کو چار تکبیریں کہتے سنا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات تک لوگوں میں یہی اختلاف رہا۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے گئے تو آپ پر یہ اختلاف بہت شاق گزرا۔ آپ نے فرمایا: تم اصحاب رسول ہو، تم اختلاف کرو گے تو بعد والے بھی اختلاف کریں گے اور اگر تم نے اتفاق کر لیا تو تمہارے بعد والے بھی اتفاق کریں گے۔ چنانچہ آپ نے اکابر صحابہؓ کو جمع فرمایا اور فرمایا اس بارے میں اتفاق کرو۔ چنانچہ پوری بحث و تمحیص کے بعد سب کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ نماز جنازہ چار ہی تکبیروں سے ہوا کرے گا اور عید الاضحیٰ اور عید الفطر بھی فی رکعت چار تکبیریں ہی ہوا کریں گی۔

جنازہ دعا:

عن ابی ہریرۃؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میت کی

نماز جنازہ پڑھو تو خلوص سے دعا کرو۔

دعا کا طریقہ:

عن فضالة بن عبيد يقول سمع رسول الله رجلا يدعو فى صلوته لم يمجد الله ولم يصل على النبى ﷺ فقال رسول الله ﷺ عجل هذا ثم دعاه فقال له او لغيره اذا صلى احدكم فليبدأ بتمجيد ربه والثناء عليه ثم يصل على النبى ﷺ ثم يدعو بما شاء (ابوداؤد مترجم ۱-۵۵۲)

ترجمہ: حضرت فضالہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے سنا۔ اس نے نہ اللہ کی ثنا کی نہ نبی پر درود پڑھا۔ آپ نے فرمایا: اس نے جلد بازی کی۔ پھر آپ نے اسے بلایا اور فرمایا جب نماز پڑھو، پہلے اللہ کی ثنا کرو، پھر نبی پاک پر درود پڑھو، پھر جو چاہے مانگو۔

طریقہ نماز جنازہ:

عن الشعبى قال التكبيرة الاولى على الميت ثناء على الله والثانية صلاة على النبى ﷺ والثالثة دعاء للميت والرابعة تسليم (عبدالرزاق ۳-۴۹۱، ابن ابی شیبة ۳-۲۹۵)

ترجمہ: امام شعبی فرماتے ہیں نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد اللہ جل جلالہ پر ثناء ہے۔ دوسری تکبیر کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود ہے۔ تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا ہے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام ہے۔

اُسوۂ سرورِ کونین فی رفع الیدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی! السلام علیکم، جناب کی تحریر سے آپ کے مندرجہ ذیل دعاوی سامنے آئے:

(۱) آنحضرت ﷺ اپنی پوری زندگی تک رکوع جاتے، رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے رہے۔(ص۱،۲)

(۲) اس سلسلہ میں چار سو احادیث موجود ہیں (ص۱۲) ان میں عشرہ مبشرہ کی احادیث بھی ہیں۔

(۳) یہ رفع یدین سنت ہے۔اس کا ترک فساد ہے، اس لئے رفع یدین کی سنت کو زندہ کرنا ان فاسد نمازوں کے مقابلہ میں سو شہیدوں کا ثواب ہے(ص۱۳)

(۴) رفع یدین کرنے کی حدیثیں صحیح ہیں اور رفع یدین نہ کرنے کی حدیثیں ضعیف ہیں۔

مکرمی! (۱) اب آپ کا فرض تھا کہ ان چار سو احادیث میں سے صرف ایک حدیث صحیح صریح سالم عن الاضطراب والمعارضہ پیش فرما دیتے، جس میں صراحتاً اس رفع یدین کا سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ہونا مذکور ہوتا اور اس رفع یدین کے تارک کی نماز کا فاسد ہونا مذکور ہوتا۔ لیکن آپ اس میں سو فیصد ناکام اور نامراد رہے ہیں، اس لیے سو شہید کے مرتبہ کا خواب غلط نکلا۔

(۲) آپ ان چار سو احادیث میں سے ایک بھی صحیح صریح سالم عن الاضطراب

والمعارضہ حدیث پیش نہیں کر سکے، جس میں ان مواقع پر رفع یدین کرنا ساری عمر ثابت ہو۔

(۳)　مکرمی! ذرا اِن چار سو صحابہ کے اسمائے گرامی ہی تحریر فرما دیتے اور حدیث کی جن کتابوں میں ان کی احادیث ہیں اُن کی نشان دہی فرمادیں، بڑی نوازش ہوگی۔

(۴)　مکرمی! جب آپ ایک حدیث سے بھی اس رفع یدین کا سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ہونے کا حکم نہیں دکھا سکے، تو آپ کو جان لینا چاہئے کہ جو لوگ قرآن و حدیث کا نام لے لے کر اس کو سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کہتے ہیں وہ قرآن و حدیث پر جھوٹ بولتے ہیں۔

(۵)　ہم یہ کہتے ہیں کہ اس رفع یدین کا کوئی حکم صراحتاً نہ کتاب اللہ شریف میں مذکور ہے اور نہ ہی حدیث صحیح میں۔ بس بموجب حدیث معاذ ؓ ہم نے مجتہد کی طرف رجوع کیا تو مجتہد اعظم امام ابوحنیفہؒ نے بتادیا کہ یہ رفع یدین نہ سنت مؤکدہ ہے نہ سنت غیر مؤکدہ ہے۔

(۶)　پھر آپ کا فرض تھا کہ سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کی جامع مانع تعریف قرآن و حدیث سے نقل کرتے، غیر معصوم امتیوں کی اصولِ فقہ سے سرقہ نہ ہو، لیکن آپ یہ تعریف نہیں لکھ سکے۔ (اور نہ ہی لکھ سکیں گے، ان شاء اللہ)

(۷)　آپ نے جو یہ دعویٰ فرمایا ہے کہ رفع یدین کرنے کی احادیث صحیح ہیں اور نہ کرنے کی ضعیف۔ کیا یہ دعویٰ کسی آیت یا حدیث سے ثابت ہے یا اُمتیوں کے اقوال پر مدار ہے؟ ظاہر ہے کہ اس دعویٰ پر آپ کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کر سکتے، غیر معصوم بلکہ جانب دار امتیوں کی باتیں ہیں جن کو تسلیم کرنا آپ کے مذہب میں شرک ہے۔

(۸)　جب یہاں اُمتیوں سے ہی فیصلہ لینا ہے تو ہم نے خیر القرون کے مجتہد کی طرف رجوع کیا اور ایسے اُمور میں جو صراحتاً کتاب و سنت میں نہ ہوں، مجتہد کی طرف رجوع کرنا حدیث معاذ ؓ سے ثابت ہے اور جناب نے خیر القرون کے بعد کے مقلدین شوافع کی طرف رجوع کیا جن کی طرف رجوع کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

(۹)　حکیم صاحب! آپ کا فرض ہے کہ حدیث صحیح اور حدیث ضعیف کی تعریف قرآن و حدیث سے لکھیں۔ غیر معصوم اُمتیوں کی اصولِ فقہ سے سرقہ نہ فرمائیں، پھر ان تعریفوں پر ان احادیث کی پرکھ ہو جائے گی۔

(۱۰)　ہماری پیش کردہ حدیث ابن مسعودؓ پر جو کچھ آپ نے لکھا، وہ بے دلیل لکھا ہے۔ جب آپ صحیح اور ضعیف حدیث کی تعریف لکھیں گے تو ان شاءاللہ بات واضح ہو جائے گی۔

(۱۱)　ہاں عاصم بن کلیب راوی کو ضعیف کہا ہے مگر اس کا ضعف اسماء الرجال کی کتابوں سے ثابت نہیں کیا۔ ہاں ذرا یہ بھی فرمائیے کہ آپ نے ص ۱۱ پر حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث رفع یدین کے سلسلہ میں پیش فرمائی ہے۔ اس کی سند جزء بخاری، ابوداؤد میں دیکھیں۔ یہی عاصم بن کلیب ہے اور ص ۱۲ پر جزء بخاری سے جو نقل کیا ہے کہ ایک صحابی بھی ایسا نہ تھا جو رفع یدین نہ کرتا ہو، اس مفروضے کی بنیاد جس سند پر رکھی گئی ہے اس میں بھی عاصم بن کلیب موجود ہے۔ آپ کی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث جو ابن خزیمہ کے حوالہ سے پیش کی جاتی ہے، اس سند کا مدار بھی عاصم بن کلیب پر ہے۔ ذرا انصاف کو آواز دو کہ وہ کہاں ہے؟

(۱۲)　آپ نے ہماری پیش کردہ روایت حدیث براء بن عازبؓ پر بحث کی ہے۔ اس کا جواب تو آپ جب حدیث صحیح اور ضعیف کی تعریف لکھیں گے پھر واضح ہوگا۔ لیکن اس وقت آپ نے اس کے راوی یزید بن ابی زیاد کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے، مگر آپ نے خود ص ۱۰ پر رفع یدین کی احادیث بیان کرتے ہوئے حضرت براء کی جو حدیث پیش کی ہے اس کی سند میں بھی تو یہی راوی ہے۔ وہاں یہ کیسے حجت بن گیا۔ کیا انصاف اسی کا نام ہے؟

(۱۳)　آپ نے (ص ۱۰) پر جو حدیث براءؓ نقل فرمائی ہے وہ نصف نقل فرمائی ہے، اور لا تقربوا الصلوٰۃ پر عمل فرمایا ہے، اب اس روایت کو مکمل باسند تحریر فرمائیں اور اس کی سند کے راوی ابراہیم بن بشار اور یزید بن ابی زیاد کا مکمل ترجمہ پوری دیانت داری سے اسماء الرجال کی کتابوں سے نقل فرمائیں۔

(۱۴)　جناب نے بار بار یہ لکھا ہے کہ ماضی استمراری دوام کے لئے آتی ہے، مگر اس پر کوئی دلیل نہیں دی۔ (الف) مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ وضو کے بعد اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے۔ **کان یقبل بعض ازواجه**. (یعنی ماضی استمراری ہے) کیا یہ آنحضرت ﷺ کا دائمی عمل تھا، اور وضو کے بعد بیوی کا بوسہ لینا وضو کی سنتوں میں شامل ہے اور اس بوسہ لینے والے کو سو شہیدوں کا ثواب بھی ملے گا اور بغیر بوسہ لئے وضو فاسد بھی

ہو جائے گا؟ (ب) اسی طرح بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت فرماتے۔ کان یباشر. ایک روایت میں ہے کہ کان ینام وھو جنب. بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کی بیوی حالت حیض میں ہوتی، آپ ان کی گود میں سر رکھ کر تلاوت فرماتے، یہاں ہر جگہ ماضی استمراری ہے۔ تو کیا روزہ میں مباشرت، حالت جنابت میں سونا، حالت حیض میں بیوی کی گود میں سر رکھ کر تلاوت کرنا، آپ ﷺ کے دائمی افعال تھے۔ اور یہ تینوں کام روزہ، جنابت اور حیض کی سنتوں میں شامل ہیں۔ اوران افعال پر سو شہیدوں کا ثواب بھی ملے گا؟ ذرا اس ماضی استمراری کی بحث نووی شرح صحیح مسلم ص ۲۵۴، ج ۱ پر پڑھ لیں۔

اب ہم آپ کی چار سو حدیثوں میں سے صرف عشرہ مبشرہ والی دس احادیث کو دیکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

آپ کا فرض تھا کہ اس حدیث کو مکمل سند کے ساتھ نقل کر کے اس کو صحیح ثابت کرتے، مگر آپ ایسا کیوں کرتے؟

(الف) اس کی سند کا پہلا راوی وہی ہے جس کو تذکرۃ الحفاظ میں رافضی خبیث لکھا ہے۔

(ب) دوسرے راوی الصفار کا سماع آپ اس کے استاد السلمی سے ثابت نہ کر سکتے تھے۔ اگر ہمت ہے تو کر کے دکھاؤ۔

(ج) پھر یہ سلمی خود متکلم فیہ راوی ہے۔

(د) یہ سلمی صاحب، جن کی وفات ۲۸۰ھ میں ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعثمان محمد بن الفضل بصری کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے رفع یدین رکوع والی کی۔ میں نے اس سے پوچھا: "ماھذا؟" یہ کیا ہے؟ یعنی سلمی جو بغداد کے رہنے والے ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں نہ بغداد میں نہ مکہ میں نہ مدینہ میں کبھی کسی کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اپنی زندگی میں بصرہ میں صرف ایک شخص کو رفع یدین کرتے دیکھا اور اس کی ساری نماز میں یہ رکوع والی رفع یدین ہی نئی چیز نظر آئی۔ اس لئے اس نے حیران ہو کر پوچھا یہ کیا ہے؟ یہ صاحب جس

نے رفع یدین کی تھی اس کے بارے میں ابن حبان (جن کا قول آپ نے بھی نقل کیا ہے) کہتے ہیں "کہ اس کا حافظہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ وہ جو حدیث بیان کرتا اسے یہ بھی پتہ نہ چلتا کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے" (تہذیب التھذیب ص۴۰۴، ج۹)

الغرض اس تیسری صدی کے شروع میں ساری دنیا میں یہی ایک آدمی رفع یدین کرنے والا تھا، جس کا دماغ چل گیا تھا۔

(ہ) اب اس چلے ہوئے دماغ والے آدمی نے جو سند بنا کر سنائی وہ بھی سنیے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن زید کے پیچھے نماز پڑھی، اس نے رکوع والی رفع یدین کی، تو میں نے بھی اس سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا؟ گویا اسے بھی ساری زندگی میں ایک ہی آدمی رفع یدین کرنے والا ملا۔ حماد بن زید کا وصال ۱۷۹ھ میں بصرہ میں ہوا۔ گویا دوسری صدی کے نصف آخر میں ساری دنیا میں صرف بصرہ میں ایک آدمی رفع یدین کرنے والا تھا۔

(و) حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایوب سختیانی (دفات ۱۳۱ھ) کو رکوع والی رفع یدین کرتے دیکھا اور میں نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صدی کے نصف اول میں ساری دنیا میں صرف بصرہ میں ہی ایک شخص رفع یدین کرنے والا تھا۔ (ز) وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے رکوع والی رفع یدین کی اور میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس سے پتہ چلا کہ دوسری صدی کے ربع اول میں صرف ایک حضرت عطاء نے رفع یدین کی۔

(ح) وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن زبیرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا اور پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ گویا پہلی صدی کے نصف آخر میں صرف ابن زبیر نے رفع یدین کی۔ اسی لئے ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟

(ط) ابوداؤد میں میمون مکی نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ میں نے صرف ابن زبیر کو رفع یدین کرتے دیکھا، اور کسی کو بھی رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

(ی) آپ نے ص۱۱ پر حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن عباسؓ کا عنوان دے کر یہ روایت نقل کی ہے۔ اس میں میمون مکی کا مندرجہ بالا بیان تھا جو آپ نے نقل نہیں کیا، جو آپ

کی خیانت اور بد دیانتی کی بدترین مثال ہے۔

(ک) ابن زبیر کہتے ہیں، میرے سامنے ایک دفعہ حضرت صدیق اکبرؓ نے نماز میں رکوع والی رفع یدین کی، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ یہ جملہ بتارہا ہے کہ حضرت صدیقؓ نے ایسی نماز پڑھی کہ اور کوئی صحابیؓ ایسی نماز نہ پڑھتے تھے۔ اسی لئے تو پوچھنے کی ضرورت پڑی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، انہوں نے رفع یدین کی۔ آپ نے ساری روایت میں سے صرف یہ آخری جملہ لکھا اور اس میں تمام عمر اور ہمیشہ رفع یدین کرنے کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا لیے اور حضرت صدیق اکبرؓ پر بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئے۔

(ل) اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ خیر القرون میں پوری تین صدیوں میں صرف چار پانچ آدمی رکوع کی رفع یدین کرنے والے تھے اور تین صدیوں تک یہ رفع یدین ایک ایسی منکر بات تھی کہ جب کوئی کر بیٹھتا تو فوراً لوگ پکڑ کر پوچھتے کہ یہ کیا ہے؟

اصل بات:

محمد بن فضل کا چونکہ حافظہ درست نہیں رہا تھا، اس نے بصرہ سے رفع یدین کا رُخ مکہ کی طرف موڑا اور حضرت عطاء، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کی سند سے رفع یدین بیان کردی۔ اصل بات یہ ہے کہ محدث عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ اہل مکہ میں رفع یدین ابن جریج سے شروع ہوئی۔ ابن جریج پرلے درجہ کے مدلس تھے۔ وہ نماز کی سند حضرت عطاء، حضرت زبیر، حضرت صدیق اکبرؓ کے واسطہ سے حضور ﷺ تک پہنچاتے۔ اس میں صراحتاً رفع یدین کا ذکر نہ کرتے، لیکن سننے والے سمجھتے کہ یہ چونکہ خود رفع یدین کرتے ہیں اس لئے یہ رفع یدین کی سند ہے۔ محمد بن فضل عارم نے اپنے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ابن جریج والی روایت کو رفع یدین کا ذکر ملا کر بیان کردیا۔ یہ صرف حافظہ کی خرابی کا کرشمہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔

(ن) یہ بھی یاد رہے کہ یہ ابن جریج وہی شخص ہیں جنہوں نے مکہ میں متعہ کا آغاز کیا اور نوے عورتوں سے متعہ کیا (تذکرۃ الحفاظ) یہ ہی مکہ میں رفع یدین کے بانی ہیں اور انہوں

نے حضرت عطاء سے صرف رکوع کی ہی نہیں بلکہ سجدہ کے بعد کی رفع یدین بھی روایت کی ہے (مصنف عبدالرزاق ص ۷۰، ج ۲) شیعوں نے ابن جریج کے دونوں مسئلوں کو قبول کرلیا۔ وہ متعہ کے بھی قائل ہیں اور رکوع سجود کی رفع یدین کے بھی۔ غیر مقلدین نے اس کے فتویٰ متعہ کو بھی قبول کرلیا (ہدیۃ المھدی ص ۱۱۲، ج ۱، نزل الابرار ص ۳، ج ۲) اور رکوع کی رفع یدین کو قبول کرلیا مگر سجدہ کی رفع یدین کو قبول نہ کیا۔

در کفر ہم ثابت نہٖ زنار را رسوا مکن

(س) پھر اس حدیث میں نہ سنت کا لفظ نہ ساری عمر کا، تو آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوا؟

(ع) پھر اسی دارِقطنی اور بیہقی میں اس روایت کے بعد والے باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت موجود ہے کہ میں نے نبی اقدس ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ یہ پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، پھر نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اب دونوں روایتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ (اگر بالفرض پہلی حدیث صحیح ہو) آنحضرت ﷺ نے رفع یدین کی۔ باقی رہی نہ رہی، اس سے وہ حدیث خاموش ہے۔ ہاں قیاس یہ کہتا ہے کہ کی تو کرتے رہے ہوں گے مگر اس دوسری حدیث نے اس قیاس کو رد کردیا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی چھوڑ دی تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی چھوڑ دی تھی۔ الحمدللہ احناف نے بھی چھوڑ دی، یہ تو آپ کے پہلے استدلال کا حال ہے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت:

حضرت عمرؓ کی شہادت کے عنوان سے ص ۴ پر جو حدیث آپ نے نقل کی ہے، اس پر آپ نے تین کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ (الف) جزء بخاری، جزء بخاری میں نہ یہ متن ہے نہ ہی اس کی کوئی سند، (ب) جزء سبکی، اس میں بھی نہ اس کی کوئی سند ہے اور نہ متن۔ (ج) دارِقطنی کی سنن میں بھی یہ حدیث نہیں۔ ہاں غرائب مالک میں امام دارِقطنیؒ نے یہ بتایا ہے کہ یہ روایت ابن عمر کی ہے، عمرؓ کی نہیں۔ آپ نے غرائب کی یہ عبارت نقل نہیں کی، جو بہت بڑی بددیانتی ہے۔ کیونکہ ابن شہاب سے اس کو الزبیدی، معمر، الاوزاعی، محمد بن اسحاق،

سفیان بن حسین، عقیل بن خالد، شعیب بن ابی حمزہ، سفیان بن عیینہ، یونس بن یزید، یحییٰ بن سعید الانصاری، مالک نے عن سالم عن ابن عمر روایت کیا ہے کسی نے حضرت عمرؓ کا نام نہیں لیا۔ (کتاب التمہید ص ۲۱، ج ۵، التقصی ص ۱۴۰، الاستذکار ص ۴۰۸، ج ۱) اور امام مالک نے اس کو ابن وہب، ابن القاسم، یحییٰ بن سعید، ابن ابی اویس، عبدالرحمٰن بن مہدی، جویریہ بن اسماء، ابراہیم بن طہمان، عبداللہ بن المبارک، بشر بن عمر، عثمان بن عمر، عبداللہ بن یوسف التعمی، خالد بن مخلد، مکی بن ابراہیم، محمد بن الحسن، خارجہ بن مصعب، عبدالملک بن زیاد، عبداللہ بن نافع، ابوقرہ موسیٰ بن طارق، مطرف بن عبداللہ، قتیبہ بن سعید، سب نے عن زید عن سالم عن ابن عمر روایت کیا ہے۔ کسی نے حضرت عمرؓ کا نام نہیں لیا۔ (کتاب التمہید ص ۲۱، ج ۵، التقصی ص ۱۴۰، الاستذکار ص ۴۰۸ ج ۱) ان بیس محدثین کے خلاف صرف خلف بن ایوب نے عن مالک عن الزھری عن سالم عن ابن عمر عن عمر کہا ہے۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: لم یتابع خلف علی زیادۃ عمر . اب یہ خلف راوی کون ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی حدیثوں سے بچنا چاہئے۔ یہ اہل سنت سے تعصب اور بغض رکھتا تھا۔ (میزان الاعتدال ص ۶۵۹، ج ۱) جس کی سند کا یہ حال ہو اسے کسی طرح صحیح حدیث سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

پھر آپ نے جو لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ کو ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے دیکھا۔ یہ ہمیشہ کا لفظ حدیث میں ہرگز نہیں۔ آپ نے حضرت عمر فاروق اعظمؓ پر یہ بہتان باندھا ہے۔ پھر آپ نے یہ بھی نہیں بتایا کہ حضرت عمرؓ یہ رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے۔ (طحاوی، ص ۱۶۴، ج ۱؛ ابن ابی شیبہ ص ۲۶۸، ج ۱) ایک ایک استدلال میں جھوٹ، خیانت اور فریب کا ریکارڈ جو جناب نے قائم فرمایا ہے اس پر تو مرزا قادیانی بھی مات کھا گیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت:

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی سرخی آپ نے ص ۴ پر جمائی ہے اور چار کتابوں کا حوالہ دیا ہے: بیہقی، حاکم، تعلیق المغنی، سبکی۔ ان چاروں کتابوں میں سے کسی ایک کتاب میں

بھی نہ اس کی کوئی سند موجود ہے اور نہ ہی یہ متن موجود ہے، جس میں حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہو کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو رکوع کے وقت ساری عمر ہمیشہ رفع یدین کرتے دیکھا۔ اگر آپ میں حیا اور صداقت کا ایک ذرہ بھی ہے تو حضرت عثمانؓ سے مرفوعاً یہ متن مکمل سند اور توثیق کے ساتھ لکھ کر بھیجیں۔ آہ! بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن۔ اذا فاتک الحیاء فا صنع ما شئت (الحدیث)

حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت:

آپ نے ص ۴ و ۵ پر حضرت علیؓ کی شہادت کا عنوان دیا ہے۔ مگر جو حدیث نقل کی ہے اس کا مدار عبدالرحمٰن بن ابی الزناد پر ہے۔ یہ راوی ثقہ تھا۔ لیکن جب بغداد آیا تو اس کا حافظہ صحیح نہیں رہا تھا۔ (تقریب التہذیب ص ۲۰۱)

خود امام ترمذیؒ نے باب المسح علی الخفین میں امام مالکؒ اور امام بخاریؒ سے اس کی تضعیف کا اشارہ نقل فرمایا ہے۔ امام احمد، ابو حاتم اور ابن مہدی نے اس کی روایت ترک کر دی تھی۔ اور عجب بات یہ ہے کہ اس سے رفع یدین کی روایت کرنے والا راوی سلیمان بن داؤد بھی بغدادی ہے۔ (تقریب التہذیب ص ۱۳۳) تو یہ حدیث زمانہ اختلاط کی ہے اور کوئی راوی ابن ابی الزناد کا متابع نہیں۔ پس اصول حدیث کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں۔

(ب) پھر اس حدیث میں نہ سنت مؤکدہ کا لفظ، نہ سنت غیر مؤکدہ کا، نہ ہمیشہ کا لفظ، جناب نے ترجمہ میں جو ہمیشہ کا لفظ لکھا ہے، یہ حضرت علیؓ پر بہتان ہے اور اگرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ کا مصداق ہے۔

(ج) پھر اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو اس سے ایک آدھ بار آنحضرت ﷺ کا رفع یدین کرنا ثابت ہوتا۔ ساری عمر کرتے رہے یا چھوڑ دی، اس سے یہ حدیث ساکت ہے، ہاں قیاس یہ کہتا ہے کہ کبھی تو کرتے رہے ہوں گے۔ اسی قیاس پر آپ کا مذہب قائم ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ آپ کا یہ قیاس حدیث کے خلاف ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے کتاب العلل میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ بے شک آنحضرت ﷺ نماز شروع کرتے وقت پہلی

تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ پھر ساری نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے حضرت علیؓ نے رفع یدین کرنے کی حدیث بھی روایت کی، اور چھوڑنے کی بھی اور خود اپنا عمل ہمیشہ ترک رفع یدین پر رکھا۔ چنانچہ مؤطا امام محمدؒ ص ۹۰، ۹۱ پر دو سندوں سے حدیث موجود ہے کہ حضرت علیؓ پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، پھر نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اور امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار ص ۱۳۲، ج ۱ پر یہ روایت نقل کر کے فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ کا رفع یدین کی حدیث کو روایت کرنا، پھر خود رفع یدین کو چھوڑ دینا واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک رفع یدین منسوخ ہو چکی تھی۔ محدث ابو بکر بن ابی شیبہ نے بھی حضرت علیؓ سے ترک رفع یدین روایت کی ہے (ص ۲۳۶، ج ۱) اور پھر یہ بھی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے اصحاب پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ج ۱، ص ۲۶۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اصحاب اہل کوفہ کی تعداد پچاس ہزار سے زائد تھی اور حضرت علیؓ کے اصحاب کی تعداد بھی کئی ہزار تھی۔

عشرہ مبشرہ:

پھر جناب نے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سعید بن زیدؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، ان چھ مقدس ہستیوں پر بھی یہ بہتان باندھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں، ہم نے آنحضرت ﷺ کو ہمیشہ رکوع والی رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے تنویر، تعلیق المغنی، تلخیص الحبیر، سفر السعادت، تحفۃ الاحوذی اور جزء سبکی چھ کتابوں کے حوالے دے کر چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد کی مثال کو پورا کیا ہے۔ کیا آپ ان کتابوں یا دنیا بھر میں حدیث کی کسی کتاب سے ان روایتوں کی مکمل سند مع توثیق روایت پیش کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ولو کان بعضکم لبعضٍ ظھیرًا۔ آپ کا مذہب بھی کیسا یتیم ہے جس کا سہارا کوئی ضعیف روایت بھی نہیں بنتی۔ اس کے ترجمہ میں بھی جھوٹ ملانا پڑتا ہے۔ کتنی بڑی بڑی مقدس ہستیوں پر بہتان باندھنا پڑتا ہے۔ کتنی صحیح روایتوں کو چھپانا پڑتا ہے۔ اب جرأت کرو، ان

دس حدیثوں کو سنداً صحیح ثابت کر دو۔ ان کے متن میں سنت مؤکدہ اور تمام عمر رفع یدین کرنے کے الفاظ دکھادو۔ ورنہ جھوٹ، فریب اور کتمانِ حق سے توبہ کر کے مسلک اہل سنت والجماعت کو قبول کرلو۔

بحث حدیث عبداللہ بن عمر بن خطابؓ:

(۱) امام بخاری فرماتے ہیں: ربیع (بصری)، لیث (کوفی)، طاؤس (یمنی)، سالم (مدنی)، ابوزبیر (مکی) اور محارب بن دثار (کوفی) اور نافع (مدنی) نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا۔ (جزء بخاری ص ۱۷۹)

جواب: ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حج کے موقع کا ہوسکتا ہے، جہاں مکی، مدنی، کوفی، یمنی، بصری سب اکٹھے ہوتے ہیں۔

(۲) بہر حال حج کے موقع پر ان سات شخصوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا تو ان میں سے حضرت سالم مدنی اور حضرت محارب بن دثار قاضی کوفہ نے سوال کر دیا: ما ھذا؟ (مسند احمد ص ۴۵، ج ۲، ص ۱۴۵، ج ۲) ظاہر ہے کہ ساری نماز میں رفع یدین بوقت رکوع اور بوقت قیام رکعت سوم ہی انوکھی بات دیکھی۔ اسی لئے اس کا سوال کیا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس وقت رفع یدین کا بالکل رواج نہ تھا اور اس کی پوزیشن ایسی ہی تھی جیسے کوئی متواتر قرأت کی تلاوت کرتا تو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا اور اگر متواتر قرأت کے خلاف کوئی شاذ قرأت پڑھتا تو فوراً سننے والا پوچھتا: ما ھذا؟ یہ کیا ہے؟ الغرض عدم رفع تعاملاً متواتر تھی اور رفع یدین عملاً شاذ۔

(۳) حضرت قاضی محارب بن دثار کوفی تھے۔ انہوں نے کبھی کسی کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا تھا۔ مگر حضرت سالمؒ تو مدنی تھے اور خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فرزند تھے۔ ان کا سوال اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مدینہ میں کوئی رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ بلکہ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بھی یہ عادت نہ تھی۔ ورنہ بیٹا تو اعتراض نہ کرتا، کبھی ایک مرتبہ کی ہوگی اور ان سب نے دیکھ لیا، ورنہ عادت نہ تھی۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک مرتبہ رفع یدین کی۔ جب اعتراض ہوا تو حدیث سنادی۔ اصولِ محدثین پر تو یہ حدیث موقوف ہے، کیونکہ اس کو مرفوع کرنے میں سالم منفرد ہے اور باقی چھ موقوفاً ہی روایت کرتے ہیں۔ جماعت کے خلاف سالم کا تفرد قابلِ حجت کیسے ہوسکتا ہے اسی لئے امام ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے کہ لیس بمرفوع کہ یہ مرفوع نہیں۔

(۵) حضرت سالم بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ورنہ "ماھٰذا؟" کیوں فرماتے؟ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حدیث سنائی تو ایک آدھ بار انہوں نے بھی کی تو جابر نے سوال کیا۔ فرماتے ہیں فسالت عن ذٰلک (طحاوی ص ۱۵۳، ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ عہد تابعین میں رفع یدین کی پوزیشن یہی تھی، جو متواتر قرأت کے خلاف کسی شاذ قرأت کی ہوتی ہے۔ ساری نماز میں اگر کوئی قابل اعتراض بات تھی تو یہی رفع یدین تھی۔

(۶) جس طرح ابن عمرؓ سے اس کے مرفوع کرنے میں سالم منفرد ہیں اور اس حدیث کے سرے سے مرفوع وموقوف ہونے میں اختلاف ہے چہ جائیکہ اس کو متواتر کہا جائے، اسی طرح سالم سے اس کو صحیح سند سے صرف زہری روایت کرتے ہیں۔ اس لئے اس کو متواتر کہنا کسی طرح صحیح نہیں۔ جو لوگ عوام میں یہ غلط فہمی پھیلاتے ہیں کہ حدیث رفع یدین متواتر ہے اور متواتر کا تارک کافر ہوتا ہے، انہیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وضو میں آنحضرت ﷺ کا مسواک فرمانا محدثین کے نزدیک متواتر ہے۔ مگر پھر بھی اس کا تارک نہ کافر ہے اور نہ بے وضو۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ دوہری اقامت حضرت بلالؓ سے متواتر ہے (طحاوی ص ۹۴، ج ۱) مگر لامذہب غیر مقلدین کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح نمازوں میں امام کا جہری فاتحہ سے بسم اللہ شریف کا آہستہ پڑھنا آنحضرت ﷺ سے متواتر ہے (طحاوی ص ۱۳۹، ج ۱) مگر غیر مقلدوں کا عمل اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح جوتے پہن کر نماز پڑھنا متواتر ثابت ہے (طحاوی ص ۳۴۳، ج ۱) مگر غیر مقلدین نہ اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور نہ مستحب اور اس رفع یدین کا حال تواتر کا نہیں بلکہ عملاً شذوذ کا سا حال ہے۔

(۷) امام زہریؒ عظیم محدث ہیں۔ مگر غیر مقلدین کی تحقیق میں وہ شیعہ تھے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے مایہ ناز محقق حکیم فیض عالم صدیقی خطیب جامع مسجد اہل حدیث محلہ

مستریاں جہلم امام زہری کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ابن شہاب (زہری) منافقین و کذابین کے دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی، مستقل ایجنٹ تھے، اکثر گمراہ کن، خبیث اور مکذوبہ روایتیں انہیں کی طرف منسوب ہیں....... ابن شہاب کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے بھی بلا واسطہ روایت کرتا تھا جو اس کی ولادت سے پہلے مر چکے تھے۔ مشہور شیعہ مؤلف شیخ عباس قمی کہتا ہے کہ ابن شہاب پہلے سنی تھا، پھر شیعہ ہو گیا (تتمۃ المنتھی ص ۱۲۸) عین الغزال فی اسماء الرجال میں بھی ابن شہاب کو شیعہ ہی کہا گیا ہے (صدیقہ کائنات ص ۱۰۷، ۱۰۸) یہی غیر مقلد محقق اپنی دوسری کتاب میں لکھتا ہے: علم حدیث کی خدمت میں زہری کا مقام بہت بلند ہے مگر اکثر اس کی روایات گمراہ کن ہیں اور پھر اسے شیعہ لکھا ہے (اختلاف امت کا المیہ ص ۱۲۷)

(۸) امام زہری سے اس حدیث کو گیارہ شاگردوں نے روایت کیا: (۱) امام مالک، (۲) الزبیدی، (۳) معمر، (۴) اوزاعی، (۵) محمد بن اسحاق، (۶) سفیان بن حسین (۷) عقیل بن خالد، (۸) شعیب بن ابی حمزہ، (۹) سفیان بن عیینہ، (۱۰) یونس بن یزید، (۱۱) یحییٰ بن سعید رحمہم اللہ (التمہید لابن عبدالبر ص ۶۱، ج ۵؛ التقصی ص ۱۴۰، الاستذکار ص ۱۲۲، ج ۲)

امام مالکؒ سے تقریباً ۲۶ راویوں نے اس کو روایت کیا: (۱) یحییٰ بن یحییٰ، (۲) یحییٰ بن بکیر، (۳) القعنبی، (۴) ابومصعب سعید بن ابی مریم، (۵) سعید بن عفیر، (۶) امام شافعی، (۷) ابن وھب، (۸) ابن القاسم، (۹) یحییٰ بن سعید، (۱۰) ابن ابی اویس، (۱۱) عبدالرحمٰن بن مہدی، (۱۲) جویریہ بن اسماء، (۱۳) ابراہیم بن طہمان، (۱۴) ابن المبارک، (۱۵) بشر بن عمر، (۱۶) عثمان بن عمر، (۱۷) عبداللہ بن یوسف، (۱۸) خالد بن مخلد، (۱۹) مکی بن ابراہیم، (۲۰) محمد بن الحسن، (۲۱) خارجہ بن مصعب، (۲۲) عبدالملک بن زیاد، (۲۳) النصیبی عبداللہ بن نافع الصائغ، (۲۴) ابوقرہ موسیٰ بن طارق، (۲۵) مطرف بن عبداللہ، (۲۶) قتیبہ بن سعید رحمہم اللہ (ایضاً) الغرض اس دور میں یہ حدیث شہرت کو پہنچی۔ ۱۰ راوی امام مالک کے ہم اُستاد تھے اور ۲۶ اُن کے شاگرد، اس لئے امام مالک کی رائے ہی پیش کی جاتی ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز کی پہلی تکبیر کے بعد

پوری نماز میں کسی تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کو میں بالکل نہیں پہچانتا۔ امام ابن القاسم تلمیذ خاص امام مالکؒ فرماتے ہیں: امام مالکؒ کے نزدیک نماز کی پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ رفع یدین کرنا بالکل ضعیف تھا (المدونہ الکبریٰ ص ۷۱، ج ۱) امام مالکؒ کے نہ پہچاننے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس حدیث کو نہ جانتے تھے، کیونکہ اس حدیث کو انہوں نے اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ اپنے استاد سے سنا اور خود ۲۶ شاگردوں کو یہ حدیث سنائی۔ بلکہ مطلب یہ تھا کہ کسی ایسے آدمی کو میں نہیں پہچانتا جو اس پر عمل کرتا ہو۔

امام مالکؒ مدینہ منورہ کے امام ہیں۔ حج کے لئے مکہ مکرمہ میں بھی تشریف لے گئے اور یہ دونوں وہ مقدس شہر ہیں جہاں دنیائے اسلام سے ہر مذہب و مسلک کے لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ امام مالکؒ کی یہ شہادت نہایت وقیع ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں رفع یدین بعد تکبیر تحریمہ بالکل متروک تھی۔ امام مالکؒ کی اس شہادت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے یہ ۳۶ راوی بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے، کیونکہ امام مالکؒ ان سب کو جانتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی رفع یدین کرتا ہوتا تو امام مالکؒ کبھی یہ نہ فرماتے کہ میں اس رفع یدین کو پہچانتا تک نہیں۔

(۹) امام مالکؒ نے جو اس کو ضعیف فرمایا، اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں:

(الف) اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے جو موجب ضعف ہے۔

(ب) اس کے متن میں اضطراب ہے اور اضطراب موجب ضعف ہوتا ہے۔

(ج) یہ خیر القرون کے متواتر تعامل کے خلاف عملاً شاذ ہے اور شذوذ موجب ضعف ہے۔

اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا سجدوں کے وقت رفع یدین کرنا بھی صحیح سند اور ماضی استمراری کے ساتھ ثابت ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۰۲، ج ۲ بحوالہ طبرانی؛ فتح الباری ص ۱۸۵، ج ۲؛ معارف السنن ص ۴۷۴، ج ۲ بحوالہ مشکل الآثار طحاوی) اور بخاری ج ۱، ص ۱۰۲؛ مسلم ج ۱، ص ۱۲۸ وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سجدوں کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ جب دونوں سندیں صحیح ہیں تو اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو دونوں میں تعارض مان کر دونوں کو ساقط مانا

جائے، پھر بھی اصل تو عدم رفع ہی ہے۔ اس لئے سجدوں کے وقت رفع یدین کا نہ کرنا ہی معمول بہا رہا۔

اسی طرح اس حدیث میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے۔ اور پہلی تکبیر کے بعد ہر جگہ رفع یدین کا ترک بھی ثابت ہے (مسند حمیدی ص ۲۷۷، ج ۲؛ ابوعوانہ ص ۹۰، ج ۲؛ المدونۃ الکبریٰ ص ۶۸، ج ۱؛ الخلافیات بیہقی) یہاں بھی تطبیق کی یہی صورت ہے کہ رفع یدین کی اور پھر چھوڑ دی، اس لئے ہم نے بھی چھوڑ دی۔ اور اگر بالفرض کوئی تعارض ہی مانے تو بھی اصل عدم رفع ہی ہوگی۔

ہاں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین تمام احادیث میں ہے اور اس کے چھوڑنے کی ایک بھی حدیث نہیں۔ اس لئے اس کو کسی نے نہیں چھوڑا۔ خلاصہ تمام متون کا یہ نکلا کہ آنحضرت ﷺ نے سجدوں کے ساتھ بھی رفع یدین کی، پھر چھوڑ دی، سب نے چھوڑ دی۔ اسی طرح رکوع کی رفع یدین کی، پھر چھوڑ دی، ہم نے بھی چھوڑ دی۔ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کی اور چھوڑی نہیں، ہم نے بھی نہیں چھوڑی۔

(۱۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ کا جب امام اوزاعیؒ کے ساتھ رفع یدین پر مناظرہ ہوا تو امام اوزاعیؒ نے یہی حدیث پیش کی ''امام سفیان بن عیینہ محدث الحرم المکی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ مکہ کی غلہ منڈی میں ملے۔ امام اوزاعیؒ نے امام اعظم سے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے؟ امام اعظم نے فرمایا: اس لئے کہ آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں کوئی صحیح حدیث (بغیر معارض کے) نہیں ملی۔ امام اوزاعیؒ نے کہا: صحیح حدیث کیوں نہیں۔ مجھے زہری نے، اُس نے سالم سے، اُس نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع کرتے تو پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے اور جب رکوع جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے تو بھی رفع یدین کرتے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: روایت بیان کی مجھ سے حماد نے، اُنہوں نے ابراہیم سے، اُنہوں نے علقمہ واسود سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ رسول اقدس ﷺ ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے مگر شروع نماز میں، پھر پوری نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ امام

اوزاعی نے کہا میں زہری، سالم اور ابن عمر کی سند پیش کرتا ہوں اور آپ حماد، ابراہیم کی سند بیان کرتے ہیں۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ امام حماد زہری سے بڑے فقیہ تھے اور ابراہیم سالم سے بڑے فقیہ تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگر چہ علقمہ سے شرف صحبت میں بڑھے ہوئے ہیں مگر علقمہ تفقہ فی الدین میں حضرت ابنِ عمرؓ سے کم نہیں۔ ہاں ابن عمرؓ شرفِ صحابیت میں ممتاز ہیں اور اسود کو بہت فضیلت حاصل ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ تو عبداللہ ہی ہیں۔ تو امام اوزاعیؒ خاموش ہو گئے (مسند امام اعظمؒ ص ۱۲۱)

امام صاحبؒ نے امام اوزاعیؒ کی توجہ اس نکتہ کی طرف مرکوز کرائی کہ محدث اور فقیہ کے فرق کو ملحوظ رکھو۔ محدث ہر قسم کی احادیث کو جمع کرتا ہے، صحیح ہوں یا ضعیف، ناسخ ہوں یا منسوخ۔ اس کے برعکس فقیہ صرف ان احادیث کو لیتا ہے جس پر عمل جاری ہو، امام اوزاعیؒ اس سے قبل تو رفع یدین کے حامی تھے (الاستذکار ص ۱۲۶، ج ۲) مگر پھر اس کو منسوخ سمجھنے لگے۔ چنانچہ ابن سلیمان نے جب امام اوزاعیؒ سے پوچھا کہ نماز کی ہر اس تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا جو قیام میں ہو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: یہ پہلے دور کی بات ہے (جزء رفع یدین بخاری ص ۱۸۳)۔ امام مالکؒ نے تحریمہ کے بعد کی رفع یدین کو ضعیف فرمایا۔ اور امام صاحبؒ نے لا یصح. بات دونوں کی ایک ہے، مگر غیر مقلدین امام مالکؒ کو تو معاف کر دیتے ہیں لیکن امام صاحبؒ پر خوب جرح کرتے ہیں کہ کتنی حدیثیں صحیح ہیں، امام صاحبؒ نے کیوں فرمایا، کوئی حدیث صحیح نہیں۔ دراصل وہ ابن صلاح دورانی شوافع کی بنائی ہوئی صحیح حدیث کی تعریف کو لیتے ہیں اور خیر القرون میں جو صحیح کی تعریف تھی اس کو جانتے نہیں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ روایات کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ان میں ایسی روایات بھی ہیں جو غیر معروف ہیں، جن کو نہ فقہاء جانتے ہیں، نہ کتاب وسنت کے موافق ہیں۔ پس تم شاذ حدیثوں سے بچو اور اُن حدیثوں پر عمل کرو جن پر جماعت کا عمل ہے، جن کو فقہاء پہچانتے ہیں اور جو کتاب وسنت کے موافق ہوں۔ (الرد علیٰ سیر الاوزاعی ص ۳۱) اس سے معلوم ہوا کہ جس حدیث پر عمل جاری نہ رہا ہو اور فقہاء اس کو نہ جانتے ہوں، وہ شاذ ہے اور شاذ حدیث صحیح نہیں، بلکہ ضعیف ہوتی ہے۔ سابقہ بحث سے یہ تو معلوم ہوا کہ خیر القرون

کا متواتر تعامل اس حدیث کے خلاف عدم رفع پر تھا۔

امام ابوبکر بن عیاش جن کی پیدائش ۱۰۰ھ اور وصال ۱۹۳ھ ہے، آپ نے کئی تعلیمی سفر بھی کیے، کئی حج بھی کئے، کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ کے متعدد اسفار کیے، فرماتے ہیں: ما رأیت فقیھا قط یفعله یرفع یدیه فی غیر تکبیرۃ الاولیٰ (طحاوی ص ۱۶۵، ج ۱) یعنی میں نے کسی ایک فقیہ کو بھی نہیں دیکھا جو پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کرتا ہو۔ تو یہ لوگ امام صاحب کی حدیث صحیح کی تعریف نہیں جانتے۔

الغرض حدیث ابن عمرؓ میں رفع یدین کرنے کا بھی ذکر ہے اور ترک کا بھی ذکر ہے۔ اس اختلاف کا حل غیر مقلدین کے اصول پر تو یہ ہے کہ وہ کسی صحیح صریح حدیث میں رفع یدین کے لئے سنت مؤکدہ کا لفظ دکھادیں یا کسی صحیح صریح حدیث سے دکھادیں کہ رفع یدین کرنے کی حدیث صحیح ہے اور نہ کرنے کی ضعیف ہے۔ کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا، رسول کے سوا کسی غیر معصوم اُمتی کا قول حجت نہیں۔ اور یہ دونوں باتیں قیامت تک غیر مقلدین حدیث میں نہیں دکھا سکتے۔ ہمارے مسلک میں کتاب وسنت میں مسئلہ نہ ملے تو اجماع اور اجتہاد کی طرف رجوع ہوتا ہے، ہم نے جب ان کی طرف رجوع کیا تو اس حدیث کے مرکزی راوی حضرت امام مالکؒ نے بتایا کہ میں کسی رفع یدین کرنے والے کو نہیں پہچانتا، جس سے معلوم ہوا کہ عمل ترک رفع یدین پر جاری رہا، نہ کہ رفع یدین پر اور خیر القرون کے مجتہد حضرت امام اعظمؒ نے بھی ترک رفع یدین کو ہی اختیار فرمایا۔ اور مجتہد کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی غیر مجتہد کا قول شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل:

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز کی صرف پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اُٹھاتے تھے اور کسی جگہ ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے (طحاوی ص ۱۵۵، ج ۱) محدث اعظم امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو رفع یدین کے راوی ہیں، ان کا خود رفع یدین چھوڑ دینا واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک رفع

یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا تھا (طحاوی ص ۱۵۵، ج ۱) رہا ان کا رفع یدین کرنا تو یہ ایک آدھ دفعہ کا فعل تھا۔ جب تک ان کے نزدیک اس کا منسوخ ہونا محقق نہ ہوا تھا، کیونکہ اگر رفع یدین کرنا آپ کی عادت ہوتی تو آپ کے فرزند ارجمند حضرت سالمؒ جو رات دن آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے وہ اس رفع یدین کے بارے میں ما ھذا؟ کہہ کر تعجب کا اظہار نہ فرماتے۔

قول سے فیصلہ:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع حدیثوں میں بھی تعارض ہے اور آپ کے عمل میں بھی اور تعارض کے وقت دونوں قسم کی روایات ساقط ہو جائیں گی تو ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی عدم رفع یدین ہی رہے گا، تاہم ایسی حالت میں مزید اطمینان کے لئے دیکھا جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس بارے میں کوئی قولی حدیث بھی ہے یا نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی قولی احادیث:

(۱) **عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ترفع الایدی فی سبعة مواطن فی افتتاح الصلوٰة وعندالبیت وعلی الصفا والمروة وبعرفات وبالمزدلفة وعندالجمرتین.**
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے جب رفع یدین کا ذکر فرمایا تو نماز میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا ذکر فرمایا اور چھ مقاماتِ حج کا ذکر فرمایا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص نماز شروع کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اُٹھائے اور ہتھیلیوں کو قبلہ رُخ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ اس کے سامنے ہوتی ہے (کنز العمال ص ۳۰۶، ج ۷)

(۳) **عن ابن عمر قال رأیتکم ترفعو ایدیکم فی الصلوٰة واللہ انها لبدعة ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل هذا قط (رواہ ابن عدی فی الکامل** ج ۲ ص ۹؛ میزان الاعتدال ص ۳۱۵، ج ۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ بے شک تمہارا نماز کے اندر رفع یدین کرنا خدا کی قسم یہ بدعت ہے، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا

کرتے نہیں دیکھا۔

نوٹ: یہ بدعت فرمانا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کا بسم اللہ بالجہر کو بدعت فرمانا، یا صحابہ کا قنوت فجر کو بدعت فرمانا، یا حضرت اُم المؤمنین عائشہؓ کا نماز ضحیٰ کو بدعت فرمانا۔ یعنی ان افعال پر مواظبت آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں، اس لئے مواظبت بدعت ہے۔

اگر غیر مقلدین میں دم خم ہے تو وہ حضرت ابن عمرؓ سے رکوع کی رفع یدین کی کوئی قولی حدیث پیش کریں۔ بہر حال احادیث قولیہ تعارض سے پاک ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ صرف تکبیر تحریمہ کی رفع یدین ہی باقی رہی ہے۔

پہلا فریب:

حکیم صاحب نے حدیث ابن عمرؓ کا ترجمہ کرتے وقت ہمیشہ کا لفظ اپنی طرف سے زیادہ کیا ہے۔ کان کی مفصل بحث جو لف ہذا ہے، اس کے موافق ترجمہ یہ کرنا چاہئے تھا کہ ایک دفعہ رفع یدین کی۔

دوسرا فریب:

دوسرا فریب یہ کیا کہ یہ حدیث رفع یدین کے بقاء و نسخ سے ساکت تھی، جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے، ان میں سے اکثر کتابوں میں ترک رفع یدین کی احادیث ہیں جو احتمال نسخ کو راجح قرار دیتی ہیں۔ ان کی طرف اشارہ تک نہ کیا بلکہ ان احادیث کے خلاف اپنے قیاس محض سے ''ہمیشہ'' کا لفظ ترجمہ میں زیادہ کر دیا۔

تیسرا فریب:

تیسرا فریب یہ کیا کہ ان ہی کتابوں سے ترک رفع یدین کی صحیح اور حسن احادیث کو تو چھوڑا مگر ایک موضوع اور بناوٹی حدیث حتیٰ لقی اللہ سے اپنے غلط ترجمہ ''ہمیشہ'' کو ثابت کرنا چاہا۔ اور دل میں ذرا بھی خدا کا خوف نہ کیا کہ آنحضرت ﷺ نے جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم قرار دیا ہے۔

چوتھا فریب:

چوتھا فریب حضرت علی بن المدینی کا قول جو حتی لقی اللہ کے متعلق نہیں تھا اسے حتی لقی اللہ کے بعد نقل کر کے عوام کو فریب دیا کہ امام علی بن المدینی کا یہ قول اس موضوع اور بناوٹی حدیث پر عمل کرنے کو لازم قرار دیتا ہے۔

پانچواں فریب:

جب غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا، رسول کے سوا کسی غیر معصوم اُمتی کا قول حجت نہیں تو اگر یہ قول اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، تو آپ کے مذہب میں شرک تقلیدی ہے اور اگر ہمارے سامنے بطور الزام پیش کیا ہے تو ہم خود قول ابن عمر، فعل ابن عمر، اجماع اہل مدینہ پر ترک رفع یدین اور خیر القرون کے مجتہد امام اعظمؒ کی ترجیحات کے مقابلہ میں ایسے اقوال کو حجت نہیں مانتے۔

نوٹ: نہایت افسوس کی بات ہے کہ حکیم صاحب نے یہ سب کچھ مستری نور حسین گرجاکھی کی اندھی تقلید میں کیا۔ افسوس ہے کہ مجتہد خیر القرون جو عارف بصیر ہے اس کی تقلید کو تو حکیم صاحب شرک کہیں اور چودھویں صدی کے مستری کی تقلید کو ایمان مانیں۔ (اتستبدلون الذی ھو ادنی بالذی ھو خیر) کیا تم لیتے ہو گھٹیا کو بڑھیا کے بدلے؟

بحث حدیث حضرت مالک بن الحویرثؓ:

(۱) حکیم صاحب نے حضرت ابو قلابہ کی شہادت کے تحت آٹھ کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ رفع یدین کیا کرتے تھے، حالانکہ ان آٹھ کتابوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی ہمیشہ کا لفظ نہیں ہے۔ نہ ہی اس حدیث میں سنت مؤکدہ یا مستحب کا لفظ موجود ہے۔ نہ ہی حضرت مالک بن الحویرثؓ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے پاس رہے، بلکہ صحیح بخاری ص ۸۸، ص ۹۵، ج ۱ پر صراحت ہے کہ وہ صرف بیس رات آنحضرت ﷺ کے پاس رہے۔ یہ حضرت نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ انصار میں سے، نہ اہل بدر واحد یا اہل بیعت رضوان والوں سے، ان حاضر باش صحابہ کے مقابلہ میں غیر مقلدین ان بیس

رات کے مسافر کو ترجیح دے رہے ہیں۔

(۲) حضرت مالک بن الحویرثؓ بعد میں بصرہ میں مقیم رہے۔ بصرہ میں ہزاروں اہل سنت والجماعت محدثین موجود تھے، مگر یہ رفع یدین والی حدیث آپ سے کسی ایک سنی نے بھی روایت نہیں کی۔ اس کو روایت کرنے والے ایک تو ابوقلابہ ہیں جو ناصبیت کی طرف مائل ہیں (تقریب ص ۱۷۴) دوسرے نصر بن عاصم ہیں جو خارجی ہیں (تہذیب) آخر اتنی بڑی سنت کو روایت کرنے کے لئے کوئی بھی اہل سنت بصرہ میں کیوں نہیں؟

(۳) ابوقلابہ پرلے درجہ کے مدلس تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: **امام شهير من علماء التابعين ثقة فى نفسه الا انه يدلس عمن لحقهم وعمن لم يلحقهم وكان له صحف يحدث منها ويدلس** (میزان الاعتدال، ص ۴۲۶، ج ۲)

(۴) ابوقلابہ کے دو شاگرد ہیں۔ ایک ایوب سختیانی ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: **ثقة ثبت حجة من كبار الفقهاء والعباد** (تقریب ص ۴۱) ایوب کی روایت صحیح بخاری ص ۱۱۳، ج ۱ پر ہے جس میں رفع یدین کا ذکر نہیں۔ دوسرا شاگرد خالد الحذاء ہے۔ **ثقة يرسل وقد اشار حماد بن زيد الى ان حفظه تغير لما قدم من الشام** (تقریب ص ۹۰) اور اس نے یہ حدیث رفع یدین کی شام سے آنے کے بعد ہی روایت کی ہے۔ جب کہ اس کا حافظہ صحیح نہیں تھا اور ایوب جیسے حافظ ضابط کی مخالفت کر رہا ہے، ایسی روایت ہرگز حجت نہیں۔

(۵) خالد الحذاء کے چار شاگرد ہیں: (۱) ہشیم بن بشیر ہیں جن کی روایت صحیح بخاری ص ۱۱۳، ج ۱ پر ہے۔ اس میں سرے سے رفع یدین کا ذکر ہی نہیں۔ (۲) ابن علیہ ہیں، وہ خالد سے یہ روایت کرتے ہیں کہ ابوقلابہ نے رفع یدین کی۔ نہ حضرت مالک بن الحویرثؓ کے رفع یدین کرنے کا ذکر ہے اور نہ آنحضرت ﷺ کے رفع یدین کرنے کا ذکر ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۶۶، ج ۱)۔ (۳) تیسرے شاگرد صہیب ہیں، ان کی روایت میں ابوقلابہ کے رفع یدین کرنے کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ خالد کہتے ہیں، میں نے ابوقلابہ سے پوچھا: **ماهذا يعنى رفع اليدين فى الصلوٰة**. یعنی یہ نماز کے اندر رفع یدین کرنے کا

کیا مسئلہ ہے؟ تو انہوں نے کہا "تعظیم" (حلیۃ الاولیاء ص ۲۸۱، ج ۲ لابی نعیم) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رفع یدین کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اسی لئے یہ ما ھذا؟ کی تعبیر اختیار کی گئی۔ (۴) چوتھے شاگرد خالد بن عبداللہ الطحان ہیں۔ یہ حضرت مالک بن الحویرثؓ اور آنحضرت ﷺ کے رفع یدین کرنے کو ذکر کرتے ہیں۔ یہ اگرچہ ثقہ ہیں، مگر تین ہم استادوں کی مخالفت کر رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ دراصل ابوقلابہ کا فعل تھا۔ خالد الحذاء کے وہم کی وجہ سے اور ابوقلابہ کی تدلیس کی وجہ سے یہ مرفوع حدیث بن گئی۔ اگر احناف کی کسی دلیل میں اس قسم کے عیوب ہوتے تو غیر مقلدین آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔

(۶) حضرت مالک بن الحویرثؓ کی روایت دو باتوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کے خلاف ہے۔ (الف) حدیث عبداللہ بن عمرؓ میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کندھوں تک ہاتھ اُٹھاتے تھے اور حدیث مالک بن الحویرث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کانوں تک ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ (ب) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سجدوں کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے اور حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت سجدوں کے وقت بھی رفع یدین کیا کرتے تھے (دیکھئے نسائی ص ۱۶۵ ج ۱، ص ۱۷۲، ج ۱؛ مسند احمد ص ۴۳۶، ۴۳۷، ج ۳؛ صحیح ابوعوانہ ص ۹۵، ج ۲؛ فتح الباری ص ۱۷۷، ج ۲) لیکن حکیم صاحب نے حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث نقل کرتے وقت ان دونوں باتوں کو چھپایا ہے۔ یہ کتمان یا یہود کا طرز تھا یا شیعہ کی عادت یا پھر حکیم صاحب کی ہمت۔ حکیم صاحب! ہمیشہ رفع یدین کرنے کا لفظ حدیث میں نہیں تھا، آپ نے اپنی طرف سے اضافہ فرما لیا اور کانوں تک ہاتھ اُٹھانا اور سجود کے وقت رفع یدین کرنا حدیث میں تھا، اس کو آپ نے چھپا لیا۔ کیونکہ اگر آپ مکمل بات لکھ دیتے تو آپ کو ص ۸ کی عبارت یوں لکھنی پڑتی: "یہ صحابہ ۹ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ اس حدیث میں بھی

سجدہ کی رفع یدین کے ساتھ کان یرفع یدیہ موجود ہے جو دوام اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے، یعنی آپ نے کوئی نماز بھی ایسی نہ پڑھی جس میں سجدوں کے وقت رفع یدین نہ کیا ہو۔'' پھر تو آپ کی جماعت آپ کا بائیکاٹ کرتی اور آپ کو کوئی امام باڑہ تلاش کرنا پڑتا جہاں ہر نماز میں سجدوں کے وقت بھی رفع یدین ہوتی ہے۔

فتاویٰ علمائے حدیث:

حکیم صاحب۔! آپ کی جماعت کی طرف سے ایک مجموعہ فتاویٰ علمائے حدیث ۱۴ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، جس کی تعریفوں کے پُل باندھے جا رہے ہیں۔ اس میں حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث جس میں رفع یدین عندالسجود کا ذکر ہے کے بارے میں لکھا ہے: ''حدیث ہذا صحیح ہے، متروک العمل نہیں..... یہ رفع یدین منسوخ نہیں بلکہ یہ نبی ﷺ کا آخری عمر کا فعل ہے۔ کیونکہ اس کا راوی مالک بن الحویرثؓ مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی آخری عمر میں داخل ہوا اور اس کے بعد کوئی ایسی حدیث صریح نہیں آئی جس سے نسخ ثابت ہو۔ احتمالات سے نسخ ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ابن عمرؓ کا اس رفع یدین کو قبول کرنا، بعد روایت منع رفع یدین عندالسجود اول دلیل ہے کہ رفع بعد منع وارد ہوا۔ اس رفع یدین کے عامل صحابہ کرام سے حضرت ابن عمرو، ابن عباس اور تابعین سے طاؤس اور نافع اور عطا مجھے معلوم ہیں....... بلاشبہ اس کا عامل محی السنة المیتة ہے اور مستحق اجر سو شہید کا ہے۔'' (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۰۵، ۳۰۶، ج ۴)

حکیم صاحب! ہمت کیجئے۔ تعجب ہے کہ یہ سو شہید کا ثواب شیعہ ہی لے جائیں اور آپ محروم ہی رہیں۔ حکیم صاحب! دیکھا آپ کے فتاویٰ علمائے حدیث نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کو حدیث مالک بن الحویرثؓ سے منسوخ قرار دیا۔ آپ نے منسوخ کو زور سے مکمل پیش کیا مگر ناسخ کو نامکمل پیش کیا۔

بحث حدیث حضرت انسؓ:

حکیم صاحب نے ص ۸ پر حضرت انس بن مالکؓ کی شہادت لکھی ہے۔

(۱)　اولاً تو یہ حدیث موقوف ہے۔ حضرت انسؓ کے تین شاگرد ہیں۔ عاصم بن الاحول (جزء بخاری ص ۶۲، ص ۱۳۸)، یحییٰ بن اسحاق (جزء بخاری ص ۱۸۰)، حمید الطویل (جزء بخاری ص ۴۰؛ ابن ماجہ ص ۶۲؛ دارِ قطنی ص ۲۹۰، ج ۱) ان تینوں میں سے پہلے دونوں ثقہ راوی اس حدیث کو موقوف روایت کرتے ہیں۔ صرف حمید الطویل اس کو مرفوع کرتا ہے جو مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے۔ آپ کے مشہور غیر مقلد عالم مولوی عطاء اللہ حنیف فرماتے ہیں: یہ حدیث ہرگز دلیل بننے کے قابل نہیں، کیونکہ حمید الطویل طبقہ ثالثہ کا مدلس ہے، جس کی حدیث سے دلیل لینا جائز نہیں (التعلیقات السلفیہ علی النسائی ص ۱۲۹، ج ۱) یہ بات حافظ ابن حجرؒ نے بھی فرمائی ہے (طبقات المدلسین ص ۱۲) حکیم صاحب نے یہ حدیث دارِ قطنی کے حوالہ سے لکھی ہے مگر وہاں صاف لکھا ہے: قال الدار قطنی لم یروہ عن حمید مرفوعًا غیر عبدالوھاب والصواب من فعل انس (دار قطنی ص ۲۹۰، ج ۱) امام طحاویؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث ان (محدثین) کے نزدیک خطاء ہے، کیونکہ عبدالوہاب کے علاوہ کسی نے اس کو مرفوع نہیں کیا اور حفاظِ حدیث اس کو موقوف کرتے ہیں (طحاوی شرح معانی الآثار ص ۱۵۶، ج ۱)

(۲)　پھر حمید الطویل کے چھ شاگرد ہیں جو اس کو موقوف روایت کرتے ہیں: (۱) عبدالاعلی (جزء بخاری ص ۱۴۸)، (۲) یحییٰ بن سعید (جزء بخاری ص ۱۷۷)، (۳) معاذ بن معاذ (ابن ابی شیبہ ص ۱۳۳، ج ۱)، (۴) خالد بن عبداللہ الواسطی، (۵) عبداللہ بن المبارک، (۶) یزید بن ہارون (تاریخ بغداد ص ۳۸۶، ج ۲) اور صرف عبدالوہاب ان چھ کے خلاف اس کو مرفوع کرتا ہے (تاریخ بغداد)۔ اس کا حافظہ آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا (تقریب التہذیب ص ۲۲۲) پس یہ حدیث ہرگز مرفوع نہیں۔

(۳)　اس حدیث میں سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کا بھی ذکر ہے (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۵، ج ۱، دارِ قطنی ص ۲۹۰، ج ۱، مسند ابی یعلیٰ ص ۸۸ ج ۲، محلی ابن حزم ص ۲۹۶، ج ۲) چونکہ حدیث شریف کا یہ حصہ حکیم صاحب کے مذہب کے خلاف تھا، اس لئے حکیم صاحب اس کو چھپا گئے۔ حکیم صاحب کے یہ کرتوت اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ اس قسم کے

فریب کئے بغیر اپنا مسلک ثابت کرنے سے عاجز ہیں۔

حکیم صاحب کا ایک اور فریب:

حکیم صاحب لکھتے ہیں: حضرت انسؓ نے کان یرفع فرما کر واضح کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے دس سال میں ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی جس میں رفع یدین نہ کیا ہو (تخریج زیلعی ص ۲۱۴ ج ۱، مجمع الزوائد ص ۱۸۲، التعلیق المغنی ص ۱۱۰) حالانکہ یہ عبارت ان تینوں کتابوں میں کسی ایک میں بھی نہیں، یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی مثال پادری فانڈر اور سوامی دیانند کی کتابوں میں بھی نہیں ملتی۔

ایک اور خیانت:

اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو اس سے ایک آدھ بار رفع یدین رکوع و سجود کا ثابت ہوا۔ باقی رہی یا نہ رہی، اس سے یہ حدیث خاموش ہے۔ عن انسؓ قال رأیت رسول اللہ ﷺ کبر حتیٰ حاذی بابهامیه اذنیه ثم رکع حتی استقر کل مفصل منه فی موضعه ثم رفق راسه حتی استقر کل مفصل منه فی موضعه ثم انحط بالتکبیر فسبقت رکبتاه یدیه (الدار قطنی ج ۱ ص ۳۴۵ و البیہقی ج ۲ ص ۹۹) یعنی جب رکوع میں جانے کی تکبیر کہتے تو آپ کی تکبیر ختم ہونے سے پہلے ہاتھ گھٹنوں پر پہنچ جاتے۔ ظاہر ہے کہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ تحریمہ کے سوا رفع یدین باقی نہ رہی۔

بحث حدیث عبداللہ بن عباسؓ:

حکیم صاحب نے ص ۸ پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی سرخی دے کر یہ حدیث لکھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (جن کو سینہ مبارک سے لگا کر حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ ہی رکوع جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے (جزء بخاری ص ۱۳، ابن ماجہ ص ۶۲)

سفید جھوٹ:

حکیم صاحب! ہم نے یہ محاورہ پڑھ رکھا تھا: ''چہ دلاور است دزدے کہ بکف

چراغ دارد۔" آپ نے اس کو پورا کرہی دکھایا۔

شاباش ایں کار از تو آید ومرداں چنیں کنند

جزء بخاری میں یہ حدیث ہر گز سند کے ساتھ موجود نہیں۔ حکیم صاحب! آپ کا ضمیر کیوں مردہ ہو چکا ہے؟

فریب کی انتہاء:

حکیم صاحب نے اس حدیث کا دوسرا حوالہ ابن ماجہ ص ٦٢ کا دیا ہے۔ وہاں بھی حدیث ان الفاظ میں نہیں ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ چونکہ حکیم صاحب ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتے، نہ دوسری رکعت کے شروع میں نہ چوتھی رکعت کے شروع میں، نہ سجدوں میں جاتے ہوئے، نہ سجدوں سے اُٹھتے ہوئے۔ اس حدیث کے موافق حکیم صاحب کو چار رکعت میں ٢٨ مرتبہ رفع یدین کرنی چاہئے، مگر آپ صرف دس مرتبہ کرتے ہیں۔ اس لئے آپ نے ترجمہ ایسا پُر فریب کیا کہ چار رکعتوں میں صرف آٹھ دفعہ رفع یدین ہوا، بیس دفعہ کی رفع یدین کو چھپا لیا گیا۔ حکیم صاحب! اس پر آپ کو یہ نوٹ دینا چاہیے تھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا "کان یرفع" سے فرمایا جو دوام اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے۔ آپ کی جماعت آپ سے راضی رہتی یا ناراض ہو جاتی مگر شیعہ تو آپ کو اپنا مجتہد تسلیم کر لیتے۔

حکیم صاحب! ہمارے نزدیک تو یہ حدیث صحیح ہی نہیں، کیونکہ راوی عمر بن رباح نہایت درجہ کا ضعیف ہے، اگر بالفرض صحیح بھی ہوتی تو ایک آدھ مرتبہ اس سے ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کا ثبوت نکلتا۔ اس کے باقی رہنے کا اس میں کوئی ذکر نہیں، البتہ ابن عباسؓ کی صحیح حدیث دلیل ہے کہ یہ رفع یدین باقی نہیں رہی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن حین تفتتح الصلٰوۃ ،** الحدیث (نصب الرایہ ص ٣٩٠، ج ١؛ ابن ابی شیبہ ص ٦٢٨، ج ١؛ طحاوی ص ٤١٦، ج ١؛ طبرانی ص ٣٨٥، ج ١١) نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں: سند

جید (نزل الابرار من اذکار سید الابرار ص ۴۴)

نوٹ: یہ کتاب علامہ وحید الزمان کی کتاب کے علاوہ ہے۔ علامہ عزیزی فرماتے ہیں: حدیث صحیح (شرح جامع الصغیر ص ۲۵۸، ج ۲) اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے نماز اور حج کی رفع یدین کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ نماز میں پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہ کی جائے اور حج میں ان مقامات کے علاوہ رفع یدین نہ کی جائے۔ حکیم صاحب! آپ نے بالکل اسی طرح کا فریب کیا جس طرح روافض حضرت ابن عباسؓ سے جواز متعہ کا فتویٰ تو نقل کرتے ہیں، مگر ان کا بعد کا عدم جواز کا فتویٰ نقل نہیں کرتے۔ حکیم صاحب آپ نے جھوٹی حدیث پر عمل کرنا ہے تو شیعہ کی طرح ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین شروع کر دیں اور صحیح حدیث پر عمل کرنا ہے تو پہلی تکبیر کے بعد نماز میں رفع یدین کرنا چھوڑ دیں۔

بحث حدیث حضرت جابر بن عبد اللہؓ:

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی حدیث دو طریق سے ہے: ایک ابو الزبیر کا طریق، جس کا حکیم صاحب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت جابرؓ اور حضور ﷺ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے، یہ ہمیشہ کا لفظ کسی حدیث میں موجود نہیں، نہ جزء بخاری میں، نہ ابن ماجہ میں، نہ بیہقی میں، نہ جزء سبکی میں۔ یہ ان چاروں کتابوں پر جھوٹ ہے۔

(۲) حکیم صاحب لکھتے ہیں: ''اس حدیث میں بھی کان یرفع موجود ہے، لیکن یہ لفظ نہ بیہقی میں ہے، نہ ابن ماجہ میں، ہاں جزء بخاری میں بغیر کسی سند کے یہ لفظ مذکور ہے، جو حجت نہیں۔

(۳) اس سند کا ایک راوی ابو حذیفہ ہے۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: ضعفہ الترمذی (میزان الاعتدال ص ۲۲۱، ج ۴) دوسرا راوی ابراہیم بن طہمان ہے، محدث سلیمانی فرماتے ہیں کہ اس نے جو حدیث ابو الزبیر کے واسطہ سے حضرت جابرؓ سے رفع یدین کی روایت کی ہے، محدثین اس کا انکار کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۱۳۰، ج ۱) تیسرا راوی ابو الزبیر ہے جو پرلے درجہ کا مدلس ہے اور یہاں وہ عن سے روایت کرتا ہے، اس لئے حدیث صحیح نہیں۔

(۴) حکیم صاحب نے اس حدیث کے دوسرے طریق کا نام تک نہیں لیا، جس میں واقعی سند کے ساتھ کان یرفع ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: صلح حدیبیہ کے دن ہم چودہ سو صحابہ حضورؐ کے ساتھ تھے ''و کان رسول اللہ ﷺ یرفع یدیہ مع کل تکبیرۃ من الصلوٰۃ'' (مسند احمد ص ۳۱۰، ج ۳، تاریخ کبیر، امام بخاری ص ۱۰۵، ج ۴، ق ۲، مجمع الزوائد ص ۱۰۱، ج ۲) حکیم صاحب! دیکھئے یہاں کان یرفع یدیہ بھی ہے جو آپ کے نزدیک دوام اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا ثبوت بھی ہے، مگر آپ کی جماعت اس پر عمل نہیں کرتی۔ حکیم صاحب! اصل بات یہ ہے کہ اولاً تو یہ حدیث صحیح نہیں، پھر اس میں نہ سنت مؤکدہ کا لفظ ہے نہ ہمیشہ کا ذکر۔ ایک نماز کا واقعہ ہے۔ جس میں عموم نہیں، یہ ہر تکبیر کی رفع یدین باقی رہی یا نہیں، اس سے یہ حدیث ساکت ہے، حضرت جابر بن عبداللہؓ جب اپنے ساتھیوں کو نماز سکھاتے تو صرف تکبیر کی تعلیم دیتے۔ عن جابر بن عبداللّٰہ انہ کان یعلمھم التکبیر فی الصلوٰۃ قال کان یامرنا ان نکبر کلما خفضنا و رفعنا (مؤطا امام مالکؒ ص ۲۶، مؤطا امام محمد ص ۸۹) یعنی حضرت جابرؓ حکم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کے اندر (یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد سلام تک) ہر اونچ نیچ کے وقت تکبیر کہا کرو۔ اس لئے معلوم ہوا کہ حضرت جابرؓ نماز میں صرف تکبیر کہتے اور اسی کا حکم فرماتے۔ ان کی آخری نمازوں میں رفع یدین کا ذکر نہیں ملتا۔ حکیم صاحب کا یہ انداز ایسا ہی دھوکا ہے جیسے شیعہ حضرت جابرؓ سے صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ہم متعہ کیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں اس کو ترک کر دینا ذکر نہیں کرتے۔

حکیم صاحب! آپ کے اس طرز سے ہمیں یقین ہو رہا ہے کہ آپ حق کے متلاشی نہیں، حلق تازہ رکھنے کے لیے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے میں ماہر ہیں۔ کیا ہم اُمید رکھیں کہ آج کے بعد آپ بھی حضرت جابرؓ کی طرح صرف تکبیروں والی نماز شروع کر دیں گے اور لوگوں کو بھی اسی نماز کا حکم دیا کریں گے؟

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ:

حکیم صاحب نے یہ حدیث جزء بخاری، دارقطنی اور بیہقی کے حوالہ سے ذکر کی

ہے، جزء بخاری میں تو بغیر سند کے محض نام ذکر کیا ہے، اگر اس کی کوئی صحیح سند ہوتی تو امام بخاریؒ ضرور ذکر فرماتے۔ دارِ قطنی میں اس روایت کے بعد اس کے مرفوع موقوف ہونے میں اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح بیہقی نے موقوفاً بھی نقل کیا ہے، مگر حکیم صاحب نقل میں خیانت کر گئے ہیں۔

ایک زبردست جھوٹ:

حکیم صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ اعلان فرمایا: ''اے لوگو! تم بھی اسی طرح نماز پڑھا کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ رکوع جانے اور سر اُٹھانے کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے'' یہ بالکل جھوٹ ہے۔ ان الفاظ میں اعلان نہ دارمی میں ہے، نہ دارقطنی میں، نہ بیہقی میں ہے نہ جزء بخاری میں، نہ اور کسی کتاب میں۔

ایک اور فریب:

حکیم صاحب لکھتے ہیں: اس حدیث میں بھی کان یرفع جو دوام کے لئے ہے، جزء بخاری میں تو بے سند ذکر ہے، جن کتابوں میں یہ سند کے ساتھ مذکور ہے، ان میں سے کسی کتاب میں کان یرفع موجود نہیں۔

نوٹ: اگرچہ بیہقی اور دارقطنی نے اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ذکر کیا ہے اور ابن حزم نے محلّٰی میں موقوف کو ہی ترجیح دی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ موقوف بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی صحیح حدیث میں رفع یدین کا ذکر نہیں، بلکہ یکبر کلما رکع و کلما رفع و کلما سجد کے الفاظ ہیں (مسند احمد ج ۴، ص ۱۱۵، ۳۹۳، ۴۴۰) اس میں رفع یدین کا اضافہ صرف اور صرف حماد بن سلمہ نے کیا ہے۔ وہ اگرچہ ثقہ تھے، مگر آخری عمر میں ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا (تقریب ص ۸۲) اور کوئی ان کا متابع موجود نہیں۔ پس یہ روایت موقوفاً بھی صحیح نہیں۔

اشعریوں کی نماز:

اشعریوں کی نماز دیکھنی ہو تو مسند احمد میں دیکھ لیتے۔ حضرت ابو مالک اشعریؓ نے تمام مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو عام اعلان کر کے اکٹھا کیا کہ آؤ تمہیں آنحضرت ﷺ کی نماز سکھاؤں۔ آپ نے سب کو نماز اس طرح پڑھائی کہ پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کی، پھر فاتحہ اور سورت پڑھی اور تکبیر کہہ کر رکوع میں گئے، سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رکوع سے اُٹھے، اسی طرح ساری نماز (بغیر رفع یدین اور بغیر جلسۂ استراحت) کے پڑھائی اور نماز کے بعد فرمایا: لوگو یہ ہے وہ نماز جو آنحضرت ﷺ ہمیں پڑھ کر دکھاتے تھے (رواہ احمد واسنادہ حسن آثار السنن ص۱۲۰و۱۲۱، ج۱) اگر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس رفع یدین کی کوئی حدیث ہوتی تو آپ کبھی خاموش نہ بیٹھتے اور کبھی یہ برداشت نہ فرماتے کہ میرا سارا قبیلہ بغیر رفع یدین اور بغیر جلسہ استراحت کے نماز پڑھ کر نبی کی سنتوں کی مخالفت کرتا ہے اور میں وہ حدیثیں چھپا کر بیٹھا رہوں۔ آخر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ میں سنت کی اتباع واشاعت کا جذبہ یقیناً حکیم صاحب سے زیادہ ہوگا۔ کیا ہم حکیم صاحب سے اُمید رکھیں کہ وہ بھی حضور ﷺ والی نماز بغیر رفع یدین و بغیر جلسہ استراحت کے اپنے قبیلے اور اپنی جماعت میں اعلان کر کے رائج کریں، یا کم از کم نبی ﷺ کی نماز کی مخالفت چھوڑ دیں؟

بحث حدیث ابی هریرهؓ:

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت ابوداؤد کے حوالہ سے پیش کی ہے، اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے کہ: ''آنحضرت ﷺ ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے'' یہ ہمیشہ کا لفظ ابوداؤد شریف میں ہے، نہ کسی اور کتاب میں، حکیم صاحب اپنے مذہب کی پاسداری کے لئے جب کوئی صحیح دلیل نہیں پاتے تو جھوٹ سے اپنی اور اپنی جماعت کی تسلی کرتے ہیں۔

(۲) حکیم صاحب نے یہ بھی نہیں بتایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے، مگر اس میں رفع یدین کا ذکر نہیں، اس میں رفع یدین کا ذکر ابن جریج نے بڑھایا ہے،

یہ وہی شخص ہے جس نے مکہ میں رہ کر نوے عورتوں سے متعہ کیا اور روزانہ رات کو زیتون کے تیل سے حقنہ کرواتا تھا تا کہ قوتِ جماع بحال رہے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۴۹)

(۳)　حکیم صاحب نے یہ بھی نہیں بتایا کہ ابن جریج سے رفع یدین کا ذکر کرنے والا یحیٰ بن ایوب ہے جس کو کئی محدثین نے ضعیف کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۴، ص ۳۶۲) امام عبداللہ بن المبارک اور عبدالرزاق دونوں ابن جریج سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں تو رفع یدین کا ذکر نہیں کرتے، بلکہ تکبیر کا ذکر کرتے ہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں: یہی صحیح ہے (زیلعی ص ۴۱۴، ج ۱) پس ثقات کے خلاف ضعیف راوی کا ذکر کرنا، اس حدیث کے منکر ہونے کی دلیل ہے۔

(۴)　پھر اگر حکیم صاحب کو رفع یدین کی حدیث ہی پسند ہے تو حضرت ابو ہریرہؓ سے رکوع کے ساتھ ساتھ سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کی حدیث بھی مروی ہے (ابنِ ماجہ ص ۶۲، مسند احمد ص ۱۳۲ ج ۲) لیکن اس حدیث کو حکیم صاحب چھپا گئے۔ اگر بالفرض یہ حدیثیں صحیح بھی ہوتیں تو ان سے ایک آدھ بار رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ وہ رفع یدین باقی رہی یا نہ رہی، اس سے یہ حدیث ساکت ہے، لیکن صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی نہایت صحیح حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ ہر اونچ نیچ کے وقت تکبیر کہا کرتے تھے۔ اور قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی آخری زمانہ کی نماز ہے۔ حتی فارق الدنیا (بخاری ص ۱۱۰ ج ۱) اور خود حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ کے بعد جو نماز پڑھا کرتے تھے اس میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ امام مالکؒ امام جعفر القاریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جب پہلی تکبیر سے نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے اور پھر ہر اونچ نیچ کے وقت تکبیر کہتے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے، ہر اونچ نیچ کے وقت تکبیر کہتے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: خدا کی قسم! میری یہ نماز رسولِ اکرم ﷺ کے بہت مشابہ ہے (مؤطا امام محمد ص ۹۰) پس معلوم ہوا کہ پہلی تکبیر کے علاوہ کوئی رفع یدین نماز میں باقی نہیں رہی۔ حکیم صاحب! کیا ہم

اُمید رکھیں کہ آج کے بعد آپ بھی تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے بعد تکبیروں سے نماز پڑھ کر قسم کھایا کریں گے کہ رسول اکرم ﷺ والی نماز یہی ہے یا حدیث پر عمل کی بجائے اپنی ضد پر ہی قائم رہیں گے؟

بحث حدیث عبید بن عمیرؓ:

عبید بن عمیرؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ ہمیشہ رکوع جاتے اور اُٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے (جزء بخاری ص ۳) جزء بخاری میں نہ اس کی کوئی سند ہے اور نہ کوئی ایسا متن جس میں ہمیشہ کا لفظ ہو۔ یہ حکیم صاحب کا خالص فریب ہے، جن لوگوں نے اس حدیث کو سند سے روایت کیا ہے ان کتابوں سے حکیم صاحب نے نقل نہیں کی۔ کیونکہ ان کے خلاف تھی۔ کان رسول اللّٰہ ﷺ یرفع یدیہ مع کل تکبیرۃ فی الصلوٰۃ (ابنِ ماجہ ص ۶۲، کتاب الضعفاء للعقیلی ص ۳۸۲ ج ۱، کتاب المجروحین ابن حبان ص ۳۰۴ ج ۱، معرفۃ الصحابہ لابی نعیم ص ۲۱۸ ج ۲، تاریخ بغداد ص ۴۰۰ ج ۱۱، ص ۲۵۳ ج ۴) اس کی سند میں رفدہ بن قضاعہ نہایت ضعیف راوی ہے۔ لیکن حکیم صاحب کا سرمایہ ہی یہ چند کھوٹے سکے ہیں۔ حکیم صاحب! آپ کا مذہب بھی کتنا یتیم ہے جس کی بنیاد چند ضعیف روایتوں اور جھوٹ اور فریب پر رکھی گئی ہے۔ حکیم صاحب! اگر آپ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے، کیونکہ آپ نے استدلال میں پیش کی ہے تو شیعوں کے ساتھ مل کر ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین شروع کر دیں اور ابن عمرؓ کی بخاری والی حدیث کو غلط قرار دیں جو اس کے خلاف بین السجدتین رفع یدین سے روکتی ہے۔ کیا ایسے ایسے فریب کرنے پر آپ کا ضمیر بھی آپ کو ملامت نہیں کرتا؟

بحث حدیث براء بن عازبؓ:

حکیم صاحب نے حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث بھی اپنی دلیل میں پیش کی ہے۔ حیرانی ہے کہ حکیم صاحب کی ذہنی ساخت کیوں اُلٹی ہے کہ صحیح حدیث کو چھوڑ کر نہایت ضعیف حدیث کو پیش کیا، اس میں بھی خیانت کی۔ پہلے اس حدیث کی اصل کیفیت مطالعہ

فرمائیں، پھر حکیم صاحب کی روایت کا حال پڑھیں۔

صحیح حدیث:

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں: میں نے جناب رسول اقدس ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے رفع یدین کیا، جب نماز شروع کی، پھر رفع یدین نہ کیا، یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے (ابوداؤد ص ۱۰۶ ج۱؛ طحاوی ص ۱۵۴، ج۱؛ المدونۃ الکبریٰ ص ۷۲، ج۱؛ ابن ابی شیبہ ص ۱۵۹، ج۱)

(۱) حضرت براء بن عازبؓ کوفہ میں آباد ہوئے اور وہیں مسجد اعظم کوفہ میں آپ نے یہ حدیث پاک سنائی، جس مجلس میں حضرت کعب بن عجرہؓ بھی موجود تھے۔
(دارِ قطنی ص ۲۹۴، ج۱)

(۲) حضرت براء بن عازبؓ سے یہ حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے روایت کی جو جلیل القدر تابعی ہیں اور آپ نے اسی مسجد میں ۲۰ انصاری صحابہؓ کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا (جامع ترمذی ص ۱۸۳ ج ۲) اور یہ وہی مسجد اعظم ہے جہاں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام تشریف فرما ہوئے، جن میں ۲۴ بدری صحابہ تھے (معارف السنن ص ۴۹۰، ج ۲)

(۳) ان عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا عمل بھی اسی حدیث کے موافق ترکِ رفع یدین کا تھا
(ابن ابی شیبہ ص ۱۶۰، ج۱)

(۴) حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے اس حدیث کو تین شاگردوں نے روایت کیا: (الف) ان کے صاحبزادے عیسیٰ، (ب) حضرت حکم بن عتیبہ (ابوداؤد ص ۱۱۶، ج۱؛ طحاوی ص ۱۵۴، ج۱؛ ابن ابی شیبہ ص ۲۶۷، ج۱؛ المدونۃ الکبریٰ ص ۷۱، ج۱) اور (ج) یزید بن ابی زیاد (عبدالرزاق ص ۷۱، ج ۲؛ ابوداؤد ص ۱۱۶، ج۱؛ طحاوی ص ۱۵۴ ج۱؛ مسند حمیدی ص ۳۱۶، ج ۲؛ السنن الکبریٰ بیہقی ص ۷۷، ج ۲؛ دارِ قطنی ص ۲۹۴، ج۱)

(۵) یزید بن زیاد سے دس شاگردوں نے اسی مکمل متن کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا: (۱) سفیان بن عیینہ (عبدالرزاق ص ۷۱، ج ۲)، (۲) سفیان ثوری (طحاوی

ص ۱۵۴، ج ۱)، (۳) شریک (ابوداؤد ص ۷۶، ج ۱)، (۴) ہشیم (مسند ابویعلی ص ۱۹۴، ج ۱)، (۵) اسماعیل بن زکریا (دارِ قطنی ص ۲۹۴، ج ۱)، (۶) شعبہ (دارِ قطنی ص ۲۹۴، ج ۱)، (۷) محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (دارِ قطنی ص ۲۹۴، ج ۱)، (۸) اسرائیل (عمدۃ القاری بحوالہ خلافیات بیہقی)، (۹) حمزہ الزیات (عمدۃ القاری بحوالہ اوسط طبرانی)، (۱۰) عبداللہ بن ادریس (مسند ابویعلیٰ ص ۱۹۵، ج ۱)۔ ان دس شاگردوں نے مکمل متن سے روایت کیا ہے، ان کے علاوہ چھ شاگردوں نے اس سے مختصر روایت کیا ہے: (۱) علی بن عاصم (دارِ قطنی ص ۲۹۴، ج ۱)، (۲) خالد بن عبداللہ (دارِ قطنی ص ۲۹۴، ج ۱)، (۳) اسباط بن محمد (مسند احمد ص ۳۰۱، ج ۴)، (۴) الجراح والد وکیع (کتاب العلل احمد ص ۱۱۷، ج ۱)، (۵) صالح بن عمر (مسند ابویعلیٰ ص ۹۵، ج ۱)، (۶) زہیر (جزء بخاری بے سند)

مکمل اور مختصر متن کا مطلب:

حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث کا مکمل متن دو مسئلوں پر مشتمل ہے: (۱) نماز کی تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اُٹھائے جائیں، اس حدیث میں ہے کہ کانوں تک ہاتھ اُٹھائے جائیں۔ (۲) نماز میں ہاتھ کتنی بار اُٹھائے جائیں۔ اس حدیث میں ہے کہ صرف پہلی تکبیر کے وقت اُٹھائے جائیں۔ اس کے بعد ساری نماز میں ہاتھ نہ اُٹھائے جائیں، جس حدیث میں ایک سے زائد مسئلے ہوں، محدثین کبھی تو اس کو مکمل بیان کرتے ہیں اور کبھی ایک آدھ مسئلہ بتانا مقصود ہوتا ہے تو مختصراً وہی ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں ہوا کہ دس شاگردوں نے تو مکمل طور پر دونوں مسئلے روایت فرما دیئے اور چھ شاگردوں نے وقتی ضرورت کے تحت صرف پہلا مسئلہ روایت کر دیا اور یہ کوئی عیب نہیں، ورنہ صحیح بخاری تو اس طرز سے بھری پڑی ہے۔

صحیح حدیث کے مقابلہ میں ایک غلط افسانہ:

سفیان بن عیینہ نہایت ثقہ محدث تھے۔ وہ پہلے تو اس حدیث کو اسی مکمل متن سے روایت فرماتے رہے، مگر آخری عمر میں وہ خلط حفظ کے مریض ہو گئے تھے۔ اس لئے اپنے

استاد یزید بن ابی زیاد کے پندرہ شاگردوں کے خلاف عجیب باتیں کرنے لگے۔ الحمیدی (جو اہلِ کوفہ کے خلاف سخت تعصب کا شکار ہیں) اور محمد بن الحسن البربھاری (جو سخت ضعیف ہے) کا بیان ہے کہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ یزید بن ابی زیاد جب مکہ میں مقیم تھے تو حدیث مختصر صرف پہلا مسئلہ بیان کرتے تھے اور جملہ **لا یعود** جس کا تعلق دوسرے مسئلے سے ہے، بیان نہیں کرتے تھے۔ پھر جب میں کوفہ میں مقیم ہوا تو وہ کوفہ والوں کے کہنے سے **لا یعود** کہنے لگے۔ اور ابراہیم بن بشار الرمادی (جو سفیان کے ذمہ ایسی باتیں لگا دیتا تھا جو سفیان بیان نہ کرتے تھے) کا بیان ہے کہ سفیان نے کہا یزید بن ابی زیاد جب مکہ میں تھا تو رفع یدین کرنے کی حدیث بیان کرتا تھا اور جب کوفہ گیا تو ترک رفع یدین کی حدیث بیان کرنے لگا۔

اس سارے افسانے کی بنیاد اس پر ہے کہ سفیان بن عیینہ اور یزید بن ابی زیاد دونوں پہلے مکہ میں مقیم تھے اور پھر دونوں کوفہ میں مقیم ہو گئے۔ حالانکہ یہ بات تاریخی طور پر غلط ہے۔ یزید بن ابی زیاد ۴۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶ھ میں کوفہ میں ہی فوت ہوئے۔ ان کا مکہ میں قیام پذیر ہونا تاریخ سے ثابت ہی نہیں۔ اور امام سفیان بن عیینہ ۱۰۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۳ھ تک کوفہ میں رہے، پھر مکہ تشریف لے گئے اور ۱۹۸ھ میں مکہ میں ہی وصال فرمایا (معارف السنن ص ۴۹۱ ج ۲)۔ الغرض جب امام سفیان بن عیینہ مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہوئے، اس وقت یزید بن ابی زیاد کو فوت ہوئے ستائیس سال ہو چکے تھے۔ اس افسانہ کے مطابق یزید بن ابی زیاد نے وصال کے ۲۷ سال بعد قبر سے نکل کر مکہ میں رفع یدین کرنے کی حدیث سنائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ زندوں نے اس پر عمل بلکہ رفع یدین کی روایت بھی چھوڑ دی تھی، اس لئے ایک مردہ کو ۲۷ سال بعد قبر سے اُٹھنا پڑا تاکہ حکیم صاحب بے دلیل نہ رہ جائیں۔

الغرض ۱۸ سندوں کے خلاف صحیح حدیث کو چھوڑ کر اس افسانے کو حکیم صاحب نے حدیث بنا لیا اور اس رفع یدین والی حدیث کے افسانے کو کسی ایک بھی سنی محدث نے اپنی سند سے روایت نہیں کیا۔ اس کو سب نے حاکم سے روایت کیا، جس کا غالی شیعہ ہونا خود نواب صدیق حسن غیر مقلد نے ابجد العلوم میں تسلیم کیا ہے۔

حضرت قتادہؓ کی شہادت:

حکیم صاحب لکھتے ہیں: قتادہؓ فرماتے ہیں کہ بے شک رسولِ خدا ﷺ ہمیشہ ہی رکوع جانے اور رکوع سے سر اُٹھانے کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔" (ترمذی ص ۳۶)
یہ حکیم صاحب کا خالص جھوٹ ہے، حضرت قتادہؓ صحابی سے کوئی ایسی حدیث ترمذی شریف میں موجود نہیں، جب روایت ہی نہیں تو ہمیشہ اور کـان یـرفـع کالفظ کہاں سے آئے گا۔ حکیم صاحب! آخر آپ کب تک جھوٹ پر عمل اور اس کی اشاعت کرتے رہیں گے۔

سلیمان بن یسار:

سلیمان بن یسار فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ ہمیشہ ہی نماز میں رفع یدین کرتے تھے۔

حکیم صاحب! سلیمان بن یسار طبقہ ثالثہ کے راوی ہیں۔ انہوں نے تو حضور ﷺ کا زمانہ ہی نہیں پایا (تقریب التہذیب ص ۱۳۶) اور ہمیشہ کا لفظ بھی بالکل جھوٹ ہے۔

عمر اللیثیؓ:

حکیم صاحب لکھتے ہیں: "ان سے بھی اسی قسم کی حدیث آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ نماز میں رفع یدین کرتے تھے۔" (ترمذی، ابن ماجہ)
یہ بھی محض فریب ہے۔ نہ عمر اللیثیؓ نامی کوئی صحابی ہیں اور نہ ہی اس مضمون کی رفع یدین کی کوئی حدیث ان سے مروی ہے۔

بحث حدیث حضرت وائل بن حجرؓ:

حکیم صاحب نے حضرت وائلؓ کی شہادت ص ۱۱ پر تحریر کی ہے۔

بے نظیر جھوٹ:

حکیم صاحب نے اس حدیث میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے الفاظ بھی ذکر کیے ہیں اور گیارہ کتابوں صحیح مسلم، ابن ماجہ، دارمی، دارِ قطنی، ابوداؤد، جزء بخاری، مسند احمد، بیہقی،

کتاب الام، جزء سبکی، مشکوٰۃ کا حوالہ دیا ہے مگر ان میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا کوئی ذکر نہیں۔

حکیم صاحب نے آنحضرت ﷺ اور ان گیارہ کتابوں پر جھوٹ بولا ہے۔ ایک ہی سانس میں بارہ جھوٹ۔ یہ حوصلہ تو سوامی دیانند کا بھی نہیں تھا۔ آپ سے پہلے مستری نور حسین گرجاکھی نے اپنے رسالہ اثبات رفع یدین میں یہ جھوٹ بولا تھا، اس کی اندھی تقلید میں جناب نے بھی ہمت کرلی۔ حکیم صاحب! اپنی جماعت کے علاوہ کسی قادیانی، ہندو، عیسائی، مجوسی یا دہریئے کی کتاب میں ایسے جھوٹ کی مثال آپ کو ملی ہو کہ ایک ہی حوالہ میں بارہ جھوٹ بولے ہوں تو اس کا حوالہ ضرور دیں۔ اپنا تو ناقص خیال ہے کہ جھوٹ کا جو ریکارڈ آپ نے قائم فرمایا، شاید ہی کوئی اس کو توڑنے کی ہمت کرے۔

ایک خیانت:

حضرت وائلؓ کی حدیث کے کئی طریق ہیں، مسلم اور ابوداوٗد میں، محمد بن حجادہ کا طریق ہے۔ ابوعوانہ فرماتے ہیں وہ غالی شیعہ تھا (میزان الاعتدال ص ۴۹۸، ج ۳) اور شیعہ سجدہ کے وقت بھی رفع یدین کرتے ہیں، اس لئے ابوداوٗد میں اس کی حدیث میں سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر بھی موجود ہے (ص ۱۱۲، ج ۱) لیکن حکیم صاحب نے سجدوں کی رفع یدین کے ذکر کو چھپایا، ورنہ حکیم صاحب اور ان کی جماعت کی اپنی نماز خلافِ سنت ہوئی جارہی ہے اور حکیم صاحب کو اپنا مسلک چھوڑ کر شیعہ بننا پڑتا۔

ایک فریب:

حضرت وائلؓ دو مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، جب پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تو رکوع اور سجدہ کی رفع یدین کا ذکر فرمایا، لیکن جب دوسری مرتبہ تشریف لائے تو آپ نے اپنا مشاہدہ صرف پہلی تکبیر کی رفع یدین کے بارے میں فرمایا اور بس۔ **ثم اتیتھم فرایتھم یرفعون ایدیھم الیٰ صدورھم فی افتتاح الصلوٰۃ** (ابوداوٗد ص ۱۱۲، ج ۱) اگر اس دوسری آمد میں حضرت وائل بن حجرؓ پہلی تکبیر کے بعد رکوع اور سجدہ کی رفع یدین دیکھتے تو اس کو بھی ضرور بیان کرتے، جیسا کہ پہلی آمد کا حال بیان کیا

ہے۔ حضرت وائل بن حجرؓ نے کسی ایک صحابی کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا جس سے معلوم ہو کہ اس دوسری آمد کے وقت تمام صحابہ بلا استثناء صرف پہلی تکبیر کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے۔ حکیم صاحب نے فریب یہ کیا کہ حضرت وائل بن حجرؓ کی پہلی آمد والی حدیث تو نامکمل نقل کر دی اور دوسری آمد والی حدیث کو چھپا گئے۔ حق تو یہ ہے کہ حق پوشی کے کردار میں حکیم صاحب بے نظیر واقع ہوئے ہیں۔

حق پوشی کا ایک نیا ریکارڈ:

کسی حدیث کے معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کا اصل پیمانہ خیر القرون ہے، جس حدیث پر خیر القرون میں بلا نکیر عمل جاری رہا ہو، آپ بھی اس پر عمل کرنے میں جھجک محسوس نہ کریں اور جس حدیث پر خیر القرون میں نکیر ہوئی ہو، بعد والوں کے لفظی ہیر پھیر سے وہ معمول بہ نہیں بن سکتی۔ اب رفع یدین کے بارے میں عموماً اور حدیث وائل بن حجرؓ کے بارے میں خصوصاً خیر القرون کے تاثرات مطالعہ فرمائیں۔ حضرت حصین بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: میں اور عمرو بن مرۃ امام ابراہیم نخعیؒ کے پاس حاضر ہوئے تو عمرو نے کہا مجھے علقمہ بن وائل نے اپنے باپ سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آنحضرت ﷺ کو پہلی تکبیر اور رکوع جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا۔ امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا میں نہیں جانتا، شاید حضرت وائلؓ نے اس ایک ہی دن آنحضرت ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا اور یاد رکھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضور ﷺ کے باقی صحابہ نے اس کو یاد نہ رکھا۔ میں نے کسی صحابی سے بھی حضرت ﷺ کا رفع یدین کرنا نہیں سنا، سوائے اس کے نہیں کہ صحابہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے (مؤطا امام محمد ص ۹۲) حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابراہیم نخعیؒ کو حضرت وائلؓ کی رفع یدین والی حدیث سنائی تو فرمایا اگر حضرت وائلؓ نے آنحضرت ﷺ کو ایک دفعہ رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پچاسوں مرتبہ دیکھا کہ آپ یہ رفع یدین نہیں کرتے تھے (طحاوی ص ۱۶۲، ج ۱) حضرت عمرو بن مرۃ فرماتے

ہیں کہ حضرت وائل بن حجرؓ کی رفع یدین کی حدیث سن کر امام ابراہیم نخعیؒ غصہ میں آ گئے اور فرمایا (بڑا تعجب ہے) وائلؓ نے یہ رفع یدین دیکھ لی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ نے نہ دیکھی؟ (طحاوی ص ۱۶۲ ج ۱) اور امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا: **انما رفع الیدین عند افتتاح الصلوٰۃ** (دار قطنی ص ۱۹۱ ج ۱) یعنی رفع یدین صرف پہلی تکبیر کے وقت ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں رفع یدین پر عمل کرنا تو کجا رفع یدین کی حدیث سن کر لوگ غصہ میں آ جاتے تھے۔ اور ابراہیم نخعیؒ جن کے استاد صحابہ، خود تابعی، شاگرد تبع تابعی، فرما رہے ہیں، کہ رفع یدین کرنا نہ سنا نہ دیکھا۔ یعنی خیر القرون میں رفع یدین کی پوزیشن متواتر قرأت کے مقابلہ میں شاذ قرأت کی سی تھی، کہ اگر کوئی شاذ قرأت پڑھتا تو لوگ انکار کرتے۔ اگر حکیم صاحب یہ طریق بھی حضرت وائلؓ کا بیان فرما دیتے تو پتہ چلتا کہ یہ حدیث خیر القرون میں متروک العمل تھی اور خیر القرون کے تواتر عملی کے خلاف تھی۔

حضرت وائل بن حجرؓ نے قولی حدیث میں بھی صرف پہلی تکبیر کی رفع یدین کا ذکر ہی کیا ہے۔ **عن وائل بن حجرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ یا ابن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأۃ تجعل یدیھا حذاء ثدییھا** (رواہ الطبرانی) یعنی رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: اے ابن حجر! تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھایا کر اور عورت اپنے ہاتھ سینے تک اٹھائے۔

اگر حکیم صاحب حضرت وائلؓ کی حدیث کے بارے میں یہ سب باتیں تفصیل سے بیان فرما دیتے تو انہیں پتہ چلتا کہ خیر القرون میں رفع یدین متروک العمل تھی۔

بحث حدیث ابو حمید الساعدیؓ و دیگر دس صحابہؓ:

(۱)　اس حدیث کو غیر مقلد بڑی زبردست دلیل سمجھتے ہیں اور حکیم صاحب نے بھی بڑے فخر سے بیان کی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت ابو حمید الساعدیؓ کی مجلس میں وہ دیگر دس صحابہ کون تھے؟ ان کے اسمائے گرامی کیا ہیں اور اس مجلس کا حال کس نے آنکھوں سے دیکھ کر بیان کیا؟ جس روایت کو حکیم صاحب نے بیان کیا اس مجلس کا حال بیان کرنے والا محمد

بن عمرو بن عطاء ہے، جو بیان کرتا ہے کہ اس مجلس میں دس صحابہ تھے، لیکن ان دس صحابہ میں سے صرف ایک صحابی ابو قتادہ کا نام وہ بتا سکا ہے۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں: **فان محمد بن عمرو بن عطاء لم یسمع ذلک الحدیث من ابی حمید و لا ممن ذکرہ معہ فی ذلک** (الحدیث) (طحاوی ص ۱۶۴، ج ۱) یعنی یہ حدیث نہ محمد بن عمرو بن عطاء نے براہ راست حضرت ابو حمید سے سنی اور نہ ان صحابہ سے جن کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ امام ابن ابی حاتم بھی فرماتے ہیں: **قال ابی فصار الحدیث مرسلاً** (کتاب العلل ص ۱۶۳) یہ حدیث مرسل ہے۔

امام طحاوی مزید فرماتے ہیں: وہ حدیث جو محمد بن عمرو بن عطاء نے روایت کی ہے وہ غیر معروف اور غیر متصل ہے۔ کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ ابو حمید کی مجلس میں ابو قتادہ حاضر تھے، حالانکہ ابو قتادہ بہت عرصہ پہلے فوت ہو چکے تھے (طحاوی ص ۱۷۹ ج ۱) موسیٰ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ابو قتادہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور سات تکبیریں کہیں (طحاوی ص ۳۳۳، ج ۱) یہی بات ابن ابی شیبہ ص ۱۱۶ ج ۴؛ بیہقی ص ۳۶ ج ۴؛ تاریخ بغداد ص ۱۶۱ ج ۱؛ طبقات ابن سعد ص ۹ ج ۶؛ یہی روایت امام شعبیؒ سے ہے (الجوہر النقی ص ۳۶، ج ۴) ہاں واقدی کذاب ان کی وفات ۵۴ھ میں بتاتا ہے جو غلط ہے، امام ہشیم بن عدی فرماتے ہیں کہ ابو قتادہ ۳۸ھ میں فوت ہوئے (البدایہ والنہایہ ص ۶۸ ج ۸) اور محمد بن عمرو بن عطاء کی پیدائش تقریباً ۴۰ھ ہے۔ شاید حضرت ابو قتادہ وصال کے کئی سال بعد قبر سے نکل کر مجلس رفع یدین میں حاضر ہو گئے ہوں۔ باقی جن نو صحابہ کا نام محمد بن عمرو بن عطاء نے نہیں بتایا ان سے ملاقات خدا جانے کیسے ہوئی ہو گی۔

(۲)　اس لئے محمد بن عمرو بن عطاء خود اس بارے میں خاصا مضطرب ہے۔ وہ کبھی محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی کہتا ہے (ابوداؤد ص ۱۱۳ ج ۱) کبھی محمد بن عمرو بن عطاء عن رجل عن ابی حمید الساعدی کہتا ہے (طحاوی ص ۱۷۸ ج ۱) تو اس کا مدار ایک مجہول آدمی پر ہوا۔ کبھی کہتا ہے، میں نے عباس بن سہل سے، انہوں نے ابو حمید سے سنا (ابوداؤد ص ۱۱۴ ج ۱) کبھی کہتا ہے میں نے مالک سے، اس نے عباس بن سہل سے، اس نے ابو حمید سے

(بیہقی ص ۱۰۱، ج ۲) اور یہ اضطراب بھی ضعف روایت کا موجب ہے۔

(۳) اگر اس مجلس کا حال بیان کرنے والا عباس بن سہل کو مان لیں تو وہ عمر میں محمد بن عمرو سے بھی چھوٹا ہے، کیونکہ محمد بن عمرو تو طبقہ ثالثہ کا ہے (تقریب ص ۳۱۳) اور عباس بن سہل طبقہ رابعہ کا ہے (تقریب ص ۱۶۵) پھر یہ بھی یقین نہیں کہ راوی عباس ہے یا عیاش۔ اگر دوسرا ہے تو بھی مجہول ہے۔

(۴) بعض نے ان دس صحابہ میں سلمان فارسی کو بھی شمار کیا ہے۔ حالانکہ سلمان فارسی ان کی پیدائش سے بہت پہلے ۳۴ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اور بعض نے ان دس صحابہ میں حضرت ابو مسعود بدریؓ کو بھی شمار کیا ہے۔ یہ ۳۸ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ بعض نے ان میں محمد بن مسلمہؓ کو بھی شریک کیا ہے، جو ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وصال فرما چکے تھے۔ بعض نے اس میں ابو اسیدؓ کو بھی شمار کیا ہے۔ جو صحیح قول کے موافق ۳۰ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اور حضرت عمار بن یاسرؓ ۳۷ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ حکیم صاحب! آپ نے ان دس صحابہ کا نام اسی لئے ذکر نہیں کیا کہ تاریخ دان لوگ حیران ہوں گے کہ مسئلہ رفع یدین کتنا اہم ہے جس کے لئے ایسی انوکھی مجلس بٹھائی جا رہی ہے۔ مسئلہ رفع یدین کی تصدیق و تائید کے لئے زندوں کو ناکافی سمجھا گیا ہے۔ پندرہ پندرہ بیس بیس سال کے وفات یافتہ بزرگوں کو قبروں سے بلا کر رفع یدین کی تصدیق کرائی جا رہی ہے۔ حکیم صاحب! آپ حق چھپانے کی بجائے ان دس صحابہ کرام کے اسمائے گرامی کسی صحیح سند سے پیش فرمائیں۔ ان کی تاریخ وفات اور مجلس کی تاریخ انعقاد کا پتہ دیں تو ان شاء اللہ اور بہت سی کرامات کے ظہور کی اُمید ہے۔

(۵) حضرت ابو حمید الساعدیؓ کی حدیث صحیح بخاری ص ۱۱۴ ج ۱ پر موجود ہے۔ جس میں نہ تو دس صحابہ کی موجودگی کا ذکر ہے کہ مندرجہ بالا اعتراضات وارد ہوں۔ ہاں اس میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے، رکوع کے ساتھ رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں۔ آپ کی پیش کردہ حدیث میں دس صحابہ اور رکوع کی رفع یدین کا ذکر عبد الحمید بن جعفر نے شامل کیا ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں وہ ضعیف ہے (ص ۱۶۴ ج ۱ و ص ۱۷۹ ج ۱) امام نسائی فرماتے ہیں: لیس بالقوی (ضعفاء صغیر ص ۴۸) کیا حکیم صاحب سے ہم یہ اُمید رکھیں

کہ وہ اس ضعیف حدیث کی بجائے صحیح بخاری ص ۱۱۴ ج ۱ پر درج ابوحمید ساعدی کی حدیث کے موافق صرف تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے ساتھ نماز شروع کردیں گے۔لیکن ہمارا خیال ہے کہ صحیح احادیث پر عمل ان کی قسمت میں نہیں۔

(۶)　حکیم صاحب! آپ نے حدیث کا ترجمہ بڑا گول مول کیا ہے۔اگر آپ صحیح ترجمہ جانتے تو اس حدیث کو پیش نہ کرتے۔حکیم صاحب! آپ کی مجلس میں میں یہ دعویٰ کروں کہ فلاں بیماری کے بارے میں، میں آپ سے زیادہ نسخے جانتا ہوں تو آپ اور آپ کی مجلس کے سب لوگ میری اس بات کا یہی مطلب سمجھیں گے کہ اس کے پاس کوئی ایسا نسخہ ہے جو ہمارے علم میں نہیں۔پھر اگر میں وہ نسخہ بتاؤں اور وہ نسخہ آپ پہلے نہ جانتے ہوں تو آپ میری تصدیق کریں گے کہ آپ کا دعویٰ سچا ہے، واقعی یہ نسخہ ہمیں پہلے معلوم نہیں۔ اور اگر وہ نسخہ پہلے آپ کو معلوم ہو تو آپ تصدیق کی بجائے میری تکذیب کریں گے کہ بالکل غلط، یہ نسخہ تو ہم جانتے ہیں۔اب سمجھیں کہ ایک مجلس میں جس میں دس صحابہ اور کئی تابعین موجود ہیں، حضرت ابوحمید الساعدیؓ ایک دعویٰ کرتے ہیں: **انا اعلمکم بصلوٰۃ رسول اللہ ﷺ** یعنی عملی طور پر اگرچہ میری اور آپ کی نماز میں کوئی فرق نہیں، لیکن علمی طور پر مجھے بعض مسائل کی تم سے زیادہ واقفیت ہے جو میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ان لوگوں نے کہا فرمایئے، وہ کون سا مسئلہ ہے؟ تو آپ نے رکوع کی رفع یدین، اور تیسری رکعت کی رفع یدین کا مسئلہ بتایا۔تو سب نے کہا، واقعی آپ نے سچ فرمایا کہ یہ مسئلہ صرف آپ کے ہی علم میں تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ دورِ صحابہ میں رفع یدین عند الرکوع اور تیسری رکعت کے شروع والی رفع یدین ایسی متروک تھی کہ اس پر عمل تو کجا اتنی بڑی مجلس جس میں دس صحابہ بھی تھے، ان کو اس مسئلے کا علم بھی نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ نہ صحابہ سے سنا، نہ اس پر کسی کو عمل کرتے دیکھا۔اب حدیث کا خلاصہ یہی نکلا کہ کسی زمانہ میں یہ رفع یدین حضرت نے کی تو تھی مگر پھر ایسی متروک ہوئی کہ بعض متاخر الاسلام صحابہ کو اس کا علم تک نہ تھا۔

بحث حدیث حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وابن عباسؓ:

حکیم صاحب نے حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا ترجمہ لکھا ہے۔

۱- پہلی خیانت:

حکیم صاحب نے اس حدیث میں لفظ حین یرکع کا ترجمہ یہ کیا ہے: ''رکوع جانے اور رکوع سے سر اُٹھانے کے وقت'' مگر اس کے ساتھ حین یسجد بھی تھا جس کا ترجمہ ان کے طریقہ پر یہ تھا: ''سجدہ میں جانے اور سجدہ سے سر اُٹھانے کے وقت''، لیکن حکیم صاحب نے حین یسجد کا ترجمہ چھوڑ دیا، کیونکہ حدیث کے اس حصہ پر نہ ان کا عمل ہے اور نہ ہی عمل کرنا چاہتے ہیں۔ گویا افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض پر عمل ہے۔ ''کیا تم بعض پر عمل کرتے ہو (جو دل کو بھائے) اور بعض کا انکار کرتے ہو (جو نفس نہ چاہے)۔

۲- دوسری خیانت:

حدیث میں لفظ و حین ینھض للقیام کا ترجمہ تو یہ تھا کہ جب بھی کھڑے ہوتے، رفع یدین فرماتے، خواہ دوسری رکعت میں کھڑے ہوں یا تیسری رکعت میں یا چوتھی رکعت میں، لیکن چونکہ حکیم صاحب دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین نہیں کرتے اور نہ ہی اس حدیث پر عمل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے حین ینھض للقیام کا ترجمہ یہ کر دیا ''اور دو رکعتوں سے کھڑے ہونے کے وقت۔''

۳- تیسری خیانت:

حکیم صاحب نے ترجمہ میں یہ نہیں بتایا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے کس نے دیکھا؟ اس کا نام میمون مکی ہے جو طبقہ ثالثہ کا شخص ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: الثالثۃ الطبقۃ الوسطی من التابعین کالحسن البصری و ابن سیرین (تقریب ص ۱۰) یہ یعنی تابعین کا درمیانی طبقہ ہے جن کی بہت سے صحابہ سے ملاقات ہوتی ہے۔ یہ شخص تابعی ہے اور مکہ کا رہنے والا ہے جہاں ہر سال حج کے موقع پر تمام

اسلامی دنیا سے ہر مسلک کے لوگ آتے ہیں، صحابہ بھی، تابعین بھی، تبع تابعین بھی۔ ان سب کے مسلک سے واقف ہے۔ گویا پوری اسلامی دنیا کے مسلک کو جاننے والا ہے۔

۴۔ چوتھی خیانت:

حکیم صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کو نماز پڑھتے دیکھ کر میمون مکی نے کیا کہا۔ جس حدیث کا ترجمہ حکیم صاحب کر رہے تھے اس حدیث کے عین درمیان سے ایک پوری سطر کا ترجمہ کھا گئے۔ وہ یہ ہے کہ جب میمون مکی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو رفع یدین کر کے نماز پڑھتے دیکھا تو فرماتے ہیں میں چل کر ابن عباسؓ کے پاس گیا اور میں نے کہا: آج میں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو ایسی انوکھی نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ آج تک کسی ایک آدمی کو بھی ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا، اور اس رفع یدین کا ذکر کیا (ابوداؤد ص ۱۱۵ ج ۱) حضرت میمون مکی کے الفاظ پر غور فرمائیں۔ آپ نے بہت سے صحابہ کو دیکھا مگر سوائے عبداللہ بن زبیرؓ کے کسی کو رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔ آپ نے بہت سے تابعین کو دیکھا مگر کسی ایک تابعی کو بھی رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔ آپ نے بہت سے تبع تابعین کو دیکھا مگر کسی ایک تبع تابعی کو بھی رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔ آپ نے پوری دنیائے اسلام سے آنے والے حاجیوں کو نمازیں پڑھتے دیکھا مگر کسی علاقے کے کسی ایک حاجی کو بھی رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ یہ ہے پورے خیر القرون میں ترک رفع یدین پر عملی تواتر۔ لاکھوں میں ایک آدمی رفع یدین کرنے والا ملا۔ اگر حکیم صاحب یہ تفصیل بیان فرما دیتے تو ان کی ساری تحریر بے اثر ہو کر رہ جاتی۔ لیکن شاید **لا دین لمن لا دیانة له و لا ایمان لمن لا امانة له** جیسی احادیث پر عمل کرنا آپ گناہ سمجھتے ہوں۔ (بددیانتی اور خیانت مؤمن کا کام نہیں)

(۵) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے تفردات سب صحابہؓ کے مقابلہ میں اہل سنت والجماعت نے قبول نہیں کیے۔ مثلاً آپ عیدین سے پہلے اذان و اقامت کے بھی قائل تھے۔ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کے بھی قائل تھے (معارف السنن ص ۴۶۰، ج ۲) شاید حکیم صاحب حضرت ابن زبیرؓ کے ان افعال پر بھی عمل شروع فرما دیں گے۔

(۶)　حکیم صاحب! آپ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خود حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی اولاد رفع یدین پر عامل نہیں رہی۔ محمد بن ابی یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے حضرت عبادؒ کے پہلو میں نماز پڑھی اور میں نماز میں رفع وخفض پر رفع یدین کرنے لگا تو حضرت عبادؒ نے فرمایا: ''اے میرے بھتیجے تو نماز میں ہر اونچ نیچ پر رفع یدین کرتا ہے، حالانکہ جناب رسول اللہ ﷺ صرف ابتداء نماز میں ہی رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہ کرتے تھے، حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جاتے۔'' (اخرجه البیهقی فی الخلافیات، بسط الیدین ص ۵۳ بحوالہ المواھب اللطیفہ)

(۷)　آنحضرت ﷺ کی عادتِ مبارک یہی تھی کہ بیٹھ کر پیشاب فرماتے اور یہی عادت صحابہ وتابعین کی تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر بھی پیشاب فرمایا، اس پر عام عمل جاری نہ تھا بلکہ اگر کوئی ایسا کرتا تو بعض لوگ انکار کرتے۔ ایسے موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والی حدیث سنا دیتے۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سنت ہے، بلکہ اعتراض کرنے والے کو رد کرنا مقصود ہوتا۔ اسی طرح ترکِ رفع یدین متواتر اً معمول بہ تھا لیکن ابن عباسؓ نے یہ بتایا کہ یہ بھی ثابت ہے۔

(۸)　حکیم صاحب! اسی طرح کی حدیث ساتھ ہی ابوداؤد میں ہے۔ نضر بن کثیر کہتے ہیں کہ میرے پہلو میں مسجد خیف میں عبداللہ بن طاؤس یمنی نے سجدہ کے بعد رفع یدین کی تو میں نے اس کو امر منکر سمجھا۔ وہیب بن خالد نے اسے کہا کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے جو میں نے کسی کو کرتے نہیں دیکھا۔ تو اس نے بھی ابن عباسؓ سے حدیث سنا دی (ابوداؤد ص ۱۵۵، ج ۱) حکیم صاحب اس پر عمل شروع فرمائیں گے یا نہیں؟

آخر میں حکیم صاحب نے چار سو احادیث کا رعب ڈالا ہے جو بالکل جھوٹ ہے۔ ہم ان سے صرف عشرہ مبشرہ والی دس حدیثوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن میں صراحتاً سنت مؤکدہ کا حکم ہو اور حضور ﷺ کے ساری عمر رفع یدین کرنے کی صراحت ہو۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے علامہ سندھی، امام بخاری، مروزی، شیخ جیلانی، شاہ ولی اللہ، مولانا عبدالحیٔ کے اقوال پیش کیے جو ان کے مذہب میں حرام اور شرک ہیں۔ کیونکہ کسی غیر معصوم

اُمتی کا قول ان کے ہاں شرک تقلیدی ہے۔

۱۔ سندھیؒ کا سنت صحیحہ متواترہ کہنا درست نہیں۔ کسی ایک صحیح خبر واحد میں ہی سنت مؤکدہ کا لفظ دکھادو۔

۲۔ امام بخاریؒ کا یہ قول حضرت ابراہیم نخعیؒ، میمون مکی، حضرت وائل بن حجر کے خلاف ہے۔ جمہور صحابہ رفع یدین کے تارک تھے۔ اس لئے امام بخاریؒ کے اس قول کو خود ان کے شاگرد امام ترمذی نے قبول نہیں کیا۔

۳۔ امام محمد بن نصر کا یہ قول حافظ نے صحیح نقل نہیں کیا۔ صحیح یہ ہے کہ اہل کوفہ بالا جماع رفع یدین کے تارک ہیں اور باقی شہروں کے کچھ لوگ رفع یدین کرتے ہیں۔ یہ بھی محمد بن نصر کے زمانہ کا حال ہے۔ خیر القرون کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔

۴۔ امام کے زمانہ کے بارے میں عدۃ کا ترجمہ سب کر کے آپ نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ خیر القرون بھی نہیں۔

۵۔ حضرت جیلانیؒ مقلد ہیں۔ آپ کے نزدیک معاذ اللہ مشرک۔ کیا مشرک رفع یدین کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی؟

۶۔ شاہ ولی اللہ کی عبارت نہایت نا تمام نقل کی ہے۔ شاہ صاحبؒ پہلے ایسا لکھ گئے، پھر رسولِ اقدس ﷺ نے حالتِ کشفی میں فرمایا: ''بے شک مذہب حنفی نہایت ستھرا طریقہ ہے اور میری سنت کے سب سے زیادہ موافق ہے۔'' (فیوض الحرمین)

حکیم صاحب! جس طرح آپ کی قسمت میں ضعیف حدیثیں آئی ہیں، ایسے ہی آپ کی قسمت میں شاذ اقوال آئے ہیں۔ حکیم صاحب! آپ کا دعویٰ رفع یدین کے سنت مؤکدہ متواترہ ہونے کا ہے، مگر آپ اور آپ کی ساری جماعت :

(الف) ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث ایسی پیش نہیں کر سکی جس میں آنحضرت ﷺ نے اس متنازعہ فیہ رفع یدین کو سنت مؤکدہ فرمایا ہو۔

(ب) اسی طرح آپ فقہ حنفی کے متون معتبرہ سے ایک بھی مفتی بہ قول پیش نہیں کر سکتے جس میں متنازع فیہ رفع یدین کو سنت مؤکدہ کہا گیا ہو۔

باب دوم

ترک رفع یدین کے دلائل

حدیث (۱):

سفیان بن عیینة قال اجتمع ابو حنیفة والاوزاعی فی دار الحناطین بمکة فقال الاوزاعی لابی حنیفة مابالکم لا ترفعون ایدیکم فی الصلٰوة عندالرکوع وعندالرفع منه فقال ابو حنیفة لاجل انه لم یصح عن رسول اللّٰه ﷺ فیه شیٔ قال کیف لا یصح وقد حدثنی الزهری عن سالم ابیه عن رسول اللّٰه ﷺ انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلٰوة وعندالرکوع وعندالرفع منه فقال له ابو حنیفة حدثنا حماد عن ابراهیم عن علقمة والاسود عن ابن مسعودؓ ان رسول اللّٰه ﷺ کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلٰوة ولا یعود لشیٔ من ذلک فقال الاوزاعی احدثک عن الزهری عن سالم عن ابیه وتقول حدثنی حماد عن ابراهیم فقال له ابو حنیفة کان حماد افقه من الزهری وکان ابرهیم افقه من سالم وعلقمة لیس بدون ابن عمر فی الفقه وان کانت لابن عمر صحبة وله فضل صحبة والاسود له فضل کثیر وعبداللّٰه هو عبداللّٰه فسکت الاوزاعی (مسند الامام الاعظم ص ۵۰)

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ مکہ کی غلہ منڈی میں اکٹھے ہوئے، امام اوزاعیؒ نے کہا تم اہل عراق رکوع کے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: کیونکہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے (بلا معارض) کچھ صحیح ثابت نہیں۔ امام اوزاعیؒ نے کہا کیسے صحیح نہیں۔ زہری سالم سے اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پہلی تکبیر اور رکوع جاتے اور سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا مجھے حدیث بیان کی حماد نے ابراہیم نخعیؒ سے، انہوں نے علقمہ واسود سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ بے شک رسول اللہ

ﷺ نہیں رفع یدین کرتے تھے مگر پہلی تکبیر کے وقت اور نماز میں پھر کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعیؒ نے کہا، میں نے حدیث بیان کی، زہری سے، اس نے سالم سے، اس نے ابن عمر سے اور آپ کہتے ہیں کہ حدیث بیان کی مجھ سے حماد نے ابراہیم سے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حماد زہری سے زیادہ فقیہ تھے اور ابراہیم سالم سے بڑے فقیہ تھے اور علقمہ فقہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کم نہ تھے، اگرچہ وہ فضل صحابیت میں بڑھے ہوئے ہیں اور اسود کی بڑی فضیلت ہے اور عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں، پس اوزاعی لاجواب ہو گئے۔

(۱)　سیدنا امام اعظمؒ نے اس سند کی خوبی یہ بتائی کہ اس سند کا ہر راوی اپنے اپنے دور کا سب سے بڑا فقیہ ہے، تو اس سند کا کیا کہنا جب کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمادیا: **من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین.** تو جس سند کے سارے راوی افقہ الناس اور خیر الناس ہوں، اس کی ترجیح میں کیا شبہ؟ اور حق یہ ہے کہ مخالفین کے پاس ایسی کوئی سند نہیں جس کی سند کا ہر راوی افقہ الناس ہو۔

(۲)　امام صاحبؒ فرماتے ہیں: میں نے حماد سے سنا، میں جب ابراہیم کو دیکھتا تو جو بھی ان کی سیرت کو دیکھتا وہ کہتا کہ ان کی سیرت ہو بہو حضرت علقمہ کی سیرت ہے اور جو علقمہ کو دیکھتا، کہتا کہ اس کی سیرت عین عبداللہ بن مسعودؓ کی سیرت ہے، جو حضرت عبداللہ کو دیکھتا وہ کہتا کہ ان کی سیرت آنحضرت ﷺ کی سیرت کا کامل عکس ہے (مسند الامام الاعظم ص ۱۸۹) صحاح ستہ کے راویوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کے راوی وہ ہیں جو اپنے استاد سے کثیر الملازمت اور تام الضبط ہوں اور اس کے راوی تو اس سے بھی اعلیٰ مقام پر ہیں کہ پوری سیرت من تو شدم تو من شدی کے مصداق ہیں۔ مخالفین کو کوئی ایک سند بھی ایسی نصیب نہیں ہوئی۔

(۳)　اس سند کے سارے راوی خیر القرون کے ہیں۔ صحابہ یا تابعین اور خیر القرون کی خیریت احادیث میں منصوص ہے۔

(۴)　اس حدیث کی ساری سند کوفی ہے اور سب اہل کوفہ کا ترک رفع یدین پر اجماع ہے۔ **وھو قول سفیان و اھل الکوفة** (ترمذی ص ۵۹ ج ۱) یہ قول سفیان اور سب اہل

کوفہ کا ہے، مولانا عبدالحئی لکھنوئیؒ فرماتے ہیں: ''یہی قول ابوحنیفہ، سفیان ثوری، حسن بن حی اور کوفہ کے تمام متقدمین اور متاخرین فقہاء کا ہے۔'' (التعلیق الممجد ص ۹۱)

(۵) یہ حدیث مسلسل بالعمل بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے (مؤطا امام محمد ص ۹۴) حضرت اسود اور حضرت علقمہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۸ ج ۱) حضرت امام ابراہیم نخعیؒ بھی پہلی تکبیر کے بعد نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۸ ج ۱) امام حمادؒ اور امام ابوحنیفہؒ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (کتاب الآثار امام محمد)

حدیث (۲):

عن عبداللّٰہ بن مسعودؓ الا اصلی بکم صلٰوۃ رسول اللّٰہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ (ترمذی ص ۵۹ ج ۱؛ نسائی ص ۱۶۱ ج ۱؛ ابوداؤد ص ۷۶، ۱۱۶، ج ۱؛ مسند احمد ص ۳۸۸، ص ۴۴۲، ج ۱؛ ابن ابی شیبہ ص ۲۶۷، ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اعلان فرمایا: میں تمہیں جناب رسول اللہ ﷺ والی نماز نہ پڑھاؤں؟ پس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز پڑھائی اور رفع یدین نہ کیا نماز میں مگر ابتداء نماز میں ایک ہی مرتبہ۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث حسن ہے۔ اس ترک رفع یدین کے قائل بے شمار اہل علم ہیں۔ جن میں صحابہ کرام اور تابعین ہیں۔ یہ مذہب امام سفیان ثوری اور تمام اہل کوفہ کا ہے۔'' (ترمذی ص ۵۹، ج ۱)

کوفہ میں حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی معیت میں چالیس لوگ آباد ہوئے جو صحابہ اور تابعین تھے (تاریخ طبری ص ۴۱۱، ج ۴) حضرت سعدؓ کے ساتھ ۹۹ بدری صحابہ تھے اور تین سو دس بیعت رضوان والے تھے (الفتوحات الاسلامیہ ص ۸۳ ج ۱؛ تاریخ ابن اثیر ص ۱۷۴، ج ۲) مؤرخ عجلی فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک ہزار پچاس صحابہ اقامت پذیر ہوئے (فتح القدیر ص ۲۷ ج ۱۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی محنت سے چار ہزار محدثین اور چار سو فقہاء تیار ہو گئے تھے (مقدمہ)۔ باب مدینہ

العلم اور خلیفہ راشد حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لائے تو فرمایا: اللہ تعالیٰ عبداللہ بن مسعودؓ پر رحمتیں نازل فرمائے کہ اس شہر کو علم سے بھر دیا ہے (مقدمہ نصب الرایہ ص ۳۰)۔ اور فرمایا اصحاب ابن مسعودؓ اس بستی کے چراغ ہیں (مناقب موفق ص ۱۴۰ ج ۲) اور پھر جب حضرت علیؓ نے اس شہر کو دارالخلافہ بنالیا تو ہزاروں اصحاب علیؓ بھی یہاں آباد ہوئے۔ حضرت مسروق تابعی فرماتے ہیں: میں نے پایا کہ تمام صحابہ کا علم چھ صحابہ میں جمع ہوگیا: (۱) حضرت علیؓ، (۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، (۳) حضرت عمرؓ، (۴) حضرت زید بن ثابتؓ، (۵) حضرت ابوالدرداءؓ، (۶) حضرت ابی بن کعبؓ۔ پھر میں نے پایا کہ ان چھ کا علم دو صحابہ میں جمع ہوگیا: حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (طبقات ابن سعد ص ۵۲، ج ۲) اور اُن دونوں کا علم کوفہ میں جمع ہوگیا، تو کوفہ گویا تمام صحابہ کے علم کا جامع تھا۔ اس شہر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اعلان فرمایا کہ اللہ کے نبی ﷺ کی نماز یہ ہے کہ نماز میں صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کی جائے، پھر نماز میں رفع یدین نہ کی جائے اور کسی ایک فرد نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا، بلکہ سب نے اسی پر عمل کیا، چنانچہ ابواسحاق تابعی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھی نماز میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، پھر رفع یدین نہیں کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ ص ۲۶۷ ج ۱) یعنی یہ ہزاروں ساتھی جن میں تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ اور چار ہزار تابعی محدثین، چار سو تابعی فقہاء اور ہزاروں مجاہدین اسلام شامل تھے، رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ پھر یہ حدیث مسلسل بالعمل بھی ہے، اس کی سند کے پانچوں راوی امام وکیع بن الجراح، امام سفیان ثوری، عاصم بن کلیب، عبدالرحمٰن بن الاسود اور علقمہ سب کے سب اسی حدیث کے موافق نماز پڑھتے اور رفع یدین نہ کرتے تھے (معارف السنن ص ۴۸۵، ج ۲) اب اس کے خلاف غیر مقلدوں کی راگنی بھی سنئے۔

غیر مقلدین کی راگنی:

حضرت رسول اقدس ﷺ قرآن جاننے والوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو

اول نمبر قرار دیتے ہیں (بخاری ص ۵۳۱، ج۱؛ مسلم ص ۲۹۳، ج ۲) لیکن غیر مقلد کہتے ہیں کہ وہ معاذ اللہ قرآن کے منکر تھے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنی امت کے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو ابن مسعودؓ پسند کریں اور وہ ناپسند کرتا ہوں جس کو ابن مسعودؓ ناپسند کریں (مجمع الزوائد ص ۲۹۰ ج ۲) لیکن غیر مقلدین حضرت ابن مسعودؓ کی بتائی ہوئی صلوٰۃ الرسول کو بھی پسند نہیں کرتے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں، عبداللہ بن مسعودؓ کے عہد کو مضبوطی سے پکڑو (ترمذی ص ۲۲۱، ج ۲) لیکن غیر مقلد کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ہرگز قبول نہ کرو۔ الناطق بالحق والصواب حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ علم کا بھرپور خزانہ ہیں (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۴، ج ۱) مگر غیر مقلد کہتا ہے کہ ان کو نہ قرآن کا علم تھا نہ نماز کا۔ بہرحال اس حدیث پر ایک بھی بادلیل مفسر جرح نہیں کی جاسکی۔ حکیم صاحب نے یہ کہا ہے کہ اس میں عاصم بن کلیب ضعیف ہے۔ لیکن حکیم صاحب کو اتنا بھی علم نہیں کہ خود انہوں نے اپنے دلائل میں ابوداؤد کی جو روایت حضرت وائلؓ سے پیش کی ہے اس میں بھی عاصم بن کلیب ہے۔ کیا صحیح بخاری ص ۸۶۸ میں ج ۲ میں عاصم بن کلیب کی تعلیق کو جو امام بخاریؒ نے اصح فرمایا ہے، اس کو حکیم صاحب غلط قرار دیں گے؟ صحیح مسلم ص ۱۹۷، ج ۲ و ص ۳۵۰ ج ۲ و ص ۴۱۴ ج ۲ پر جو عاصم بن کلیب کی احادیث ہیں، ان کے جھوٹا ہونے کا اعلان کرو گے؟ امام نسائی نے اسے ثقہ اور امام ابوداؤد نے اسے افضل اہل الکوفہ کہا ہے (تہذیب التہذیب ص ۵۶ ج ۵) ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن صحیح کہا ہے (ص ۵۹ و ص ۲۱۰ ج ۱) حکیم صاحب! جس حدیث پر ہزاروں صحابہ تابعین کا عمل ہو، اس کو ضعیف کہنا چاند پر تھوکنا ہے۔

حدیث (۳):

عن عبداللہ قال صلیت مع النبی ﷺ و ابی بکر و عمر رضی اللّٰہ عنھما فلم یرفعوا ایدیھم الا عند الاستفتاح (دارقطنی ص ۲۹۵ ج ۱؛ بیہقی ص ۷۹، ج ۲؛ مجمع الزوائد ص ۱۰۱، ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی

اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، پس ان سب حضرات نے رفع الیدین نہ کیا، مگر تکبیر تحریمہ کے وقت۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس حدیث میں ایک یہ خوبی ہے کہ عدم رفع یدین والی نماز آنحضرت ﷺ کی آخری زمانہ کی نماز تھی۔ کیونکہ آپ کے بعد مسجد نبویؐ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی عدم رفع یدین والی نماز پڑھاتے رہے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمرؓ بھی یہی نماز پڑھاتے رہے، یہ حدیث بھی مسلسل بالعمل ہے۔ اسحاق ابن ابی اسرائیل، محمد بن جابر الیمی، حماد، ابراہیم، علقمہ اور عبداللہ بن مسعودؓ سب اسی حدیث کے مطابق عدم رفع یدین والی نماز پڑھتے تھے۔ یہ سب کوفی راوی ہیں اور اسحاق بن ابی اسرائیل بھی فرماتے ہیں: وبہ ناخذ (دار قطنی ص ۲۹۵ ج ۱) یعنی ہم سب اسی پر عمل کرتے ہیں۔

بعض لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف کہنے کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ اس کا راوی محمد بن جابر ضعیف ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، محمد بن جابر کا جوانی میں حافظہ قوی تھا، بڑھاپے میں وہ نابینا ہو گئے تھے اور ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، ان کی اس زمانہ کی حدیثیں واقعی ضعیف ہیں، لیکن یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب ان کا حافظہ نہایت قوی تھا، کیونکہ اس حدیث میں ان سے راوی اسحاق بن ابی اسرائیل ہے۔ یہ محمد بن جابر کو بہت فضیلت دیتے تھے اور محمد بن جابر سے بڑے بڑے محدثین ایوب، ابن عون، ثوری، شعبہ، ابن عیینہ روایت کرتے تھے (نصب الرایہ ص ۳۹۷ ج ۱) اور خاص اس حدیث کے بارے میں بہ ناخذ فرماتے ہیں اور یہ کہنا کہ محمد بن جابر اس سند سے مرفوع کرنے میں منفرد ہے اول تو یہ کوئی جرح نہیں، کیونکہ حماد کے شاگردوں کی محمد بن جابر نے مخالفت نہیں کی، بلکہ امام صاحبؒ اس سند سے اس کو مرفوع کر رہے ہیں۔ دیکھو حدیث نمبر ۱۔ پس اس حدیث پر کوئی صحیح بادلیل اور مفسر جرح نہیں ہے۔

حدیث (۴):

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی چوتھی حدیث حضرت وائل بن حجرؓ کی بحث میں گزر چکی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خیر القرون میں رفع یدین ایسی متروک تھی کہ اس پر عمل کرنا تو کجا یہ مسئلہ سننا بھی ناگوار تھا، یہ حدیث بھی مسلسل بالعمل ہے۔

حدیث (۵):

حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث بھی گزر چکی ہے جو کوفی سند اور مسلسل بالعمل ہے۔

حدیث (۶):

مالک عن ابن شهاب عن سالم عن ابيه ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذ و منكبيه اذا افتتح الصلوٰة (المدونۃ الکبریٰ ص ۷۱ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نماز میں صرف پہلی تکبیر کے وقت ہی رفع یدین کیا کرتے تھے۔

اس حدیث میں جزاء مقدم ہے جو دلیل حصر ہے جیسے ایاک نعبد کا ترجمہ یہ ہے، ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں'' یعنی اور کسی کی نہیں کرتے۔ اسی طرح یہ حدیث ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہ کرتے تھے۔ اسی لئے امام مالکؒ نے پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کو ضعیف قرار دیا ہے (المدونۃ الکبریٰ ص ۷۱ ج ۱)

نوٹ: اس حدیث کے سب راوی مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں اور سب اپنے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے محدث ہیں۔ ایک راوی بھی کسی دوسرے شہر کا نہیں ہے اور اہل مدینہ کا عمل ترک رفع یدین پر تھا۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے امام، امام مالکؒ فرماتے ہیں: **لا اعرف رفع اليدين فى شئ من تكبير الصلوٰة لا فى خفض ولا فى رفع الا فى افتتاح الصلوٰة** (المدونۃ الکبریٰ ص ۷۱ ج ۱) یعنی پہلی تکبیر کے بعد نماز کی کسی اونچ نیچ میں رفع یدین کو بالکل نہیں پہچانتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں نہ کوئی مدینہ منورہ کا رہنے والا رفع یدین کرتا تھا، نہ کوئی روضہ پاک کی زیارت کے لئے باہر سے آنے والا، ورنہ حضرت امام مالکؒ کو اس رفع یدین کی ضرور پہچان ہوتی۔ تو گویا اس حدیث نمبر ۶ کے عمل پر اہل مدینہ کا اجماع ہے۔

حدیث (۷):

حدثنا الحميدى (قال حدثنا سفيان) (مسند حمیدی کے مطبوعہ نسخہ میں

کاتب کی غلطی سے یہ بریکٹ والا واسطہ رہ گیا ہے، ہم نے مسند حمیدی مطبوعہ کے حاشیہ، مسند ابوعوانہ کی سند اور دو قلمی نسخوں سے یہ نقل کیا ہے) ثنا الزهری قال اخبرنی سالم بن عبداللہ عن ابیه قال رأیت رسول اللّٰہ ﷺ یفتتح الصلوٰۃ رفع یدیه حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین (مسند الحمیدی ص ۲۷۷ ج ۱؛ نسخہ قلمی کندیاں خانقاہ سراجیہ ص ۹۷، نسخہ قلمی موسیٰ زئی شریف ص ۹۷؛ مسند ابوعوانہ ص ۹۱، ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، آپ نے نماز کے شروع میں کندھوں تک ہاتھ اُٹھائے اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد رفع یدین نہیں کی اور نہ ہی دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کی۔

اس حدیث کے پہلے دو راوی مکہ مکرمہ کے محدث ہیں اور اس کے بعد کے تینوں راوی مدینہ منورہ کے محدث ہیں۔ اور حضرت ابن زبیر کی حدیث کی بحث میں یہ ثابت ہو چکا کہ خیر القرون میں مکہ مکرمہ میں رفع یدین متروک تھی اور چھٹی حدیث کے تحت آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدینہ منورہ میں بھی رفع یدین متروک تھی۔ پس مکہ اور مدینہ والوں کا عمل اسی حدیث پر رہا۔

حدیث (۸):

عن عبداللہ بن عون الخراز عن مالک عن الزهری عن سالم عن عبداللہ بن عمرؓ ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ ثم لا یعود اخرجه البیهقی فی الخلافیات (نصب الرایہ ص ۴۰۴ ج ۱) شیخ عابد سندھی محدث مدنی المواہب اللطیفہ میں فرماتے ہیں: هٰذا الحدیث عندی صحیح لا محالة (معارف السنن ص ۴۹۸ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: بے شک نبی اقدس ﷺ صرف نماز کی پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا کرتے تھے، پھر نماز میں کسی اور جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ اسی لئے مدینہ منورہ کے محدث شیخ عابد

سندھی فرماتے ہیں: یہ حدیث لامحالہ صحیح ہے۔ اس پر کوئی بادلیل مفسر جرح نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل بھی اس حدیث کے موافق تھا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ صرف نماز کی پہلی تکبیر کے ساتھ ہی رفع یدین کیا کرتے تھے (طحاوی ص ۱۵۵ ج ۱ و ابن ابی شیبہ ص ۲۶۸ ج ۱) عبدالعزیز بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز کی صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، پھر اس کے علاوہ کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے (مؤطا محمد ص ۹۳) علیہ عوفی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نماز کی پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، پھر رفع یدین نہیں کرتے تھے (بیہقی)

فقہاء کا اجماع:

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری حدیث سنے، پھر فقیہ کے پاس لے جائے۔ او کما قال (ابن ماجہ) جب ایک فقیہ کے پاس جانا آنحضرت ﷺ کی دعا کا مستحق بنا دیتا ہے تو صحابہ کے اجماع کی طرف جانا رسولِ اقدس ﷺ کی کتنی دعاؤں کا مستحق بنا دے گا۔ حضرت ابوبکر بن عیاش جو خیر القرون میں ہی ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور خیر القرون میں ہی ۱۹۳ھ میں فوت ہوئے، خیر القرون کے فقہاء کا اجماع یوں بیان فرماتے ہیں: **ما رأیت فقیها قط یفعله یرفع یدیه فی غیر التکبیرة الاولی** (طحاوی ص ۱۵۶ ج ۱) یعنی میں نے ہرگز ہرگز کسی ایک بھی فقیہ کو کبھی پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ آپ نے حج کے سفر بھی کیے، تعلیمی سفر بھی کیے لیکن آپ کی ساری زندگی کا مشاہدہ یہی تھا کہ خیر القرون کے فقہاء کا اجماع ترک رفع یدین پر تھا۔

حدیث (۹-۱۰-۱۱):

حضرت ابن عمرؓ کی یہ تینوں حدیثیں پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کی بحث میں گزر چکی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات کا خلاصہ یہی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سجدہ کی رفع یدین کی، پھر فرمایا: پہلی تکبیر کی رفع یدین کے علاوہ کوئی رفع

یدین باقی نہیں رہی، اور اسی پر خیر القرون میں کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ میں عمل جاری تھا۔

حدیث (۱۲):

مالک عن ابی جعفر القاری عن ابی ہریرۃؓ انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ ویکبر فی کل خفض ورفع ویقول انی اشبھکم بصلوٰۃ رسول اللہ ﷺ (الاستذکار والتمہید لابن عبدالبر، معارف السنن ص۴۹٦ ج۲)

حضرت ابوھریرۃؓ صرف نماز کی پہلی تکبیر کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے اور ہر اونچ نیچ کے وقت تکبیر کہتے تھے اور فرماتے: میں آنحضرت ﷺ جیسی نماز پڑھتا ہوں۔

اس حدیث کے تین ہی راوی ہیں۔ ایک صحابی، ایک تابعی، ایک تبع تابعی، تینوں خیر القرون کے ہیں، تینوں ہی راوی مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں۔ اور امام مالکؒ سے گزر چکا ہے کہ اہل مدینہ کا عمل بھی ترک رفع یدین پر ہی تھا۔ یہ سند نہایت عالی اور نہایت صحیح ہے۔

حدیث (۱۳): حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث کی بحث میں گزر چکی۔

حدیث (۱۴): حضرت عباد بن الزبیرؒ کی حدیث کی بحث میں گزر چکی۔

حدیث (۱۵): حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث کی بحث میں گزر چکی۔

حدیث (۱٦): **اخبرنا قتیبة قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمة عن عبداللہ قال کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی کل وضع ورفع وقیام وقعود وابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنهم** (نسائی ص۱۱۴، ج۱ **باب التکبیر للسجود**)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ ہر اونچ نیچ میں اور قیام قعود میں صرف تکبیر کہتے تھے، اور یہی طریقۂ نماز حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی آخری نماز جو بعد میں خلفائے راشدین بھی مسجد نبوی میں پڑھاتے رہے، اس میں ہر اونچ نیچ، قیام قعود میں صرف تکبیر تھی، رفع یدین نہیں تھی، یہ حدیث بھی مسلسل بالعمل ہے۔

حدیث (۱۷): عن الاسود قال صليت مع عمرؓ فلم يكن يرفع يديه فی شئ من صلوته الاحين افتتح الصلوٰة ورأيت الشعبی وابراهيم وابا اسحاق لا يرفعون ايديهم الا حين يفتتحون الصلوٰة (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲۸ ج ۱)

حضرت اسود تابعیؒ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی، وہ نماز کی پہلی تکبیر کے علاوہ کسی جگہ رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے اور میں نے شعبی، ابراہیم اور ابواسحاق کو دیکھا وہ رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے مگر پہلی تکبیر کے وقت۔

حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں تقریباً ۱۲ سال مسجد نبوی میں نماز پڑھاتے رہے، ہزاروں مہاجرین وانصار نے آپ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ حج کے مواقع پر ہر جگہ کے لوگ آ کر حضرت کے پیچھے نمازیں پڑھتے۔ لیکن کسی ایک آدمی نے بھی حضرت عمرؓ کی نماز کو نہ خلافِ سنت کہا، نہ انہیں رفع یدین کی تبلیغ کی، نہ کسی نے مناظرہ کا چیلنج دیا۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ امام شعبیؒ جنہوں نے پانچ سو صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، وہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے، نہ ہی ابراہیم نخعیؒ اور ابواسحاق کرتے تھے۔

حدیث (۱۸):

اخرج الدارقطنی فی علله عن عبدالرحيم بن سليمان عن ابی النهشل عن عاصم بن كليب عن ابيه عن علیؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه كان يرفع يديه فی اول تكبيرة من الصلوٰة ثم لا يعود برفع (ذب ذبابات الدراسات ص ۶۱۴ ج ۱)

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کا عمل بھی اسی حدیث کے مطابق تھا اور آپ کے ہزاروں ساتھی بھی اسی پر عامل تھے۔

حدیث (۱۹): حضرت ابو مالک اشعریؓ کی حدیث ابوموسیٰ کی بحث میں گزر چکی ہے۔

حدیث (۲۰):

عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال مالی اراكم

رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ (صحیح مسلم ص ۱۸۱ ج ۱؛ ابوداؤد ص ۱۵۰، ج ۱؛ نسائی ص ۱۷۶، ج ۱؛ طحاوی ص ۳۰۹، ج ۱؛ مسند احمد ص ۹۳، ج ۵)

حضرت جابر بن سمرۃ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے (جبکہ ہم نماز پڑھ رہے تھے اور ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے) تو آپ ﷺ نے بڑی ناراضگی سے فرمایا مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں رفع یدین کرتے دیکھ رہا ہوں جیسے شریر گھوڑوں کی دُمیں ہوتی ہیں، نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: **تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم**. یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد سلام پھیرنے تک نماز کا اندرونہ ہے، اس کو **فی الصلوٰۃ** کہتے ہیں۔ پس نماز کے اندر رکوع، سجود، یا دوسری، تیسری، چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنا نماز کے اندر رفع یدین کرنا ہے۔ اس رفع یدین پر آنحضرت ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، اس کو شریر گھوڑوں کے فعل سے تشبیہ بھی دی اور اس کو نماز کے سکون کے خلاف بھی فرمایا۔ مکہ مکرمہ کے مشہور محدث شارح مشکوٰۃ حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: **رواہ مسلم ویفید النسخ** (شرح نقایہ ص ۷۸ ج ۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ رفع یدین چھوڑ چکے اور آپ کے حاضر باش صحابہ بھی چھوڑ چکے تھے۔ ہاں بعض صحابہ لاعلمی کی وجہ سے کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو سختی سے ڈانٹ کر روک دیا۔ چنانچہ سب صحابہ رُک گئے، جیسا کہ حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جب وہ دوبارہ تشریف لائے تو بلا استثناء سب صحابہ کو پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے پایا اور جیسا کہ میمون مکی کی روایت میں پتہ چلا کہ صحابہ، تابعین و تبع تابعین رفع یدین کے تارک تھے اور جیسا کہ ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ میں نے نہ کسی صحابی کو رفع یدین کرتے دیکھا نہ سنا، بلکہ حضرت امام نخعیؒ نے تو اس حدیث کے موافق ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا۔ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ نے ۲۰ مرتبہ بصرہ کا علمی سفر کیا، ۵۵ حج کیے، ۶ سال مستقل مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے۔ آپ بھی آنحضرت ﷺ کی طرح اس رفع یدین سے نفرت کا اظہار فرماتے تھے۔ چنانچہ ابومقاتل کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن امام صاحبؒ کے پہلو میں نماز پڑھی اور رفع یدین کی تو سلام کے بعد آپ نے فرمایا: او مقاتل! تو

بھی شاید پنکھوں والوں میں سے ہے۔ عبداللہ بن مبارکؒ حضرت سفیان ثوریؒ کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے ڈرتے تھے کہ رفع یدین پر ٹوکیں گے (التمہید ص ٦٦ ج ٣) حضرت امام ابوحفص کبیر کے زمانہ میں ایک شخص نے رفع یدین کی تو اس کی شکایت خلیفہ تک پہنچی تو اس کی پٹائی ہوئی، یہاں تک کہ اس نے توبہ کی (غیر مقلدوں کی کتاب الارشاد الی سبیل الارشاد ص ٣٠٩) شیخ ابوعمر مالکیؒ نے فرمایا کہ میں رفع یدین نہیں کرتا کیونکہ رفع یدین آج کل بالکل متروک ہے اور رفع یدین کرنے میں جماعت کی مخالفت لازم آتی ہے اور ایک مباح کام میں اُمت کی مخالفت کرنا دین کے پیشواؤں کو زیب نہیں دیتا (التمہید قلمی ص ٦٧)

امام احمدؒ بیٹھے تھے کہ ایک مسافر آیا۔ اس نے امام احمدؒ کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا تو حیران ہو کر کہنے لگے: ہمارے علاقہ میں تو کوئی بھی رفع یدین نہیں کرتا (التمہید ص ٦٥ ج ٣) شیخ ابوبکر الفہری چھٹی صدی کے اکابر علماء میں سے تھے۔ اس نے ایک مسجد میں رفعِ یدین کی۔ رئیس ابوثمنہ نے دیکھا تو کہا: یہ کیوں ہماری مسجد میں آیا، اس کو قتل کر کے سمندر میں پھینک دو (تفسیر قرطبی ص ٢٧٩ ج ٢٩) شیخ ابوالحسن سندھی کو رفع یدین کرنے پر قاضی نے جیل بھیج دیا تھا (تراجم الشیوخ شیخ عابد سندھی) امیر یمانی اور ان کے ساتھی رفع یدین کی وجہ سے قید کیے گئے (البدر الطالع ص ١٣٤ ج ٢)

الغرض رفع یدین خیر القرون میں بھی متروک تھی اور رفع یدین کی پوزیشن متواتر قرآن کے مقابلہ میں شاذ قرأت کی سی تھی اور اس کے بعد بھی آج تک دنیا میں ٩٩ فیصد اہل سنت والجماعت حنفی ہیں، جن کا عمل ترک رفع یدین ہے۔ چنانچہ پاک و ہند میں بارہ سو سال سے سب حنفی ہی تھے جو رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی سوانح عمری نقش ابوالوفا میں لکھا ہے کہ: ''سب سے پہلے انگریز حکومت کے ایک پنشنر حافظ محمد یوسف نے رفع یدین امرتسر میں شروع کی۔ پھر اسی گورنمنٹ ملازم نے میاں نذیر حسین کو رفع یدین پر لگایا۔''

غیر مقلدین کی حالت پر افسوس ہے کہ ترک رفع یدین کی وہ حدیثیں جن کے موافق صحابہ تابعین اور تبع تابعین کا متواتر عمل ہے، ان کو ضعیف کہہ کہہ کر عوام کو گمراہ کرتے

رہتے ہیں۔

ضروری نوٹ : بعض لامذہب غیر مقلدین عوام کو یہ دھوکا دیا کرتے ہیں کہ ہماری احادیث زیادہ ہیں، اس لئے جس طرف زیادہ تعداد ہو اس کے موافق عمل کرنا چاہیے۔ یہ ان کا خالص فریب ہے اور ان کو یہ فریب کرنے کا موقع اس لیے ملتا ہے کہ پہلے وہ اپنا مسلک چھپاتے ہیں، اسے پورا واضح نہیں کرتے۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین سنت مؤکدہ ہے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں (رفع یدین) خلاف سنت ہے۔

رکوع جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین خلافِ سنت ہے۔ تو غیر مقلدوں کی دلیل وہ حدیث بنے گی جس میں چاروں صراحتاً آجائیں۔ ایسی حدیث ایک بھی دنیا میں موجود نہیں۔ یہ لامذہب دھوکا کرتے ہیں، جیسا حکیم فیروز پوری نے کیا کہ:

غیر مقلدین کے دلائل پر اجمالی نظر:

(۱)　جن حدیثوں میں تمام تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، ان کی اصل عربی عبارت نہیں لکھتے اور غلط ترجمہ کر کے ان کو اپنی دلیل شمار کرتے ہیں، حالانکہ وہ ان کے خلاف ہیں۔

(۲)　حکیم صاحب نے حضرت صدیق اکبرؓ کی جو حدیث پیش کی، اس میں نہ تیسری رکعت کی رفع یدین کا سنت ہونا مذکور، نہ دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کا خلافِ سنت ہونا مذکور، نہ سجدوں کے وقت رفع یدین کا خلافِ سنت ہونا مذکور۔ گویا روپے میں سے بارہ آنے بالکل غائب اور ایک چونی وہ بھی کھوٹی۔ نہ رکوع کی رفع یدین کے ساتھ سنت کا لفظ، نہ ساری عمر کا۔ اس کے برعکس ہم نے حضرت صدیقؓ کی جو روایت پیش کی کہ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے، ہمارے دعویٰ پر کامل دلیل ہے۔

(۳)　حضرت عمرؓ کی روایت بھی محض وہم ہے۔ اس میں بھی نہ تیسری رکعت کے وقت رفع یدین کے سنت ہونے کا ذکر نہ دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کے

خلاف سنت ہونے کی تصریح، نہ ہی سجدوں کے وقت رفع یدین کے خلاف سنت ہونے کی تصریح۔ ہماری دلیل میں ہمارا پورا دعویٰ موجود ہے۔

(۴) حضرت علیؓ کی راویت میں نہ یہ صراحت کہ سجدوں کو جاتے اور سجدوں سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین خلافِ سنت، نہ یہ صراحت کہ دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین خلاف سنت ہے، بلکہ اس کے الفاظ اذا قام من السجدتین کا صاف مطلب یہ ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کرے۔ اس کے برعکس ہماری طرف سے جو حدیث حضرت علیؓ کی پیش ہوئی ان میں ہمارا پورا مسلک ہے۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سجدہ کے وقت رفع یدین کرنا بھی ثابت، نہ کرنا بھی ثابت، اور رکوع کے وقت رفع یدین کرنا بھی ثابت اور نہ کرنا بھی، پھر ان کی حدیث کو اپنے دلائل میں شمار کرنا ایک خالص دھوکا ہے۔ ہاں ان کی جو احادیث ہم پیش کرتے ہیں ان میں ہمارا مسلک پورا واضح ہے۔

(۶) حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث میں تو سجدہ کی رفع یدین کا ذکر ہے، اس کو حذف کر کے اپنے دلائل میں ملانا خالص بد دیانتی ہے۔ پھر تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا سنت ہونا بھی مذکور نہیں۔ اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کے خلاف سنت ہونے کی بھی صراحت نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت وائلؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبید بن عمیرؒ کی احادیث سے سجدوں کی رفع یدین یا ہر تکبیر کی رفع یدین کو حذف کر کے اپنے دلائل میں شمار کرنا خالص بد دیانتی ہے۔ اب بتائیے آپ کے پاس کیا رہ گیا ہے؟

حکیم صاحب!

دھوکے فریب کو چھوڑ کر اپنے دعویٰ کے مکمل پہلوؤں پر صرف ایک صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر دیں۔ حکیم صاحب! یہ مسئلہ اتنا مشکل نہ تھا جس کو آپ نے چیستاں بنا رکھا ہے، مسئلہ کا خلاصہ صرف یہ ہے:

خلاصہ: (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت سب رفع یدین کرتے ہیں، کسی کو

اختلاف نہیں، کیونکہ اس رفع یدین کا آنحضرت ﷺ نے حکم بھی دیا ہے اور اس پر عمل بھی فرمایا اور اس کا چھوڑنا ایک بھی حدیث میں ثابت نہیں۔ جب آنحضرت ﷺ نے اس رفع یدین کو نہیں چھوڑا تو ہم نے بھی نہیں چھوڑا اور آپ نے بھی نہیں چھوڑا۔

(۲)　سجدہ کے وقت رفع یدین کرنے کا کوئی حکم موجود نہیں، ہاں آپؐ نے اس پر عمل فرمایا، حضرت مالک بن الحویرثؓ (نسائی ص ۱۶۵ ج ۱، مسند احمد) وائل بن حجر (ابوداؤد ص ۱۱۲، ج ۱)، ابن عباس، عمیر بن حبیب، ابو ہریرہؓ (ابن ماجہ ص ۶۲)، ابوحمید الساعدی، ابن زبیرؓ (ابوداؤد ص ۱۱۱، ۱۱۲، ج ۱)، انسؓ (ابن ابی شیبہ ص ۲۶۶ ج ۱)، جابرؓ (مسند احمد)، ابن عمرؓ (مشکل الآثار طحاوی)۔ ان دس صحابہ نے ماضی استمراری کے صیغوں سے سجود کی رفع یدین روایت کی ہے۔ اس کے راویوں میں متاخر الاسلام صحابہ بھی ہیں۔ ان دس کے مقابلہ میں صرف ابن عمرؓ کی ایک متعارض حدیث **لا یفعل ذلک فی السجود** آتی ہے اور ایک ضعیف حدیث میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے، لیکن آپ نے بھی ان دس حدیثوں پر عمل ان دو کی وجہ سے چھوڑ دیا اور ہم نے بھی چھوڑ دیا۔

(۳)　اختلاف رکوع والی رفع یدین میں ہے۔ اب اگر رکوع کی رفع یدین کا ثبوت پہلی تکبیر کی رفع یدین کی طرح مل جائے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا حکم دیا ہو اور عملی طور پر ساری عمر رفع یدین کی ہو اور کوئی حدیث اس کے چھوڑنے کی نہ ہو تو پھر تو یہ پہلی تکبیر کی طرح ہوگی، لیکن ظاہر ہے کہ اس رفع یدین کا کوئی حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی کوئی ایسی صحیح حدیث ملی کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ رفع یدین کیا ہو، بلکہ تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کا چھوڑنا احادیث میں مذکور ہے۔ تو جب آنحضرت ﷺ نے چھوڑ دی، خلفاء راشدین نے چھوڑ دی، جمہور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے چھوڑ دی تو اب آپ کو چھوڑنے میں کیا عذر ہے؟ حکیم صاحب! آپ نے اور آپ کی جماعت نے جو اس سنت کو مٹانے کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے اور ہر مسجد میں فساد برپا کر رکھا ہے جو یقیناً سنت سے دشمنی کی بدترین مثال ہے اور احناف کا اس سنت کو زندہ کرنا سنت نبوی ﷺ سے محبت کی دلیل ہے۔ تو یقیناً احناف کو اس سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے بنصِ حدیث سو شہیدوں کا ثواب مل رہا ہے۔

کان کی بحث : علامہ نووی مسلم ص ۲۵۴ ج ا پر لکھتے ہیں کہ محققین اہلِ اصول کا فیصلہ ہے کہ ماضی استمراری اصل وضع میں صرف ایک دفعہ کے فعل پر دلالت کرتا ہے۔ اور خود غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتاویٰ ثنائیہ میں لکھا ہے کہ ماضی استمراری قضیہ مہملہ ہے، اور یہی تحقیق شوکانی کی ہے۔ لیکن اگر صادق صاحب، مبشر صاحب، زبیر صاحب کی تثلیث اس بات پر بضد ہے کہ ماضی استمراری دوام کے لئے ہے اور جو کام ماضی استمراری سے ثابت ہوگا وہ سنت مؤکدہ ہوگا۔ اور جو ماضی استمراری نہ ہوگا وہ سنت مؤکدہ نہیں ہوگا۔ تو صرف نام نہاد صلوٰۃ الرسول ہی غور سے پڑھیں۔ (۱) حدیث ۶۷۔ متفق علیہ حدیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ بیوی سے مباشرت کرنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ ماضی استمراری ہے اور حدیث ۵۳۱ کے مطابق ٹخنے سے ٹخنہ، گھٹنے سے گھٹنا، پنڈلی سے پنڈلی، مونڈھے سے مونڈھا ملانا ہرگز سنت مؤکدہ نہیں کیونکہ ماضی استمراری نہیں۔ اس کو خواہ مخواہ نماز کا لازمی ضمیمہ بنانا بالکل غلط ہے۔ (۲) ص ۲۲۲ حدیث ۳۳۰ سے ثابت ہوا کہ جمعہ کے دن نماز فجر میں پہلی رکعت میں الم تنزیل اور دوسری رکعت میں ھل اتی علی الانسان دونوں سورتیں امام (یا منفرد) کے لئے سنت مؤکدہ ہے کیونکہ ماضی استمراری ہے۔ اس کے علاوہ اور قرآن پڑھنا خلاف سنت ہے۔ لیکن حدیث ۲۸۷ میں ماضی استمراری کا صیغہ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ سینے پر ہاتھ باندھنا ہرگز ہرگز سنت مؤکدہ نہیں۔ اس کو نماز کا لازمی ضمیمہ بنانا اہل حدیث کا کام نہیں، بلکہ اس کو سنت مؤکدہ قرار دینا اللہ کے نبی پاک پر جھوٹ باندھنا اور پکا دوزخی بننا ہے۔ (۳) حدیث ۳۳۱-۳۳۳ سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین میں ہمیشہ پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور ق والقرآن المجید پڑھنا اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ اور اقتربت الساعۃ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے کیونکہ ماضی استمراری ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا ترک سنت مؤکدہ کا چھوڑنا ہے۔ لیکن کسی نماز میں امام یا مقتدی کا اونچی آمین کہنا ہرگز سنت مؤکدہ نہیں۔ اس کو سنت مؤکدہ کہنا نبی پاک پر جھوٹ بولنا ہے۔ کیونکہ یہاں ماضی استمراری نہیں حدیث ۳۰۰ وغیرہ۔ (۴) حدیث ۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷ چار جگہ ماضی استمراری ہے۔ تو مغرب کی نماز میں روزانہ پہلی رکعت میں سورۃ جمعہ، سورۃ الکافرون اور نصف سورۃ طور اور آدھی مرسلات اور دوسری رکعت میں ہمیشہ روزانہ سورۃ اخلاص، سورۃ منافقون اور آدھی سورت طور اور آدھی مرسلات پڑھنی سنت مؤکدہ ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے چھوڑنے سے نماز یقیناً خلاف سنت ہوگی۔ لیکن حدیث ۲۹۷ پر جو دعا اللھم باعد بینی ہے اس کا پڑھنا سنت مؤکدہ بالکل نہیں ہوگا، کیونکہ وہاں ماضی استمراری نہیں ہے۔ (۵) ص ۲۸۰ سجدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس دعائیں پڑھتے تھے۔ کیا ان میں سے ہر ایک دعا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مداومت فرمائی تھی تو پوری دس سنت مؤکدہ ہوں گی۔ کسی ایک کے ترک سے بھی نماز خلاف سنت ہوگی۔ اور اگر کسی ایک پر بھی مداومت نہیں فرمائی تو کوئی بھی سنت مؤکدہ نہ ہوگی۔ (۶) ص ۲۳۷ رکوع میں پڑھنے والی چھ دعائیں لکھی

ہیں۔ کیاان ہر چھ پر آنحضرت ﷺ نے ہر رکوع میں مداومت فرمائی اور یہ ہر چھ سنت مؤکدہ ہیں کہ ایک کا ترک بھی خلاف سنت ہو۔ یاان میں سے کسی ایک پر بھی مداومت نہیں فرمائی اوران میں سے کوئی ایک بھی سنت نہیں ہے۔ تو رکوع میں کچھ پڑھنا سنت نہ رہا۔ زیادہ سے زیادہ مستحب ہوا جس کولازمی ضمیمہ بنانا ہرگز درست نہیں اور ص ۲۸۲ میں جلسہ میں پڑھنے کی مسنون دعا میں ماضی استمراری ہے تو وہ سنت مؤکدہ ہوئی۔ اس کے ترک سے نماز خلاف سنت ہوگی۔ گویا نہ رکوع میں کچھ پڑھنا سنت نہ سجدوں میں، البتہ دو سجدوں کے درمیان یہ دعا سنت مؤکدہ بن گئی۔ (۷) ص ۲۹۵ پر درود شریف لکھا ہے۔ اس حدیث میں نہ نماز کی صراحت نہ ماضی استمراری۔ تو نماز میں درود شریف پڑھنا تو سنت مؤکدہ نہ ہوا۔ البتہ نماز میں کسی نامعلوم جگہ دعا ص ۲۹۸ والی پڑھنی سنت مؤکدہ ہوئی۔ اس کے پڑھے بغیر نماز خلاف سنت ہوگی، کیونکہ یہاں ماضی استمراری ہے۔ (۸) حدیث ۵۶۱ میں ماضی استمراری ہے۔ تو امام کا بعد نماز دائیں طرف سے پھرنا سنت مؤکدہ ہوا۔ اور بائیں طرف پھرنا خلاف سنت ہوا۔ اگر چہ ابن مسعودؓ دائیں طرف سے پھرنے کوضروری سمجھنے کو حظ شیطان فرمار ہے ہیں۔ فرمائیے جو سنت مؤکدہ کو حظ شیطان کہے اس کا شریعت مقدسہ میں کیا حکم ہے اور چار رکعت میں دس جگہ رفع یدین کرنے کی جو حدیث جو ص ۲۴۹ پر حدیث ۳۸۰ نقل کی ہے اس میں ماضی استمراری نہیں۔ وہ تو سنت مؤکدہ بالکل نہ ہوئی نہ ہی وہ متفق علیہ ہے۔ (۹) ص ۳۰۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (۱) عام طور پر سنتیں گھر پر ہی پڑھتے تھے اور فرض مسجد میں ہمیں بھی چاہئے کہ ہم سنتیں (۲) ہمیشہ گھر میں ہی پڑھا کریں۔ اگر چہ مسجد میں ان کا پڑھنا (۳) جائز ہے۔ لیکن گھر میں پڑھنا (۴) افضل ہے۔ اس عبارت میں چار باتیں ہیں۔ ان کی تفصیل کسی حدیث میں ہے یا حکیم صاحب کی محض رائے ہیں۔ (۱۰) ص ۴۴۴ میں جمع بین الصلوٰتین در سفر میں ماضی استمراری ہے۔ تو کیا سفر میں ہمیشہ دو نمازوں کا جمع کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ اور سفر میں فجر کے وقت معتاد اور عصر کے وقت معتاد پر پڑھنا خلاف سنت ہے۔ (۱۱) اسی طرح ص ۳۷۹ پر نماز تہجد کی گیارہ رکعت کا ذکر ماضی استمراری سے ہے۔ کیا گیارہ رکعت ہمیشہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ اس سے کم وبیش کرنا یا اس کا ترک خلاف سنت ہے؟ (۱۲) حکیم صاحب نے ص ۳۶۸ پر لکھا ہے: ''رات اور دن کی مؤکدہ سنتیں بارہ ہیں'' اور ص ۳۷۱ پر لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوافل (سنن) میں سے کسی چیز پر اتنی محافظت اور مداومت نہیں فرماتے تھے جس قدر فجر کی دو رکعتوں پر مداومت کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ باقی دس پر مداومت نہیں تھی تو وہ سنت مؤکدہ نہ رہیں۔

الغرض ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ ماضی استمراری سے دوام وسنیت ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا رفع یدین کی احادیث سے سنیت ثابت نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ احادیث صحیح بھی ہوں تو زیادہ سے زیادہ ایک آدھ دفعہ رفع یدین کرنا ثابت ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ دور مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش کا دور ہے۔ جن پریشانیوں سے مسلمانوں کو اس دور میں دوچار ہونا پڑا۔ اس سے پہلے یہ صورت نہ تھی۔ نت نئے مسائل کھڑے کئے جارہے ہیں۔ اس کی وجہ ایک ہی سمجھ میں آتی ہے کہ فقہاء اسلام سے بغاوت کے بعد قرآن وحدیث کا ناقص مطالعہ اور اس کے ساتھ ساتھ خودرائی اور خود سری کا مرض۔

ایک دن ایک صاحب دوچار ہمجولیوں کے ساتھ تشریف لائے اور اپنا علمی تعارف یوں کرایا کہ میں نے اسلامیات اور عربی میں ایم۔اے کیا ہے اور قرآن وحدیث کا خوب مطالعہ کیا ہے۔میں نے کہا کہ کتب احادیث میں بعض ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جو بظاہر آپس میں متعارض معلوم ہوتی ہیں تو وہاں آپ باری باری ہر دو احادیث پر عمل کرتے ہیں یا ان دو تین احادیث میں سے کسی ایک کو راجح قرار دے کر اس پر عمل کرتے ہیں اور دوسری احادیث پر عمل ترک کردیتے ہیں۔ کہنے لگا کہ سب پر تو کوئی بھی عمل نہیں کرسکتا۔ آخر راجح پر ہی عمل ہوگا اور مرجوح احادیث متروک العمل ہوگی۔ میں نے کہا کہ بعض احادیث کو راجح اور بعض کو مرجوح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیتے ہیں یا آپ احادیث کے رد وقبول میں اپنی غیر معصوم رائے سے کام لیتے ہیں۔ یقیناً آپ اپنی یا کسی اور امتی کی رائے پر چلتے ہیں تو پھر اپنے کو اہل حدیث

کیوں کہتے ہیں۔ کام رائے سے اور نام اہل حدیث۔ آخر ارشاد باری لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ آپ کو کیوں یاد نہیں رہا؟ آخر اس کی وضاحت فرمائیں۔

پہلا اصول :

اس نے کہا کہ ہمارا پہلا اصول یہ ہے کہ جس حدیث کی سند زیادہ صحیح ہو اس پر عمل کرتے ہیں اور دوسری حدیث پر عمل نہیں کرتے بلکہ زیادہ صحیح سند والی حدیث کو چھوڑ کر دوسری حدیث پر عمل کرنے کو ہم عمل بالحدیث ہی نہیں سمجھتے۔ میں نے کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث اسند یعنی سند کے اعتبار سے بہت اعلیٰ ہے جس میں ہے کہ ران عورت نہیں یعنی ران ڈھانکنا ضروری نہیں اور حدیث جریر جس میں ہے کہ ران ڈھانپنا ضروری ہے وہ اَحْوَطْ ہے یعنی اس پر عمل کرنے میں احتیاط ہے کہ انسان اختلاف سے نکل جاتا ہے۔ (بخاری ص ۵۳/ ج ۱) تو آپ کے خیال میں وہ لڑکے اور لڑکیاں جو کھیل کے میدان میں ران ننگے کر کے کھیلتے ہیں وہ تو اعلیٰ درجہ کے اہل حدیث ہوئے اور آپ جو ران ڈھانپ کر نماز پڑھتے ہیں اور اب بھی ران ڈھانپے ہوئے ہیں تو آپ اہل حدیث نہ ہوئے' اس پر وہ بہت پریشان ہوا۔ میں نے کہا کہ جناب کا اصول بھی رائے پر مبنی تھا۔ اب نہ آپ اہل حدیث رہے اور نہ ہی اہل رائے۔

دوسرا اصول :

کہنے لگا کہ ہمارا دوسرا اصول یہ ہے کہ جب متفق علیہ حدیث مل جائے یعنی جس کو امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ دونوں نے روایت فرمایا ہو تو اس پر عمل فرض جانتے ہیں اور اس کے خلاف جو احادیث ہوں ان پر ہم ہرگز عمل نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ یہ اصول نہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا' نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے۔ حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی الشافعی کا وصال ۵۸۴ھ میں ہوا ہے۔ انہوں نے شافعی اصولوں کے

موافق پچاس اصول ترجیح تحریر فرمائے ہیں مگر اس وجہ کو بالکل بیان نہیں فرمایا کہ جو حدیث صحیحین میں ہو وہ راجح ہے اور شیخ الاسلام والمسلمین علامہ بن الھمام نے تو صاف فرمایا کہ تحکم 'لا یجوز التقلید فیہ۔ یہ بات بالکل ناانصافی ہے اس کو ماننا جائز نہیں (حاشیہ بخاری ص ۱۵۸/ج۱) وہ صاحب اس پر بہت سیخ پا ہوئے کہ یہ تو سب مانتے ہیں میں نے کہا کہ بالکل غلط ہے۔

(۱) دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا بخاری ص ۳۶/ج۱، مسلم ص ۱۳۳/ج۱ کی متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے مگر اہل سنت کے چاروں مذاہب میں سے کوئی بھی نہیں کہتا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا فرض ہے اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث چونکہ متفق علیہ نہیں ہے اس لئے بیٹھ کر پیشاب کرنا حدیث متفق علیہ کی مخالفت کی وجہ سے حرام ہے۔ خود آپ بھی نہیں کہتے کہ انگریز جو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہیں وہ پکے اہل حدیث ہیں اور ہم جو بیٹھ کر پیشاب کرتے ہیں مخالف حدیث ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد امام ترمذی رحمہ اللہ 'اس متفق علیہ حدیث کے خلاف باب باندھتے ہیں باب النھی عن البول قائما اور فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حرام نہیں۔ ہاں خلاف ادب ہے البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ظلم ہے۔ (ترمذی ص ۹)

(۲) بخاری ص ۳۱/ج۱، مسلم ص ۱۲۳/ج۱ پر متفق علیہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے وقت ایک ہی ہتھیلی سے کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے تھے۔ کلی اور ناک کے لئے الگ الگ چلو لینے کی حدیث نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں، لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں۔ ان جمعھا فی کف واحد فھو جائز وان فرقھا فھو احب الینا (ص ۸۴) یعنی اس متفق علیہ حدیث پر عمل کرنا جائز تو ہے مگر اس کے خلاف فرق کرنا ہمیں زیادہ اچھا لگتا ہے۔

(۳)　بخاری ص ۱۲۲ ج ۱، مسلم ص ۱۲۸ ج ۱ پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زیادہ مشقت نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ ہر نماز کے ساتھ مسواک کرو۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو اٹھارہ صحابہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن پھر بھی اکثر لوگ نماز کی بجائے وضو کے ساتھ مسواک کرتے ہیں کسی نے ان کو گناہ گار نہیں کہا۔

(۴)　بخاری ص ۷۴ ج ۱، مسلم ص ۲۰۵ ج ۱ پر متفق علیہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنی نواسی امامہ کو اٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے اور بچی کو اٹھائے بغیر نماز پڑھنے کی کوئی صریح حدیث نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں۔ تو کیا سب مسلمان جو بچی کو اٹھائے بغیر نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز حدیث متفق علیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے؟

(۵)　بخاری ص ۵۶ / ج ۱، مسلم ص ۲۰۸ / ج ۱ پر حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر نماز پڑھا کرتے تھے جب کہ جوتے اتار کر نماز ادا فرمانے کی کوئی حدیث بخاری مسلم میں نہیں۔ تو کیا عیسائی جو سر سے کپڑا اتار کر اور جوتے پہن کر نماز پڑھتے ہیں وہ آپ کے نزدیک پکے اہل حدیث ہیں اور جو غیر مقلد جوتے اتار کر نماز پڑھتے ہیں وہ آپ کے نزدیک متفق علیہ حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے منکر حدیث ہیں؟

(۶)　آپ لوگ جو کندھوں تک ہاتھ اٹھا کر دائیں ہتھیلی بائیں کہنی پر مار کر سینے پر ہاتھ باندھنے کو سنت موکدہ کہتے ہیں اس کی حدیث نہ بخاری میں ہے نہ مسلم میں۔

(۷)　بخاری ص ۵۵ / ج ۱، مسلم ص ۱۶۴ / ج ۱ پر جو متفق علیہ حدیث ہے اس میں جو اذان ہے وہ بغیر ترجیع کے ہے اور آپ کی مساجد میں ترجیع والی اذان دے کر حدیث متفق علیہ کی مخالفت کی جاتی ہے۔

(۸، ۹، ۱۰)　ساری امت ثناء کی جگہ سبحانک اللھم الخ، رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتی ہے جو بخاری و مسلم کی مرفوع حدیث میں نہیں ہیں ان میں ثناء کی جگہ اللھم باعد بینی الخ ہے۔ بخاری

ص ۱۰۳، ج۱، مسلم ص۲۱۹، ج۱ رکوع و سجدے کی دوسری تسبیح بخاری ص ۱۰۹/ ج۱،
مسلم ص ۲۱۳/ج۱پر ہے، تو کیا یہ ساری امت گناہ گار ہے؟

تیسرا اصول :

کہنے لگا ہمارا تیسرا اصول یہ ہے جس طرف زیادہ حدیثیں ہوں ان پر عمل کرتے ہیں اور جس طرف کم ہوں ان احادیث پر عمل نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ :

(۱) امام بخاری نے (ص ۴۳/ج۱) پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ چھ صحابہ سے حدیث لکھی ہے کہ اگر بیوی سے صحبت کرے اور انزال سے قبل اس سے الگ ہو جائے تو غسل فرض نہیں ان سب کے مقابلے میں ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ ایسی صورت میں غسل فرض ہے تو سب نے یہاں کثرت احادیث کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس ایک روایت کی بنا پر غسل کو فرض قرار دیا ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی احادیث سنداً متواتر ہیں چنانچہ غیر مقلد علامہ البانی لکھتے ہیں: وھو حدیث متواتر کماذکرہ الطحاوی (صِفَۃُ صَلٰوۃِ النبی ؐ ص۷۰) کہ یہ حدیث متواتر ہے جیسا کہ امام طحاوی نے ذکر فرمایا۔ جب کہ امت میں جوتے اتار کر نماز پڑھنا عملاً متواتر ہے۔ ساری امت کا اتفاق ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نادر عمل تھا۔ اس لئے بعض اوقات نادر عمل کی روایت زیادہ ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا دیکھئے ہمارے ہاں لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں یہ ایک جانا پہچانا عمل ہے تو اس کی روایت کی ضرورت نہیں اگر دو چار دن دو آدمی سر پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ لیں تو یہ روایت سارے شہر میں پھیل جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعتبار کثرت روایت کا نہیں کرنا چاہئے، کثرت تعامل کا کرنا چاہئے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتے پہن کر نماز ادا فرمانا اگرچہ نادر عمل تھا مگر اس کو پچاس کے قریب صحابہ ؓ نے روایت

کردیا اور جوتے اتار کر نماز پڑھنا جو آپ کا تقریباً دائمی عمل تھا وہ صرف دو چار صحابہؓ نے روایت کیا۔ اسی لئے علمائے اصول نے لکھا ہے: الترجیح لا یقع بفضل عدد الرواۃ (نور الانوار ص ۲۰۰) کہ زیادہ راوی ہونا کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے۔

(۳) اسی طرح سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کی احادیث زیادہ ہیں۔ چنانچہ علامہ البانی لکھتے ہیں : وقد روی ھذا الرفع عن عشرۃ من الصحابۃ (صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ص ۱۴۶) کہ یہ رفع یدین دس صحابہؓ نے روایت کی ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین کے المحدث المفسر الفقیہ الاصولی النظار ابو محمد عبدالحق الھاشمی السلفی المتوفی ۱۳۹۲ھ نے اپنے رسالہ فتح الودود فی تحقیق رفع الیدین عند السجود میں حضرت مالک بن الحویرث، حضرت انس بن مالک الانصاری، حضرت عبداللہ بن عباس الھاشمی، حضرت ابو ہریرہ الدوسی، حضرت عمیر بن حبیب اللیثی، حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری، حضرت وائل بن حجر الحضرمی، حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب العدوی اور حضرت عبداللہ بن الزبیر ۹ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اسی طرح مشہور غیر مقلد عالم ابو حفص بن عثمان العثمانی الداجلی نے اپنے رسالہ فضل الودود فی تحقیق رفع الیدین للسجود میں ان ہی ۹ صحابہ کرام کی احادیث تحریر فرمائی ہیں اور فتاوٰی علمائے حدیث ص ۳۰۶ ج ۴ پر ہے یہ رفع یدین (سجدوں کے وقت) منسوخ نہیں بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمر کا فعل ہے، کیونکہ اس کا راوی مالک بن الحویرث مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی آخری عمر میں داخل ہوا ہے اور اس کے بعد کوئی ایسی صریح حدیث نہیں آئی جس سے نسخ ثابت ہو (عبدالحق و فیض الکریم سندھی) اب دیکھئے سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کی احادیث زیادہ ہیں جبکہ نہ کرنے کی ایک دو سے زیادہ نہیں اور پھر بھی اکثر احادیث کو چھوڑ کر ایک دو پر عمل کر رہے ہیں تو آپ کا قاعدہ کدھر گیا۔ تو بڑا کھسیانا ہو کر کہنے لگا اچھا پھر آپ فرمائیں کہ آپ کے ہاں ترجیح کے کیا اصول ہیں؟

ہمارا اصول :

میں نے کہا کہ ہمارا اصول تو بالکل فطری اور عام فہم ہے اور قرآن وحدیث کے بارہ میں ہمارا ایک ہی اصول ہے۔ میں نے کہا جس طرح اختلافی احادیث ہیں اسی طرح قرآن پاک کی بھی سات اختلافی قراتیں ہیں۔ ہم ان سات قراتوں میں سے ایک ہی قرات پر تلاوت کرتے ہیں جو یہاں عوام وخواص میں تلاوتاً متواتر ہے اور وہ ہے قاری عاصم کوفی رحمہ اللہ کی قرات اور قاری حفص کوفی رحمہ اللہ کی روایت۔ بالکل اسی طرح اختلافی احادیث کے بارہ میں ائمہ مجتہدین نے ترجیحات دیں اور اہل سنت میں چار ہی مذاہب ہیں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی تو جس طرح قرآن پاک کی سات قراتوں میں سے ہم اسی قرات پر تلاوت کرتے ہیں جو یہاں تلاوتاً متواتر ہے اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چار ہی مذاہب نے مرتب کی۔ ان چار میں سے ہمارے ہاں صرف اور صرف مذہب حنفی ہی عملاً و درساً عوام و خواص میں متواتر ہے۔ اس لئے جن احادیث کو مذہب حنفی نے راجح قرار دے کر عمل کیا اور وہ احادیث ہمارے ہاں محدثین، فقہا، اولیاء کرام اور عوام میں اسی طرح تعملاً متواتر ہیں جیسے قرات عاصم سب میں تلاوتاً متواتر ہے جس طرح ہمیں قرآن پاک کی تلاوت میں ذرہ بھر شک نہیں، ہمیں اپنی متواتر نماز کے بارہ میں بھی ذرہ بھر شک نہیں۔

مناظرہ :

وہ صاحب میری باتیں سن رہے تھے اور زیر لب مسکرا رہے تھے۔ آخر کہنے لگے کہ آپ نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے، میں ابھی ایک کیسٹ سن کر آیا ہوں کہ پسرور ضلع سیالکوٹ میں رفع یدین کے مسئلہ پر آپ مناظرہ ہار گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہار اور جیت مدعی کی ہوتی ہے یا سائل کی؟ مدعی اگر اپنا دعویٰ ثابت کردے تو جیت گیا، نہ ثابت کر سکے تو ہار گیا۔ میں تو اس مناظرہ میں سائل تھا۔ ان کے دعویٰ پر ثبوت مانگتا تھا جس کو وہ پیش نہ کر سکے اور نہ قیامت تک کر سکیں گے انشاء اللہ۔

شرائط :

میں نے لکھوایا کہ اہل حدیث اپنا امتیاز یہ بتایا کرتے ہیں کہ ہم صرف اور صرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو دلیل مانتے ہیں۔ کسی امتی کی بات ماننا تقلید اور شرک ہے۔ اس لئے مناظرہ میں غیر مقلد مناظر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی امتی کا قول پیش نہیں کرے گا۔ وہ سنت یا حدیث صحیح وضعیف کی تعریف کرے گا تو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش کرے گا۔ اور اگر کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہے گا تو بھی اللہ اور رسول ﷺ سے ثابت کرے گا۔ جب اس نے اپنی کوئی رائے بیان کی یا کسی امتی کی رائے پیش کی تو مناظرہ ختم کردیا جائے گا کیونکہ وہ اہل حدیث ہی نہیں رہا مشرک ہوگیا ہے۔ تو مشرک اہل حدیث کا مناظر کیسے ہو سکتا ہے؟ نیز غیر مقلد مناظر قرآن وحدیث سے ہی دلیل دے گا مگر ان کا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہمارا دین مکہ مدینہ والا ہے اور حنفیوں کا کوفے والا۔ اس لئے اس کو اس قرآن پاک سے کوئی آیت پڑھنے کا حق نہیں ہوگا جو قاری عاصم کوفی کی قرات پر ہے وہ مکی یا مدنی قاری کی قرات والا قرآن پڑھے گا اور آیت سند سے سنائے گا کیونکہ وہ قرات یہاں متواتر نہیں اس لئے سند کی ضرورت ہوگی اور حدیث بھی ایسی کتاب سے سنائے گا جس کا لکھنے والا یا مکہ کا رہنے والا ہو یا مدینہ کا اور تاریخ شہادت سے ثابت کرے گا کہ وہ نہ مجتہد تھا اور نہ مقلد تھا بلکہ غیر مقلد تھا۔ کیونکہ ان کے ہاں قیاس کرنے والا یعنی مجتہد شیطان ہے اور تقلید کرنے والا مشرک۔ تو یہ کوئی ایسی حدیث پیش نہ کر سکیں گے جس کتاب کا جامع مجتہد یا مقلد ہو۔ ان شرائط کو ماننے سے انہوں نے پورے زور سے انکار کیا۔ اب آپ ہی یہ بتائیں کہ ان کی شکست تھی یا فتح۔ وہ کہنے لگا کہ شرطیں تو آپ نے صحیح پیش کیں کیونکہ وعدہ پورا کرنے کی تاکید قرآن وسنت میں واضح ہے اور وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں' ہم مکے مدینے والے ہیں' تقلید شرک ہے اور آپ نے ان کو صرف اس وعدہ کی پابندی یاد دلائی۔ ان کو یہ شرائط ضرور ماننا چاہئیں تھیں مگر اس وعدہ کو وہ کبھی پورا نہیں کرسکتے۔ میں نے کہا کہ پھر تو وہ جھوٹا وعدہ کرنے

والے ہوئے اور جو فریق اپنے وعدہ سے منحرف ہو جائے یہ جیت ہے یا ہار؟ اس نے کہا یہ تو ہار ہے۔

نئی شرائط :

میں نے کہا پھر ان لوگوں نے شور مچایا کہ مناظرہ کی شرائط پہلے سے طے شدہ ہیں۔ میں نے کہا نہ وہ میں نے طے کی ہیں اور نہ مجھے علم ہے اور وہ یہ ہیں کہ صرف صحاح ستہ یعنی بخاری (۲۵۶ھ)، مسلم (۲۶۱ھ)، ابن ماجہ (۲۷۳ھ)، ابو داؤد (۲۷۵ھ)، ترمذی (۲۷۹ھ) اور نسائی (۳۰۳ھ) سے احادیث بیان ہوں گی۔ میں نے کہا ان میں خیر القرون کی کتاب ایک بھی نہیں ہے اور ان میں سے ایک بھی نہ اہل مکہ سے ہے، نہ اہل مدینہ سے اور ان میں سے کسی ایک کے بارہ میں آپ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا تھا اور نہ تقلید کرتا تھا اس لئے غیر مقلد تھا۔ نواب صدیق حسن خاں نے اتحاف النبلاء ص ۴۲۴ اور شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء ص ۲/۱۷ ج ۱ پر ان سب کو فارسی النسل لکھا ہے۔ اسی لئے آپ کے حقیقی بھائی اہل قرآن آپ کو طعنہ دیا کرتے ہیں کہ ایک عربی قرآن کے مقابلے میں یہ چھ عجمی قرآن کیوں بنا لئے گئے۔ اس لئے ان کتابوں سے آپ کو استدلال کا کوئی حق نہیں۔ رہے حنفی تو دیکھو میں نے کتنے انصاف کی بات کہی تھی کہ آپ غیر مقلد ہیں اس لئے آپ ایسی کتابوں سے حدیث پیش کریں جن کا جامع نہ مجتہد ہو نہ مقلد بلکہ غیر مقلد ہو، اسی طرح آپ کو بھی لازم تھا کہ مجھے یہ کہتے کہ آپ دلائل ان کتابوں سے پیش کریں جن کے جامع حنفی ہوں۔ اگر حنفی خود شوافع وغیرہ کی کتابوں سے دلیل دے تو اس کی عظمت کی دلیل ہے کہ مخالف کی شہادت بہت ہی وقیع سمجھی جاتی ہے۔ ورنہ اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ آپ کو بھی ہم مجبور کریں گے کہ آپ اپنے دلائل ان حدیث کی کتابوں سے دیں جن کے جامع حنفی ہیں۔ مثلاً مسند امام اعظم رحمہ اللہ، کتاب الآثار ابی یوسف رحمہ اللہ، کتاب الآثار امام محمد رحمہ اللہ، موطا امام محمد رحمہ اللہ، کتاب الحجۃ امام محمد رحمہ اللہ اور طحاوی شرح معانی الآثار وغیرہ۔ لیکن وہ حق اور انصاف کو کب مانتے تھے۔ آخر میں نے حدیث پاک

پڑھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل (صحاح ستہ) ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے۔ اب میں بار بار یہ حدیث سنا رہا تھا اور نام نہاد اہل حدیث کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ نہ جائے ماندن: نہ پائے رفتن۔ حدیث کو مانتے ہیں تو شرطیں باطل ہوتی ہیں اور حدیث کا انکار کرتے ہیں تو اہل حدیث کی بجائے منکر حدیث بنتے ہیں۔ اب ان کا جھوٹا اہل حدیث ہونا عالم آشکار ہو چکا تھا۔ چنانچہ بشیر قاسمی صاحب کی منتیں کر رہے تھے کہ شرطوں سے ہماری جان چھڑاؤ اور مناظرہ شروع کراؤ۔ کیا یہ ذلت آمیز شکست نہ تھی؟

ایک جھوٹ :

اب وہ کہنے لگے تمہاری اصول فقہ کی کتاب معلم الثبوت میں لکھا ہے کہ مقلد نہ قرآن سے دلیل لے سکتا ہے نہ حدیث سے 'اس کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے۔ میں نے کہا یہ بالکل جھوٹ ہے کہ مقلد قرآن وحدیث سے دلیل نہیں لے سکتا۔ ہمارے ہاں حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کے موافق اجتہاد کا جواز ہی جب ہے کہ مسئلہ کتاب وسنت میں صراحتاً مذکور نہ ہو۔ اس لئے اجتہادی مسائل میں مقلد کے لئے مجتہد کا قول دلیل ہے' نہ مقلد کا اپنا ظن اور نہ مجتہد کا ظن' اس لئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ جس حدیث کو صحیح یا ضعیف کہیں گے یا اللہ تعالیٰ کا ارشاد پیش کریں گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں ضعیف۔ اگر خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ اس کی صحت و ضعف ثابت نہ کر سکے تو آپ نہ اسے صحیح کہہ سکیں گے اور نہ ضعیف۔ ہاں اس کے بعد اگر میرے امام کا مفتیٰ بہٖ قول آپ پیش کر دیں کہ آپ کے امام نے اس کو صحیح یا ضعیف کہا ہے یا اس کے موافق فتویٰ دیا ہے یا اس کو ترک کیا ہے تو وہ میرے لئے بطور الزامی دلیل کے درست ہوگا۔ لیکن آپ نے کیسٹ سنی ہے تو وہ کسی ایک حدیث کو بھی اللہ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح یا ضعیف ثابت کر سکا؟ وہ کہنے لگا بالکل نہیں۔ میں نے پوچھا کسی ایک حدیث کو بھی میرے امام رحمہ اللہ کے قول سے صحیح یا ضعیف ثابت کر سکا؟ اس نے کہا بالکل نہیں۔ میں نے کہا

پھراس کانام جیت ہے یاہار؟ کہنے لگا کہ یہ تو بہت زبردست ہار ہے۔

کیاخوب ہوا ہے مدعی کا فیصلہ میرے حق میں

نفس مسئلہ :

میں نے پوچھا کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ چار رکعت نماز میں وہ اٹھارہ جگہ کندھوں تک رفع یدین کرنے کو خلاف سنت کہتے ہیں اور چار رکعت میں دس جگہ ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کو سنت موکدہ کہتے ہیں اور جو یہ رفع یدین نہ کرے اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ یہ ان کا ہر جگہ عمل ہے مگر غیر مقلد مناظر نے ایک دفعہ بھی اپنی زبان سے یہ دعویٰ بیان نہیں کیا۔ باوجودیکہ میں ہر تقریر میں اس کو یاد دلاتا تھامگراس کی زبان جل جاتی اگر وہ ایک دفعہ اپنا دعویٰ پورا بیان ہی کر دیتا۔ اس نے ایسا کیوں نہ کیا؟ اس لئے کہ اس کے پاس اپنے مکمل دعویٰ پر ایک بھی حدیث نہ تھی۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ نے اس کی زبان سے یہ مکمل دعویٰ ایک دفعہ بھی کیسٹ میں سنا؟ کہنے لگا بالکل نہیں۔ میں نے کہا کیا یہ اپنی بزدلی اور شکست کا اعتراف نہیں؟ کہنے لگا بالکل۔

" ہرچہ شک آرد کافر گردد "

سنت موکدہ :

میں نے کہا کہ اس نے دعویٰ تو بڑے زور شور سے کیا کہ یہ رفع یدین سنت موکدہ ہے مگر سنت موکدہ کا حکم نہ اللہ سے دکھا سکا' نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے' نہ ہی اس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنت موکدہ کی جامع مانع تعریف کی بلکہ اس کو تو اپنی ناکامی اور شکست کا اتنا یقین تھا کہ وہ امتیوں کی اصول فقہ سے بھی سنت موکدہ کی تعریف بیان نہ کرسکا کیونکہ تعریف کرنے کے بعد اس کا سنت موکدہ ثابت کرنا ہی ممکن نہ تھا۔

حدیث :

پورے مناظرے میں وہ صحیح اور ضعیف حدیث کی تعریف بھی قرآن وحدیث

سے بیان نہ کر سکا۔ کیا آپ نے کیسٹ میں یہ تعریف سنی ہے؟ کہنے لگا بالکل نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ اس مناظر کے لئے ڈوب مرنے کا مقام نہیں ہے؟ کہنے لگا بالکل۔

میرا سوال :

میرا سوال جس کو میں نے ہر تقریر میں دہرایا وہ کتنا عام فہم اور سادہ تھا کہ جس طرح ہمارا "کلمہ توحید" نفی اور اثبات سے مل کر مکمل ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ اپنے دعویٰ کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں پر مکمل دلیل دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۸ جگہ رفع یدین کرنے سے منع فرمایا ہو اور ۱۰ جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا ہو اور خود ہمیشہ اس پر عمل فرمایا ہو اور فرمایا ہو کہ جو اس طرح رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی اور اس حدیث کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہو' تو میں وہ حدیث پاک سنتے ہی بلا حیل وحجت فوراً چار رکعت نفل اس طریقہ سے پڑھوں گا اور تاحیات اسی پر عامل رہوں گا۔ کیا وہ آخر تک ایسی کوئی حدیث سنا سکے؟ اس نے کہا ہر گز نہیں۔ کیا انہوں نے کسی جگہ بھی مجھ سے مطالبہ کیا یا میرے ساتھیوں کو مجبور کیا کہ ہم نے حدیث میں پانچوں باتیں دکھا دی ہیں اس لئے تم خود بھی چار رکعت اسی طرح پڑھو اور اپنے مناظر کو بھی اس پر مجبور کرو؟ اس نے کہا ہر گز نہیں۔ میں نے کہا چلو میں اب بھی اس پر قائم ہوں۔ آپ کیسٹ سے یہ حدیث لا دیں میں ابھی چار رکعت اسی طرح پڑھوں گا۔ اس نے کہا ایسی حدیث تو کیسٹ میں نہیں ہے۔ میں نے کہا اس سے تو صاف معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی نماز کا یہ طریقہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر گز ثابت نہیں۔ اگر ان کی نماز سنت کے موافق ہے تو معاذ اللہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سنت کے خلاف ہو گی اور اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز صحیح اور یقیناً صحیح ہے تو ان کی نماز ہر گز صحیح نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم :

میں نے پوچھا کہ آپ نے پوری کیسٹ سنی ہے تو کیا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور باقی

عشرہ مبشرہؓ میں سے کسی ایک سے بھی یہ اپنا مکمل عمل دکھا سکے؟ کہنے لگا ہرگز نہیں۔ تو میں نے کہا ان کے نزدیک تو عشرہ مبشرہؓ کی نماز بھی خلاف سنت ہوئی۔ کہنے لگا بے شک۔ میں نے پوچھا کسی ایک مہاجر، کسی ایک انصاری، کسی ایک ہی صحابی سے یہ پورے مناظرے میں اپنی نماز کا مکمل طریقہ دکھا سکے؟ کہنے لگا ہرگز ہرگز نہیں۔ میں نے کہا معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک سب کے سب صحابہؓ خلاف سنت نماز پڑھتے تھے اگرچہ ایک ہی سنت کے تارک ہوں معاذ اللہ۔ اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ یہ لوگ جو اپنی کتابوں، اپنے اشتہاروں اور اپنی تقریروں میں کہا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرامؓ ہمارے جیسی نماز پڑھتے تھے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جھوٹ سے توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اہل سنت کو ان کے جھوٹے پروپیگنڈے سے محفوظ فرمائے۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ :

میں نے پوچھا کہ کیا پوری کیسٹ میں ائمہ رحمھم اللہ میں سے کسی ایک امام سے بھی وہ اپنے اس مکمل دعویٰ کو ثابت کر سکا؟ اس نے کہا بالکل نہیں۔ میں نے کہا جیت اسی کا نام ہے؟ اسے تو اب مرتے وقت تک یہ شعر "وردِ زبان" رکھنا چاہیے۔

اے میرے باغ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

ٹکڑوں کا اثبات :

اس نے کہا کہ اگرچہ وہ اپنے مکمل دعویٰ پر کوئی صریح دلیل بیان نہیں کر سکا۔ لیکن اس نے الگ الگ ٹکڑوں پر تو دلیل دینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے کہا بہت خوب ...... ایک مرزائی کہنے لگا کہ قرآن پاک سے دکھا سکتا ہوں کہ غلام احمد مسیح اور رسول ہے۔ جب اس کے سامنے قرآن پاک رکھا گیا تو کہنے لگا میں اپنا یہ دعویٰ ایک ہی جگہ سے تو نہیں دکھا سکتا مگر اس کے الگ الگ ٹکڑے دکھا سکتا ہوں۔ چنانچہ قرآن پاک

سے ایک جگہ سے لفظ غلام دکھایا' دوسری جگہ سے احمد' تیسری جگہ سے مسیح اور چوتھی جگہ سے رسول۔ تو کیا اس سے اس کا دعویٰ ثابت ہو گیا۔ کہنے لگا نہیں۔ میں کہا اس کو کہتے ہیں :

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا : بھان متی نے کنبہ جوڑا

میں نے کہا اس مرزائی نے چاروں ٹکڑے دکھا تو دیئے' اس سے تو یہ بھی نہ ہوا۔

منع :

میں نے کہا تھا کہ جن ۱۸ جگہوں میں آپ رفع یدین نہیں کرتے۔ ان کے لئے آپ منع کا لفظ دکھادیں۔ باقی ۹ جگہ کے لئے ہم سے منع کا لفظ دیکھ لینا' ان ۱۸ جگہ کے لئے آپ منسوخ کا لفظ دکھادیں ہم سے منسوخ کا لفظ دیکھ لیں' ان ۱۸ جگہ کے لئے آپ حرام یا مکروہ کا لفظ دکھادیں باقی ۹ جگہ کے لئے ہم سے حرام اور مکروہ کا لفظ دیکھ لیں' ان ۱۸ جگہ کے لئے آپ ترک کا لفظ دکھادیں' ہم سے ترک کا لفظ دیکھ لیں۔ آپ خود ہی پیمانہ بنالیں ۱۸ جگہ کا مسئلہ بڑا ہے پہلے اس کو حل کرلیں' ۹ جگہ کا مسئلہ تو اس سے نصف ہے یہ بعد میں حل ہوجائے گا۔ اب آپ ہی یہ بتائیں کہ اس نے کیسٹ میں ۱۸ جگہ کے لئے منع' منسوخ' حرام' مکروہ یا ترک کا لفظ دکھادیا؟ اس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا میں تو آج تک اس کی بے بسی پر یہ شعر پڑھ رہا ہوں۔

کیا شوخیاں دکھائے گا اے نشتر جنوں
مدت سے ایک زخم جگر ہی چھلا نہیں

نماز نہ ہونا :

وہ اپنے اس دعوے پر کہ جو دس جگہ رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی کوئی دلیل پیش کرسکا؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میں نے کہا حدیث مسیئی الصلوٰۃ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو نماز کا طریقہ سکھایا بخاری (ص ۱۰۴ ج ۱' ص ۱۰۹/ ج ۱' ص ۹۲۴/ ج ۲' ص ۹۸۶/ ج ۲) مسلم (ص ۱۷۰/ ج ۱) ترمذی

(ص ۶۶/ ج۱) ابوداؤد ص ۱۱۲۴/ ج۱)' نسائی (ص ۱۴۱/ ج۱'ص ۱۶۱/ ج۱' ص ۱۷۰/ ج۱' ص ۱۹۴/ ج۱) اور ابن ماجہ (ص ۴۷) پر موجود ہے۔ اس حدیث میں غیر مقلدین کی نماز کے ارکان اربعہ سینے پر ہاتھ باندھنا' فاتحہ کا فرض ہونا' آمین بالجہر اور رفع یدین میں سے ایک بھی نہیں اور بعض روایات کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ہے کہ اس طرح نماز پڑھ لی (یعنی ان چاروں کے بغیر) تو نماز پوری ہو گئی۔ غرض اس ٹکڑے پر بھی وہ دلیل نہ لاسکا اور خالی شور کی مثال ایسی ہے کہ :

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

۹ جگہ کی رفع یدین :

غیر مقلد مناظر کو چونکہ دس تک بھی گنتی یاد نہ تھی اس لئے وہ ۹- اور ۱۰ کا فرق نہ سمجھ سکا۔ اس نے ۱۰ جگہ رفع یدین کو سنت موکدہ اور اس پر آخر تک عمل باقی رہنا ثابت کرنا تھا مگر سنت موکدہ اور آخری عمر کا لفظ تو کیا دکھا سکتا دس کی گنتی بھی پوری نہ کرسکا۔ پھر جب اسے کہا گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ کی سند سے نقل کیا ہے جب کہ موطا امام مالک میں ۵ جگہ رفع یدین ہے۔ بخاری میں اِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوْعِ کے الفاظ کا اضافہ کرکے ۵ کو ۹ کر لیا گیا ہے پھر موطا میں جو مدینہ منورہ کے امام کی لکھی ہوئی کتاب ہے اس میں "رفع یدیہ" تھا بخاری میں اس کو "کان یرفع یدیہ" بنالیا گیا جس کا آپ غلط ترجمہ کرکے عوام کو دھوکا دیتے ہیں آپ مدینہ سے بغاوت کرکے فارس کیوں پہنچ گئے ہیں۔ ان تین باتوں کا کوئی جواب اس نے کیسٹ میں دیا؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میں نے کہا جناب نے دس جگہ کی رفع یدین کے ساتھ سنت موکدہ اور آخر عمر تک کا لفظ دکھانا تھا کچھ بھی نہ دکھا سکے اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ایک سنت بھی رہ جائے تو نماز خلاف سنت ہوتی ہے۔ تو گویا بجائے اس کے کہ آپ اپنی نماز کو موافق سنت ثابت کریں آپ ایسی احادیث پڑھ کر گویا یہ ثابت کررہے ہیں کہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر تک خلاف سنت نماز پڑھتے رہے کیونکہ ایک سنت کے

چھوڑنے سے بھی نماز خلاف سنت ہی ہوتی ہے۔ سارے غیر مقلد پریشان تھے کہ کس کو مناظر بنا بیٹھے جس کو دس تک گنتی بھی نہیں آتی' جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو خلاف سنت ثابت کر رہا ہے۔

دس والی حدیث :

آخر میں وہ صاحب فرمانے لگے کہ اس میں شک نہیں پہلے اسے گنتی کا خیال نہ تھا' لیکن آخر ایک حدیث اس نے دس والی پڑھ تو دی تھی۔ میں نے کہا پھر اس کی جو وضاحت میں نے عرض کی اس کے جواب میں تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔

باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین حدثنا عیاش بن الولید حدثنا عبدالاعلیٰ قال حدثنا عبیداللہ عن نافع ان ابن عمر اذا دخل فی الصلوٰۃ کبر ورفع یدیہ واذارکع رفع یدیہ واذاقال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ واذاقام من الرکعتین رفع یدیہ ورفع ذالک ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ رواہ حماد بن سلمۃ عن ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورواہ ابن طہمان عن ایوب و موسی بن عقبہ مختصرًا (بخاری ج۱/ص ۱۰۲ وفات ۲۵۶ھ)

ترجمہ: حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نماز میں داخل ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کر رفع یدین کی اور جب رکوع کیا تو رفع یدین کی اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو رفع یدین کی اور جب دو رکعت سے کھڑے ہوئے تو رفع یدین کی اور اس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کیا۔ اس کو حماد بن سلمہ نے ایوب۔ نافع۔ ابن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور ابن طہمان نے ایوب اور موسیٰ بن عقبہ سے مختصراً روایت کیا۔

اس حدیث میں نہ تو ۱۸ جگہ رفع یدین کی نفی ہے' نہ ہی یہ مذکور ہے کہ آپ نے ہاتھ کہاں تک اٹھائے' نہ ہمیشہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے جیسے بال قائما آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ اس کا یہ ترجمہ بالکل غلط ہے کہ آپؐ ہمیشہ

کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اور نہ ہی اس حدیث میں یہ ہے کہ جو دس جگہ رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ہی اس حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا اللہ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا اور سب سے بڑا دھوکا یہ دیا کہ خط کشیدہ الفاظ بالکل چھوڑ دیئے۔ نہ مناظر کو اور نہ کسی معاون کو ذرا بھر حیا آئی کہ ہم کتنا بڑا دھوکہ کر رہے ہیں۔ اور ترجمہ بھی بالکل غلط کیا کہ ماضی مطلق کا ترجمہ ماضی استمراری والا کر دیا۔

(۱) جب اس حدیث کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صحیح کہا نہ ضعیف تو نام نہاد اہل حدیث کو نہ تو اس کو صحیح کہنے کا حق ہے اور نہ ضعیف کہنے کا۔ ہاں ہم اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کے مطابق جب اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فیصلہ نہ ملے تو ائمہ مجتہدین کے فیصلے کو تسلیم کر لینا چاہئے۔ اس حدیث میں چاروں ائمہ میں سے کسی کا عمل نہیں تو جیسے جس قرات کو ساتوں قاری ترک کر دیں اس کے شاذ و متروک ہونے میں کوئی شک نہیں ہوتا اسی طرح جس حدیث کو چاروں ائمہ میں سے کسی نے بھی اپنا مذہب قرار نہ دیا ہو اس کے شاذ ہونے میں شک نہیں۔

(۲) امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک سنہری سند مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ یہ روایت سنہری سند سے امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش سے بھی پہلے موطا امام مالک اور موطا امام محمد میں لکھی جا چکی تھی، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کی وفات ۱۷۹ھ اور امام محمد رحمہ اللہ کی وفات ۱۸۹ھ ہے، جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۹۴ھ ہے، مگر اس کے الفاظ بخاری سے بہت مختلف ہیں۔ مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر كان اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه حذو منكبيه واذا رفع رأسه من الركوع رفعهما دون ذالك (موطا مالک ص ۶۱، موطا محمد ص ۸۷، جزء رفع یدین نمبر ۴۷) مالک نافع سے روایت کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کی تو رفع یدین کی کندھوں کے برابر تک اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو ہاتھ اٹھائے اس سے کم۔

مدینہ منورہ کے امام مالک رحمہ اللہ نے جب یہ حدیث لکھی تو رفع یدین پانچ جگہ تھی یہی روایت کوفہ میں پہنچی تو پانچ ہی جگہ رفع یدین تھی مگر جب یہ روایت بخارا میں پہنچی تو رفع یدین ۵ سے بڑھ کر ۱۰ جگہ ہو گئی۔

پھر مدینہ منورہ میں یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع نہ تھی، کوفہ میں بھی اپنی اصلی حالت پر ہی رہی مگر بخارا میں پہنچ کر فعل ابن عمر کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کردیا گیا۔ اسی لئے امام ابوداؤد رحمہ اللہ (۲۷۵ھ) نے امام بخاری رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی اس غلطی کی نشان دہی فرمادی قال ابو دائود الصحیح قول ابن عمر لیس بمرفوع کہ صحیح یہی ہے کہ یہ ابن عمر کا قول ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع نہیں (ابوداؤد ص ۱۰۸/ج۱)

موطا مالک اور موطا محمد میں جو وضاحت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر تحریمہ کے وقت تو ہاتھ کندھوں تک اٹھائے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اس سے کم ہاتھ اٹھائے یہ بات بخاری سے بھی حذف کردی گئی اور جزء رفع یدین سے بھی۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ (۲۷۵ھ) نے فرمایا: قال ابو دائود رواه اللیث بن سعد ومالك وایوب وابن جریج موقوفًا (ص ۱۰۸) چنانچہ اس غلطی کو تسلیم کرلیا گیا۔ قال البخاری والمحفوظ ما روی عبیدالله وایوب ومالك وابن جریج واللیث وعدة من اہل الحجاز واہل العراق عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنه (جزء رفع یدین ص ۸۳) یعنی بخاری نے بھی مان لیا کہ یہ سب اس کو ابن عمرؓ سے موقوف بیان کرتے ہیں۔ ان باتوں کا کوئی جواب لامذہب مناظر نہ دے سکا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو رواہ حماد بن سلمہ عن ایوب الخ تعلیق بیان کی ہے۔ یہ جزء رفع یدین نمبر ۵۳، ۵۴ پر مکمل موجود ہے اس میں اذا قام من الرکعتین کی رفع یدین نہیں، تو گویا امام بخاری رحمہ اللہ نے اس دسویں رفع یدین

کے غیر محفوظ ہونے کا اشارہ فرمادیا۔ چونکہ اس سے مناظر صاحب کی دس کی گنتی پوری نہیں ہوسکتی تھی اس لئے مناظر صاحب اس عبارت کو بلا ڈکار ہضم کر گئے۔ اس کی وضاحت بھی ابوداؤد نے فرمادی تھی واسندہ حماد بن سلمة وحدہ عن ایوب لم یذکر ایوب ومالك الرفع اذاقام من السجدتین (ص۱۰۸/ج۱)

آخری عبارت ابن طہمان اور موسیٰ بن عقبہ والی تعلیق جو آخر میں بخاری لائے ہیں وہ بیہقی ص ۷۱/ج۲ پر ہے اس میں نہ اذا قام من الرکعتین ہے اور نہ مرفوع ہے۔ یہ تھا آخری اشارہ امام بخاری رحمہ اللہ کا کہ یہ نہ مرفوع ہے نہ دسویں رفع یدین ثابت، جس کو مناظر صاحب نے چھوڑ دیا۔

سند کا حال :

پہلا راوی بخاری ص ۱۰۲ پر عیاش بن الولید ہے مگر جزء رفع یدین مطبوعہ دہلی ص ۱۲ پر عباس ہے اب یہ راوی مشکوک ہوگیا اس لئے فیض الرحمٰن ثوری غیر مقلد نے جزء رفع یدین ص ۳۸ پر اور پیر جھنڈا نے جلاء العینین ص ۱۲۶ پر تحریف کر کے عباس کو عیاش بنادیا۔ جب کہ "الرسائل فی تحقیق المسائل" کے چودہ مجاہدین بھی اس کو عباس ہی لکھتے ہیں اور خالد گھرجاکھی نے بھی اپنے رسالہ جزء رفع یدین میں جزء بخاری کے حوالے سے عباس ہی لکھا تھا (ص۷۰) مگر خالد گھرجاکھی نے جب جزء رفع یدین بخاری شائع کیا تو تحریف کر کے عباس کو عیاش کردیا۔

دوسرا راوی عبدالاعلیٰ ہے، یہ متکلم فیہ ہے، قدری ہے۔ بندار فرماتے ہیں: واللہ لا یدری ای رجلیہ اطول (میزان الاعتدال ص۵۳۱/ج۲) باوجود متکلم فیہ ہونے کے محدث عبدالوہاب ثقفی کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ عبدالاعلیٰ اس کو مرفوع کرتا ہے جیسا کہ بخاری ص ۱۰۲ پر ہے اور عبدالوہاب اس کو موقوف بیان کرتا ہے جیسا کہ جزء بخاری ص ۴۸ پر ہے۔ اگلے راوی میں بھی اختلاف ہے بخاری ص ۱۰۲ پر عبیداللہ ہے اور جزء بخاری مطبوعہ دہلی میں عبداللہ ہے جو متروک الحدیث ہے اس لئے پیر جھنڈا نے جلاء العینین ص ۱۵۴ اور فیض الرحمٰن ثوری نے جزء رفع الیدین ص ۴۸

پر تحریف کر کے عبید اللہ بنا دیا ہے۔

ان سب کے بعد عجیب بات تو یہ ہے کہ جزء بخاری ص ۸۳ پر ہے وزادو کیع عن العمری عن نافع عن ابن عمر عن النبی انه کان یرفع یدیه اذا رکع واذا سجد اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ زیادت مقبول ہے۔ لیجئے مناظر صاحب! اب تو دس کی چھبیس رفع یدین بن گئیں اور آپ ہر چار رکعت میں ۱۶ سنتوں کے تارک بن گئے۔ یہ ہے اس حدیث کا حال جس کو غیر مقلدین سب صحابہؓ سب تابعین رحمھم اللہ اور سب ائمہ رحمھم اللہ کے خلاف اپنا معمول بنا رہے ہیں۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش سے پہلے امام محمد رحمہ اللہ فرما گئے تھے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بہت مضبوطی سے ثابت ہے کہ وہ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے اور یہ اہل بدر میں سے ہیں جو اگلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے اور یہ حضرات یقیناً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ واقف تھے۔ اس لئے ان کی روایت کو ترجیح ہوگی (کتاب الحجہ ص ۹۵) پھر امام محمد رحمہ اللہ نے خود عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین نہ کرنا روایت فرمایا۔ اب ظاہر ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ترجیح ہوگی جو اہل بدر کے موافق ہوگی۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ (۱۸۹ھ) کے اس مطالبہ کو امام بخاری رحمہ اللہ (۲۵۶ھ) اور امام مسلم رحمہ اللہ (۲۶۱ھ) پورا نہیں کر سکے کہ وہ اہل بدر سے نہ کوئی مرفوع حدیث صحیحین میں لا سکے ہیں اور نہ موقوف۔

" پس بہ دیگراں چہ رسد "

حَتّٰی فَارَقَ الدُّنْیَا :

نام نہاد اہل حدیث مناظر کے دعویٰ کا ایک ٹکڑا یہ بھی تھا۔ جس طرح ہم رکوع اور سجود کے ساتھ تکبیر کو سنت کہتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں آپ ﷺ آخر عمر تک

یہ تکبیرات انتقال کہتے رہے تو ہم اس پر صریح حدیث پیش کرتے کہ آپ ہمیشہ یہ تکبیرات کہتے رہے حتیٰ فارق الدنیا یہاں تک کہ دنیا سے علیحدگی فرمائی (بخاری ص ۱۱۴/ج ۱، نسائی ص ۱۷۳/ج ۱) اسی طرح نام نہاد اہل حدیث کا فرض تھا کہ ۱۸ جگہ کی نفی اور دس جگہ کے اثبات کے ساتھ ایسے الفاظ دکھادیتا خواہ بخاری سے خواہ مسلم سے لیکن اس میں بالکل ناکام رہا کیونکہ بے ان چاروں کے پاس دلیل نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ ہاں شور مچا مچا کر "تھوتھا چنا باجے گھنا" کی مثال پوری کرتے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ ہی فرمائیں آپ نے کیسٹ سنی، کسی نے صحاح ستہ سے کوئی ایسی روایت پیش کی ہے؟ کہنے لگا بالکل نہیں۔ میں نے کہا تکبیرات انتقال کے آخر تک باقی رہنے کا ایک اور بھی ثبوت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بھی یہ تکبیرات کہتے رہے اور ابوبکر بھی، عمر بھی (ترمذی ص ۵۹) اور عثمان بھی۔ (نسائی ص ۱۷۲/ج ۱) اس سے صاف سمجھ آتا ہے کہ یہی وہ نماز تھی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر گئے پھر حضرت ابوبکر، عمر کو چھوڑ گئے اور عمر، عثمان رضی اللہ عنہ کو چھوڑ گئے لیکن ایسی صریح حدیث ان کے پاس کہاں۔ آخر نام نہاد اہل حدیث، حدیث سے دست بردار ہو کر تاریخ کی طرف بھاگا اور یہ کہا کہ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ ۹ھ میں ایمان لائے تھے، انہوں نے حضور ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا۔ میں نے کہا :

(۱)...... پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کے ۹ھ میں ایمان لانے کی کوئی سند پیش کرو۔ جس کو وہ پیش نہ کر سکا۔

(۲)...... پھر میں نے کہا کہ حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث سے آپ کو کیا تعلق کیونکہ اس کی کسی سند میں بھی تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا ذکر نہیں جس کو آپ سنت موکدہ کہتے ہیں تو گویا آپ کے نزدیک ۹ھ میں رسول پاک ﷺ خلاف سنت نماز پڑھتے تھے۔

(۳)...... مالک بن الحویرثؓ کی حدیث نسائی ص ۱۶۵/ج ۱ اور ص ۱۷۲/ج ۱ پر ہے جس

میں آنحضرت ﷺ کا سجدوں کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے اور فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث پر عمل کرنے والا مردہ سنت کو زندہ کرنے والا ہے اور اس کو سو شہید کا اجر ملے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ چار رکعت نماز میں ۱۷ جگہ سنتوں کو ضائع کرتے ہیں۔ ۱۶ دفعہ سجدوں کے وقت رفع یدین کرنا ۹ھ تک سنت تھا جو آپ نے چھوڑ دیا اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین ۹ھ میں بالکل سنت نہ تھا اور آپ نے اس کو سنت بناڈالا۔

صحاح ستہ سے بغاوت :

آپ نے کیسٹ سن لی۔ نام نہاد اہل حدیث مناظر سارے مناظرے میں مکے مدینے سے باغی رہا اب صحاح ستہ سے بھی بھاگ گیا کیونکہ نسائی صحاح ستہ میں شامل ہے انہوں نے ص ۱۶۵/ ج ۱ اور ص ۱۷۲/ ج ۱ پر سجدوں کی رفع یدین کا باب باندھا اور اس میں حضرت مالک بن الحویرث ؓ کی حدیث لائے پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اس کو متروک العمل قرار دیا' پھر ص ۱۵۸/ ج ۱ اور ص ۱۶۱/ ج ۱ پر رکوع کی رفع یدین کا باب باندھا۔ اس میں ابن عمر وغیرہ کی احادیث لائے اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث سے ان کو متروک العمل قرار دیا۔ یہ ہے ایک شافعی محدث کی تبویب اور ترتیب جس کو نام نہاد اہل حدیث مناظر صرف بے سند تاریخ سے رد کرنا چاہتا ہے۔ میں نے بھی آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن نسائی کے حوالہ سے پیش کی۔ عن عبداللہ (ابن مسعود) قال الا اخبر کم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد (نسائی ص ۱۵۸/ ج ۱)

(۱)...... اس حدیث میں میرا مکمل مسئلہ ہے۔ جس طرح ہماری توحید ہے کہ صرف ایک اللہ کو ماننا باقی سب کا انکار' اسی طرح ہماری رفع یدین ہے کہ صرف ایک جگہ کا اثبات اور باقی ہر جگہ کی نفی۔ اس طرح کی مکمل دلیل جس میں ۱۸ جگہ کی نفی اور دس جگہ کا اثبات ہو نام نہاد اہل حدیث مناظر ایک بھی نہ دکھا سکا اور نہ قیامت تک دکھا سکے گا' انشاء اللہ۔

(۲)...... میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی جو اہل بدر میں سے تھے اور صف اول کے نمازی تھے۔ میرے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی فرمایا تھا کہ اولو الاحلام والنھی سے دین سیکھو اور میرے امام محمد رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا کہ اہل بدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بڑے عالم ہیں۔ نام نہاد اہل حدیث مناظر اپنے دعویٰ کے موافق کسی اہل بدر سے نہ مرفوع حدیث لاسکا' نہ موقوف۔

(۳)...... میں نے اس بدری صحابی کی حدیث پیش کی جس نے یہ حدیث کوفہ میں بیان فرمائی اور تمام اہل کوفہ (صحابہؓ' تابعین' تبع تابعین' فقہاء اور محدثین رحمہم اللہ اور عوام) سب کا متواتر عمل اسی پر تھا جب کہ نام نہاد اہل حدیث مناظر اپنے مکمل دعویٰ پر کسی ایک صحابی' تابعی' تبع تابعی' فقیہ یا محدث یا عامی کا عمل ثابت نہ کرسکا۔

(۴)...... اس حدیث کو اللہ تعالیٰ یا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا نہ ضعیف' ہاں اہل کوفہ کا متواتر عمل اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(۵)...... البانی غیر مقلد کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس حدیث میں کوئی علت قادحہ نہیں ہے۔ (حاشیہ مشکوۃ)

ایک عجیب اعتراض :

جب میں نے مناظرہ میں سجدوں والی رفع یدین کی حدیث پڑھی تو نام نہاد اہل حدیث مناظر کہنے لگا کہ جب تم اس کو صحیح مانتے ہو تو اس پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اس بے چارے کو یہ بھی علم نہیں کہ ماننے کے لئے عمل ہمیشہ ضروری نہیں ہوتا۔ دیکھو مسلمان اور یہودی دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی برحق مانتے ہیں پھر اختلاف کس بات پر ہے؟ تو وہ یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام آخری نبی تھے اس لئے وہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ مسلمان کہتے ہیں کہ یہودی قیامت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آخری نبی ثابت نہیں کرسکتے اس لئے یا ان کا آخری نبی ہونا ثابت کریں ورنہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ اسی طرح مسلمان اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے پر متفق ہیں مگر عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آخری

نبی ہیں اس لئے وہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں۔ اب مسلمان ان سے یہی مطالبہ کرتے ہیں کہ یا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری نبی ہونا ثابت کرو ورنہ حضور اقدس ﷺ پر ایمان لاؤ۔ ہاں مسلمان حضور اقدس ﷺ کو آخری نبی مانتے ہیں اس لئے مسیلمہ کذاب اور مسیلمہ پنجاب کو جھوٹا نبی کہتے ہیں۔ جس طرح مسلمانوں کی یہ بات برحق ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں مگر یہودیوں کی یہ بات بالکل جھوٹی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں اب یہودیوں سے ہم موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا ثبوت نہیں مانگیں گے کیونکہ وہ تو متفق علیہ ہے۔ آخری نبی ہونے کا ثبوت مانگیں گے۔ اگر کوئی یہودی صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا ثبوت پیش کرتا رہے تو وہ یقیناً دھوکے باز ہے۔ اپنا وقت بھی ضائع کر رہا ہے اور دوسروں کا بھی۔ اسی طرح ہم یہ مانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے سجدوں کے وقت رفع یدین کرنا ثابت ہے۔ مگر یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ آخر عمر تک سجدوں کے وقت رفع یدین کرتے رہے آپ ﷺ پر جھوٹ بھی ہے اور ترک رفع یدین بوقت سجود کا انکار بھی۔ اسی طرح ہم عیسائیوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے کا ثبوت نہیں مانگیں گے اگر کوئی عیسائی اس پر سارا زور لگاتا رہے تو وہ عوام کو دھوکا دے رہا ہے اس کو تو اپنے اس جھوٹ کا ثبوت دینا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں جس جھوٹ کی وجہ سے وہ حضور پاک ﷺ کی نبوت کا انکار کر رہا ہے۔ پھر اس بات کو غور سے سمجھیں کہ وہ عیسائی بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے پر بیان کردے تو اس سے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت ہوگا نہ کہ آخری نبی ہونا اور اس سے حضور ﷺ کی نبوت کے انکار کی راہ بالکل نہیں نکل سکے گی۔ ہمارا مطالبہ صرف یہ ہوگا کہ وہ ایک ہی آیت یا ایک ہی حدیث پیش کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں۔ تو جس طرح مسلمانوں کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام برحق ہیں یہ بالکل درست ہے' اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو بھی مان لیا اور بعد میں حضور ﷺ کی نبوت کو بھی مان لیا' اسی طرح یہ بات

درست ہے کہ حضور ﷺ نے رکوع و سجود کی رفع یدین کی، لیکن یہ بات جھوٹ ہے کہ آنحضرت ﷺ آخر عمر تک رفع یدین کرتے رہے' یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آخری نبی ماننا۔ عیسائیوں کا ایمان نہ عیسیٰ علیہ السلام پر رہا کیونکہ وہ نبی تھے آخری نبی نہیں تھے اور نہ وہ حضور ﷺ پر ایمان لائے...... اسی طرح نام نہاد اہل حدیث کا نہ ان احادیث پر ایمان ہے جن میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے' نہ ان احادیث پر ایمان ہے جن میں سجدوں کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور نہ ہی ان احادیث پر ان کا ایمان ہے جن میں رکوع کی رفع یدین کا ذکر ہے' کیونکہ جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو آخری نبی کہہ کر اپنا ایمان خراب کر لیا اسی طرح ان لوگوں نے آخری عمر تک رفع یدین ۱۸ کی نفی اور دس کا اثبات کہہ کر نبی پاک ﷺ پر جھوٹ بولا اور نبی پاک پر جھوٹ بولنے سے یقیناً ایمان خراب ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی ان کا ان احادیث پر ایمان ہے جن میں پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کا ترک مذکور ہے۔ اس مسئلے کی ساری حدیثوں کا انکار اور نام پھر بھی.... اہل حدیث۔

بر عکس نہند نام زنگی کافور

ٹکراؤ :

یہ بھی یاد رہے کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہیں مانا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد والا نبی مانا ہے اسی طرح ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانا بلکہ ان کے زمانہ کے بعد نبی مانا ہے۔ جس طرح ہم خدا کے نبیوں میں ٹکراؤ پیدا نہیں کرتے اسی طرح ہم پیارے نبی کی پیاری احادیث میں بھی ٹکراؤ پیدا نہیں کرتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سجدوں کے وقت رفع یدین کیا یہ ثابت ہے مگر یہ باقی رہا یا آپ ﷺ نے چھوڑ دیا' سجدے والی احادیث میں ان دونوں باتوں کا ذکر نہیں البتہ قیاس یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے رفع یدین کی تو کرتے رہے ہوں گے مگر جب اس قیاس کے خلاف حدیث مل گئی کہ آپ ﷺ نے چھوڑ دی تھی تو ہم نے قیاس کو چھوڑ کر حدیث کو مان

لیا وہ روایت نسائی میں ہے۔ اسی طرح رکوع کے وقت بھی آپ کا رفع یدین کرنا ثابت ہے مگر اس کا آخر عمر تک باقی رہنا یا ترک فرما دینا ان احادیث میں مذکور نہیں البتہ قیاس کہتا ہے کہ آپؐ نے کی تو کرتے رہے ہوں گے مگر اس قیاس کے خلاف احادیث مل گئیں کہ آپؐ نے ترک فرمادی تھی تو ہم نے ان احادیث پر عمل کیا۔ یہ ذہن بہت غلط ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رہ ہی نہیں سکتا جب تک عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا نہ کہو اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رہ ہی نہیں سکتا جب تک حضور پاک ﷺ کو معاذ اللہ جھوٹا نہ کہو۔ بالکل یہی ذہن غیر مقلدوں کا ہے کہ رکوع کی رفع یدین کو مانا ہی نہیں جا سکتا جب تک ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے والی احادیث کو جھوٹا نہ کہو اور سجدوں کی رفع یدین کی تمام احادیث کو جھوٹا نہ کہو اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہ کرنے کی تمام احادیث کو جھوٹا نہ کہو اور ان سب احادیث کو جھوٹا کہنے سے بھی ایمان مکمل نہیں ہوگا جب تک ان احادیث میں بھی یہ جھوٹ نہ ملاؤ کہ حضور ﷺ نے آخری نماز بھی اسی طرح پڑھی۔ الغرض جھوٹ کے بغیر تو ان کا مذہب چل ہی نہیں سکتا۔ کہیں صحاح ستہ سے باہر ہی کوئی سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث نظر پڑ گئی تو فوراً ساتھ یہ جھوٹ ملا لیا کہ آپ ﷺ نے آخری نماز بھی سینے پر ہاتھ باندھ کر پڑھی تھی۔ کہیں کوئی ضعیف سی حدیث آمین کی نظر پڑ گئی فوراً ساتھ یہ جھوٹ ملا لیا کہ آپ ﷺ نے آخری نماز بھی اونچی آمین کے ساتھ پڑھی تھی اور باقی سب حدیثوں کو جھوٹا کہنا شروع کر دیا۔ ہمارا مطالبہ اب بھی قائم ہے کہ صرف اور صرف ایک حدیث جس میں ۱۸ جگہ رفع یدین سے ہمیشہ کے لئے منع کیا گیا' دس جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا ہو اور اس پر آپ ﷺ نے آخر عمر تک عمل کیا ہو اور فرمایا ہو کہ جو اس طرح رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی اور اس حدیث کو دلیل شرعی سے صحیح ثابت کیا جائے۔ یاد رہے آپ کے ہاں دلیل شرعی صرف اللہ ہے اور رسول ﷺ کا فرمان ہیں ہم وہ حدیث مان کر باقاعدگی عمل شروع کر دیں گے۔

اشرف صاحب فرمانے لگے کہ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور ۳۱ مئی ۹۶ء میں تو مذکور ہے کہ اس مناظرہ میں مولانا محمد یحیٰ گوندلوی' مناظر اسلام قاضی عبدالرشید صاحب' مولانا مبشر احمد ربانی صاحب' فاتح مرزائیت پروفیسر اکرم جھجہ صاحب' مناظر

اسلام حافظ مصطفیٰ صادق صاحب' مولانا عبدالرحمٰن کاظمی صاحب اور دیگر علماء بھی تھے' مگر یہ سب حضرات مل کر بھی اپنے مکمل دعویٰ پر ایک حدیث بھی پیش نہ کر سکے' پھر اشرف صاحب فرمانے لگے کہ بخاری' مسلم' موطا مالک اور موطا محمد کا نام ہفت روزہ اہل حدیث نے لکھا ہے کہ ان کتابوں سے ہمارے مناظر نے احادیث صحیحہ پیش کیں۔ میں نے کہا آپ ہی نکال دیں۔ احادیث صحیحہ تو کجا صرف ایک حدیث جس میں ۱۸ جگہ رفع یدین سے منع کیا ہو اور دس جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا حکم ہو اور یہ آپ ﷺ کا دائمی عمل ہو اور جو اس طرح نماز نہ پڑھے اس کی نماز باطل ہے اور اس حدیث کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہو۔ اشرف صاحب کہنے لگے کہ جب وہ اپنے مکمل دعویٰ پر ایک حدیث بھی پیش نہ کر سکے تو آئندہ انہیں کبھی اپنے آپ کو اہل حدیث نہیں کہلانا چاہئے۔ میں نے کہا کہ نہ صرف یہ کہ ان کے پاس اپنے دعویٰ پر دلیل نہیں بلکہ وہ بلا دلیل صحیح احادیث کو جھٹلاتے ہیں۔

(۱)..... ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کی احادیث کو ان کے علامہ البانی نے صحیح مانا ہے اور یہ جھٹلاتے ہیں۔

(۲)..... سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کی احادیث کو ابو حفص داجلی' عبدالحق ہاشمی' عبدالکریم سندھی اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے اور یہ جھٹلاتے ہیں

(۳)..... رکوع کی رفع یدین والی حدیث کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ساتھ جھوٹ ملا کر کہ آپ ﷺ آخر عمر تک یہ رفع یدین کرتے رہے یہ ایسا ہی جھوٹ ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری نبی ہیں۔

(۴)..... پہلی تکبیر کے بعد ترک رفع یدین کی احادیث خاص طور پر حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ان کا البانی صحیح کہتا ہے اور یہ جھٹلاتے ہیں۔ تو جو فرقہ ایک مسئلہ میں چار قسم کی احادیث کو جھٹلاتا ہو اس کا اپنے کو اہل حدیث کہنا ایسا ہی ہے جیسے رات کو دن کہنا۔ اگر احادیث کے جھٹلانے والے اہل حدیث ہیں تو پھر منکر حدیث کن کو کہا جائے گا؟ اشرف صاحب نے کہا بالکل بجا ہے میں الحمدللہ بالکل مطمئن ہو گیا ہوں۔

پیش لفظ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مقلدین کا مجموعی مزاج یہ ہے کہ یہ حضرات فروعی مسائل میں بے انتہا شدت برتتے ہیں، یہ لوگ اپنی کتابوں اور رسالوں، تقریروں اور تحریروں میں فروعی مسائل پر بحث کرتے ہوئے قابو سے باہر ہو جاتے اور نہایت درشت اور کرخت لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں۔ مقلدین حضرات کو کوستے، ان پر برستے اور تیز وتند انداز میں ان پر تنقید کرتے ہیں۔ ان کے مقررین فروعی مسائل (فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر اور تراویح وغیرہ) کو ہر جگہ جا کر ہوا دیتے، ان کو اچھالتے اور ان کو کفر وایمان کا مدار ومناط قرار دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر واسلاف شروع سے ہی ان کو سمجھاتے آئے ہیں کہ ان فروعی مسائل کو کفر وایمان کا مدار نہ بنائیں، ان میں اتنی شدت نہ برتیں اور ان کی وجہ سے تکفیر وتفسیق اور تضلیل کے فتوے صادر نہ کریں، فضاء کو مسموم اور زہر آلود نہ کریں، لوگوں کو امن وامان سے رہنے دیں ان کو آپس میں نہ لڑائیں اور جنگ وجدال پر آمادہ نہ کریں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ان لوگوں کے اذہان وعقول میں یہ معمولی سی بات آج تک نہیں آئی، رواداری برتنا تو ان کی جبلت اور سرشت کے منافی ہے۔ ان کی طبیعتوں میں بے انتہا شدت، کرختگی، خشکی اور سختی پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ غیر مقلدین بھی اس کا اقرار واعتراف

کرنے پر مجبور ہیں۔

چنانچہ مولانا داؤد غزنویؒ کی سوانح حیات میں تحریر ہے۔

''اہلحدیث حضرات عموماً نہایت متشدد ہوتے ہیں، تھوڑی سی تھوڑی چیز پر سخت سے سخت نکتہ چینی کے خوگر''(مولانا داؤد غزنوی مرتبہ ابوبکر غزنوی ص ۱۸)

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر ہے

''ان کی تقریروں میں غلظت اور خشونت کا غلبہ ہوتا ہے۔''(ص ۸۶)

مسئلہ ''رفع یدین'' بھی ان فروعی مسائل میں سے ہے جن پر بحث کرتے ہوئے ان کے قلم کار اور مقررین احناف کو بے نقط سناتے ہیں اور رفع یدین کو وجوب و فرضیت کا درجہ دیتے ہیں۔

چنانچہ بہاولپور کے ایک پروفیسر صاحب نے ''رفع یدین'' کے موضوع پر ایک رسالہ لکھ کر قادر بخش کے نام پر چھپوایا ہے، اس میں تہذیب و شرافت کی جو مٹی پلید کی ہے اور جو بازاری، سوقیانہ اور دل آزار زبان استعمال کی ہے، اسے پڑھ کر موصوف کے بارہ میں اچھے تاثرات قائم نہیں ہوتے۔ احقر پروفیسر صاحب کے ''بطور نمونہ مشتے از خروارے'' چند جملے نقل کرتا ہے، جس سے ناظرین اس جماعت سے تنگ نظری، تنگ ظرفی اور تشدد کا کچھ اندازہ کر سکیں گے۔

پروفیسر صاحب اس رسالہ کے ص ۷ اپر لکھتے ہیں۔

''میں کہتا ہوں مقلد کوئی بھی ہو جاہل ہوتا ہے۔ اگر جاہل نہ ہو تو تقلید کیوں کرے، تقلید ہے بھی جاہلوں کے لئے اور کرتا بھی جاہل ہی ہے۔ جو علم و عقل والا ہو وہ تقلید کیوں کرے''

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''لیکن آپ نے اندھے اماموں کی اندھی تقلید کی'' (مسئلہ رفع یدین ص ۴۰)

اسی رسالہ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''رہنمائی بیچارہ مقلد کیا کرے گا وہ تو خود

اندھا ہے اور اندھا بھی دل کا۔" (مسئلہ رفع یدین ص ۴۲)

ایک جگہ تحریر کرتے ہیں۔

"مقلد بصیرت کا اندھا تو ہوتا ہی ہے اب معلوم ہوا کہ اس کا ذوق بھی گندا ہوتا ہے۔" (ص ۵۲)

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"مقلد چونکہ بدنیت بھی ہوتا ہے اور مطلبی بھی، اس لئے حدیث کے معاملہ میں بد نصیب ہی رہتا ہے" (ص ۵۷)

غرضیکہ یہ اور اس قسم کے دلخراش اور متعفن جملے اور کلمے جگہ جگہ اس رسالہ میں آپ کو ملیں گے، جو پروفیسر صاحب کی فکر و نظر کی آلائشوں، قلب و ذہن کی مجنونانہ کیفیات اور اندرونی اضطراب و خلفشار کی بخوبی غمازی کرتے ہیں۔

بہر حال غیر مقلدین کے اس قسم کے رسائل پڑھ کر اور ان کے مقررین کی اشتعال انگیز تقاریر سن کر یہ خیال پیدا ہوا کہ مسئلہ رفع یدین پر احادیث کی روشنی میں ایک عام فہم رسالہ شائع کیا جائے جس کو عوام بآسانی سمجھ سکیں۔ الحمد للہ امام اعظم ابوحنیفہ اکیڈمی کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ وہ اس موضوع پر ایک فیصلہ کن رسالہ شائع کر رہی ہے۔ متلاشیان حق کے لئے یہ رسالہ "منارۂ نور" کی حیثیت رکھتا ہے ہر مسلمان کے پاس اس کا ہونا ضروری ہے۔

محمد امین صفدر

ترک رفع یدین قرآن و احادیث کی روشنی میں

۱۔ عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰۔ نسائی ص ۱۷۶۔ طحاوی ج ۱ ص ۱۵۸۔ مسند احمد ج ۵ ص ۹۳ و سندہ صحیح جید)

ترجمہ:- ''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس (نماز پڑھنے کی حالت میں) تشریف لائے (اور ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے) تو بڑی ناراضگی سے فرمایا کہ میں تم کو نماز میں شریر گھوڑوں کی دم کی طرح رفع یدین کرتے کیوں دیکھتا ہوں؟ نماز میں ساکن اور مطمئن رہو۔''

نماز تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے اور سلام پر ختم ہوتی ہے، اس کے اندر کسی جگہ رفع یدین کرنا خواہ وہ دوسری، تیسری، چوتھی رکعت کے شروع میں ہو یا رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے یا سجدہ میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت ہو۔ اس رفع یدین پر حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا اور اسے جانوروں کے فعل سے تشبیہ بھی دی۔ اس رفع یدین کو خلاف سکون بھی فرمایا اور پھر حکم دیا کہ نماز سکون سے یعنی بغیر رفع یدین کے پڑھا کرو۔

قرآن پاک میں بھی نماز میں سکون کی تاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱۔ قوموا للّٰہ قانتین خدا کے سامنے نہایت سکون سے کھڑے ہو۔

دیکھئے خدا اور رسول نے نماز میں سکون کا حکم فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے نماز کے اندر رفع یدین کو سکون کے خلاف فرمایا۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

۲۔ قد افلح المو منون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون قال ابن عباس الذین لا یرفعون ایدیھم فی صلاتھم (تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ ص ۳۲۳)

''کامیاب ہو گئے وہ مومن جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یعنی جو نمازوں کے اندر رفع یدین نہیں کرتے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۳۔ الم ترالی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ

اس آیت سے بھی بعض لوگوں نے نماز کے اندر رفع یدین کے منع پر دلیل لی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے۔

۴۔اقم الصلوٰۃ لذکری میرے ذکر کے لئے نماز قائم کر۔

زیر بحث مسئلہ رفع یدین اور جلسہ استراحت کے لئے شریعت مقدسہ میں کوئی ذکر مقرر نہیں ہے اس لئے یہ نماز سے غیر متعلق افعال ہوئے۔

۵۔عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن حین یفتتح الصلوٰۃ (رواہ الطبرانی زیلعی ج۱ص۱۶۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "رفع یدین نہ کرو مگر سات جگہ۔جب نماز شروع کرو، باقی جگہ حج میں۔

۶۔ و عنہ ان النبی ﷺ قال: و ارفع الایدی اذا قمت للصلوٰۃ

(رواہ الطبرانی زیلعی ج۱ص۳۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا رفع یدین اس وقت کر جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو۔

۷۔ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ترفع الایدی فی سبع مواطن عند افتتاح الصلوٰۃ الحدیث (زیلعی ج۱ص۳۹۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سات جگہ رفع یدین کی جائے، نماز کے شروع کرتے وقت اور باقی چھ جگہ حج میں۔

۸۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے۔

(زیلعی ج۱ص۳۹۱)

۹۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسی کے موافق فتوی دیتے تھے۔

(زیلعی ج۱ص۳۹۱)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کا حکم فرمایا اور پہلی تکبیر کے بعد دوران نماز رفع یدین کرنے سے منع فرمایا۔یہی ہمارا مسلک ہے۔لیکن بیچارے غیر مقلدین کا عمل ان احادیث کے خلاف ہے۔

۱۰۔عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ علیه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حذو منکبیه و اذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع فلا یرفع و لا بین السجدتین (مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۲۷، صحیح ابوعوانہ ج ۲ ص ۹۰)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔

۱۱۔وعنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا یعود

(بیہقی فی الخلافیات، زیلعی ج ۱ ص ۴۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ بے شک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفع یدین کرتے پھر ساری نماز میں کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۱۲۔عن مجاهد قال صلیت خلف ابن عمر رضی اللہ عنہ فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولی من الصلوٰة (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷ طحاوی)

ترجمہ:- حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس آپ نماز میں صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۱۳۔عن عبدالعزیز بن حکیم قال رأیت ابن عمر رضی اللہ عنہ یرفع یدیه حذو اذنیه فی اول تکبیرة افتتاح الصلوٰة و لم یرفعهما فیما سوی ذلك (موطا امام محمدؒ ص ۹)

امام محمدؒ مجتہد ہیں انہوں نے اس حدیث سے استدلال فرمایا پس حدیث صحیح ہے۔

ترجمہ:- عبدالعزیز بن حکیم سے روایت ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک نماز کی پہلی تکبیر کے وقت اٹھاتے اور اس کے سوا کسی موقعہ میں نہ اٹھاتے تھے۔

فائدہ: (۱) پہلی دونوں سنہری اور کھری وصحیح احادیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ پہلی تکبیر کے بعد نہ دوسری، تیسری، چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اور نہ ہی رکوع کو جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے وقت۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان مقامات پر رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(۳) ان دونوں حدیثوں کی سند کے مرکزی راوی سب مدنی ہیں اور امام مالکؒ جو مدینہ منورہ کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بھر میں کسی کو نہیں پہچانا جو پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کرتا۔ ہو آپ کی پیدائش ۹۰ھ میں ہوئی اور وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی، یہ خیر القرون کا دور ہے اور امام مالکؒ مدینہ منورہ کے امام ہیں جہاں ہر ملک اور ہر جگہ کے لوگ روضہ اقدس کی زیارت کے لئے آتے ہیں لیکن امام مالکؒ کسی ایک شخص کو بھی نہیں پہچانتے جو رفع یدین والی نماز پڑھتا ہو۔ بلکہ برملا اس رفع یدین کو ضعیف فرماتے ہیں (المدونۃ الکبریٰ ج۱ ص۷۱)

(۴) معلوم ہوا کہ خیر القرون میں رفع یدین کر کے نماز پڑھنے والا شخص عجائب گھر میں رکھنے کے لئے بھی نہ ملتا تھا۔ اور رفع یدین کی تمام روایات اس پاک دور میں متروک العمل تھیں۔

۱۴۔ عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوٰة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة (ترمذی ج۱ ص۳۵) یہ حدیث حسن ہے (ترمذی ج۱ ص۳۵) یہ حدیث صحیح ہے (محلی ابن حزم ج۴ ص۳۵۸)، اس کے سب راوی صحیح مسلم شریف کے راوی ہیں (الجوہر النقی ج۱ ص۱۶۷)

ترجمہ:- حضرت علقمہ سے روایت ہے: وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تم کو حضور ﷺ جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ اس کے بعد انہوں نے نماز پڑھائی اور پہلی مرتبہ کے بعد کسی جگہ رفع یدین نہ کی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بہت سے اہل علم صحابہ کرام ﷺ اور تابعین کا یہی مذہب ہے اور حضرت سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے (ترمذی ج ۱ ص ۳۵)

۱۵۔ عن عبد اللہ ﷺ قال الا اخبرکم بصلوۃ رسول اللہ ﷺ قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد و فی نسخۃ ثم لم یرفع۔ (نسائی شریف ج ۱ ص ۱۵۸)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو رسول ﷺ کے نماز پڑھنے کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پس آپ کھڑے ہوئے تو صرف پہلی دفعہ شروع نماز میں رفع یدین کی اس کے بعد پوری نماز میں کسی جگہ رفع یدین نہ کی۔

۱۶۔ عن عبد اللہ بن مسعود ﷺ ان رسول اللہ ﷺ کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ ثم لا یعود (مسند امام اعظم ج ۱ ص ۳۵۲)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے پھر کہیں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

یہ وہ حدیث شریف ہے جو سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ نے مناظرہ میں امام اوزاعیؒ کے سامنے بیان فرمائی اور ثابت فرمایا کہ اس کی سند کا ہر راوی اپنے دور کا سب سے بڑا افقیہ ہے اور امام اوزاعیؒ کو لاجواب ہو کر خاموش ہونا پڑا۔

۱۷۔ عن عبداللہ بن مسعود ﷺ قال صلیت خلف النبی ﷺ و ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما فلم یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصلوٰۃ (دار قطنی ج ۱ ص ۲۹۵)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں تو یہ حضرات شروع نماز کے بعد کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

۱۸۔ عن الاسود قال رأیت عمر بن الخطاب ﷺ یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود (طحاوی ج ۱ ص ۱۳۳) قال ابن حجر رجالہ ثقات (الدرایہ ص ۸۵) ابن حجر کہتے ہیں اس کے راوی معتبر ہیں۔

حضرت اسود سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد، کو دیکھا وہ اپنے ہاتھوں کو صرف پہلی تکبیر کے وقت اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

۱۹۔ عن الاسود قال صليت مع عمر رضی اللہ عنہ فلم يرفع يديه في شيء من صلوة الا حين افتتح الصلوٰة ورأيت الشعبي وابراهيم وابا اسحاق لا يرفعون ايديهم الا حين يفتتحون الصلوٰة (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۰)

حضرت اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز ادا کی، آپ پہلی تکبیر کے بعد کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے (رئیس المحدثین) امام شعبی (رئیس الفقہاء) ابراہیم نخعی اور امام ابو اسحاق بھی پہلی تکبیر کے بعد کہیں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۰۔ عن علي رضی اللہ عنہ ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان يرفع يديه في التكبيرة الاولى التي يفتتح به الصلوٰة ثم لا يرفعهما في شيء من الصلوٰة (العلل دار قطنی ج ۴ ص ۲۶)

نوٹ: عبدالرحیم ثقہ راوی ہے۔

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی پہلی تکبیر کے بعد ساری نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۱۔ عن عاصم بن كليب عن ابيه ان عليا كان يرفع يديه في اول تكبيرة من الصلوٰة ثم لا يرفع بعد (طحاوی ج ۱ ص ۱۳۲۔ از صحیح زیلعی ج ۱ ص ۲۱۱۔ (رجالہ ثقات) الدرایہ ص ۸۵)

ترجمہ:- عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے اس کے بعد ساری نماز میں کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۲۔ وعنه ان عليا كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا يعود (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۱)

ترجمہ:- انہیں سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کی پہلی تکبیر کے بعد کہیں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۳۔عن علی بن ابی طالب ﷺانہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی التی یفتتح بھا الصلوٰۃ ثم لا یر فعھما فی شیء من الصلوٰۃ (موطاامام محمد ص۵۵)

ترجمہ:- حضرت علی ﷺ نماز کی ابتدائی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر ساری نماز میں کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۴۔عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبد اللہ واصحاب علی ﷺ لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ ثم لا یعودون (ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۲۱) اسنادہ صحیح جلیل (الجواہر النقی ج ا ص ۱۳۹) اسنادہ صحیح جلیل۔

محدث ابو اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے (سینکڑوں) ساتھی اور حضرت علی ﷺ کے (ہزاروں) ساتھی وہ سب پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

۲۵۔عن ابی بکر بن عیاش قال ما رأیت فقیھا قط یفعلہ یرفع یدیہ فی غیر التکبیرۃ الاولی (طحاوی شریف ج ا ص ۱۳۴)

ترجمہ:- محدث ابوبکر بن عیاش (پیدائش ۱۰۰ھ وفات ۱۹۳ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے (خیر القرون میں) کسی بھی دین میں سمجھ رکھنے والے کو کہیں بھی پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ رسول پاک ﷺ خلفائے راشدین ﷺ، اکابر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔

نیز ان روایات سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں کسی مسجد میں نماز میں رفع یدین کرنے والا کوئی آدمی نظر نہ آتا تھا۔

خلفائے راشدین ﷺ، اکابر صحابہ و تابعین و تبع تابعین رفع یدین کی روایت کو بالکل متروک العمل سمجھتے تھے۔

۲۶۔ عن براء بن عازب ﷺ ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیہ اذا

افتتح الصلوٰة ثم لا یرفعهما حتی ینصرف (المدونۃ الکبری ج ۱ ص ۶۹، ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۲۱)

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۲۷۔عن براء بن عازب رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کبر لا فتتاح الصلوٰة رفع یدیه حتی یکون ابهاماه قریبا من شحمتی اذنیه ثم لا یعود (طحاوی ج ۱ ص ۱۳۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۷۶، دارقطنی ج ۱ ص ۱۱۰، عبدالرزاق)

ترجمہ:- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لئے پہلی تکبیر کہتے تو اپنے کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھاتے پھر ساری نماز میں دوبارہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

۲۸۔قاضی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جو اس حدیث کے مرکزی راوی ہیں وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۷)

۲۹۔حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کوفہ میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی رفع یدین والی روایت بیان کی تو حضرت امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا۔

ما ادری لعله لم یر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی الا ذلك الیوم فحفظ هذا منه و لم یحفظ ابن مسعود و اصحابه ما سمعته من احد منهم انما کانوا یرفعون ایدیهم فی بدء الصلوٰة حین یکبرون (موطا امام محمد ص ۵۴)

ترجمہ:- میں نہیں جانتا کہ شاید حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس رفع یدین کو یاد رکھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ (جو ہمیشہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے تھے) ان میں سے کسی ایک نے بھی اس مسئلہ کو یاد نہ رکھا، میں نے ان میں سے کسی ایک شخص سے بھی رفع یدین کا مسئلہ سنا تک نہیں، وہ تو صرف پہلی ہی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں نہ کوئی رفع یدین کرتا تھا۔ بلکہ عمل کرنا تو کجا صحابہ وتابعین نے کبھی یہ مسئلہ سنا نہ تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ:

۳۰۔فذکرت ذلك لابراهيم فغضب قال رآه هو و لم يره ابن مسعود رضی اللہ عنہ و لا اصحابه (طحاوی ج ا ص ۳۱۲)

یعنی جب میں نے رفع یدین کی روایت بیان کی تو علامہ ابراہیم نخعیؒ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ (عجیب بات ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ جو صرف ایک آدھ دن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے) انہوں نے تو رفع یدین دیکھی اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو ساری عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے) انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔

۳۱۔حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی رفع یدین والی روایت حضرت ابراہیم نخعیؒ کے سامنے بیان فرمائی تو آپ نے فرمایا:

فان وائل رضی اللہ عنہ رآه مرة يفعل ذلك فقد رآه عبد الله رضی اللہ عنہ خمسين مرة لا يفعل ذلك (طحاوی ج ا ص ۳۱۶)

حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ یہ کرتے دیکھا جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پچاسوں مرتبہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

۳۲۔ حماد عن ابراهيم انه قال فی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اعرابی لم يصل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوة قبلها قط أهو اعلم من عبد الله و اصحابه رضی اللہ عنہم حفظ و لم يحفظوا يعنی رفع اليدين (مسند امام اعظم ص ۱۱۹)

ترجمہ:- امام حماد فرماتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ایک دیہاتی بزرگ تھے انہوں نے ایک آدھ دفعہ کے علاوہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی کیا وہ (حاضر باش) صحابہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ (خلفائے

راشدین ﷺ) سے زیادہ بڑے عالم تھے کہ انہوں نے تو رفع یدین کو یاد رکھا اور ان اکابر نے یاد نہ رکھا۔

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ

۳۳۔فقال هو اعرابی لا یعرف الاسلام لم یصل مع النبی ﷺ الا صلوة واحدة وقد حدثنی من لا احصی عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ انه رفع یدیه فی بدء الصلوٰة فقط وحكاه عن النبی ﷺ و عبد الله عالم بشرائع الاسلام و حدوده متفقد لاحوال النبی ﷺ ملازم له فی اقامته واسفاره وقد صلی مع النبی ﷺ ما لا یحصی (ص ۱۱۹، ۱۲۰ مسند امام اعظم)

فرمایا آپ (حضرت وائل رضی اللہ عنہ) ایک دیہاتی تھے جو اسلام سے پورے واقف نہ تھے آپ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف ایک نماز ادا کی اور مجھے ان گنت لوگوں نے حدیث سنائی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اور نماز کا یہی طریق آنحضرت ﷺ سے حکایت فرماتے تھے اور حضرت عبداللہ اسلامی شرائع اور حدود کے پورے عالم تھے اور آنحضرت ﷺ کے احوال کی جستجو فرمانے والے تھے۔آپ رسول پاک ﷺ کے ہمیشہ ساتھ رہنے والے تھے اور سفر وحضر میں حضور ﷺ کے ساتھی تھے اور آپ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بے شمار نمازیں ادا فرمائیں۔

حضرت الامام ابراہیم نخعیؒ تابعین میں مرجع الخلائق تھے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نمازیں پڑھتے دیکھا، تابعین اور تبع تابعین کو بھی دیکھا آپ خیر القرون کے متعلق چشم دید شہادت دے رہے ہیں کہ نہ کسی کو رفع یدین والی نماز پڑھتے دیکھا نہ سنا، آپ رفع یدین کا یہ مسئلہ سن کر نہایت غضبناک ہوتے اور اسے تواتر عملی کے بالکل خلاف قرار دیتے گو یا رفع یدین کی مثال بالکل ایسی تھی جیسے قرآن پاک کی متواتر قرأت کے خلاف کوئی شاذ قرأت سننے میں آئے تو قابل عمل نہ ہوگی۔

۳۴۔ عن ابن مسعود انه كان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة (موطا امام

محمد ص ۵۵)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

۳۵۔حماد عن ابراھیم النخعی قال لا ترفع یدیك فی شیء من الصلوٰۃ بعد التکبیرۃ الاولی (موطا امام محمد ص ۵۴)

ترجمہ:- حماد سے روایت ہے کہ حضرت امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے تھے نماز کی پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کر۔

۳۶۔ عن عباد بن الزبیر ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه اول الصلوٰۃ ثم لم یرفعهما فی شیء حتی یفرغ رواہ البیهقی (زیلعی ج ۱ ص ۴۰۴)

ترجمہ:- حضرت عباد بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

۳۷۔ عن ابی جعفر القاری و نعیم المجمر عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنہ انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ ویکبر فی کل خفض ورفع ویقول انی اشبهکم بصلوٰۃ رسول اللہ ﷺ۔ اخرجه ابن عبدالبر فی التمهید (بحوالہ نیل الفرقدین ص ۱۲۳)

ابو جعفر قاری اور نعیم المجمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے اور ہر رفع و خفض میں صرف اللہ اکبر کہتے تھے اور فرماتے تھے میں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھتا ہوں۔

۳۸۔عن علی بن الحسین قال کان النبی ﷺ یکبر فی الصلوٰۃ کلما خفض ورفع فلم تزل تلك صلوٰته حتی لقی اللہ تعالیٰ (موطا امام مالک ص ۷۳)

امام زین العابدین سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نماز میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے، سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہتے تھے (رفع یدین نہ کرتے تھے) اور آپ ایسی ہی نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ خدا تعالیٰ سے جا ملے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کی آخری عمر کی نمازیں بغیر رفع یدین کے ہوتی تھیں وہوالمطلوب۔

غیر مقلدین کا سہارا جھوٹی روایت ہے:

ایک جھوٹی حدیث غیر مقلدین بھی بیہقی کے حوالہ سے رفع یدین کے بارے میں پیش کرتے ہیں کہ فما زالت تلك صلوته حتی لقی اللّٰہ تعالیٰ کہ آپ آخر عمر تک رفع یدین والی نماز پڑھتے رہے لیکن یہ بالکل جھوٹی روایت ہے اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن قریش ہے۔ علامہ سلیمانی فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا (میزان الاعتدال)

اس سند کا دوسرا راوی عصمہ بن محمد الانصاری ہے اس کے متعلق امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں۔ کذاب یضع الحدیث بڑا جھوٹا تھا اور جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ علامہ عقیلی فرماتے ہیں کہ وہ باطل حدیثیں روایت کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال) ایسی جھوٹی حدیث کو بیان کرنا بھی بالکل حرام ہے۔

اگر کوئی غیر مقلد اس حدیث کو صحیح ثابت کردے تو ہم اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے، ہے کوئی مرد میدان جو ہمت کرے؟ دیدہ باید۔

آپ حیران ہوں گے کہ جس مسئلے پر آج ہر مسجد میں فتنہ وفساد کا جہنم گرم کیا جارہا ہے، اس پر فریق مخالف کے پاس نہ کتاب اللہ سے کوئی دلیل ہے نہ سنت قائمہ سے اس لئے غیر مقلدین پہلے تو چیلنج بازی کرتے ہیں اور جب بحث ومناظرہ کا موقع آئے تو گرگٹ کی طرح ایسے عجیب رنگ بدلتے ہیں کہ:

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

کتمان حق:

سب سے پہلے تو یہ یاد رکھیں کہ غیر مقلدین کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ دلائل تو کیا بیان کریں گے اپنا اصل مسلک بھی لوگوں کے سامنے صحیح بیان نہیں کرتے ان کا

اصل مسلک، جس پر یہ آج کل عمل پیرا ہیں، یہ ہے۔

(الف) پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانے سنت مؤکدہ ہیں، حضور ﷺ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین خلاف سنت ہے، حضور ﷺ نے کبھی یہاں رفع یدین نہیں کی۔

(ب) رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے، حضور ﷺ ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے، حضور ﷺ نے کبھی یہ رفع یدین نہیں کی۔

یہ ہے غیر مقلدین کا اصل دعویٰ لیکن غیر مقلد مناظروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ موت کو تو قبول کرتے ہیں مگر یہ دعویٰ کبھی لکھ کر نہیں دیتے۔

سنت سے بغاوت:

شریعت اور قانون عدالت کا یہی اصول ہے کہ گواہ اور دلیل مدعی سے طلب کی جاتی ہے نہ کہ منکر سے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے البینة علی المدعی الحدیث کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہے مگر غیر مقلد اس کے خلاف رفع یدین کے انکار کرنے والوں سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہمارا چیلنج ہے کہ غیر مقلدین ایک حدیث ایسی پیش کریں جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہو کہ انکار کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ کرو تو ہم غیر مقلدین کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیں گے یا اس خلافِ سنت طریق بحث سے توبہ کریں۔

عقل و نقل سے انحراف اور مرزا قادیانی کی تابعداری:

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پہلے تو یہ ہی غلط تھا کہ انکار کرنے والے سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے لیکن غیر مقلدین نے خلاف اصول دلیل خاص کا مطالبہ شروع کر دیا۔

شریعت و عدالت کے موافق مدعی سے صرف دلیل و گواہ کا مطالبہ ہوتا ہے اور مدعٰی علیہ کو اس گواہ اور دلیل پر جرح کا حق ہوتا ہے، اگر جرح نہ ہو سکے تو دعویٰ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

لیکن گواہ خاص کا مطالبہ نہیں ہوسکتا کہ خاص صدر یا وزیر اعظم یا کمشنر یا ڈی سی صاحب آکر گواہی دیں تو ہم مانیں گے ورنہ نہیں مانیں گے، اگر یہ انداز اختیار کیا جائے تو کوئی عدالت اپنا کام نہیں کرسکتی نہ ہی دنیا میں کوئی مقدمہ کامیاب ہوسکتا ہے۔

اسی طرح مدعی کے ذمہ دلیل شرعی ہے خواہ وہ آیت محکمہ پیش کرے یا سنت قائمہ یا فریضہ عادلہ یعنی اجماع وقیاس۔

مدعی سے خاص دلیل کا مطالبہ کرنا کہ یہ خاص قرآن سے دکھاؤ یا خاص ابو بکر، عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی حدیث دکھاؤ یا خاص فلاں فلاں کتاب سے دکھاؤ یہ محض دھوکا اور فریب ہے کتاب وسنت نے دلیل خاص کی ہرگز پابندی عائد نہیں کی، ان پڑھ لوگوں سے اس قسم کی شرائط پر دستخط لئے جاتے ہیں جو شرعاً باطل ہوتی ہیں۔ یہ خالص مرزا قادیانی کی سنت ہے افسوس کہ غیر مقلدین نے بھی مرزا کی سنت پر دھونی رمالی ہے۔

انعامی چیلنج:

مرزا قادیانی اس پرفریب طریق کا بانی ہے کہ کچھ خود ساختہ شرطیں لگا کر سوال بنایا اور موافق شرائط جواب دینے پر انعام کا وعدہ کرلیا غیر مقلدین نے بھی مرزا جی کی تقلید شخصی میں اس انداز کو اپنایا ہے اور ان پڑھ لوگوں پر رعب جمانے کے لئے یہ فریب کاری کرتے ہیں۔

چونکہ غیر مقلد اس اصول پر بہت نازاں ہیں اس لئے ان کے غرور کو خاک میں ملانے کے لئے ہم بھی الزاماً یہ انداز اختیار کریں گے۔

ترتیب دلائل:

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں مجتہد کے لئے دلائل کی ترتیب یہ آئی ہے۔(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجتہاد مجتہد۔

آپ یقین جانیں کہ غیر مقلدین کتاب اللہ سے ایک بھی آیت محکمہ پیش نہیں کر سکتے جو ان کے دعویٰ کے مطابق ہو۔

رفع یدین کے مسئلہ میں غیر مقلدین نے ترقی کر کے اس کے واجب ہونے کا دعویٰ کیا جیسا کہ ''مسئلہ رفع یدین'' (جو پروفیسر عبداللہ نے لکھ کر علامہ قادر بخش کے نام سے شائع کیا ہے) کے ص ۱۰۵ پر تحریر ہے کہ یعنی رفع یدین واجب ہے''۔

پس حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کے موافق پہلے قرآن کریم کی کوئی آیت ایسی پیش کریں جس سے رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا وجوب ثابت ہو اور سجدہ میں جاتے اٹھتے وقت اسی طرح دوسرے انتقالات میں رفع یدین جائز ہو۔

سنت قائمہ:

آپ حیران ہوں گے یہ مسئلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے تیئیس ۲۳ سالہ دور نبوت میں ایک منٹ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر نہیں آیا۔ آپ نے مبارک زبان سے جب بھی ارشاد فرمایا تو یہی فرمایا کہ نماز کی پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرو اور نماز کے اندر کسی جگہ بھی رفع یدین نہ کرو۔ لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی یہ نہ فرمایا کہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرو اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین نہ کرو، رکوع کے شروع و آخر میں رفع یدین کرو اور سجدہ کے شروع اور آخر میں رفع یدین نہ کرو۔

اگر کوئی غیر مقلد ہمت اور جرأت کر کے صرف ایک، صرف ایک اور صرف ایک ہی قولی حدیث پیش کر دے جس میں ان کا مدعٰی بطورِ نص موجود ہو یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کا حکم ہو اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین سے منع کیا ہو، اسی طرح رکوع کے شروع و آخر میں رفع یدین کا حکم ہو اور سجدہ کے شروع و آخر میں رفع یدین سے منع فرمایا ہو تو ہم مبلغ دس ہزار روپیہ انعام دیں گے اور رفع یدین کرنا شروع کر دیں گے۔ ہے کوئی مرد میدان جو صرف ایک ہی حدیث قولی صحیح صریح سند سے پیش کر کے انعام حاصل کرے؟ دیدہ باید

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

کیا رفع یدین مستحب ہے؟

اگر کوئی غیر مقلد رفع یدین مذکورہ مقامات کی قولی حدیث سے سنت ثابت نہ کر سکے اور قیامت تک نہ کر سکے گا تو کم از کم آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ سے زیر بحث رفع یدین کا اتنا ہی ثواب ثابت کر دے جتنا اشراق کی نماز، تحیۃ الوضو اور مسواک کا ثواب ہے آپ یقین کریں کہ دنیا کا کوئی غیر مقلد آنحضرت ﷺ کے ارشاد عالی سے رفع یدین کی اتنی ترغیب بھی نہیں دکھا سکتا، اگر کسی میں ہمت ہے تو میدان میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے رفع یدین کا مسواک جتنا ہی ثواب ثابت کر دے۔

کفن باندھے ہوئے سر سے
میں صدقے دست قاتل کے
مرے قاتل! نکل گھر سے

قولی و فعلی سنت میں فرق:

عقود دو قسم کے ہوتے ہیں قولی اور فعلی۔ عقودِ قولیہ میں دوام ہوتا ہے جیسے اسلام اور نکاح کہ انسان زبان سے اسلام قبول کرتا ہے اس کا اسلام دائمی ہوتا ہے جب تک کلمہ کفر نہ کہے، اسی طرح نکاح زبانی وعدہ ہے وہ نکاح دائمی ہوتا ہے جب تک طلاق نہ ہو۔ اسی طرح اگر رفع یدین قول رسول ﷺ سے ثابت ہوتی تو دوام ثابت ہو جاتا چونکہ ان کے پاس قولی حدیث نہیں اس لئے دوام ثابت نہیں کر سکتے۔

صرف فعل سے دوام اور سنیّت ثابت نہیں ہوتی:

قول کے مقابلہ میں فعل ذاتی طور پر دوام پر دلالت نہیں کرتا۔ مثلاً (۱) حدیث میں

ہے کان یطوف علی نسآ ٔہ بغسل واحد کہ آنحضرت ﷺ اپنی سب بیویوں کے پاس جاتے اور آخر میں صرف ایک دفعہ غسل فرماتے لیکن حسب تحقیق محدثین یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا لہٰذا نہ سنت ہے نہ مستحب (۲) آنحضرت ﷺ کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا، (۳) حالت جنابت میں سونا، (۴) روزے کی حالت میں ازواج سے بوس و کنار کرنا، (۵) قبلہ کی طرف منہ کر کے قضائے حاجت فرمانا، (٦) نماز میں کن انکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھنا، (۷) وضو کے بعد بیویوں کا بوسہ لینا، (۸) نماز پڑھتے ہوئے دروازہ کھول دینا، (۹) بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا وغیرہ بہت سے افعال آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں مگر نہ ان کو کوئی سنت سمجھتا ہے نہ مستحب، نہ ہی کوئی ان کے دوام کا قائل ہے۔ ساری عمر میں ایک دفعہ بھی اگر کوئی شخص یہ کام نہ کرے تو کوئی اس کو خلاف سنت کا طعنہ نہ دے گا نہ اس کو کوئی مناظرے کا چیلنج دے گا۔

ان افعال کا ایک آدھ دفعہ کرنا تو آنحضرت ﷺ سے یقیناً ثابت ہے لیکن ان کا سنت یا مستحب ہونا بھی یقیناً غلط ہے۔

بالکل یہی حال رفع یدین کا ہے بعض فعلی روایات سے اس کا ایک آدھ مرتبہ کرنا ثابت تو ہے لیکن نہ اس کا سنت ہونا ثابت ہے اور نہ مستحب ہونا۔ یہی بات حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمائی ہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے صرف ایک دفعہ حضور ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا جس سے سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا، سنت وہی ہے جو باقی حاضر باش صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی اور اس پر عمل فرمایا یعنی رفع یدین نہ کرنا۔

فعلی احادیث

فعلی احادیث جو غیر مقلد پیش کرتے ہیں ان میں بھی کسی ایک حدیث میں بھی ان کا مکمل دعویٰ موجود نہیں ہے۔ ہم نے بارہا مناظرہ میں ان کو پرزور چیلنج دیا کہ ایک ہی صحیح صریح فعلی حدیث ایسی دکھادیں جس میں یہ پوری تفصیل ہو کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ہر نماز

میں پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں کبھی ایک دفعہ بھی رفع یدین نہیں کی اور رکوع سے پہلے اور رکوع سے اٹھ کر ہمیشہ ساری عمر رفع یدین کرتے تھے اور سجدہ میں جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ساری عمر میں ایک دفعہ بھی رفع یدین نہیں کی، لیکن آج تک غیر مقلد منہ چھپائے پھر رہے ہیں۔

اس لئے غیر مقلدوں کا حال یہی ہے کہ:

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا

بھان متی نے کنبہ جوڑا

اب ہم غیر مقلدین کے مسلک اور عمل کا نمبر وار جائزہ لیتے ہیں۔

غیر مقلدین کے دعوے کا پہلا حصہ:

غیر مقلدین کے مسلک کا پہلا حصہ یہ ہے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ ہمیشہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اس بارے میں وہ چار روایات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ بخاری ج ۱ ص ۱۰۲ لیکن اس کی سند میں عبید اللہ شیعہ راوی ہے اور ابوداؤد نے اس حدیث کے متعلق فرمایا لیس بمرفوع یعنی یہ رسول پاک ﷺ کی حدیث ہی نہیں ہے نیز اسی سند میں سجدہ کے وقت رفع یدین کا ذکر بھی ہے۔ (جزء بخاری) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں ہمیشگی کا کوئی لفظ نہیں یہی وجہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ خود رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ غیر مقلد ''مدعی سست گواہ چست'' کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

۲۔ ابوحمید ساعدیؓ کی صحیح روایت جو صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱۴ پر ہے اس میں رکوع اور تیسری رکعت کے رفع یدین کا ذکر تک نہیں۔ ابوداؤد کی سند میں عبد الحمید بن جعفر بدعتی، تقدیر کا منکر اور ضعیف راوی ہے اس نے رفع یدین کا اضافہ کیا ہے، غیر مقلد بخاری کی حدیث چھوڑ کر اس جھوٹی روایت پر لٹو ہیں۔ اس میں بھی صرف ایک دفعہ رفع یدین کا ذکر

ہے اور بس۔

۳۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: ان کی صحیح حدیث بخاری ص۱۱۰ پر ہے جس میں رفع یدین کا ذکر تک نہیں لیکن ابوداؤد کی سند میں رفع یدین کا ذکر ہے لیکن راوی ابن جُریج ہے جس نے ۹۰ عورتوں سے متعہ کیا (میزان الاعتدال ج۱ ص۱۵۱)

دوسرا راوی یحیٰی بن ایوب ہے جو ضعیف ہے نیز اس میں سجدہ کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے۔

۴۔حضرت علی رضی اللہ عنہ: ان کی صحیح روایت میں رفع یدین کا ذکر نہیں ہے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ہزاروں ساتھی رفع یدین نہ کرتے تھے البتہ ایک ضعیف روایت جس کا راوی ابن ابی الزناد ہے اس میں رفع یدین کا ذکر ہے۔

خلاصہ: ان چاروں میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ان چاروں ضعیف روایتوں میں بھی ہمیشہ رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں۔ان چاروں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بھی ہمیشہ رفع یدین نہ کرتا تھا۔ان میں سے دو روایتوں میں سجدہ کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے جس پر غیر مقلدین عمل نہیں کرتے۔

دوسرا حصہ:

دعویٰ کا یہ ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں آپ نے کبھی رفع یدین نہیں کی اس بارے میں غیر مقلدین کے پاس ایک بھی صریح حدیث نہیں ہے۔ میں نے کئی بار مناظرہ میں مطالبہ کیا، انعامی چیلنج بھی دیا لیکن آج تک کوئی مائی کا لعل غیر مقلد ایسی صریح حدیث پیش نہیں کرسکا۔

فائدہ: حضرت عبید اللہ بن عمیر رضی اللہ عنہ (ابن ماجہ ص۶۱) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (ابن ماجہ ص۶۲) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (فتح الباری ج۲ ص۱۵۲)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (تلخیص الحبیر)، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (ابوداؤد ج۱ ص۷۵)، حضرت جابر رضی اللہ عنہ (مجمع الزوائد ج۱

ص ۱۸۲) ان چھ روایات کی سندوں کا حال بھی رکوع والی روایات جیسا ہی ہے۔

ان چھ احادیث میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور ماضی استمراری بھی ہے ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کبھار دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کی۔ لیکن غیر مقلدین ان احادیث پر عمل نہیں کرتے، آخر وجہ فرق بتائیں ماضی استمراری بھی ہے۔ متاخر اسلام صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے۔

ہاں ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ روایات متروک العمل ہیں، نہ ان کے راویوں نے ان پر عمل کیا نہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے، نہ خیر القرون میں ان پر عمل ہوا۔ البتہ غیر مقلدین کے اصول پر ان چھ احادیث سے دوسری اور چوتھی رکعت کی ابتداء میں رفع یدین سنت ثابت ہوتی ہے اور ایک بھی حدیث سے صراحۃً ان دو جگہوں میں نہی یا نفی ثابت نہیں۔ تو غیر مقلد ان احادیث کے منکر اور اس سنت کے تارک ہوئے۔

جواب سوچ کر دیں محض عورتوں کی طرح طعنے بازی نہ ہو۔

دعویٰ کا تیسرا حصہ:

یہ ہے کہ رکوع جاتے اور سر اٹھاتے وقت حضور ﷺ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں کے وقت کبھی رفع یدین نہ کی۔ اس حصہ کے متعلق غیر مقلد مالک بن الحویرث، وائل بن حجر کی روایات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں صحابہ آخری عمر میں اسلام لائے انہوں نے حضور ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ آخری عمر تک رفع یدین کرتے رہے مگر اس بارے میں وہ کئی باتیں چھپاتے ہیں۔

ا۔ مالک بن الحویرث کی حدیث کی ایک سند میں ابو قلابہ ہے جو ناصبی مذہب کا تھا اور اس کا شاگرد خالد ہے جس کا حافظہ صحیح نہ رہا تھا۔ دوسری سند میں نصر بن عاصم ہے جو خارجی مذہب کا تھا نیز نسائی نے اس سے سجدہ کی رفع یدین بھی روایت کی ہے تو اب غیر

مقلدین کا آدھی حدیث کو ماننا اور آدھی کو چھوڑنا افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض کا مصداق ہے۔

۲۔ وائل بن حجر کی روایت بھی دو طریق سے ہے، ایک طریق میں سجدہ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے (ابو داؤد ج ا ص ۱۰۷) جس کو غیر مقلد چھپاتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے اس طرح آدھی حدیث کو مانا، آدھی سے روگردانی کی۔

دوسرے طریق میں خود حضرت وائل نے وضاحت فرمادی کہ جب دوسری دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں آیا تو حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے بعد کی کسی رفع یدین کا ذکر نہیں فرمایا (ابو داؤد ج ا ص ۱۰۷) اور کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بھی مستثنیٰ نہ فرمایا۔ گویا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آخر عہد نبوی ﷺ میں رفع یدین کے تارک تھے لیکن غیر مقلد عوام کے سامنے یہ بات بالکل بیان نہیں کرتے۔

فائدہ:

عبید بن عمیر، ابن عباس، ابن عمر، ابو ہریرہ، عبداللہ بن زبیر، مالک بن الحویرث، وائل بن حجر، انس بن مالک رضی اللہ عنہم یہ آٹھ صحابہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سجدہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور صرف ایک روایت میں ہے کہ نہ کرتے تھے یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے اور بوجہ تعارض ساقط ہے۔

باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات پر غیر مقلد عمل نہیں کرتے، یہاں ماضی استمراری بھی ہے اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ اور مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ جیسے متاخر الاسلام راوی بھی ہیں پھر نا معلوم کیا وجہ ہے کہ غیر مقلد رکوع و سجود کی روایات میں کیوں فرق کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ چھ احادیث سے ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ماضی استمراری کے صیغہ سے ثابت ہے گویا چار رکعتوں میں ۲۲ بار مگر غیر مقلد ان احادیث پر عمل نہیں کرتے۔

ایک صحابی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سجدہ کی رفع یدین متعارض آئی ہے۔ ایک روایت

میں ہے کرو اور ایک میں ہے نہ کرو اس لئے وہ ساقط الاعتبار ہوگئی۔

باقی سات صحابہ رضی اللہ عنہم سے سجدہ کی رفع یدین آئی ہے ماضی استمراری بھی ہے۔ اور وائل، مالک بن الحویرث، ابو ہریرہ، جیسے متاخر الاسلام صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی بھی گویا چار رکعات میں ۲۸ مرتبہ رفع یدین سنت ہے مگر غیر مقلد ان روایات پر بھی عمل نہیں کرتے۔

غیر مقلدین سے ایک سوال:

بعض غیر مقلدین سجدہ کی رفع یدین کو سنت کہتے ہیں ابو حفص عثمانی وغیرہ اور عام غیر مقلدین اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ سنت کا منکر بھی لعنتی ہوتا ہے اور غیر سنت کو سنت کہنے والا بھی لعنتی ہوتا ہے اس لئے بتایا جائے دونوں فریقوں میں سے کون سا فریق کتاب وسنت کے مخالف ہے۔

وجوہ ترجیح:

(۱) مذہب احناف سے واقفیت رکھنے والے اشخاص اس سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلک احناف کا یہ اصول ہے کہ جب روایات کسی مسئلہ میں مختلف ہوں تو احناف کثر اللہ سوادھم ان روایات کو لیا کرتے ہیں یعنی معمول بہا قرار دیتے ہیں جو قرآن کریم کے ساتھ مطابقت رکھیں۔

مسئلہ رفع یدین میں بھی وہ روایات جو ترک رفع یدین کو بیان کرتی ہیں وہ قرآن کریم کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے قوموا للہ قانتین۔

(۲) رفع کی بعض قسمیں وہ ہیں جو بالاتفاق متروک ہیں جیسے دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا یہ اس بات پر قرینہ ہے کہ اس میں نسخ واقع ہو چکا ہے لہذا متفق علیہ کو لینا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔

(۳) نماز میں حرکات سے سکون کی طرف انتقال واقع ہوتا رہا ہے جیسا کہ ابتداء اسلام میں نماز میں چلنا پھرنا، بات چیت کرنا، سلام کا جواب دینا جائز تھا۔ جب اس بارہ

میں روایتوں میں تعارض ہوا تو احناف نے ان روایات کولیا جو سکون پر دلالت کرتی ہیں۔

(۴) جب قولی اور فعلی روایات میں تعارض ہو جائے تو قولی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے احناف کی روایات قولی ہیں اور غیر مقلدین کی فعلی۔ لہذا احناف کی تائید کرنے والی روایات راجح قرار پائیں گی۔

(۵) فعلی روایات متعارض ہیں اور قولی روایات تعارض سے خالی ہیں۔ لہذا فعلی روایات کی حُجیت تعارض کی وجہ سے باقی نہ رہے گی اور قولی روایات حجت رہیں گی۔

(۶) ترک رفع کی روایات کے راوی وہ صحابہ ﷺ ہیں جو معمر اور فقیہ تھے اور پہلی صف میں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ بخلاف رفع یدین کے راوی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کہ وہ بچے تھے جو نو عمری کی وجہ سے غزوہ احد میں شرکت سے محروم رہے۔ سب سے پہلے جس جنگ میں یہ شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے۔

(۷) تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مواضع میں رفع یدین کرنا تعارض روایات کی وجہ سے سنیت اور نسخ سنیت میں دائر ہے، اور جب کوئی چیز سنیت اور بدعت میں دائر ہو یعنی اس کے سنت یا بدعت ہونے میں شبہ ہو تو اس کے بدعت ہونے کے پہلو کو راجح قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ مُحرِّم کو مُبیح پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں اس کے بدعت ہونے کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی۔

(۸) ترک رفع یدین کے راوی زیادہ فقیہ ہیں اس لئے ان کی روایات راجح ہیں۔

(۹) رفع یدین نہ کرنے کی روایات واحادیث پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل ہے اس لئے وہ راجح ہیں۔

(۱۰) رفع یدین نہ کرنے کی احادیث پر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا متواتر عمل ہے، اس لئے وہی راجح ہیں۔ تلك عشرة كاملة

اللہ تعالیٰ سنت قائمہ پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام والمسلمین

پیر بدیع الدین شاہ راشدی (المعروف پیر جھنڈا) سے

رفع یدین اور قراءۃ خلف الامام پر تحریری گفتگو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرم ومحترم جناب پیر بدیع الدین شاہ صاحب المعروف پیر جھنڈا

وعلیکم السلام! آپ کی طرف سے جواب موصول ہوا۔ دل نہیں مانتا کہ جواب جناب نے خود لکھا ہوگا، کیونکہ آپ کی شخصیت کے لحاظ سے یہ مہمل جواب کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

(۱) حدیث ابن مسعودؓ بطریق محمد بن جابر کو امام بخاریؒ نے جزء رفع یدین میں ذکر فرمایا ہے اور دو جواب دیئے ہیں: (۱) **حدیث الثوری اصح عند اھل العلم**، جس کا مفاد یہ ہے کہ حدیث ابن مسعودؓ جو ثوری کے طریق سے ہے، جو میرے پرچہ میں نمبر ے پر ہے، اصح ہے۔ مگر آپ نے امام بخاریؒ کے اس فیصلہ سے بغاوت کی ہے اور یہیں سے پتہ چلا کہ ثوری کا طریق محمد بن جابر کے طریق کے مقابلہ میں اصح ہے، تو محمد بن جابر کا طریق صحیح ہوا۔ اصح کا مقابلہ موضوع سے کرنا علمی بے مائیگی نہیں تو اور کیا ہے؟

(۲) امام بخاریؒ کے فیصلہ سے بغاوت کر کے خود اُصول حدیث کے مطابق اس کی پرکھ شروع کی، مگر میزان الاعتدال اور تہذیب التہذیب کی عبارات نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا، جو آپ کے علمی وقار کو زیبا نہیں ہے۔

(۳) معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اصول حدیث اور فن حدیث کسی صحیح اور پختہ کار محدث

سے حاصل نہیں کیا، ورنہ اس قسم کے کچے جوابات نہ لکھتے۔ محمد بن جابر پر جرح کرتے وقت اصول حدیث کو آپ نے بالکل بالائے طاق رکھ دیا۔ راوی کے ثقہ ہونے کے لئے بنیادی طور پر دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ عادل ہو اور ضابط ہو۔ محمد بن جابر کی عدالت پر کوئی جرح نہیں، ضبط پر صرف یہ جرح ہے کہ آخر عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ خود آپ نے بھی یہی لکھا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس کی پہلے زمانے کی حدیثیں بالکل صحیح ہیں۔ اس سند میں راوی اسحاق بن ابی اسرائیل ہے جس کا مبسوط ترجمہ تذکرۃ الحفاظ ج ۲، ص ۴۸۴ پر ہے۔ یہ جس زمانہ میں ... بن جابر سے روایت کرتا تھا اُس وقت اس کے حافظہ کا حال خود اس کی زبانی سن لیجئے: علامہ زیلعی فرماتے ہیں: **فاحسن منه قول ابن عدی کان اسحاق بن ابی اسرائیل یفضل محمد بن جابر علی جماعة شیوخ هم افضل منه واوثق وقد روی عنه الکبار ایوب وابن عون وهشام بن حسان والثوری والشعبة وابن عیینة وغیرهم** (نصب الرایہ ج۱، ص ۳۹۷) اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث اسحاق بن ابراہیم نے اُس دور میں روایت کی ہے جب اس کا حافظہ شعبہ اور سفیانین سے بھی افضل تھا۔ اُس دور کی حدیث کو آپ کس اصول سے ضعیف کہہ سکتے ہیں۔

(۴) شاہ صاحب! نہایت افسوس سے عرض کر رہا ہوں کہ آپ نے اپنی کتاب جلاء العینین (ص ۱۸۸، ۱۸۹) پر اس حدیث کو دارِ قطنی کی سند سے نقل کیا ہے، مگر دارِ قطنی میں اسحاق بن ابی اسرائیل کا جو قول **تھابه ناخذ** کہ ہم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، اس کو آپ نے نقل نہیں کیا۔ افسوس کہ آپ کو **لا دین لمن لا دیانة له** پیش نظر نہ رہی۔ اسحاق بن ابی اسرائیل راوی حدیث نے محمد بن جابر کی بھی توثیق کی اور اس حدیث پر خیر القرون کے تعامل سے بھی اس کی تائید کر دی۔ مگر آپ نے ازراہِ تعصب ان باتوں کو ظاہر نہیں کیا۔

(۵) جناب نے جلاء العینین کے حاشیہ سے مولوی ارشاد الحق اثری کے یہ حوالے بھی نقل کیے ہیں کہ ابن الجوزی، قیرانی، شوکانی وغیرہ نے اس کو موضوع کہا ہے۔ شاہ صاحب! ان کا یہ قول بے دلیل ہے اور **اخذ قول الغیر بلا حجة** تقلید کی تعریف ہے۔ آپ اس پر ایمان لا کر شرک تقلیدی میں گر پڑے ہیں۔ کسی نے کہا ہے:

آنچہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

(٦)　دوسری روایت ابن الزبیرؓ کا جواب دیا ہے کہ بے سند ہے اور مولانا عبدالحیٔ نے ایک اُمتی کے قول کو نقل کر کے پھر شرک تقلیدی سر پر رکھ لیا ہے۔ شاہ صاحب! ایسی حدیث کو اصول حدیث میں تعلیق کہتے ہیں۔ آپ لوگ تعلیقات بخاری کو حجت مانتے ہیں تو تعلیقاتِ فقہاء کو کیوں حجت نہیں مانتے، جب کہ فقہاء کا درجہ محدثین سے بلند ہے۔ شاہ صاحب! غیر معصوم اُمتیوں کو چھوڑیں۔ نبی معصوم ﷺ سے کوئی حدیث نقل فرمائیں کہ صحیح بخاری کی تعلیقات حجت ہیں، مگر فقہاء کی تعلیقات حجت نہیں۔ آپ کا اپنی جماعت پر بڑا احسان ہوگا۔

(٧)　اس کے معارضہ میں آپ نے جزء رفع یدین بخاری کا اثر مولانا عبدالحیٔ کے حوالے سے لکھا ہے، حالانکہ آپ کو جزء رفع یدین سے لکھنا تھا۔ یہ اثر جلاء العینین ص ١٣٥ پر ہے۔ اس کی سند میں آپ نے پہلی خیانت تو یہ کی ہے کہ مطبوعہ جزء رفع یدین میں (الف) پہلا راوی مقاتل تھا۔ آپ نے محمد بن مقاتل بنا ڈالا، جو نہایت افسوس ناک حرکت ہے۔ (ب) اس کا استاد عبداللہ ہے جس کے باپ کا نام معلوم نہیں۔ اس کے طبقہ میں کئی عبداللہ ہیں۔ بعض ثقہ، بعض ضعیف، آپ اس کی تعیین سند سے دکھائیں۔ (ج) اس کی سند کا راوی شریک ہے۔ ذرا میزان الاعتدال سے اس کا ترجمہ بھی لکھ بھیجیں۔ (د) اس سند میں لیث ہے۔ ذرا اس کا حال بھی میزان الاعتدال سے لکھ بھیجیں۔ (ہ) دوسری سند ص ٦٢ جلاء العینین پر ہے، وہاں بھی سند میں شریک اور لیث ہیں۔

(٨)　اس کے معارضہ میں آپ نے عبدالرزاق کا قول بھی پیش کیا ہے جو ابن جریج کے حوالہ سے ہے۔ یہ ابنِ جریج وہی ہے جس نے مکہ میں رفع یدین بھی شروع کی اور نوے عورتوں سے متعہ بھی کیا۔ آپ نے نہ تو ابن جریج کا متعہ والا مسئلہ لیا اور رفع یدین کا مسئلہ بھی آدھا لیا، کیونکہ وہ عطا سے سجدہ کی رفع یدین بھی روایت کرتا ہے۔ دیکھو اپنی کتاب جلاء العینین ص ٢٢۔

شاہ صاحب! ؎ در کفر ہم ثابت نئ زنار را رسوا مکن

(۹) آپ نے ابوداؤد کے حوالہ سے جو حدیث معارضہ میں نقل کی ہے اس میں میمون مکی نے کیا ہی صاف بات کہی ہے کہ میں نے ابن زبیر کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا کہ کسی کو ایسی رفع یدین والی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ عہد صحابہ و تابعین میں مکہ مکرمہ میں رفع یدین والی نماز کو کوئی نہ جانتا تھا۔ جیسے کوئی شاذ قرأت پڑھتا تو لوگ اعتراض کرتے۔ ایسے ہی رفع یدین پر عمل جاری نہ تھا اور ترک رفع یدین عہد صحابہ و تابعین میں تعاملاً متواتر تھی اور رفع یدین شاذ یا منکر۔ شاہ صاحب! آپ کی پیش کردہ روایت نے ثابت کر دیا ہے کہ مکہ والے خیر القرون میں رفع یدین والی نماز کو جانتے بھی نہ تھے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعاں کا

(۱۰) حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے ابوبکر بن عیاش کو ضعیف کہہ دیا ہے، حالانکہ ابوبکر بن عیاش صحیح بخاری کا راوی ہے۔ امام بخاری نے ص ۱۸۶، ج ۱؛ ص ۲۳۲، ج ۱؛ ص ۲۶۰، ج ۱؛ ص ۲۶۳، ج ۱؛ ص ۲۷۴، ج ۱؛ ص ۴۹۶، ج ۱؛ ص ۶۵۵، ج ۲؛ ص ۷۲۵، ج ۲؛ ص ۷۴۸، ج ۲؛ ص ۸۸۹، ج ۲؛ ص ۹۰۳، ج ۲؛ ص ۹۵۲، ج ۲؛ ص ۹۵۴، ج ۲؛ ص ۹۶۳، ج ۲ پر اس کی حدیث نقل کی ہے۔ آپ نے اس راوی پر جرح کر کے بخاری پر جرح کی ابتداء کی ہے۔ براہِ نوازش جلد اعلان کرو کہ ہم بخاری کی ان سب احادیث کو جھوٹا مانتے ہیں۔

(۱۱) آپ نے اصولِ حدیث سے ہٹ کر ربیع، لیث، طاؤس، سالم، نافع، ابوزبیر، محارب بن دثار کو ابوبکر عیاش کے مخالف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ ان سب کا اُستاد اس حدیث میں ایک نہیں۔ کیا آپ ایک ہی سند دکھا سکیں گے کہ یہ آٹھوں ایک استاد کے شاگرد ہیں، ہرگز نہیں۔ پھر مخالفت ثقات کا قاعدہ کسی محدث سے دوبارہ پڑھیں۔

(۱۲) تعجب ہے کہ صحیح بات آپ کو کیوں سمجھ نہیں آئی۔ پہلے ساتوں شاگرد ابن عمرؓ کے ہیں۔ ان میں سے چھ شاگرد اس رفع یدین کی حدیث کو موقوفاً بیان کرتے ہیں اور اکیلا سالم مرفوعاً بیان کرتا ہے، تو ابن عمرؓ کی رفع یدین والی حدیث کا مرفوع ہونا مخالفت ثقات کی وجہ سے غلط ہے۔

(۱۳) آپ نے ابن عمرؓ کی پتھر مارنے والی روایت کا ذکر کیا ہے۔ اس روایت کا مدار ولید بن مسلم پر ہے۔ اس میں ولید بن مسلم کے تین شاگرد ہیں۔ امام احمد، عیسیٰ بن ابی عمران اور الحمیدی۔ امام احمد کی روایت جو اثرم نے نقل کی ہے، اس میں صرف **لا یرفع یدیه** کا لفظ ہے۔ محل مذکور نہیں۔ امام احمد سے جب عبدالرزاق (جو مائل التشیع ہے) نے روایت کی تو اپنی طرف سے تشریح کرتے ہوئے **لا یرفع یدیه** کے بعد **فی الصلوٰة** ملا دیا۔ عیسیٰ بن ابی عمران نے اپنی طرف سے **یرفع یدیه** کی تشریح **کلما خفض و رفع** سے کردی۔ (مسند حمیدی ص ۲۷۷، ج ۲؛ دار قطنی ص ۲۸۹، ج ۱) امام بخاریؒ نے اس کو حمیدی سے ہی نقل کیا مگر متن کو بالکل بدل دیا اور تشریح **اذا رکع و اذا رفع** سے کردی۔ اب اصلی روایت میں تو کوئی تشریح نہیں تھی۔ اس سے آپ کا استدلال صحیح نہیں اور اگر تشریحات کو لینا ہے تو آپ خود بھی پتھر کھانے کے لئے تیار رہیں، کیونکہ **کلما خفض و رفع** میں سجدہ میں جانا اور اٹھنا اور دوسری اور چوتھی رکعت میں اٹھنا بھی شامل ہے۔ آج ہی کسی شیعہ کو ہر مسجد میں ملازم رکھیں جو آپ کو سجدوں اور دوسری، تیسری، چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین نہ کرنے کی وجہ سے پتھر مارا کرے۔ ورنہ ہم سمجھیں گے کہ دیگراں را نصیحت خود میاں فضیحت۔

(۱۴) نمبر ۴ کے جواب میں جان چھڑائی ہے، حضرت ابو بکرؓ کی حدیث دیکھیں اور ترجمہ میں شبہ ہو تو فتاویٰ ستاریہ جلد اول کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مؤطا والی روایت جو مالک عن نافع عن ابن عمر کی سنہری سند سے ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: **ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنه کان اذا سئل هل**

یقرأ احد خلف الامام قال اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبه قرأة الامام و اذا صلی وحده فلیقرأ و قال و کان ابن عمرؓ لا یقرأ خلف الامام (مؤطا ص۲۹)

نمازی تین ہی قسم کے ہوتے ہیں: منفرد، امام، مقتدی۔ منفرد بھی فاتحہ و سورت پڑھتا ہے، امام بھی فاتحہ و سورت پڑھتا ہے۔ یہی امام کی قرأۃ (فاتحہ و سورت) مقتدی کے لئے کافی ہے اور یہی قرأۃ فاتحہ و سورت ابن عمرؓ امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے۔ آپ نے جو اس کی معنوی تحریف کی ہے تو اس روایت میں منفرد اور امام کے لئے بھی قرأۃ کا لفظ ہے، وہاں بھی سورت ہی مراد لو۔ فاتحہ کو امام و منفرد کی نماز سے بھی خارج کر دو۔ خود مؤطا ص ۲۷ پر ابن عمرؓ سے قرأۃ کی تشریح فاتحہ اور سورت سے موجود ہے۔ وہ بھی یہی سنہری سند ہے اور مؤطا امام مالک ص ۴ پر اسی سنہری سند سے ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: اذا فاتتک الرکعة فاتتک السجدة. جس کا مطلب یہی ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے اور مدرک رکوع نے نہ فاتحہ پڑھی نہ سورت اور نہ ہی امام کی فاتحہ سنی اور نہ سورت سنی۔ کیا آپ اسی سنہری سند سے حضرت ابن عمرؓ کا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ثابت کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ ولو کان بعضکم لبعضٍ ظھیرًا.

(۱۶) ہمارے نزدیک حضرت عبداللہ بن عمرؓ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے، نہ ہی امام کے پیچھے فاتحہ و سورت پڑھتے تھے اور رکوع والی رکعت کو پورا شمار کرتے تھے۔ آپ فرمائیں اگر کوئی شخص مثلاً ابن عمرؓ رفع یدین کریں مگر امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھیں اور رکوع والی رکعت کا شمار کر لیں تو آپ کے مذہب پر تو رفع یدین کرنے کے بعد بھی معاذ اللہ بے نماز ہی رہے۔

(۱۷) آپ کی خاطر تھوڑی سی تفصیل کرتا ہوں۔ اگرچہ ہدایت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ تعالیٰ ضدیوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأۃ یہود کا دستور تھا۔ قرآن کی آیت و اذا قرئ القرآن نے آکر اس حکم کو

منسوخ کر دیا (الدر المنثور) آپ میں اگر علمیت ہے تو آپ بھی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ایسی پیش فرمائیں کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنا یہود کا شیوہ تھا، فلاں آیت نے آکر اس کو منسوخ کیا اور پڑھنے کو فرض قرار دیا۔ لیکن:

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

(۱۸) کتاب القرأۃ بیہقی میں حضرت ابن عمرؓ سے چھ سندوں سے مرفوع حدیث موجود ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ آپ ایک ہی سند پیش کریں کہ ابن عمرؓ نے مرفوع حدیث بیان فرمائی ہو کہ امام کے پیچھے فاتحہ فرض اور سورت حرام ہے۔ ہاں یاد رکھنا کسی کتاب میں ابن عمرو کو غلطی سے ابن عمر لکھا گیا ہو تو اس کو غلطی ہی سمجھنا۔

(۱۹) آپ نے سنہری سند کے معارضہ میں جو دو روایتیں نقل کی ہیں پہلی روایت میں تو مقتدی کا ذکر ہی نہیں۔ کسی بھوکے سے کسی نے پوچھا تھا دو اور دو؟ اس نے کہا چار روٹیاں۔ اس مثال کو آپ نے پورا کر دیا ہے۔ دوسری روایت کے راویوں ابو جعفر اور یحییٰ البکار کا ترجمہ ذرا میزان الاعتدال سے نقل فرمائیں اور اپنی علمیت کا ماتم کریں کہ سنہری سند کے مقابل ایسی سندوں کو لاتے ہو۔ تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

(۲۰) آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور دلیل دے رہے ہیں: ما کانوا یرون باسا۔ (کوئی حرج نہیں، جانتے تھے) کیا اس کلمہ سے فرضیت ثابت ہوتی ہے؟ شاید اس کے استدلال کا یہی حال رہا تو حدیث لا باس ببول ما یوکل لحمہ (ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب پینے میں کوئی حرج نہیں) سے حلال جانوروں کے پیشاب کا پینا بھی آپ فرض ثابت کر دیں گے۔

(۲۱) آپ کی اس روایت کو اگر صحیح مان لیا جائے تو معلوم ہو گیا کہ صحابہؓ میں ایک بھی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی فرضیت کا قائل نہ تھا۔ آپ کو دعویٰ اور دلیل کی مطابقت کا بھی علم نہیں۔

معشوق ما خورد سال است ناز نداند ہنوز
دست چپ از دست راست باز نداند ہنوز

(۲۲) امام کے پیچھے فاتحہ کے فرض ہونے اور ما زاد علی الفاتحہ کے حرام ہونے پر آپ کوئی قرآن کی آیت پیش نہیں کر سکے، نہ کوئی حدیث متواتر صحیح پیش کر سکے ہیں۔ بلکہ بخاری مسلم سے کوئی صحیح صریح خبر واحد بھی پیش نہیں کر سکے۔ نسائی، ابوداؤد اور ترمذی سے ایک روایت پیش کی ہے، (الف) مگر نسائی میں یہ جملہ سرے سے موجود ہی نہیں کہ جو مقتدی فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ آپ نے نسائی پر جھوٹ بولا ہے۔ (ب) اس کی سند میں نافع بن محمود ہے۔ ذرا اس کے بارہ میں بھی میزان الاعتدال دیکھ لیتے تو طبیعت صاف ہو جاتی کہ اس راوی نے یہی ایک حدیث بیان کی ہے اور وہ بھی معلول ہے۔ یہ راوی لا یعرف ہے۔ آخر آپ کتمانِ حق کیوں کرتے ہیں۔ (ج) پھر اس کے بعد متصلاً امام نسائی باب باندھتے ہیں: باب تاویل قولہ تعالٰی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا لعلکم ترحمون اور واذا قرئ جو مجہول کا صیغہ ہے، اسکی وضاحت صحیح حدیث سے فرمارہے ہیں۔ اذا قرأ فانصتوا یعنی آیت میں آنحضرت ﷺ کے نزدیک واذا قرئ کا مخاطب امام ہے اور حکم انصتوا کے مخاطب مقتدی ہیں۔ اور اس آیت اور حدیث کو امام نسائی حدیث عبادہ کے بعد لا کر بتا رہے ہیں کہ جس قرأت کا ذکر حدیث عبادہ میں تھا، یعنی فاتحہ پڑھنے کا، وہی قرأت یعنی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا اس آیت اور حدیث سے منسوخ ہوا ہے۔ بعض جاہل لامذہب کہا کرتے ہیں کہ فاتحہ اس سے مستثنٰی ہے۔ تو یاد رہے کہ مستثنٰی، مستثنٰی منہ کے بعد ہوتا ہے۔ اگر ان کی بات صحیح ہوتی تو امام نسائی آیت اور اذا قرأ فانصتوا کو پہلے لاتے اور حدیث عبادہ کو بعد میں، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تو آپ کا مسئلہ تو ثابت نہ ہوا۔

(۲۳) آپ نے ابوداؤد شریف کا ذکر کیا ہے، وہاں بھی یہ خیانت کی ہے کہ ابوداؤد کی مکمل بحث کو نقل نہیں کیا۔ اس حدیث کا دارومدار مکحول پر ہے۔ مکحول کے چھ شاگرد ہیں، جن میں سے چار اس کو مکحول عن عبادہ مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ پانچواں شاگرد مکحول عن نافع عن

عبادہ ذکر کرتا ہے اور یہ نافع مجہول ہے۔ چھٹا شاگرد محمد بن اسحاق مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادہ بیان کرتا ہے۔ اور جملہ تعلیلیہ فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا کا اپنی طرف سے اضافہ کرتا ہے۔ یہاں مخالفت ثقات والا قاعدہ آپ کو یاد نہیں، اگر بالفرض محمد بن اسحاق ثقہ ہوتا تو بھی یہ روایت شاذ ہوتی اور جب ضعیف ہے تو منکر ہوئی۔ جس حدیث میں کذاب دجال راوی ہوں، مستور و مجہول راوی ہوں، شذوذ و نکارت جیسی تمام عللِ حدیث سے پر ہو، اس کو معرض استدلال میں پیش کرنا آپ ہی کی ہمت ہے۔ شاید محمد بن اسحاق کے لئے میزان الاعتدال آپ کو نظر نہیں آئی۔

(۲۴)　پھر ابوداؤد نے اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث منازعت ذکر کر کے اس کا نسخ واضح کر دیا اور حدیث منازعت کو بعد میں لا کر اس تحریف کا دروازہ ہی بند کر دیا کہ فاتحہ مستثنیٰ ہے۔

(۲۵)　ترمذی کے ذکر میں آپ نے دیانت داری سے کام نہیں لیا۔ آپ نے خود اپنے جواب کے ص ۷ پر لکھا ہے: مدلسین کی روایت عن کے ساتھ مقبول نہیں جب تک سماع کی تصریح نہ کرے۔ کیا اس سند میں محمد بن اسحاق مدلس نہیں جو عن سے روایت کر رہا ہے؟ کیا اس سند میں مکحول مدلس نہیں جو عن سے روایت کر رہا ہے؟ کیا یہ قاعدے صرف احناف پر استعمال کرنے کے لئے ہیں؟ اپنی دلیل کے وقت نظر کیوں نہیں آتے؟ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی طرح لینے کے باٹ اور، دینے کے باٹ اور نہ رکھو۔ ویل للمطففین کو پیش نظر رکھا کرو۔

(۲۶)　جلدی سے یہ نہ کہہ دینا کہ مسند احمد، دارقطنی، بیہقی میں تحدیث ہے۔ جواب لکھنے سے پہلے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ترمذی، نسائی، ابوداؤد کی سندیں معنعن ہیں اور صحیح نہیں اور پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ اس روایت میں محمد بن اسحاق کے بارہ شاگرد ہیں جن میں سے گیارہ عن سے روایت کرتے ہیں جو ضعیف ہے۔ ایک شاگرد اس سے پوری جماعت کے مخالف تحدیث کا ذکر کرتا ہے، تو وہ روایت مخالفت ثقات کی وجہ سے خود شاذ و مردود ہوئی۔ پھر میزان الاعتدال

دیکھتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ محمد بن اسحاق تو حدثنی کہہ کر بھی تدلیس کر جاتا ہے۔

(۲۷) پھر امام ترمذیؒ نے اس کے بعد حدیث منازعت لا کر اس کا نسخ واضح کر دیا ہے اور آخر باب میں حضرت جابرؓ کا ارشاد جو مرفوع حکمی ہے لا کر استثناء کی جڑ ہی کاٹ دی ہے۔

(۲۸) پھر اس حدیث میں جہر کا ذکر ہے، جبکہ جہری رکعتیں صرف چھ ہیں، باقی گیارہ سری رکعتوں کے لئے تو آپ نے کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں لکھی۔ افسوس آپ کا مذہب بھی کتنا یتیم ہے۔

(۲۹) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترک رفع الیدین کی حدیث کئی طرق سے مروی ہے: (۱) مناظرہ با اوزاعی جس کی سند کا ذکر آپ نے جلاء العینین ص ۱۱، ۱۲ پر کیا ہے لیکن متن کا ذکر بالکل نہیں کیا جو آپ کی علمی خیانت ہے اور یہ خیانت آپ کی عادت بن چکی ہے۔ اسی جلاء العینین ص ۲۰، ۲۱ اور ص ۲۵ پر حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث کا ذکر کیا ہے، اس میں سجدہ کی رفع یدین کا بھی ذکر تھا، وہ چونکہ آپ کے خلاف تھا اس کو حذف کر دیا۔ اسی جلاء العینین ص ۵۳ پر مسند حمیدی سے سند تو نقل کر دی مگر مسند حمیدی کا متن نقل نہیں کیا کیونکہ آپ کے خلاف تھا۔ آپ جیسے لوگوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔

(۳۰) محدث حارثی پر حاسدین نے جو بے دلیل جرح کی وہ تو آپ کو نظر پڑ گئی مگر تذکرۃ الحفاظ ص ۸۵۴ ج ۳ کی یہ عبارت آپ کی نظر سے اوجھل رہی: **وفیھا مات عالم ماوراء النھر ومحدثہ الامام العلامۃ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی البخاری الملقب بالاستاذ (جامع مسند ابی حنیفۃ الامام)** تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۲۹ ج ۳ پر بھی **ومن ابی عبداللہ الحارثی الاستاذ** لکھا ہے، یہ آپ کو نظر نہیں آیا۔ اور یہ مناظرہ جامع المسانید اور کتب فقہ میں حد شہرت کو پہنچ چکا ہے۔ (۲) دوسرا طریق عاصم بن کلیب کا ہے، اس کے جواب میں آپ ایک بھی معقول جرح نہیں کر سکے۔ صرف چند لوگوں کے بے دلیل اقوال نقل کر کے دل کو طفل تسلی دی ہے اور شرک تقلیدی میں گر پڑے ہو۔ آخر وکیع جیسے محدث جلیل پر یہ تہمت لگا

دی ہے کہ انہوں نے خود یہ جملہ **لایعد** حدیث رسول میں ملا دیا ہے اور اس کی بنیاد وکیع کے تفرد پر رکھی، حالانکہ یہ سب بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ حق پوشی آپ کی عادت بن گئی ہے۔ وکیع یہاں متفرد نہیں بلکہ عبداللہ بن المبارک (نسائی) معاویہ، خالد بن عمرو، ابوحذیفہ، چاروں اس کے متابع ہیں۔ پھر اس کو تفرد یا ادراج قرار دینا کس قدر غلط ہے۔ الغرض اس صحیح حدیث پر آپ کوئی صحیح اعتراض نہیں کر سکے اور صحیح حدیث کو ماننا بھی آپ کی قسمت میں نہیں ہے۔ اسی وکیع کو اثبت بھی مانا ہے (جلاء العینین ص ۱۶۰) (۳) حدیث ابن مسعودؓ کا تیسرا طریق ابراہیم نخعی والا ہے، جس کا ذکر جلاء العینین ص ۱۱۶، ۱۱۷ پر آپ نے کیا ہے، جس سے ترک رفع یدین کا تواتر ثابت ہوتا ہے۔ امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ پہلی تکبیر کے بعد نہ کبھی کسی کو رفع یدین کرتے دیکھا نہ سنا۔ اس پر بھی کوئی مدلل اعتراض آپ نہیں کر سکے۔ (۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کا چوتھا طریق محمد بن جابر والا ہے۔ جس کی بحث نمبرا پر گزر چکی ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ آنحضرت ﷺ جس نماز پر اُمت کو چھوڑ گئے ہیں وہ ترک رفع یدین والی تھی۔ حضرت کے بعد یہی نماز صدیق اکبرؓ اور عمرؓ پڑھاتے رہے۔ یہی وہ نماز تھی جس پر سب صحابہ عامل تھے، خود ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب کا عمل بھی اسی پر تھا۔

تحقیق حدیث

فما زالت تلك صلوته حتیٰ لقی اللّٰہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) اخرج البیهقی فی الخلافیات (کذا فی مختصر الخلافیات ص ۷۶ ج ۱) عن ابی عبداللّٰه الحافظ عن جعفر بن محمد بن نصر عن عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمة الهروی عن عبداللّٰه بن احمد الدمجی عن الحسن بن عبداللّٰه بن حمدان الرقی ثنا عصمة بن محمد الانصاری ثنا موسیٰ بن عقبه عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه واذا رکع واذا رفع راسه من الرکوع وکان لا یفعل ذالک فی السجود فما زالت تلک صلوته حتیٰ لقی اللّٰه تعالیٰ.

تبصرہ برسند:

(۱) اس سند کے پہلے دو راوی امام بیہقی ہیں جو امام شافعیؒ کے مقلد ہیں اور احناف کے خلاف سخت تعصب رکھتے تھے اور تقلیدِ امام شافعیؒ میں اتنے سخت تھے کہ ابو محمد الجوینی جیسے عظیم محدث نے جب امام شافعیؒ کی تقلید چھوڑ کر خود اجتہاد کا ارادہ فرمایا تو امام بیہقی نے انہیں خط لکھ کر منع کیا کہ آپ کے لیے تقلیدِ امام شافعیؒ کو چھوڑنا ہرگز جائز نہیں (طبقات الشافعیہ) یہی وہ تقلیدِ شخصی ہے جس کو لامذہب غیر مقلدین شرک کہتے ہیں۔ دین کے حصے بخرے

قرار دیتے ہیں۔ لعنت اور جانوروں کا طریقہ قرار دیتے ہیں۔ ابوجہل اور یہود و نصاریٰ کے ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ تو کیا ایسی سند جس کی ابتداء ایسے راوی سے ہو وہ صحیح ہوتی ہے؟ پھر بیہقی بھی اس کو سننِ کبریٰ میں نہیں لائے۔

(۲) اس سند کے دوسرے راوی ابوعبداللہ الحافظ امام حاکم ہیں۔ جس طرح امام زمخشری فن تفسیر کے مسلمہ امام ہیں مگر عقیدۃً معتزلی ہیں، اس لیے ان کی جو بات اعتزال کی تائید میں ہوگی وہ تسلیم نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح امام حاکمؒ فن حدیث کے امام ہیں مگر تذکرۃ الحفاظ ص ۹۶۲ ج ۳ پر ان کا مذہب رافضی خبیث لکھا ہے اور نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد ان کو غالی شیعہ لکھتے ہیں۔ تو ان کی وہ بات جو شیعیت کی تائید میں ہوگی وہ حجت نہ ہوگی۔ رفع یدین بھی شیعہ کا مسئلہ ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ ان کی کتاب مستدرک حاکم میں بعض موضوعات تک بھری ہوئی ہیں (تلخیص المستدرک للذہبی ص ۱۶۰ ج ۳) لیکن یہ حدیث وہ اپنی کتاب میں نہیں لا سکے، کیونکہ ان موضوعات سے بھی یہ بڑھ کر نا قابل التفات تھی۔

(۳) تیسرا راوی جعفر بن محمد بن نصر ہے، حاکم نے عن سے روایت کی ہے، اس کی عدالت، حفظ اور اتصال ثابت کریں۔

(۴) چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ الہروی ہے۔ اس کے بارے میں میزان الاعتدال ص ۵۸۲ ج ۲ پر ہے کہ **اتھمه السليماني بوضع الاحاديث** یہ شدید جرح ہے، اسی لئے اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے اس سے حدیث روایت نہیں کی۔ خطیب کے عدم علم کا نہ علامہ ذہبی نے اعتبار کیا ہے اور نہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں۔ اسماء الرجال کے ان دونوں مسلمہ ائمہ کے خلاف پیر بدیع الدین پیر جھنڈا کا اس کو صالح الحدیث (جلاء العینین ص ۱۲۹) کہنا تعصب کی انتہاء اور وضع احادیث کی سرپرستی ہے۔ اللہ تعالیٰ ضد اور نفسانیت سے محفوظ فرمائیں۔

(۵) اس سند کا پانچواں راوی عبداللہ بن احمد الدجی ہے۔ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے اس سے حدیث روایت نہیں کی۔ اس لئے اس کا عادل اور ضابط ہونا کتب اسماء

الرجال سے ثابت کیا جائے۔

(۶) اس سند کا چھٹا راوی الحسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی ہے۔ اس سے بھی اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے حدیث روایت نہیں کی، اس کا عادل ضابط ہونا بھی کتب اسماء الرجال سے ثابت کیا جائے۔

(۷) اس سند کا ساتواں راوی عصمہ بن محمد انصاری ہے۔ امام ابوحاتم کہتے ہیں وہ قوی نہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: پرلے درجہ کا جھوٹا اور جھوٹی حدیث بنالیتا تھا۔ دارِقطنی اسے متروک کہتے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی تمام حدیثیں غیر محفوظ ہیں (میزان الاعتدال ص ۶۸ ج ۳) وہ من اکذب الناس (سب انسانوں سے زیادہ جھوٹا تھا۔ پرلے درجہ کا جھوٹا اور جھوٹی احادیث روایت کرنے والا تھا (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۸۶) علامہ شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ کذاب وضاع (الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص ۶۷) بہت بڑا جھوٹا اور بہت حدیثیں گھڑنے والا تھا۔

نوٹ: ایسی جھوٹی حدیث کو اللہ کے نبیؐ کی طرف منسوب کرنا، اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا ہے۔ مگر پیر بدیع الدین المعروف پیر جھنڈا نے اس جھوٹی حدیث کو قابلِ عمل ثابت کرنے کے لیے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ یہ راوی عصمہ بن محمد شیخ من اھلِ خراسان ہے۔ اور نہایت افسوس کی بات ہے، شیخ فیض الرحمٰن الثوری (غیر مقلد) اور شیخ ارشاد الحق اثری (غیر مقلد) بھی اس پر خاموش رہے ہیں (جلاء العینین ص ۱۲۸) حالانکہ سند میں وضاحت ہے کہ یہ عصمہ بن محمد انصاری ہے اور جس کا نام پیر جھنڈا لے رہے ہیں اس کا انصاری ہونا، یہ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے۔ اور جس کا حال ہم نے لکھا ہے وہ انصاری ہے، دوسرے سند میں وہ موسیٰ بن عقبہ سے روایت کر رہا ہے، اور میزان الاعتدال وغیرہ میں صراحت ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کا شاگرد محمد بن عصمہ انصاری ہے۔ سارے لامذہب مل کر موسیٰ بن عقبہ کے شاگردوں میں شیخ خراسان کا نام نہیں دکھا سکتے۔ پھر خیالی پلاؤ پکا کر ایک جھوٹی حدیث کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کر کے انہوں نے ثابت کر دیا کہ اس یتیم لامذہب فرقہ کی پونجی اس قسم کی موضوع احادیث ہیں۔

(۸) اس کے آٹھویں راوی موسیٰ بن عقبہ ہیں۔ یہ صحاح ستہ کے راوی اور مغازی کے امام ہیں۔ ان کی روایت تعلیقاً صحیح بخاری ص ۱۰۲ ج ۱، اور مسند السنن الکبریٰ بیہقی ص ۷۰ ج ۲ پر ہے۔ یہاں اس کا شاگرد ابراہیم بن طہمان ہے جو صحاحِ ستہ کا راوی ہے، مگر وہاں یہ جملہ فما زالت تلک صلوته حتی لقی اللہ ہرگز ہرگز موجود نہیں۔ یہ سب عصمہ بن محمد انصاری کی جعل سازی ہے۔

(۹) اس حدیث کو نافع سے عبیداللہ، ایوب، مالک، ابن جریج، اللیث، صالح بن کیسان، زید بن واقد، موسیٰ بن عقبہ، عمر بن زید روایت کرتے ہیں (جزء بخاری مع جلاء العینین ص ۱۵۶) مگر ان میں سے کسی کی صحیح روایت میں یہ جملہ موجود نہیں۔

(۱۰) رفع یدین کی نافع کی روایت عندالمحققین موقوف ہے۔ خود امام بخاریؒ کو بھی دبی زبان سے مختصراً کہہ کر اس کا اقرار کرنا پڑا۔ خصوصاً موسیٰ بن عقبہ والی روایت کا، اور امام ابوداؤد نے تو صاف فرمایا کہ نافع کی حدیث مرفوع نہیں، بلکہ ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ تو نافع کی صحیح السند روایت بھی موقوف ہے۔ اس جھوٹی کو مرفوع کر دینا عصمہ بن محمد انصاری کی ہی کارستانی ہے۔

(۱۱) لامذہب غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ اس رفع یدین کا ثبوت چار صد اخبار و آثار میں ہے۔ مگر یہ جملہ صرف اس جھوٹی روایت میں ہے۔ لامذہبوں کا دعویٰ ہے کہ اس رفع یدین کی حدیث متواتر ہے۔ اگر ان کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا تو اس جھوٹے جملے کی یہی پوزیشن ہوگی جیسا کہ قرآن پاک کی متواتر آیت ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ ہے۔ اس میں بعض جھوٹے راویوں نے یہ اضافہ کیا ہے: ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا علی و الائمۃ. بالکل اس اضافہ اور فما زالت کے اضافہ کی ایک ہی پوزیشن ہے۔

(۱۲) حدیث پاک کے صحیح الفاظ وہ ہیں جو صحیح بخاری ص ۱۱۰ ج ۱ پر حضرت ابوہریرہؓ سے اور موطا امام مالک میں علی بن الحسین سے مرسلاً مروی ہیں کہ آنحضرت ہر خفض اور رفع کے وقت تکبیر کہتے تھے اور یہ نماز آپ کی آخر عمر تک رہی۔

ﷺ احناف اس صحیح حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ وہ ہر خفض و رفع پر صرف تکبیر کہتے ہیں، مگر لامذہب غیر مقلدین کو احادیث صحیحہ پر عمل کی توفیق نہیں۔

(۱۳) علامہ نیمویؒ نے آثار السنن ص ۱۰۰ ج ۱ پر اس فما زالت والی حدیث پر لکھا: وھو حدیث ضعیف بل موضوع اور حاشیہ تعلیق الحسن میں اس کا موضوع ہونا دلائل سے ثابت فرمایا۔ غیر مقلدوں کے مایہ ناز محدث عبدالرحمٰن مبارک پوری اس کے جواب سے بالکل عاجز رہے اور کہا کہ ہمارا اصل استدلال اس حدیث سے ہے ہی نہیں (ابکار المنن ص ۲۰۳ ج ۱) عبداللہ روپڑی بھی رسالہ آمین رفع یدین میں اس کے جواب سے بالکل عاجز رہے ہیں۔
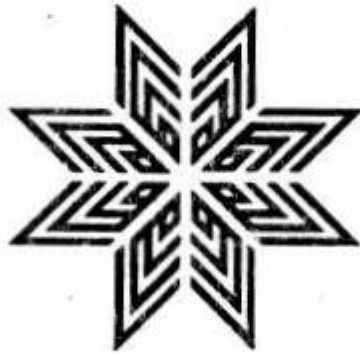
غیر مقلدین اور مسئلہ رفع یدین

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ اجمعین. اما بعد :

مذہب اہل السنّت والجماعت:

دین برحق، دین اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری، کامل اور سچا دین ہے اور ساری دنیا کے لئے راہِ نجات ہے۔ یہ دین اہل السنّت والجماعت اور خصوصاً احناف کی محنتوں سے ساری دنیا میں پھیلا۔ پاک و ہند کے فاتح، یہاں اسلام لانے والے، اسلام پھیلانے والے، اسلام قبول کرنے والے، سب اہل سنت والجماعت اور حنفی المذہب تھے۔ یہ مذہب سیدنا امام اعظمؒ نے مرتب فرمایا۔ آپ نے اپنا طریقہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے سامنے یوں بیان فرمایا: ”میں سب سے پہلے کتاب اللہ شریف پر عمل کرتا ہوں، پھر سنتِ مقدسہ و مطہرہ پر۔ پھر حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر، پھر باقی صحابہ کے فیصلوں پر، اور آخر میں اجتہاد و قیاس پر، یعنی ان کے ذریعے خدا اور رسول ﷺ کا پوشیدہ حکم تلاش کرتا ہوں۔“ (المیزان الکبریٰ الشعرانی ص ۶۶ ج ۱)

یاد رہے کہ اہل السنہ والجماعت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ اجتہاد و قیاس سے مجتہد کوئی اپنا ذاتی حکم نہیں گھڑتا، بلکہ خدا اور رسول ﷺ کے حکم ہی کو تلاش کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے، ائمہ مجتہدین کا اعلان یہی ہے: القیاس مظهر لا مثبت، (نور الانوار ص ۲۲۸)

معلوم ہوا کہ جس طرح نماز باجماعت میں سب مقتدی ایک امام کی تابعداری

میں خدا کی ہی عبادت کرتے ہیں، اسی طرح مقلدین اپنے ایک امام کی رہنمائی میں خدا و رسول ﷺ کی ہی اطاعت کرتے ہیں۔ اس ملک پاک و ہند میں سلاطین اسلام اور رعایا، علماء اور عوام، سب حنفی تھے۔ اس لئے اتفاق و اتحاد کی فضا قائم تھی۔ تقریباً بارہ سو سال تک اس ملک میں نہ مناظرے ہوئے، نہ چیلنج بازیاں۔

ابتداء فرقہ غیر مقلدین:

یہاں کی مساجد خالص عبادت گاہیں تھیں، نہ کہ میدانِ جنگ۔ جب انگریز نے یہ ملک فتح کیا تو اس نے دیکھا کہ مساجد میں جس طرح درس نماز ہوتا ہے، اسی طرح درسِ جہاد بھی ہوتا ہے، اور جہاد سے انگریز بہت پریشان تھا۔ اس نے سوچا کہ جب تک مساجد میں فساد نہ کرایا جائے، اس وقت تک درسِ جہاد بند نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایسے فرقہ کی ضرورت محسوس کی جو فقہ حنفی پر نکتہ چینی کرے اور خاص طور پر احناف کی نماز کو غلط کہے۔

چنانچہ اسی مقصد کے لیے غیر مقلدین کا فرقہ پیدا کیا گیا، جس کے دو ہی مقصد تھے: (۱) انگریزوں سے جہاد حرام، (۲) مسلمانوں کی مساجد میں فساد فرض

چنانچہ پہلے مقصد کے لیے مولانا محمد حسین بٹالوی وکیل اہل حدیث ہند نے اپنی ساری جماعت کی طرف سے ردِ جہاد میں رسالہ لکھا، جس کا نام "الاقتصاد فی مسائل الجهاد" رکھا اور انگریز سے جاگیر بھی لی۔ اور نواب صدیق حسن خان نے رسالہ "ترجمان وہابیہ" لکھا اور انگریز سے ریاست کی نوابی اور خطاب حاصل کیے۔ یہ دونوں رسالے، رسائل اہل حدیث جلد اول میں موجود ہیں۔ اور پوری تفصیل رسالہ "انگریز اور اہل حدیث" میں ہے۔

دوسرے مقصد کے لئے مولانا بٹالوی نے اپنے ساتھیوں کو ملا کر ایک اشتہار دس سوالات پر مشتمل شائع کیا اور تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ مسلمانوں میں انتشار کا نیا طریقہ اختیار کیا۔ اشتہار میں لکھا: "حنفیان پنجاب و ہندوستان کو بطور اشتہار وعدہ دیتا ہے کہ ان لوگوں میں سے کوئی صاحب مسائل ذیل میں کوئی آیت قرآن یا حدیث صحیح، جس کی صحت میں کسی کو کلام نہ ہو اور وہ اس مسئلہ میں جس کے لیے پیش کی جائے، نص صریح قطعی الدلالۃ

ہو پیش کریں تو فی آیت وحدیث دس روپیہ بطور انعام دوں گا۔''

عوام کو ورغلانے کے لیے اس قسم کے انعامی چیلنج کا اشتہار قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اسلام میں کہیں نہیں ملا۔ ہاں اس قسم کے چیلنج کا بانی مرزا قادیانی ہے۔ اس کے لٹریچر میں غلط شرائط لگا کر انعامی چیلنج دینے کی مثالیں موجود ہیں۔ اس اشتہار کو ملک کے طول و عرض میں پھیلایا گیا، ہر مسجد اور ہر گھر میں نفاق کا جہنم گرم کر دیا گیا۔

کسی سچے نبی کی تعلیمات میں ہمیں آج تک اس کی مثال نہیں ملی۔ علمائے اہل سنت جانتے تھے کہ مسلمانوں میں فتنہ ڈالنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ والفتنة اشد من القتل. وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں میں اتفاق واتحاد ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ لیکن اس زمانہ میں جبکہ کافروں سے جہاد ہو رہا ہو اور وہ اسلامی حکومت چھین رہے ہوں، اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے، مگر غیر مقلدین حضرات نے مسلمانوں میں انتشار کا نام، اتباع حدیث اور تحقیق رکھ دیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کا جواب:

چنانچہ اس فتنہ کو دبانے کے لیے حضرت شیخ الہندؒ نے اس اشتہار کے جواب میں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا، جس کا نام ''ادلہ کاملہ'' رکھا۔ جس میں یہ بتایا کہ یہ زمانہ ان لڑائیوں کا نہیں۔ مسلمانوں کو لڑانے کی بجائے ان کو ملانے کی کوشش کرو۔ اور یہ بھی بتایا کہ مشتہر صاحب! آپ کا انداز، تحقیق کا انداز نہیں، نہ ہی مسلمانوں کو لڑانے میں اتباعِ حدیث ہے، بلکہ آپ کا علمی حدود اربعہ فقط یہ ہے کہ قرآن پاک سے صرف متشابہات آپ کے حصہ میں آئی ہیں اور حدیث سے صرف متعارضات، اور آپ کے فرقے کی ابتداء اکابرِ اہل اسلام سے بدگمانی اور انتہاء ان پر بدزبانی ہے۔ گویا لعن آخر هذه الامة اولها. جناب بٹالوی صاحب نے اس اشتہار سے اُمت میں انتشار کی ابتداء کی۔ لیکن وہ نہ مناظرہ کے طریقہ سے واقف تھے، نہ ہی علم حدیث کو جانتے تھے، کیونکہ جس طرح مقدمہ عدالت میں ایک فریق مدعی ہوتا ہے، دوسرا مدعا علیہ، اور عدالت مدعی سے گواہ طلب کرتی ہے اور مدعا علیہ کو

جرح کا حق دیتی ہے، اسی طرح ایک مناظر مدعی ہوتا ہے جس کا فرض اپنے دعوے کو دلیل سے ثابت کرنا ہے۔ دوسرا مناظر سائل ہوتا ہے جو اس کے دلائل پر جرح کرتا ہے۔ مسئلہ رفع یدین میں غیر مقلدین مدعی ہیں نہ کہ سائل۔

آنحضرت ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ گواہ (دلیل) مدعی کے ذمہ ہے اور قسم انکار کرنے والے پر (الحدیث، بیہقی شریف)

''ہمارا چیلنج ہے کہ ایک آیت قرآنی یا حدیث صحیح، صریح، متفق علیہ، قطعی الدلالۃ پیش کریں، جس میں رفع یدین نہ کرنا آنحضرت ﷺ کا بوقت رکوع جانے اور رکوع سے سر اُٹھانے کے ذکر ہو تو فی آیت وحدیث دس روپے انعام لیں۔''

یہ ایک ایسا ہی سوال ہے کہ کوئی شیعہ بٹالوی صاحب کو چیلنج دے کہ آپ ایک آیت قرآنی یا ایک حدیث صحیح، صریح، متفق علیہ، قطعی الدلالۃ پیش کریں کہ آنحضرت ﷺ نے اذان میں اشھد ان علیا ولی اللہ کہنے سے منع کیا ہو، تو ہم فی آیت وحدیث دس روپے انعام دیں گے۔

اس وقت بٹالوی صاحب بھی کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کریں گے۔ بلکہ کہیں گے کہ جو شخص کام کرے دلیل اس کے ذمہ ہوتی ہے۔ **البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر**:

الغرض! حضرت شیخ الہندؒ نے جواب میں ان سے سوال کیا، کیونکہ مدعی وہ تھے۔ آپ ہم سے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث صحیح متفق علیہ مانگتے ہیں جو دربارہ عدم رفع صریح بھی ہو۔ جناب من! ہم آپ سے دوام رفع یدین کی نص صریح، حدیث صحیح، متفق علیہ کے طالب ہیں۔ اگر ہو تو لائیے اور دس کی جگہ بیس لے جائیے، ورنہ کچھ تو شرمائیے۔ اور یہ بھی نہ ہو تو آپ آخری وقت نبوی ﷺ ہی میں کسی نص سے آپ ﷺ کا رفع یدین کرنا ثابت کیجئے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر کسی کے سامنے منہ نہ کیجئے۔ (ادلہ کاملہ ص ۳)

حضرت کا یہ سوال آج تک غیر مقلدین کے سر پر قرض ہے جس کو نہ اُتار سکے اور نہ ان شاء اللہ اُتار سکیں گے۔ یہ جتنی بھی احادیث پیش کرتے ہیں، ان میں نہ ہمیشہ کا ذکر

ہے، نہ ہی آخر عمر کا بطور نص کے ذکر ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے اس رسالہ کے جواب میں غیر مقلدین کی پوری جماعت کی طرف سے محمد احسن امروہی کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام مصباح الادلہ تھا۔اس میں آیات واحادیث کی بجائے گالیوں کی بھر مار تھی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے پھر ایضاح الادلہ تحریر فرمائی، جس میں فرمایا کہ اگر چہ غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ہم قرآن وحدیث کو اہل زبان مجتہدین سے بہتر سمجھ لیتے ہیں مگر ان کی پوری جماعت میری اُردو کی کتاب بھی نہ سمجھ سکی۔ جب وہ میری کتاب کو سمجھ ہی نہیں سکے تو جواب کیا خاک لکھیں گے۔اس لیے میں اپنی اُردو کی کتاب کی مزید وضاحت کر دیتا ہوں، تا کہ وہ سمجھ جائیں اور سمجھنے کے بعد کوئی جواب لکھیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کی کرامت:

حضرت شیخ الہندؒ کی یہ مسلمہ کرامت ہے کہ جس محمد احسن امروہی غیر مقلد نے بے سمجھے جواب میں گالیاں لکھیں وہ قادیانی ہو کر مرا۔اس کا دین بھی برباد ہوا اور دنیا بھی، کہ آخر عمر میں دو دو آنے کی بھیک پر گزر اوقات تھی (مجموعہ اشتہارات مرزا ص ۳۳۷ ج ۱) خسر الدنیا والآخرۃ۔ کاش! کوئی عبرت حاصل کرتا۔ایضاح الادلہ کا جواب اب تک غیر مقلدین کے سر پر قرض ہے۔اور یہ اس وقت تک رہے گا جب تک کوئی غیر مقلد اس کا جواب نہیں لکھ سکے گا۔

رفع یدین کی ابتداء:

اگر چہ اس ملک میں اسلام اوائل ساتویں صدی عیسوی میں آ گیا تھا، مگر پورے پنجاب میں سب سے پہلے رفع یدین ۱۸۶۰ء میں ہوئی۔ پورے گیارہ سو سال تک یہاں رفع یدین کو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ یہ پہلی مرتبہ رفع یدین کرنے والا نہ حاجی تھا نہ عالم، ایک غریب شخص تھا جو پیٹ پالنے کے لئے کتابیں بیچتا تھا۔ اس نے پہلے امرتسر میں، پھر مظفر گڑھ میں، پھر دہلی میں رفع یدین کر کے جا بجا شور پیدا کیا (نقوش ابوالوفا ص ۳۹، ۴۰)

اور اب فوراً اس کو نوازا گیا، اور سرکارِ برطانیہ نے ملازمت عطا فرمائی۔ اس کا نام محمد یوسف تھا، پھر یہ بھی مرزائی ہوگیا۔

حضرات ! ۱۸۶۰ء وہی زمانہ ہے جس میں انگریز حکومت مسلمانوں کو وحشیانہ سزائیں دے رہی تھی۔ اس وقت میاں نذیر حسین دہلوی کے مدرسے کا مدرس یہ فتویٰ دے رہا تھا: ''یہ لوگ یعنی حنفی المذہب مستحل الدم (واجب القتل) ہیں، ان کا مال مالِ غنیمت ہے، ان کی بیویاں ہمارے واسطے جائز ہیں۔ آپ قابو میں لا سکتے ہوں تو شوق سے لائیے .... بھوپال میں عبداللہ نابینا کہتا ہے کہ دنیا میں صرف اڑھائی مسلمان ہیں اور مولوی محمد بشیر صاحب حنفیہ کو مشرک سمجھتے ہیں (دہلی اور اس کے اطراف ص ۵۶)

جامع مسجد دہلی، جو حنفی سلاطین کی بنائی ہوئی تھی اور احناف کا مرکز تھا، اس جگہ (مسجد) میں انگریز کے سہارے غیر مقلد وعظ کرتے تھے۔ مولوی محمد اکبر وعظ کہتے ہیں، یہ بزرگ حنفیوں کا خوب مذاق اُڑاتے ہیں، دل کھول کر تبرا کرتے ہیں، اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہدایہ پڑھانے سے توبہ کی ہے۔ فرماتے تھے کہ آج کون ہے جس نے ہدایہ شریف پڑھانے سے توبہ کر کے کلام مجید کی تعلیم شروع کی ہو، سب جہنم میں جائیں گے (ایضاً ص ۶۲)

ایک غیر مقلد مصنف لکھتا ہے: ''اس زمانے میں احناف اور اہل حدیث کے درمیان بکثرت مقدمات عدالت دیوانی وفوجداری میں دائر تھے...... تقلید وعدم تقلید کی بحث ناگوار نے اس قدر طول کھینچا کہ مُناظرہ سے مناقشہ اور مناقشہ سے مجادلہ اور مجادلہ سے منازعت تک نوبت پہنچی۔ ایک فریق دوسرے کی تکفیر کرنے لگا اور انگریزی عدالت دیوانی اور فوجداری میں بکثرت مقدمات دائر ہوئے اور اب تک ہوتے جاتے ہیں۔ بعض لوگ تو اس قسم کی مقدمہ بازی کو غالباً جہاد فی سبیل اللہ سمجھتے ہیں۔ بیشتر مقدمے سب ڈویژن اور ضلع سے گزر کر ہائی کورٹ الہ آباد اور کلکتہ تک پہنچے اور ایک مقدمہ تو پریوی کونسل لندن تک لڑا، جس میں اہل حدیث کامیاب رہے۔'' (الحیات بعد الممات ص ۶۱۱ تا ۶۱۴)

غیر مقلدین کے مؤرخ محمد شاہ جہان پوری (۱۳۱۹ھ، ۱۹۰۰ء) میں لکھتے ہیں:

''کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آ رہے ہیں

جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں۔ پچھلے زمانے میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام بھی ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لا مذہب لیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں، یعنی رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اُٹھاتے ہیں، جیسا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک اُٹھائے جاتے ہیں، بنگلہ کے لوگ ان کو رفع یدینی بھی کہتے ہیں۔'' (الارشاد ص ۱۳)

معلوم ہوا کہ ۱۸۶۰ء سے ۱۹۰۰ء تک چالیس سال کے عرصہ میں بھی رفع یدین شاذ و نادر ہی کہیں کیا جاتا تھا۔ اور قاعدہ ہے ''النادر کالمعدوم'' کہ نادر چیز مثل معدوم کے ہوتی ہے۔

جواب رسالہ تحقیق مسئلہ رفع الیدین:

رسالہ تحقیق مسئلہ رفع یدین کا جواب تقریباً پندرہ مجاہدین غیر مقلدین نے اپنی سر توڑ کوشش اور پوری پوری جدوجہد کے بعد پانچ سال کی مدت میں تیار فرمایا جو ۴۹۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سے اپنے اَن پڑھ عوام کو تو یہ باور کرایا ہے کہ ہم نے ۲۵۵ -احادیث جمع کردی ہیں۔ مگر

(۱) ان میں ایک بھی حدیث ایسی نہیں ہے جس میں ان کا مکمل عمل موجود ہو کہ تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین سنت مؤکدہ ہے اور دوسری و چوتھی رکعت کے شروع میں منع اور حرام ہے۔ اسی طرح رکوع جاتے اور اُٹھتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے اور سجدوں کے اول و آخر میں منع اور حرام ہے۔

(۲) ہمارے رسالہ میں فما زالت والی حدیث پیش کرنے والے کو دس ہزار روپیہ نقد انعام کا وعدہ دیا گیا تھا، مگر اس سے بھی پندرہ مجاہدین غیر مقلدین عاجز رہے اور ان شاء اللہ العزیز عاجز ہی رہیں گے۔ جناب خالد گرجاکھی نے اپنے جزء رفع یدین میں روایات کا نمبر

۴۰۲ تک پہنچایا، مگر مندرجہ بالا تینوں چیلنج وہ بھی قبول نہ کر سکا۔ حافظ محمد گوندلوی نے التحقیق الراسخ لکھی، حافظ عبدالمنان نور پوری مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کا رسالہ مسئلہ رفع یدین ۲۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ حکیم محمود کا رسالہ **شمس الضحیٰ** ہے، مگر کسی ایک نے بھی یہ تین مطالبے پورے نہ کیے۔

فرقہ غیر مقلدین کا جہاد یا مکروفریب:

(۱) ان مجاہدین نے پہلا جہاد تو یہ کیا کہ خدا پر جھوٹ بولا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فصل لربک وانحر میں رفع یدین کا حکم دیا ہے۔

(۲) دوسرا جہاد یہ کیا کہ نبی پاک ﷺ پر جھوٹ بولا کہ آپ ﷺ ہمیشہ ہمارے طریقے کے مطابق رفع یدین کرتے رہے۔

(۳) تیسرا جہاد یہ کیا کہ ص ۳۸۲ پر ۴۹ صحابہ کرام کے نام لکھے، جن میں سے ۳۵ صحابہؓ کی کوئی روایت کسی ضعیف سند سے بھی پوری کتاب میں درج نہ کی، ان کا نام محض جھوٹ موٹ لکھ دیا۔

(۴) چوتھا جہاد یہ کیا کہ صرف چودہ صحابہؓ کی روایات کو ۲۵۵ نمبروں میں ذکر کیا ہے۔

(۵) پانچواں جہاد یہ کیا کہ ان چودہ صحابہ میں سے دس صحابہؓ کی احادیث میں سجدوں یا ہر تکبیر کی رفع یدین کا ذکر تھا، ان کو کاٹ دیا۔ باقی چار کی احادیث میں نہ سند کی صحت ثابت کی اور نہ دوام کی صراحت دکھائی، نہ معارض احادیث کا جواب دے کر معارضہ رفع فرمایا۔

(۶) چھٹا جہاد : حدیث کے راویوں پر شدید حملہ کیا۔

۱- ابوبکر بن عیاش جس کی روایت صحیح بخاری میں اٹھارہ جگہ ہے، اس کو ص ۴۳۰، ۴۳۲ پر ضعیف بنا دیا۔

۲- قتادہ کے عنعنہ کو ص ۴۷۹ پر ضعیف کہا۔ حالانکہ صحیح بخاری میں اس کے ۲۶ عنعنے ہیں اور لطف یہ ہے کہ خود الرسائل میں ان مجاہدین نے بیس جگہ اس کے عنعنے کو قبول فرما لیا۔

۳- عاصم بن کلیب، جس کا ذکر بخاری میں ص ۸۶۸ ج ۲ پر، مسلم میں ص ۱۹۷ ج ۲ و ص ۳۵۰ ج ۲ و ص ۴۱۴ ج ۲ پر ہے، ترمذی نے اس کی احادیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ خود

الرسائل کی پوری چالیس سندوں میں یہ راوی موجود ہے۔ مگر ص ۴۳۸ اور ص ۴۴۰ پر اُسے ضعیف بناڈالا۔

۴- ہماری ایک حدیث کو عنعنہ مدلس کی وجہ سے ضعیف کہا اور اپنی ساٹھ سندوں میں مدلس کا عنعنہ موجود ہے، اس کا کوئی ذکر ہی نہیں۔

۵- حمید عن انس، ان کو ص ۴۸۵ پر ضعیف کہا، مگر خود چار جگہ اس کی روایت قبول کر لی۔

۶- حصین بن عبدالرحمٰن کو ص ۴۳۰ اور ص ۴۴۹ پر ضعیف کہا، مگر ص ۱۸۴ پر خود انہوں نے استدلال کیا ہے۔

۷- عبداللہ بن لھیعہ کو ص ۴۷۱ پر ضعیف کہا، مگر ص ۲۱۶ پر جو عقبہ کا قول لکھا، اس کی سند میں ابن لھیعہ بھی ہے اور اس کے ساتھ مشرح بن عاہان بھی ضعیف راوی ہے۔

۸- ص ۴۴۱ پر ابواسحاق کی حدیث کو رد کر دیا، جبکہ ص ۳۷۱ پر خود اس سے استدلال کیا۔

۹- یحیٰی بن آدم اور قاضی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جو صحاح ستہ والوں کے اجماعی شیخ ہیں، ان کو ص ۴۳۶ و ص ۴۴۵ پر ضعیف کہہ دیا۔

۱۰- رفدہ بن قضاعہ اور یزید بن ابی زیاد کو ضعیف بھی کہا۔ ص ۴۶۶ و ص ۴۴۴ اور ص ۳۸۳ پر اُن کا حوالہ بھی اپنے دلائل میں پیش کر دیا۔

ان پندرہ مجاہدین نے انکارِ حدیث اور انصاف کے خون کرنے کا ریکارڈ قائم کیا ہے، اس کی مثال ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملی۔ اگر الرسائل فی تحقیق المسائل اور جزء رفع یدین خالد گرجاکھی میں مندرجہ تمام روایات کو بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے، جس سے رفع یدین پر مواظبت و دوام ثابت ہوتا ہو۔ آخری وقت نبوی ﷺ میں ہی رفع یدین کا ثبوت ہو تو ان میں سے ایک حدیث میں بھی مکمل دعویٰ موجود نہیں ہے۔

ان تمام روایات سے زیادہ سے زیادہ ایک آدھ مرتبہ رفع یدین کرنے کی صراحت ملتی ہے، جیسے پہلی رات کا چاند طلوع ہو تو کروڑہا لوگ بھی اس کے طلوع کی خبر دیں تو چاند ایک ہی طلوع ہوا، اور ایک بار ہی طلوع ہوا، نہ کہ کئی مرتبہ۔ پس ان تمام روایات و

احادیث سے ایک آدھ مرتبہ رفع یدین کا ثبوت تو صراحتاً ہوگا۔ ہاں یہ رفع یدین باقی رہی یا باقی نہ رہی، اس سے یہ احادیث بالکل خاموش ہیں۔

البتہ پہلی تکبیر کی رفع یدین کا باقی رہنا اجماع اُمت سے ثابت ہے اور اس کے بعد نماز کے اندر رفع یدین کا بقا زیادہ سے زیادہ استصحاب حال یا قیاس جلی سے ہوگا اور اس بات پر اُمت کا اجماع ہے کہ جو قیاس حدیث سے ٹکرائے، وہ مردود ہے۔ ان کے اس قیاس کو کہ جب حضور ﷺ نے رفع یدین کی ہے تو کرتے ہی رہے ہوں گے، ان احادیث نے ٹھکرایا جن سے آنحضرت ﷺ، خلفائے راشدینؓ، جمہور صحابہؓ اور اُمت کی اکثریت کا ترک رفع یدین کرنا تواتر عملی کے ساتھ واضح ہے۔ پھر یاد رہے کہ ہماری پیش کردہ احادیث ان کی احادیث سے ہرگز معارض نہیں، کیونکہ وہ بقائے رفع یدین سے ساکت ہیں اور یہ ترک رفع یدین پر نص ناطق۔ اور ظاہر ہے کہ ساکت اور ناطق میں کوئی معارضہ نہیں ہوتا۔

سب اہل سنت والجماعت نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے ہیں۔ یہ رفع یدین حکم رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے، فعل رسول اللہ ﷺ سے بھی، اس رفع یدین کی حدیث تواتر قدر مشترک تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے ساتھ تکبیر بھی شامل ہے، اور پوری اُمت کا اجماعی تعامل بھی اسی پر ہے، چونکہ یہاں کوئی نص یا تعامل اس سے معارض نہیں، اس میں نہ اجتہاد کی گنجائش، نہ تقلید کی ضرورت، نہ بحث کی حاجت۔ پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ عام نماز میں اس طرح رفع یدین پر مواظبت ہرگز ثابت نہیں۔ حدیث کی کتابوں میں پہلی تکبیر کی رفع یدین بلا معارضہ ثابت ہے اور اس کے بعد کی رفع یدین میں احادیث اور تعامل امت ان سے معارض ہیں۔

اہل سنت والجماعت احناف چار رکعت نماز میں ایک دفعہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے ہیں، جبکہ غیر مقلدین چار رکعت میں دس جگہ رفع یدین کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کا عمل اور دعویٰ:

(۱) غیر مقلدین دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں کبھی رفع یدین نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے نہ کبھی یہاں رفع یدین کی بلکہ کرنے سے منع فرمایا۔ ہاں

تیسری رکعت کے شروع میں ہمیشہ رفع یدین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں رفع یدین کرنے کا حکم بھی دیا اور ساری عمر یہاں رفع یدین کرتے بھی رہے۔

(۲) ہر رکعت میں سجدے دو ہوتے ہیں اور ایک رکوع۔ وہ دونوں سجدوں کے اول و آخر کبھی رفع یدین نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور خود بھی کبھی رفع یدین نہیں کی اور رکوع کے اول و آخر ہمیشہ رفع یدین کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان جگہوں میں رفع یدین کا حکم بھی دیا اور ساری زندگی کرتے بھی رہے۔

۱- غیر مقلدین کے اس مکمل دعویٰ پر ایک بھی قولی حدیث موجود نہیں ہے، چنانچہ تحقیق رفع الیدین میں قولی حدیث پیش کرنے والے کو ان ہی کی طرز پر دس ہزار روپے انعام کا وعدہ دیا تھا۔ مگر ان کے مجاہدین ایک بھی حدیث پیش نہیں کر سکے۔

۲- اس مکمل دعویٰ پر ایک بھی تقریری حدیث پیش نہیں کر سکے۔

۳- اس مکمل دعویٰ پر ایک بھی فعلی صحیح، صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کر سکے۔

۴- دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کے ممنوع و منسوخ ہونے کی ایک بھی حدیث پیش نہیں کر سکے۔

۵- سجدوں سے پہلے اور بعد رفع یدین کے ممنوع و منسوخ ہونے کی ایک بھی حدیث پیش نہیں کر سکے۔

۶- رفع یدین کرنے کے حکم میں ان میں سے سخت اختلاف ہے۔ اس اختلاف کو کسی آیت یا حدیث سے رفع نہ کر سکے۔

رفع یدین کرنے، نہ کرنے کا حکم:

(۱) رکوع کے اول و آخر اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنے کا حکم کیا ہے؟ ان کے جماعتی فتاویٰ علمائے حدیث میں اس کو مستحب لکھا ہے (ص ۱۵۳ ج ۳؛ ص ۱۵۶، ج ۳)

(۲) میاں نذیر حسین صاحب فرماتے ہیں: ''علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا، جھگڑنا وغیرہ تعصب

سے خالی نہیں، کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔'' (ایضاً ص ۱۶۱ ج ۳)

(۳) مولانا عبدالجبار غزنوی کے والد مولانا محمد داؤد غزنوی فرماتے ہیں کہ رفع یدین نہ کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں (اگرچہ عمر بھر نہ کرے) (ایضاً ص ۱۵۱، ۱۵۲، ج ۳)

(۴) مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں: ''اس کا ثواب ایسا ہے جیسے ایک آدمی پہلے ہی سے باوضو ہو، لیکن زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے پھر وضو کرلے، اسی لئے رفع یدین کا ترک، ترک ثواب ہے نہ ترک فعل سنت، فافہم'' (فتاویٰ ثنائیہ ص ۶۰۸، ۶۰۹، ج ۱) اور فرماتے کہ رفع یدین نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۵۴، ج ۳)

نوٹ: رفع یدین پر وضو جتنا ثواب ہمیں حدیث میں نہیں ملا۔

(۵) حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی نے پہلے تو رفع یدین کو چہرے کے غازے (سرخی پاؤڈر) سے تشبیہ دی، پھر مسواک سے ملا کر کہا کہ جیسے مسواک کرنے سے ستر گنا ثواب بڑھ جاتا ہے، اتنا ہی رفع یدین کا ثواب ہے (صلوٰۃ الرسول ص ۲۷۵، ۲۷۶)

نوٹ: مسواک کے ۷۰ گنا ثواب کی تو ایک ضعیف حدیث ہے (صلوٰۃ الرسول ص ۱۰۲) مگر اس رفع یدین کے ثواب کے ۷۰ گنا کی کوئی ضعیف حدیث بھی ہمیں نہیں ملی۔

(۶) علامہ وحید الزمان صاحب نے اس رفع یدین کو جوتا پہن کر نماز پڑھنے جیسی سنت قرار دیا ہے (تیسیر الباری ص ۱۵۶، ج ۱)

یعنی جو یہ رفع یدین کرتا ہے وہ جوتا پہن کر نماز پڑھنے والے جیسا ہے اور جو رفع یدین نہیں کرتا وہ جوتا اُتار کر نماز پڑھنے والے کی طرح ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ رفع یدین و آمین بالجہر سے روکنے والے کو ایسا ہی گناہ ہوگا جیسا کہ گانے بجانے سے روکنے والے اور محفل میلاد اور رسمی فاتحہ سے روکنے والے کو ہوتا ہے (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸ ج ۱)

ہاں جن جگہوں میں یہ رفع یدین نہیں کرتے وہاں رفع یدین حرام ہے یا مکروہ، نماز باطل ہوگی یا ناقص؟ یہ حکم ان کی کسی مسلمہ کتاب میں نہیں ملا۔ یہ حکم باحوالہ ضرور لکھیں،

تا کہ مکمل حکم معلوم ہو سکے۔

آنحضرت ﷺ سجدوں کے وقت بھی رفع یدین کیا کرتے تھے:

(۱) حدیث مالک بن الحویرثؓ (نسائی ص ۵۶ ج ۱؛ مسند احمد ص ۴۳۶ وص ۴۳۷ ج ۳؛ ابوعوانہ ص ۹۵، ج ۲)

(۲) حدیث وائل بن حجرؓ (ابوداؤد ص ۳۷ ج ۱؛ طیالسی، طحاوی شریف، دارقطنی، موطا محمد)

(۳) حدیث انس بن مالکؓ (ابن ابی شیبہ، ابویعلی، دارقطنی ص ۱۰۸، ج ۱) سند کے راوی سب صحیح ہیں۔

(۴) حدیث ابوہریرہؓ (ابن ماجہ ص ۶۲، کتاب العلل دارقطنی

(۵) عمیر بن حبیبؓ (ابن ماجہ ص ۶۲)

(۶) حدیث جابر بن عبداللہؓ (مسند احمد ص ۳۱۰، ج ۳)

(۷) حدیث عبداللہ بن الزبیرؓ (ابوداؤد ص ۴۷، ج ۱؛ مسند احمد ص ۲۵۵ و ۲۸۹، ج ۱)

(۸) حدیث عبداللہ بن عباسؓ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

(۹) حدیث عبداللہ بن عمرؓ (مجمع الزوائد ص ۱۰۲، ج ۲)

ان نو صحابہؓ کی احادیث میں سجدوں کے وقت آنحضرت ﷺ کا رفع یدین کرنا مذکور ہے۔ ماضی استمراری کا صیغہ بھی ہے۔ متاخر الاسلام صحابہ بھی ہیں۔ لیکن اب غیر مقلدین کی اکثریت ان احادیث پر عمل نہیں کرتی (تو پھر بھلا کیا کریں) وہ ایک حدیث عبداللہ بن عمرؓ کی صرف زہری کی سند سے پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے اور ایک نہایت ضعیف حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری کی پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ دو سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے، لیکن یہ محض بہانہ ہے۔ یہ حدیث ان نو کے خلاف نہیں ہے۔ وہاں ہے کہ سجدہ کرتے وقت اور سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے اور یہاں ہے کہ دو سجدوں کے درمیان نہیں کرتے تھے۔ دونوں میں فرق ہے۔ توجہ فرمائیں۔

حضرات غیر مقلدین میں سے مولانا ابو حفص عثمانی نے پورا رسالہ لکھا ہے: **فضل الودود فی تحقیق رفع الیدین للسجود**۔ اسی طرح ابو محمد عبدالحق الہاشمی (دراصل نوناری) نے **فتح الودود فی تحقیق رفع الیدین عند السجدود** نامی رسالہ لکھا ہے۔

حضرات غیر مقلدین کی جماعتی، مرکزی اور مسلمہ کتاب فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۰۶، ج ۴ پر ہے کہ سجدوں کے وقت رفع یدین کی حدیث بلاشک صحیح ہے۔ یہ رفع یدین منسوخ نہیں، بلکہ یہ نبی ﷺ کا آخری عمر کا فعل ہے۔ کیونکہ اس کا راوی مالک بن الحویرثؓ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی آخری عمر میں داخل ہوا اور اس کے بعد کوئی ایسی حدیث صریح نہیں آئی ہے جس سے نسخ ثابت ہوتا، بلکہ ابن عمرؓ کا اس رفع کو قبول کرنا بعد روایت منع کے رفع الیدین عندالسجود کے اول دلیل ہے کہ رفع بعد منع وارد ہوا...... بلاشبہ اس کا عامل **محی السنۃ المیۃ** ہے اور مستحق اجر سو شہید کا ہے۔ جو شخص اس کی مخالفت کرے اور اس رفع یدین سے ناراض ہو اور اس کے عامل کو فرقہ مبتدعہ رافضیہ سے تشبیہ دے، باوجودیکہ اس کو یہ حدیث صحیح بھی معلوم ہو تو وہ شخص معاندِ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو رسول سے کٹا اور مومنین کے راستے سے ہٹا، ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں گے (ملخصاً فتاویٰ علمائے حدیث ص ۳۰۶ و ص ۳۰۷، ج ۴)

عجیب بات ہے کہ غیر مقلدین ہر رکعت نماز میں ان نو احادیث کی مخالفت کرتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو محمدی اور اہل حدیث کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان احادیث کے موافق اگر کوئی شخص ہر رکعت میں چار جگہ یعنی ہر سجدہ سے پہلے اور بعد میں ہمیشہ رفع یدین کرے تو اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ ان احادیث پر عمل کرنے والے کو کتنا گناہ ہوگا اور ان احادیث پر عمل چھوڑنے والوں کو کتنا اجر ملے گا؟

آنحضرت ﷺ کے بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمیر بن حبیبؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا کرتے تھے (ابن ماجہ، مسند احمد) اور بخاری شریف ص ۱۱۰، ج ۱ پر ہے کہ حضور ﷺ چار رکعت میں بائیس تکبیریں کہتے تھے، لیکن غیر مقلدین بائیس تکبیروں میں سے

صرف چھ تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ اور ابوحمید الساعدی کی حدیث میں اذا قام من السجدتین کا لفظ ہے۔ ظاہر ہے کہ دو سجدوں کے بعد نمازی دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنی چاہیے۔ جبکہ غیر مقلدین ان دونوں حدیثوں کو صحیح سمجھتے ہیں، جبکہ حضرت علیؓ کی حدیث الرسائل میں دس نمبروں میں اور ابوحمید کی حدیث پچیس نمبروں میں لکھی ہے۔ گویا غیر مقلدین دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین نہ کر کے تقریباً چالیس احادیث کی مخالفت کرتے ہیں اور اس وقت کی رفع یدین کے منع کی ایک بھی حدیث پیش نہیں کرتے، نہ صحیح نہ ضعیف۔ پھر بھی اتنی احادیث کی مخالفت کر کے ان کے محمدی اور اہل حدیث ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ وضاحت بحوالہ حدیث فرمائیں کہ ہر تکبیر کے ساتھ ہمیشہ رفع یدین کرنے والے کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

غیر مقلدیت، بے اصول فرقہ:

غیر مقلدین کا فرقہ ایک بے اصول فرقہ ہے۔ جس طرح مرزائیوں، نیچریوں، چکڑالویوں، مودودیوں، اسراریوں کا کوئی نہ اصولِ تفسیر ہے نہ اصولِ حدیث، نہ اصولِ فقہ، یہی حال غیر مقلدین کا ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ امام شافعیؒ کی تقلید کو تو شرک اور حرام کہتے ہیں، مگر ابن حجر، ابن حزم، نووی کو اربابا من دون اللّٰہ مان رکھا ہے۔ اصول خواہ اصولِ حدیث ہوں یا اصولِ تفسیر، اصولِ فقہ ہوں یا اصول جرح وتعدیل، یہ سب اہل فن کے اجتہاد پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان میں یقیناً دو قسم کے اصول ہیں۔ ایک قسم اجماعی ہے جن پر اہل سنت والجماعت کے اہل فن کا اتفاق ہے۔ ان کو ہم اس لیے تسلیم کریں گے کہ ہم اجماع امت کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔ غیر مقلدین چونکہ اجماعِ اُمت کو دلیل شرعی نہیں مانتے، اس لئے غیر مقلدین ان اصولوں سے استدلال میں مدد نہیں لے سکیں گے۔ دوسری قسم وہ اصول ہیں جن میں اہل فن کا اختلاف ہے۔ ان اصولوں میں ہم حنفی اصول کے پابند ہیں۔ کیونکہ اجتہادیات میں ہم مذہب حنفی کو راجح مانتے ہیں۔

چنانچہ درمختار شریف میں ہے: واما نحن فعلینا باتباع ما رجحوہ وما صححوہ. اور ہم لوگوں پر تو پیروی اس قول کی لازم ہے جس کو علماء مرجحین اور علمائے مصححین نے ترجیح دی ہے (غایۃ الاوطار ص ۳۳، ج۱)

ان اختلافی اصولوں اور اختلافی مسائل میں ہم شوافع، موالک، حنابلہ اور خود احناف کے غیر مفتیٰ بہ اور غیر معمول بہ مسائل واصولوں کو مرجوح مانتے ہیں۔ اس لئے ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ درمختار شریف میں ہے: وان الحکم والفتوی بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع. اور یہ کہ قاضی کا حکم کرنا اور مفتی کا فتویٰ دینا قول مرجوح پر جہالت اور اجماع کو پھاڑنا ہے، یعنی حرام اور باطل ہے (غایۃ الاوطار ص ۳۱ ج ۱)

غیر مقلدین چونکہ قیاس کو دلیلِ شرعی نہیں مانتے، ان کو ان اصولوں کے پیش کرنے کا بھی حق نہیں۔

مالہ وما علیہ:

بحث میں اگر مقصود اظہار صواب (تحقیق حق) ہو تو اس کو مناظرہ کہتے ہیں (رشیدیہ ص ۹) اگر مقصد تحقیق کی بجائے محض الزام ہو تو اس کو مجادلہ کہتے ہیں۔ اور بحث برائے بحث ہی مقصود ہو، نہ تحقیق حق مقصود ہو نہ الزام خصم، اسے مکابرہ کہتے ہیں (رشیدیہ ص ۱۲)

الحمدللہ! ملک بھر میں غیر مقلدین اپنے مذہب کو دلائلِ حقہ سے ثابت کرنے سے عاجز آ چکے ہیں، اس لئے اکثر مکابرہ سے کام لیتے ہیں اور بعض جگہ مجادلہ سے محض الزام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ لکھ دیں کہ ہم مناظرہ یعنی تحقیقِ حق میں شکست کھا چکے ہیں تو ہم انہیں اجازت دیں گے کہ وہ بطور الزام حنفی مذہب کے مفتی بہا اور معمول بہا اقوال ہمارے مقابلے میں پیش کر سکیں گے۔ شوافع کے اصول اور غیر مفتیٰ بہا اور غیر معمول بہا اقوال پیش کر کے جہالت اور حرام کاری میں مبتلا نہ ہوں۔

اور الزام کے وقت ہم کو بھی حق ہوگا کہ تقلید سلف سے ہٹ کر جو فرقے بھی وجود میں آئے ہیں، مثلاً مرزائی، نیچری، چکڑالوی، مودودی، اسراری، طاہری، ان سب کے اقوال بطور الزام ان کے خلاف پیش کریں، کیونکہ ان سب میں قدر مشترک ترک تقلید ہے۔

(۱) غیر مقلد عوام کو کہا کرتے ہیں کہ رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی احادیث صحیح ہیں اور رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی تمام احادیث ضعیف ہیں۔ان پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کی تمام احادیث ضعیف ہیں اور سجدہ کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی احادیث صحیح ہیں۔

(۳) سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کی تمام احادیث ضعیف ہیں۔

یہ تینوں فیصلے نہ ہمیں قرآن میں ملے ہیں، نہ حدیث میں۔ اگر وہ یہ تینوں فیصلے ہمیں حضور ﷺ کی حدیث صحیح میں دکھادیں تو ہم مان لیں گے کہ وہ محمدی بھی ہیں اور اہل حدیث بھی، ورنہ ہم ان کو دعوائے محمدی اور اہل حدیث میں جھوٹا سمجھیں گے۔ اور اگر وہ یہ فیصلے حدیث سے نہ دکھا سکے اور قیامت تک نہ دکھا سکیں گے تو لکھ دیں کہ ہم آج تک جھوٹ بولتے رہے۔ ہم نہ محمدی ہیں نہ ہی اہل حدیث۔ پھر وہ اجماع خیر القرون وائمہ اربعہ یا فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ قول سے یہ فیصلے دکھادیں تو ہم تحریر لکھ دیں گے کہ وہ اپنے فیصلے تحقیقی دلائل (قرآن وحدیث) سے ثابت نہیں کر سکے۔ البتہ اجماع ائمہ اربعہ اور فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ قول سے ہمیں الزام دینے میں کامیاب ہو گئے، لیکن وہ قیامت تک ایسا بھی نہیں کر سکیں گے۔

گویا مناظرہ تو کیا وہ مجادلہ میں بھی ناکام ہیں۔ ہاں احناف اور شوافع کے درمیان جو اختلافی اصول ہیں، ان سے استدلال کا ان کو ہرگز حق نہ ہوگا، کیونکہ ان سے استدلال نہ تو تحقیقی جواب ہے کہ اس کے تحقیقی دلائل صرف قرآن وحدیث ہیں اور نہ ہی الزامی جواب، کیونکہ الزامی جواب مسلمات خصم پر مبنی ہوتا ہے اور ہماری کتب اصولِ فقہ میں ان کو کہیں تسلیم نہیں کیا گیا (بحیثیت مذہب) تو ان سے ہم پر الزام قائم نہ ہوگا، ہاں وہ استدلال کرنے والے مشرک بن جائیں گے۔ اس لئے غیر مقلدین نہ اپنے قیاسی جواب دیں کہ ان کے نزدیک یہ کارِ شیطانی ہے، نہ اُمتیوں کے اقوال پیش کر کے مشرک بنیں، نہ بے سند اقوال لکھ کر بے دین بنیں، نہ خاموش رہ کر گونگے شیطان، یہ سب ان کے مسلمات پر ہے۔

غیر مقلدین حضرات کی ہر مسجد میں ایک اشتہار اثبات رفع یدین کا لگا ہوتا ہے، اس

میں یہ دعویٰ ہے کہ ان کا رفع یدین کا یہ مکمل عمل قرآن پاک کی دو آیات سے ثابت ہے۔

پہلی آیت: **فصل لربک وانحر**. ساری اُمت نے اس آیت کا مطلب احادیث صحیحہ اور اجماع کی روشنی میں یہی بیان کیا ہے کہ اپنے رب کی نماز (عید) پڑھ اور (اس کے بعد) قربانی کر۔ مگر اشرف سلیم نے قربانی کی بجائے رفع یدین مراد لی ہے، جو روایت بیان کی اس سے ظاہر ہے کہ:

(۱) آنحضرت ﷺ کو **نحر** کا معنی نہیں آتا تھا، اس لئے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا۔

(۲) جبرئیلؑ نے فرمایا کہ اس آیت میں **نحر** سے مراد قربانی ہی نہیں۔ **انها ليست بنحرة**

(۳) اشرف سلیم نے جو اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ قربانی ہی مراد نہیں، بالکل غلط ہے۔

(۴) ابن ابی حاتم اور ابنِ کثیر میں یہ الفاظ بھی ہیں: **اذا سجدت**، یعنی جب سجدہ کرو، پھر بھی رفع یدین کرو۔ یہ الفاظ مولوی جی نے چھوڑ دیئے۔ کیونکہ ان کے مذہب اور عمل کے خلاف تھے۔

(۵) مستدرک کا حوالہ دیا۔ مگر اسی صفحہ پر علامہ ذہبی نے تلخیص میں لکھا تھا کہ اسرائیل صاحب عجائب ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور دوسرا راوی اصبغ ہے جو شیعہ اور متروک الحدیث ہے (تلخیص المستدرک ص ۵۳۸ ج ۲)

(۶) ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''اصبغ بڑا ہی جھوٹا اور متروک تھا اور رجعت کا قائل تھا'' (میزان ص ۲۷۱ ج ۱)

(۷) بیہقی نے اس کے بعد لکھا تھا کہ یہ روایت کی گئی ہے مگر اعتماد پچھلی روایات پر ہے، یعنی یہ قابل اعتماد ہے (ص ۲۵ ج ۲) مولوی صاحب یہ جملہ بھی کھا گئے۔

(۸-۹-۱۰) ابن ابی حاتم وابن کثیر، فتح البیان کے حوالے دیئے۔ حالانکہ ابن کثیر نے صاف لکھا کہ ''یہ روایت سخت منکر ہے۔'' اور آخر میں لکھتے ہیں کہ ''یہ سب اقوال سخت غریب ہیں، صحیح صرف یہی قول ہے کہ **نحر** سے مراد قربانی ہے (ص ۵۵۸، ص ۵۵۹، ج ۴)

درمنثور اور اکلیل کے حوالے دیئے ہیں۔ دونوں علامہ سیوطیؒ کی ہیں، جبکہ خود سیوطی نے اکلیل میں اس روایت کے شروع میں بھی ضعیف لکھا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے

کہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ حدیث شدید منکر ہے۔ بلکہ ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے۔ (اکلیل ص ۲۲۹)

(۸) وغیرہم کا حوالہ بھی دیا ہے۔ علامہ ذہبیؒ میزان میں اسرائیل بن ابی حاتم کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ''یہ مقاتل کے حوالہ سے جھوٹی احادیث بیان کیا کرتا تھا۔ اور ان جھوٹی حدیثوں کی مثال میں یہی روایت ذکر کی ہے۔''

(۹) اشرف سلیم صاحب نے یہ لکھا ہے: ''قربانی ہی مراد نہیں'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیک وقت وانحر سے قربانی اور رفع یدین مراد لیتے ہیں۔ لیکن وہ قربانی نماز کے بعد کرتے ہیں اور رفع یدین نماز کے اندر۔ یا تو سب غیر مقلدین جنہوں نے اس اشتہار کو مسجد کی زینت بنا رکھا ہے، قربانی بھی نماز کے اندر رکوع کے وقت کیا کریں، یا پھر رفع یدین بھی نماز سے فارغ ہو کر گھر جا کر کرلیا کریں۔ ایک دلیل میں اتنے دھوکے، قرآن پر جھوٹ، جبرائیل پر جھوٹ، فرشتوں پر جھوٹ، کتابوں سے نقل میں خیانت، اس کی مثال ہمیں کافروں کی کتابوں میں بھی نہیں ملی۔ ایسے گندے اور جھوٹے اشتہار کو مسجد میں لگانا، غیر مقلدوں کو ہی زیب دیتا ہے، ورنہ ایسے جھوٹے اشتہار کسی گرجے اور مندر میں بھی نہیں دیکھے۔

دوسری آیت: قرآنی دلیل نمبر۲ کے تحت لکھا ہے: ''خذوا زینتکم عند کل مسجد.'' اس آیت کا رفع یدین کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں، نہ ہی اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ دوسری اور چوتھی رکعت کو رفع یدین کی زینت سے خالی رکھنا، صرف تیسری رکعت کو زینت دینا اور دونوں سجدوں کو زینت سے خالی رکھنا، صرف رکوع کو زینت دینا، نہ ہی آنحضرت ﷺ نے اس آیت کا یہ شانِ نزول بتایا ہے، نہ ہی کبھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس آیت کو رفع یدین متنازعہ فیہ کے لئے پیش فرمایا ہے۔

غیر مقلدین غور فرمالیں کہ شیعوں کی نماز غیر مقلدین سے زیادہ زینت والی ہے، ہر رکعت مزین، ہر سجدہ مزین، ہر سلام مزین، آیت کا تعلق لباس سے ہے۔

الغرض! یہ بھی قرآن پاک پر جھوٹ ہے، جو فرقہ ابتداء ہی قرآن پاک پر جھوٹ سے کرے اور ان جھوٹوں سے اپنی مساجد کو مزین کرے، اس کو بھلا سچ کی توفیق کیسے ملے۔

غیر مقلدین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہمارے رفع یدین کے پورے عمل پر چار سو احادیث و آثار ثابت ہیں (اشتہار، نیز صلوٰۃ الرسول، ص ۲۵۴)

یہ محض جھوٹ ہے۔ ان چار سو صحابہ کی یہ چار سو روایات کسی کتاب میں صحیح سند سے نہیں ہیں۔ یاد رہے جھوٹ منافق کی نشانی ہے۔

غیر مقلدین کا جھوٹ:

(۱۰)　غیر مقلدین کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ''رفع یدین کے اس مکمل عمل کی حدیث ۵۰ صحابہ نے روایت کی ہے، جن میں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔'' اس پر اشرف سلیم صاحب نے جزء رفع یدین بخاری کا حوالہ دیا ہے، جو بالکل جھوٹ ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ صحیح بخاری شریف، امام بخاریؒ سے تقریباً نوے ہزار لوگوں نے پڑھی۔ اُمت میں یہ کتاب متواتر ہے، لیکن جزء رفع یدین اور جزء القراءۃ دونوں ناقابل اعتماد رسالے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کا ایک ہی راوی (محمود بن اسحاق الخزاعی) ہے، جس کا ثقہ ہونا بطریق محدثین ہرگز ہرگز ثابت نہیں اور نہ ہی کوئی غیر مقلد ثابت کر سکتا ہے۔

(۱۱)　اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین کا مقام سب صحابہ سے بلند ہے، لیکن خلفائے راشدین سے نہ تو رفع یدین کے مکمل عمل پر آنحضرت ﷺ سے ساری عمر رفع یدین کرنے کی حدیث ثابت ہے اور نہ ہی کسی صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ خلفائے راشدین خود ساری عمر رفع یدین کرتے رہے۔ یہ حضور ﷺ پر جھوٹ ہے اور خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) پر بھی۔

(۱۲)　حضرات عشرہ مبشرہ میں سے باقی حضرات حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم نے بھی نہ آنحضرت ﷺ سے رفع یدین روایت کی، نہ خود ان کا ساری عمر رفع یدین کرنا کسی سند سے ثابت ہے، یہ بھی حضور ﷺ اور عشرہ مبشرہ پر جھوٹ ہے۔

رفع یدین کانفرنس:

صحیح بخاری ص ۱۱۴، ج ۱ پر ہے کہ ''حضرت ابوحمید الساعدیؓ نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی محفوظ نماز کا ذکر فرمایا۔ جس میں صرف پہلی تکبیر کی رفع یدین کا ذکر ہے اور بس۔ اس سے معلوم ہوا کہ اور کسی جگہ کی رفع یدین باقی نہ رہی۔

اس صحیح حدیث کے خلاف ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ''حضرت ابوحمید الساعدیؓ نے دس صحابہ کی موجودگی میں فرمایا: میں تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ کونسا مسئلہ ایسا جانتے ہو جس کا ہمیں علم نہ ہو۔ تو انہوں نے رکوع کی رفع یدین کا مسئلہ بتایا تو سب نے کہا کہ آپ نے سچ کہا (یعنی یہ مسئلہ آپ ہی جانتے ہیں، ہمیں اس کا علم نہیں تھا) اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو اس سے تو یہ معلوم ہوتا کہ رکوع کی رفع یدین پر عمل کہاں، صحابہ کی اکثریت اس کو جانتی تک نہ تھی، اس کی سند میں عبدالحمید بن جعفر ضعیف ہے۔ (میزان)

(۱۳)　جب ان دس صحابہؓ کے نام پوچھے جاتے ہیں تو دس کی بجائے اٹھارہ نام بتائے جاتے ہیں، اور وہ یہ ہیں: ابوقتادہ، ابواسید، محمد بن مسلمہ، ابوہریرہ، سہل بن سعد، امام حسن بن علی، زید بن ثابت، عقبہ بن عامر، ابومسعود، عبداللہ بن عمر، سلمان، ابوموسیٰ اشعری، ابوسعید خدری، عائشہ، بریدہ، عمار بن یاسر، ام درداء اور ابوحمید۔ لیکن ان کا کسی محفل میں جمع ہونا محض بے دلیل اور بے ثبوت ہے، کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔

(۱۴)　بلکہ ان میں بعض ایسے نام ہیں جن کی وجہ سے اس واقعہ کا بالکل جھوٹا ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس کا راوی محمد بن عمرو بن عطاء ہے، اس کی پیدائش ۴۰ھ میں ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی عمر کم از کم دس سال کی ہو تو اس مجلس کا حال بیان کر سکتا ہے، یعنی کم از کم یہ مجلس ۵۰ھ میں منعقد ہوئی ہوگی۔ جب کہ سلیمان فارسی ۳۴ھ، ابومسعود بدری ۳۸ھ، محمد بن مسلمہ ۴۱ھ، ابواسید ۳۰ھ، عمار بن یاسر ۳۷ھ، ابوقتادہ ۴۰ھ، امام حسن بن علی ۴۹ھ، زید بن ثابت ۴۵ھ۔ ان دس صحابہ میں سے یہ آٹھ تو مجلس کے انعقاد سے کئی سال پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ کیا زندہ صحابہ میں سے کوئی بھی رفع یدین کو نہیں جانتا تھا کہ

مردہ کانفرنس قائم کی گئی اور پندرہ بیس سال پرانی قبریں اُکھاڑی گئیں۔ حالانکہ نہ ان سے دوام رفع یدین کی روایت ثابت، نہ ہی ان کا اپنا دائمی عمل۔

(۱۵) ان پچاس ناموں میں ابی بن کعب، ابودرداء، عمرو بن عاص، قتادہ، زیاد بن حارث، عدی بن عجلان، عبداللہ بن جابر، حکم بن عمیر، وائل بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی نام درج کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ ان سے دوام رفع یدین کی روایت ثابت ہے اور نہ ان کا عمل۔ سب جھوٹ ہے۔

(۱۶) اشرف سلیم صاحب لکھتے ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ سب کے سب رفع یدین کرتے تھے۔ یہ محض بے سند جھوٹ ہے۔

غیر مقلدوں کا عوام کے سامنے جھوٹ:

(۱۷) رفع یدین پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ آنحضرت ﷺ پر تو محض جھوٹ ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر کا قول طبرانی کبیر ص ۲۹۷، ج ۱۷ پر ہے، مگر وہاں اشارے کا ذکر ہے نہ کہ رفع یدین کا، اسی طرح کنز العمال میں اور مجمع الزوائد میں اشارے کا ذکر ہے۔

(۱۸) یہ قول اشارے والا بھی کسی صحیح سند سے ثابت نہیں، اس کی سند میں ایک تو ابن لھیعہ ہے، جس کو خود انہوں نے الرسائل ص ۱۷۴ پر ضعیف قرار دیا ہے اور ص ۲۱۶ پر اس سے استدلال کیا ہے۔

(۱۹) دوسرا راوی مشرح بن عاھان ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ عقبہ سے منکر روایتیں بیان کرتا تھا۔ اس نے حجاج کے لشکر میں شامل ہو کر خانہ کعبہ پر گولہ باری کی تھی۔ (تہذیب ص ۱۵۵، ج ۱۰)

(۲۰) اگر صحیح بھی ہوتا تو اس کا فائدہ شیعوں کو غیر مقلدوں سے بہت زیادہ ہے، کیونکہ وہ زیادہ جگہوں پر رفع یدین کرتے ہیں اور بار بار کرتے ہیں۔

(۲۱) کبھی متنازعہ رفع یدین کی حدیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔

غیر مقلدوں کا آخری سہارا:

حضرت شیخ الہندؒ نے ان سے مطالبہ کیا تھا کہ آپ دوام رفع یدین کرنا کسی نص صریح سے ثابت کر دیں۔ اُمت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ پر جھوٹ بولنا، اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنانا ہے۔ خواہ خود جھوٹ بولے، خواہ کسی کا جھوٹ حضور ﷺ کے ذمہ لگا دے۔

آج کل کے غیر مقلدین بلا استثناء تقریر و تحریر میں آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کی آخری نماز بھی اس رفع یدین کے ساتھ ادا فرمائی۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ جھکنے، اُٹھنے کے وقت تکبیر کے ذکر کے ساتھ تو حتیٰ فارق الدنیا کا لفظ صحیح بخاری ص ۱۱۰ ج ۱ پر حضرت ابو ہریرہؓ نے قسم کھا کر بیان فرمایا ہے جو دوام تکبیر پر نص صریح، صحیح ہے کہ حضرت آخر عمر تک تکبیر کہتے رہے۔ مگر رفع یدین متنازعہ فیہ کے بارے میں یہ ثابت نہیں۔

آخر غیر مقلدین نے بیہقی کے حوالہ سے ایک جھوٹی حدیث پیش کر ہی دی جس میں فما زالت تلک صلٰوته حتیٰ لقی اللّٰه کے الفاظ ہیں۔ مگر اس کا پہلا راوی ابو عبد اللہ الحافظ غالی شیعہ ہے (میزان ج ۳، ص ۶۰۸)۔ دوسرا راوی جعفر بن محمد بن نصر کی توثیق ثابت نہیں ہے۔ تیسرا راوی عبد الرحمٰن بن قریش متہم بالوضع ہے (میزان ج ۳، ص ۵۸۲) یعنی اتنا بڑا جھوٹا انسان کہ جب بھی جھوٹ بولتا ہے حضور ﷺ پر جھوٹ بولتا ہے۔ چوتھے اور پانچویں راوی عبد اللہ بن احمد الدجی اور الحسن بن عبد اللہ حمدان کی بھی توثیق ثابت نہیں ہے۔

چھٹا راوی عصمہ بن محمد انصاری ہے، جس کو محدثین نے کذاب اور واضع احادیث قرار دیا ہے (میزان ج ۳، ص ۶۸) کہ یہ بھی جھوٹ گھڑ گھڑ کر آنحضرت ﷺ کے ذمہ لگاتا تھا۔ یہ ہے غیر مقلدین کے مذہب کا سرمایہ، جس کی سند کا ایک راوی غالی شیعہ، تین مجہول اور دو کذاب ہیں۔ چنانچہ جب یہ روایت پیش کی تو علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ بناوٹی ہے۔ مگر غیر مقلدین کے محدث اعظم مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری نے یہ کہہ کر ہتھیار ڈال دیئے کہ ہمارا استدلال اس حدیث پر مبنی

نہیں۔ جب محدث اعظم نے ہتھیار ڈال دیئے تو اب ہی اس جھوٹی حدیث کو پیش کرنے سے توبہ کر لیتے۔ مگر یہی تو جھوٹے مذہب کا آخری سہارا ہے۔ آخر ان کے مناظر اعظم مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھرے مجمع میں مناظرہ جلال پور (پیروالہ) میں یہ حدیث پیش کر دی۔ وہاں ان کے (شیعہ) ثالث نے بھی یہ تحریر لکھ دی کہ جب مولوی ثناء اللہ نے بیہقی کی حدیث پیش کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ آخر دم تک رفع یدین کرتے رہے تو مولوی غلام محمد صاحب نے اس حدیث کے راویوں سے عصمہ بن محمد انصاری کو رجال کے حوالہ سے متروک اور عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ کو ذہبی کے حوالہ سے واضع الحدیث کے ساتھ متہم بتایا، میں اس کو تسلیم کرتا ہوں۔ (سیرت ثنائی ص ۴۳۶)

غیر مقلدین پر اب ہر طرف سے پھٹکار برس رہی تھی کہ جس روایت کو شیعہ تک جھوٹی تسلیم کر لیں (تو پھر ایسے مذہب کا تو اللہ ہی حافظ ہے) تمہیں مجمع عام میں حضور ﷺ پر جھوٹ بولتے ذرا برابر شرم نہ آئی، خدا کا خوف تو دل سے نکل گیا تھا، آنکھوں میں انسانوں کی شرم ہی رکھتے۔ مگر اب بھی طریقہ یہ ہے کہ ان کا مولوی اسٹیج پر بیٹھ کر حضور ﷺ پر جھوٹ بولتا ہے اور چند نوجوانوں کو پیسے دے کر نعرے لگوائے جاتے ہیں: مسلک اہل حدیث زندہ باد۔

مناظرہ چک بخشو میں ان کے شیخ الحدیث عبداللہ امجد چھتوی نے یہی حدیث پھر پیش کر دی۔ چودھری محمد اسلم ایڈووکیٹ ثالث تھے۔ میں نے روایت کی سند کا حال بیان کر کے آخر میں کہا کہ اس قسم کی دو حدیثیں اور بھی کتابوں میں ہیں۔ حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رکوع کے وقت رفع یدین کی، اس کی نماز نہیں ہوتی، مگر ان دونوں کی سندوں میں ایک ایک راوی جھوٹا ہے۔ اس لئے ہم ان احادیث کو کبھی دلائل میں پیش نہیں کرتے، اب میں صرف اس لئے دکھا رہا ہوں کہ عبداللہ چھتوی صاحب وہ اصول ہمیں دکھلا دیں جس کی بناء پر یہ دونوں حدیثیں جن کی سند کا ایک ایک راوی جھوٹا ہے، وہ تو جھوٹی رہیں، مگر جس کی سند میں ایک غالی شیعہ، دو کذاب اور تین راوی مجہول ہوں، وہ سچی ثابت ہو جائے۔ وکیل صاحب نے چھتوی سے جواب پوچھا تو کہنے لگا کہ ''آپ کہتے ہیں کہ یہ ثابت کر دو کہ آنحضرت ﷺ

نے آخری عمر تک رفع یدین کی ہے۔ مگر میں تو یہ بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ حضور ﷺ نے آخری عمر میں نماز ہی پڑھی ہو۔

پھر چھوٹی صاحب سے کہا گیا کہ آپ قرآن و حدیث کے سوا کچھ اور نہیں مانتے، لیکن آپ اس رفع یدین کو سنت کہتے ہیں، آپ یہ حکم ہی قرآن کی کسی آیت یا حدیث سے دکھا دیں۔ تو اس نے کہا میں اس رفع یدین کو کبھی سنت نہیں کہوں گا اور میدان سے بھاگ نکلا۔

غیر مقلدین کی ذلت آمیز شکست:

رسالہ تحقیق مسئلہ رفع یدین میں دو چیلنج تھے۔ پہلا چیلنج ملاحظہ ہو:

ایک جھوٹی حدیث غیر مقلدین بیہقی کے حوالہ سے رفع یدین کے بارے میں پیش کرتے ہیں کہ "فما زالت تلک صلوته حتیٰ لقی اللّٰہ تعالیٰ" کہ آپ ﷺ آخر عمر تک رفع یدین والی نماز پڑھتے رہے۔ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن قریش ہے۔ علامہ سلیمانی فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا (میزان الاعتدال ص ۵۸۲، ج ۲)

اس سند کا دوسرا راوی عصمہ بن محمد الانصاری ہے۔ اس کے متعلق امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: "کذاب، یضع الحدیث" (میزان الاعتدال ص ۲۸ ج ۳) یعنی بڑا جھوٹا ہے، جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا) علامہ عقیلی فرماتے ہیں کہ وہ باطل حدیثیں روایت کرتا تھا، ایسی جھوٹی حدیث کو بیان کرنا بھی بالکل حرام ہے۔ اگر کوئی غیر مقلد اس کو صحیح ثابت کر دے تو ہم اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ہے کوئی مرد میدان جو ہمت کرے۔ دیدہ باید (ص ۱۹)

اس چیلنج کا شائع ہونا تھا کہ غیر مقلد نوجوانوں نے اپنے مولویوں کے ناک میں دم کر دیا۔ وہ ایک ہاتھ میں حکیم محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول اُٹھاتے، جس کے ذریعہ یہ جھوٹی حدیث ہر غیر مقلد کے گھر پہنچ چکی ہے، دوسرے ہاتھ میں رسالہ تحقیق رفع یدین لیتے کہ اس کو صحیح ثابت کرنے سے ہزار روپیہ ملے گا اور ہمارا مذہب بھی سچا ثابت ہوگا ورنہ سب جان لیں گے کہ جس مذہب کا صادق ہی اتنا جھوٹا ہو کہ نبی پاکؐ کے ذمہ جھوٹ

لکھ کر گھر گھر پہنچا دے وہاں پھر غیر صادقوں کا کیا حال ہوگا۔ گوجرانوالہ میں تو اور ہی مصیبت تھی کہ مستری نور حسین نے بھی یہ جھوٹی حدیث اپنے رسالہ کے ذریعہ ہر گھر پہنچا دی تھی۔ نوجوان رو رو کر مولویوں کو کہتے تھے کہ "ہمارے نور نے کیا ظلمت پھیلا دی" آخر پندرہ مجاہدین اُٹھے، جن میں:

(۱) مولانا عبدالحمید صاحب، صدر مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
(۲) مولانا عطاء الرحمٰن اشرف، جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ
(۳) مولانا فاروق اصغر صارم صاحب (مبعوث دارالافتاء سعودی عرب) مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ
(۴) مولانا غلام اللہ ضیاء صاحب جھنگوی۔ مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
(۵) مولانا ابوزکریا صاحب شیخوپوری
(۶) مولانا صوفی محمد اکبر صاحب، خطیب جامع مسجد ناصر خان روڈ (بختے والا) گوجرانوالہ
(۷) مولانا حافظ محمد طیب صاحب بھٹوی، مدرس جامعہ محمدیہ چوک اہل حدیث گوجرانوالہ
(۸) حافظ قاری محمد اکرام صاحب، جامعہ محمدیہ، چوک اہل حدیث گوجرانوالہ
(۹) جناب محمد خالد صاحب، بی۔ اے، سی۔ ٹی، سرفراز کالونی گوجرانوالہ
(۱۰) مولانا رحمت اللہ فقیر صاحب، ہموں گکھڑ، سیالکوٹ
(۱۱) مولانا محمد ادریس صاحب، خطیب جامع مسجد اہل حدیث، حضرت کیلیانوالہ (ضلع گوجرانوالہ)
(۱۲) جناب ادریس بن صدیق، فاضل ادارہ تعلیم و تحقیق جامعہ پنجاب لاہور
(۱۳) ڈاکٹر ایچ ایم یوسف، اسم اعظم والے، تحصیل بازار سیالکوٹ
(۱۴) رانا محمد اقبال ایڈووکیٹ، ڈسٹرکٹ کونسل سیالکوٹ
(۱۵) جناب محمد اعظم، نائب شیخ الحدیث مدرسہ جامعہ اسلامیہ و خطیب جامع مسجد رحمانیہ گوجرانوالہ شامل ہیں۔

ان سب حضرات نے تقریباً پانچ سال کی طویل مدت میں چھوٹے سائز والے ۳۲ صفحات کے رسالے کا جواب بڑے سائز کے تقریباً پانچ صد صفحات میں لکھا، مگر جس حدیث

کو صحیح ثابت کرنے بیٹھے تھے، اس کو صحیح ثابت نہ کر سکے۔ شیخ الحدیث صاحبان کی شیخی کرکری ہوگئی۔ اسم اعظم بھی اس مردہ نعش میں جان نہ ڈال سکا اور وہ یہی کہتے رہے کہ:

جو آرزو تھی اس کا نتیجہ ہے انفعال اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو

ہائے اس مذہب کی بے بسی قابل دید ہے۔ یہ مذہب صرف ''مسلک اہل حدیث زندہ باد'' کے نعروں پر قائم ہے۔ لاڑکانہ کے مناظرے میں جہاں پیر محب اللہ شاہ آف پیر جھنڈا جیسے وسیع المطالعہ غیر مقلد علماء بھی موجود تھے، میں نے کہا کہ اگر آپ اس حدیث کو صحیح ثابت کر دیں تو میں باوضو ہوں، اسی وقت دو نفل رفع یدین کے ساتھ پڑھوں گا اور ساری عمر کے لیے یہی عمل جاری رکھوں گا۔

بے چارے پڑھے لکھے غیر مقلد تقریباً دو گھنٹے اپنے مولویوں کی منتیں کرتے رہے کہ خدا کے واسطے اس حدیث کو صحیح ثابت کر دو۔ مگر وہ کیا کر سکتے تھے۔ مردہ کو زندہ کرنا تو شاید ممکن ہوتا، مگر اس حدیث کو سچا کرنا محال ہے۔

افسوس ہے کہ اس کے باوجود یہ جھوٹی حدیث حکیم محمد صادق سیالکوٹی کی کتاب صلوٰۃ الرسول کے ذریعے غیر مقلدوں کے گھر گھر پڑھی جا رہی ہے اور اشرف سلیم کے اشتہار اثبات رفع یدین کے ذریعے ہر مسجد میں لگی ہوئی ہے، کئی سال سے یہ جھوٹی حدیث غیر مقلدین کے ہر گھر میں پڑھی جا رہی ہے۔ اب مولوی محمد عبدالرؤف نے صلوٰۃ الرسول کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے کہ مجھے یہ حدیث سنن بیہقی میں نہیں ملی۔

علیٰ کل حال یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن قریش ابن خزیمہ ہے اور وہ متہم بالوضع ہے (حاشیہ صلوٰۃ الرسول ص ۲۷۳)

غیر مقلدین کے بڑے اور چھوٹے سب کی عادت ہے کہ جو حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہو اس کو ضعیف کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں، مگر یہ جھوٹی حدیث ان کے مذہب کا آخری سہارا ہے، جس کو یہ لوگ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ محمد خالد گرجاکھی کے والد مستری نور حسین گرجاکھی نے رسالہ قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین کے ص ۸ پر عنوان

لکھا: ''رسول خدا ﷺ کا وفات تک رفع یدین کرنا'' پھر یہی جھوٹی حدیث لکھ کر حدیث کی کتابوں میں سے مسند احمد، بیہقی کا حوالہ دے دیا۔

غیر مقلدین حضرات سے چند سوالات:

ہمارے غیر مقلد دوست کہا کرتے ہیں کہ ہماری نماز کا ہر ہر مسئلہ حدیث صحیح صریح متفق علیہ غیر معارض سے ثابت ہے، جس میں قیاس اور اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔ اس لئے وہ مندرجہ مسائل کی احادیث صحیحہ صریحہ متفق علیہا غیر معارضہ پیش فرمائیں۔ (۱) تکبیر تحریمہ کا فرض ہونا۔ (۲) اکیلے نمازی اور مقتدی کا ہمیشہ تکبیر تحریمہ آہستہ کہنا۔ (۳) نماز میں ثناء کا سنت مؤکدہ ہونا، (۴) امام کا ہمیشہ ثناء آہستہ پڑھنا، جبکہ حضرت عمرؓ نے امام بن کر ثناء اونچی آواز سے پڑھی۔ (۵) مقتدی کا ثناء ہمیشہ آہستہ پڑھنا۔ نسائی میں مقتدی کا حضورؐ کے پیچھے ثناء بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے، (۶) اکیلے نمازی کا ثناء ہمیشہ آہستہ آواز سے پڑھنا۔ (۷) ثناء کے بعد تعوذ کی ترتیب۔ (۸) تعوذ کا سنت ہونا۔ (۹) امام مقتدی اور منفرد سب کا تعوذ آہستہ آواز سے پڑھنا۔ (۱۰) تحریمہ کے وقت ہاتھ ہمیشہ کندھوں تک اُٹھانا۔ (۱۱) قیام کا فرض ہونا صرف فرائض میں۔ (۱۲) سنت و نفل میں قیام کا سنت ہونا۔ (۱۳) قیام میں ہمیشہ ہاتھ سینے پر باندھنا، (۱۴) نوافل میں ہاتھ سینہ پر باندھنا (بیٹھنے کی حالت میں) (۱۵) تعوذ تسمیہ کی ترتیب، (۱۶) بسم اللہ کا سنت مؤکدہ ہونا، (۱۷) اکیلے نمازی کا ہمیشہ تسمیہ آہستہ پڑھنا، (۱۸) مقتدی کا ہمیشہ تسمیہ آہستہ پڑھنا، (۱۹) امام کا ہمیشہ تسمیہ بلند آواز سے پڑھنا، (۲۰) سورۃ فاتحہ کا اکیلے نمازی پر فرض ہونا، (۲۱) سورۃ فاتحہ کا امام پر فرض ہونا، (۲۲) سورۃ فاتحہ کا مقتدی پر فرض ہونا، (۲۳) اکیلے نمازی کا سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھنا، (۲۴) بعض مقتدیوں کا فاتحہ امام کی فاتحہ سے پہلے پڑھنا، (۲۵) بعض مقتدیوں کا امام کی سورۃ کے ختم کے بعد فاتحہ پڑھنا، (۲۶) امام کا گیارہ رکعتوں میں فاتحہ آہستہ پڑھنا، (۲۷) امام کا چھ رکعتوں میں فاتحہ بلند آواز سے پڑھنا، (۲۸) فاتحہ کے بعد آمین کا سنت مؤکدہ

ہونا، (۲۹) اکیلے نمازی کا ہمیشہ آہستہ آواز سے آمین کہنا، (۳۰) مقتدی کا ہمیشہ گیارہ رکعتوں میں آہستہ آمین کہنا، (۳۱) جہری رکعتوں میں جو مقتدی امام کی سورۃ کے وقت ملے اس کا اپنی فاتحہ کے بعد آمین آہستہ کہنا، (۳۲) جہری رکعتوں کو جو مقتدی امام کے بعد پورا کرے ان میں ہمیشہ آہستہ آمین کہنا، (۳۳) جو مقتدی جہری رکعت میں امام کی فاتحہ کے آخر میں ملے اس کا اپنی فاتحہ کے درمیان اونچی آواز سے اور اپنی فاتحہ کے بعد آہستہ آواز سے آمین کہنا۔ (۳۴) امام کا گیارہ رکعتوں میں ہمیشہ آہستہ آمین کہنا، (۳۵) آمین کے بعد اکیلے نمازی پر زائد قرآن کا نہ فرض ہونا، نہ واجب ہونا بلکہ صرف سنت ہونا۔ (۳۶) امام پر بھی سورۃ کا لازم نہ ہونا۔ (۳۷) مقتدی پر ہر نماز میں قرآن کی ۱۱۳ سورتوں میں سے کچھ پڑھنا، حرام ہونا۔ (۳۸) رکوع سے پہلے تکبیر کا سنت مؤکدہ ہونا، (۳۹) تکبیر کب شروع کرے اور کہاں ختم کرے۔ (۴۰) رکوع سے پہلے ہمیشہ بغیر تکبیر کے رفع یدین کرنا، (۴۱) اس تکبیر کا اکیلے اور مقتدی کا آہستہ کہنا، (۴۲) رکوع کا فرض ہونا۔

نوٹ: آپ حضرات نے اگر ان سوالات کا جواب احادیث صحیحہ صریحہ متفق علیہا غیر معارضہ سے دے دیا تو ہم مان لیں گے کہ آپ کی نماز حدیث سے ثابت ہے، آپ سچے اہل حدیث ہیں۔ ہم بھی حنبلی مذہب چھوڑ کر آپ کے ساتھ مل جائیں گے اور سعودی حنبلی حکومت کو مشرک مان لیں گے۔ اور اگر آپ جواب نہ دے سکے تو ہم یقین کر لیں گے کہ آپ بالکل جھوٹے اہل حدیث ہیں۔ جب آپ کی نماز پنجگانہ بھی احادیث سے ثابت نہیں تو زندگی کے باقی مسائل میں آپ کو کہاں سے احادیث ملیں گی۔ فرقہ غیر مقلدین کی نئی شاخ مسعودی فرقہ کی نماز بھی ہرگز حدیث سے ثابت نہیں۔ وہ بھی ان سوالات کا جواب احادیث صریحہ صحیحہ متفق علیہا غیر معارضہ سے دے سکتے ہیں تو دیں۔ لیکن یہ سب اس سے عاجز رہیں گے۔ کیونکہ ؎

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے — یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایمان کے بعد سب سے اہم عبادت نماز ہے' جس میں آج کل مسلمان بہت کوتاہی کر رہے ہیں۔ بہت کم لوگ نماز کی پابندی کرتے ہیں۔ حالانکہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا ہی حساب ہوگا۔ ہماری تبلیغی جماعت کی محنت یہ ہے کہ بے نمازیوں کو نماز پر لگایا جائے' اور الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس محنت کو قبول فرمایا۔ اسی محنت سے ہزاروں لاکھوں بے نماز نمازی بن گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو نماز' روزہ کی پابندی کی توفیق دیں' آمین۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ہمارے غیر مقلد دوست بھی پوری محنت سے نمازیوں کے دلوں میں ہر وقت یہ وسوسے ڈالتے رہتے ہیں کہ تمہاری نماز ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک دن دس تبلیغی ساتھی ایک غیر مقلد مولوی صاحب کے ساتھ میرے پاس آئے' کہ یہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دنیا بھر میں یہ لاکھوں کروڑوں حنفی جو نماز پڑھتے ہیں' ان کی نماز بالکل نہیں ہوتی۔ یہ لوگ قبر تک بے نماز جاتے ہیں۔ میں نے مولوی صاحب سے اس کی تصدیق چاہی۔ وہ ایک ہی سانس میں یہاں تک کہہ گئے کہ نماز میں رفع یدین سنت موکدہ متواترہ ہے۔ ترک سنت ضلالت اور گمراہی ہے (مسلم) اور ترک سنت لعنت ہے۔ جو خلاف سنت نماز پڑھتا ہے وہ لعنتی ہے۔ میں نے پوچھا کیا صرف رفع یدین کی سنت کا ترک ہی لعنت ہے یا ہر سنت کا تارک لعنتی ہے۔ اس نے کہا:

ایک سنت کا تارک بھی لعنتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ رفع یدین کو سنت موکدہ متواترہ جس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا' وہ حدیث دکھادیں۔ یہ صحاح ستہ مترجم رکھی ہے۔ اس سے ایک تو یہ دکھائیں کہ رفع یدین رکوع کی اور تیسری رکعت کے شروع کی سنت موکدہ متواترہ ہے۔ اور ایک دوسری حدیث یہ دکھائیں کہ دو رکعت نماز میں کل موکدہ سنتیں کتنی ہیں؟ اور سنت موکدہ کی جامع مانع تعریف بھی صرف قرآن و حدیث سے بتائیں۔ تبلیغی ساتھی مترجم قرآن پاک اور صحاح ستہ مترجم اٹھا اٹھا کر مولوی صاحب کو پکڑائیں کہ ان تینوں سوالوں کا جواب قرآن یا حدیث میں دکھائیں؟ مگر مولوی صاحب کہاں سے دکھاتے۔ تبلیغی ساتھی بہت حیران تھے کہ یا اللہ جس شخص کو نہ سنت موکدہ کی تعریف آتی ہے نہ وہ نماز کی کل سنتیں بتا سکتا ہے نہ ہی اپنی اختلافی رفع یدین کا سنت موکدہ متواترہ ہونا کسی حدیث سے دکھا سکتا ہے۔ اس جہالت پر اتنی جرات کہ ساری دنیا کو بے نماز کہتا ہے۔ اب وہ تبلیغی ساتھی ہی اس کے سر ہو گئے کہ جب تو اس رفع یدین کا سنت موکدہ متواترہ ہونا ہی حدیث میں نہ دکھا سکا۔ تو اس کے تارک کو لعنتی کیوں کہتا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں حدیث لکھی ہے کہ رفع یدین سنت موکدہ متواترہ ہے۔ صحیح بخاری مترجم دی گئی۔ مگر وہ حدیث پاک سے سنت موکدہ متواترہ کا لفظ نہ دکھا سکا۔ اب اس نے کہا کہ بخاری میں رفع یدین کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے رفع یدین کیا' اور آپ کا ہر فعل سنت موکدہ متواترہ ہی ہوتا ہے۔ ہم نے پوچھا کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرے نبی کا ہر فعل سنت موکدہ متواترہ ہی ہو گا۔ یا اللہ کے نبی پاک کا فرمان ہے کہ میرا ہر فعل سنت موکدہ متواترہ ہی ہو گا۔ اگر ایسا ہے تو یہ مترجم قرآن پاک اور مترجم صحاح ستہ ہے۔ ان میں سے وہ آیت یا حدیث نکال کر دکھائیں۔ اب وہ بہت پریشان ہوا کہ ہر مسئلہ قرآن یا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ ہم نے پوچھا کہ پھر ایسے مسائل آپ کہاں سے لیتے ہیں۔ کہنے لگا ہم قیاس کرتے ہیں۔ ہم نے کہا پھر اس مسئلہ میں تو آپ اہل قیاس ہوئے' اہل حدیث تو نہ رہے۔ ہم نے پوچھا واہ اہل قیاس صاحب آپ کا ہر ہر آدمی قیاس کر سکتا ہے۔ تو ذرا آپ قیاس کی تعریف اور

قیاس کے شرائط بیان فرمائیں- وہ کہنے لگا مجھے تو قیاس کی تعریف اور شرائط یاد نہیں- ہم نے کہا کہ پھر تو آپ نہ اہل حدیث ہی رہے نہ اہل قیاس- کہنے لگا ایسے موقع پر ہم ائمہ مجتہدین کے قیاسات سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں- ہم نے کہا پھر تو آپ تقلید کرتے ہیں- کہنے لگا توبہ توبہ تقلید سے ہزار بار توبہ' ہم تقلید نہیں کرتے- تقلید تو یہ ہے کہ صرف مسئلہ پوچھ لیا اور دلیل یعنی آیت و حدیث کا مطالبہ نہ کیا- محض اس حسن ظن پر مسئلہ مان لیا کہ مجتہد نے دلیل سے ہی یہ مسئلہ ثابت کیا ہے- ہم جب مسئلہ پوچھتے ہیں تو ساتھ آیت یا حدیث بھی پوچھتے ہیں اس لئے یہ تقلید نہیں- ہم نے کہا کہ چلئے ہمارے سامنے کسی مجتہد سے پوچھیں جو یہ بتائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام سنت موکدہ متواترہ ہی ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کی دلیل آیت یا حدیث بھی پوچھ دیں- بہت نوازش ہوگی' اب پھر خاموش ہوگیا- تھوڑی دیر بعد شور مچایا کہ بخاری شریف پڑھو- ہم نے بخاری کھول کر اسے دی اور کہا کہ بخاری نے چار باب باندھے ہیں (۱) باب تکبیر تحریمہ میں نماز شروع کرتے ہی برابر دونوں ہاتھوں کا اٹھانا (۲) تکبیر اور رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا (۳) ہاتھوں کو کہاں تک اٹھانا چاہئے (۴) جب دو رکعت پڑھ کر اٹھے تو دونوں ہاتھ اٹھائے- ہم نے کہا کہ ان چاروں ابواب میں سے پہلے باب والے مسئلہ میں تو اختلاف نہیں- اس لئے اس باب اور اسی میں مذکورہ حدیث کے پڑھنے کی ضرورت نہیں- ہاں رکوع والا باب پڑھ کر حدیث پڑھیں اور ترجمہ کریں- مگر پہلے اپنا قول اور عمل لکھ لیں تاکہ اس کو حدیث سے مطابق کر کے دیکھا جاسکے- چار رکعت نماز میں آپ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں کندھوں تک دونوں ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اس کو سنت موکدہ متواترہ کہتے ہیں اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں آپ کبھی بھی دونوں ہاتھ کندھوں تک نہیں اٹھاتے' بلکہ اس سے منع کرتے ہیں- (۲) ہر رکعت میں رکوع جانے سے پہلے اور رکوع سے کھڑے ہو کر ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اس کو سنت موکدہ متواترہ کہتے ہیں- اور سجدوں سے پہلے یا سجدوں سے اٹھ کر رفع یدین نہیں کرتے' بلکہ اس سے منع کرتے ہیں- یہ کل رفع یدین

چار رکعت میں دس جگہ ہوئی اور کل اٹھارہ جگہ منع ہوئی۔ اس پر اس نے کہا کہ ہمارا قول اور فعل تو یہی ہے۔ مگر میں اس پر دستخط نہیں کرتا۔ سب ساتھی حیران کہ قول و فعل کے اقرار کے بعد دستخط کرنے سے انکار کیوں؟ آخر اس ضد کی وجہ اور ضدی سے بات کرنے کا کیا فائدہ۔ خدا خدا کرکے تین گھنٹے کی ضد کے بعد اس نے دستخط کئے۔ پھر میں نے کہا اس مسئلہ میں آپ مدعی ہیں اور ہم سائل، اور دلیل ہمیشہ مدعی کے ذمہ ہوتی ہے۔ اور آپ کے ہاں دلیل صرف دو چیزیں ہیں: قرآن اور حدیث۔ تو پہلے آپ اپنا دعویٰ قرآن پاک سے ثابت کریں۔ اگر نہ کرسکیں تو لکھ دیں کہ ہم قرآن پاک سے اپنا دعویٰ ثابت نہیں کرسکے۔ اس لئے اب حدیث سے ثابت کریں گے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم فیصلہ کیسے کرو گے؟ عرض کیا اللہ کی کتاب سے۔ فرمایا اگر قرآن سے نہ ملا؟ عرض کیا پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح جب تک پانی ملے تیمم جائز نہیں۔ اسی طرح جب تک قرآن سے مسئلہ ملے سنت کی طرف جانا جائز نہیں۔ لیکن مولوی صاحب نہ تو اس حدیث کو مانیں، اور جب ہم کہیں کہ آپ کوئی آیت یا حدیث دکھائیں کہ جس میں اللہ یا آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ پہلے مسئلہ حدیث میں تلاش کرنا۔ حدیث سے نہ ملے تو پھر قرآن میں تلاش کرنا۔ اس پر بھی وہ کوئی آیت یا حدیث پیش نہ کرسکے۔ اب تبلیغی ساتھی بہت حیران تھے کہ یا اللہ! یہ کیسا اہل حدیث ہے؟ نہ ہماری پیش کردہ حدیث کو مانتا ہے اور نہ ہی خود کوئی حدیث پیش کرتا ہے۔ آخر کار اس نے زبانی کہا کہ قرآن پاک میں یہ مسئلہ نہیں، جو ٹیپ کرلیا گیا۔ پھر ہم نے کہا کہ حدیث کی کتابیں اس ترتیب سے لکھی گئیں: (۱) مسند زید ۱۲۲ھ، (۲) مسند امام اعظم ۱۵۰، (۳) موطا امام مالک ۱۷۹ھ، (۴) کتاب الاثار ابی یوسف ۱۸۲ھ، (۵) کتاب الاثار امام محمد ۱۸۹ھ، (۶) موطا امام محمد ۱۸۹ھ، (۷) کتاب الحجۃ علیٰ اھل المدینۃ ۱۸۹ھ، (۸) مسند امام شافعی ۲۰۴ھ، (۹) مصنف عبدالرزاق ۲۱۱ھ، (۱۰) مسند الحمیدی ۲۱۹ھ۔ یہ کتابیں خیرالقرون میں لکھی گئیں، کیونکہ خیرالقرون ۲۲۰ھ تک تھا۔

(۱۱) مسند طیالسی ۲۲۴ھ ' (۱۲) مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ ۲۳۵ھ ' (۱۳) مسند امام احمد ۲۴۱ھ ' (۱۴) مسند دارمی ۲۵۵ھ - یہ کتابیں صحاح ستہ سے پہلے لکھی گئیں- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین زمانہ میرا (اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے) پھر تابعین اور پھر تبع تابعین کا (متفق علیہ) اس لئے ان حدیثوں کی کتابوں سے اپنا قول اور فعل دکھادیں- مگر وہ نام نہاد اہل حدیث حدیث کے اس فیصلے کو ماننے کے لئے بھی تیار نہ ہوا- جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حدیث صحیح نہیں؟ کہنے لگا کہ بالکل صحیح ہے- پھر اسے کہا گیا کہ آپ کوئی حدیث پیش کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ حدیث کی وہ کتابیں جو خیرالقرون میں لکھی جائیں وہ بالکل نہ ماننا اور جو خیرالقرون کے بعد لکھی جائیں ان کو ماننا- مگر اس پر بھی وہ کوئی حدیث پیش نہ کرسکا-

میں نے کہا خیرالقرون کی ان کتابوں میں موطا کو خاص عظمت حاصل ہے- امام شافعی (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں "روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب مالک کی کتاب سے صحیح تر نہیں (تنویر الحوالک) حافظ ابو زرعہ (۲۶۴ھ) جو فن جرح و تعدیل کے مشہور امام ہیں ' فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص حلف اٹھا کر یوں کہے کہ موطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں وہ صحیح نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے- تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی (تزئین الممالک ص ۴۴) علامہ ابن عبدالبر مالکی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں: "کتاب اللہ کے بعد نہ موطا کی مثل کوئی کتاب ہے اور نہ اس سے بڑھ کر (مقدمہ التقصی) حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: "بلاشبہ موطا کی دلوں میں جو وقعت ہے اور قلوب میں جو ہیبت ہے ' اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی (سیر اعلام النبلاء) امام مالک جب اس کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اس کتاب کو مدینہ منورہ کے ستر فقہاء کے سامنے رکھا- تو امام مالک فرماتے ہیں: فکلھم واطئونی علیہ- سب نے اس کتاب کے سلسلہ میں میری موافقت کی- لہٰذا میں نے اس کتاب کا نام ہی موطا رکھ دیا- یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ علامہ سیوطی شافعی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں: "امام ابو حنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ متفرد ہیں ' ایک یہ بھی ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے

علم شریعت کو مدون کیا' اور اس کے ابواب کی ترتیب کی- پھر امام مالک نے موطا کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی اور اس امر میں ابو حنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں ہے (تبییض الصحیفہ ص۳۶) امام شعرانی شافعی فرماتے ہیں: "امام اعظم کی تینوں مسندوں میں ہم نے جو بھی حدیث پائی وہ صحیح ہے (میزان الکبریٰ ج۱ص۶۵) موطا کے اگرچہ کئی نسخے ہیں مگر اہل مغرب میں یحییٰ کا نسخہ مشہور ہے اور اہل مشرق میں امام محمد کا- امام حاکم اپنی کتاب معرفت علوم الحدیث میں لکھتے ہیں "اور امام محمد بن حسن شیبانی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے امام مالک سے موطا کو روایت کیا ہے اور تابعین کی ایک جماعت کو پایا ہے (ص ۴۷)

مناظرہ :

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ اور اوزاعی مکہ میں گیہوں کی منڈی میں ایک دوسرے سے ملے- اوزاعی نے ابو حنیفہ سے کہا (اے اہل کوفہ!) تم کو کیا ہوا کہ نماز میں رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے- ابو حنیفہ بولے اس سبب سے کہ اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث (بغیر معارض کے) نہیں ملی- اوزاعی نے کہا صحیح حدیث کیوں نہیں ہے' اور البتہ حدیث بیان کی مجھ سے زہری نے' انہوں نے سالم سے روایت کی' انہوں نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے' انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھایا کرتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کرنے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت- تو ابو حنیفہ نے ان سے کہا کہ روایت بیان کی مجھ سے حماد نے' انہوں نے روایت کی ابراہیم سے' انہوں نے علقمہ اور اسود سے' انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ نہیں اٹھاتے مگر شروع نماز میں اور پھر دوبارہ ایسا کچھ (ہاتھ اٹھانا وغیرہ) نہ کرتے- اس پر اوزاعی کہنے لگے میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں: زہری سے' وہ سالم سے' اور وہ اپنے والد سے (گویا علو سند کی وجہ سے حدیث کو ترجیح دینا چاہتے ہیں) اور تم کہتے ہو حدیث بیان کی مجھ سے حماد نے اور انہوں نے روایت کی ابراہیم سے (گویا اس سلسلہ کو وہ برتری نصیب نہیں) تو ابو حنیفہ نے اس کا

جواب دیا (ان کے خیال پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہ حدیث کو ترجیح فقاہت راوی سے ہوتی ہے نہ کہ علو روایت سے) کہ حماد زہری سے زائد فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زائد فقیہ ہیں اور علقمہ حضرت ابن عمر سے فقہ میں کم نہیں (زیادہ فقیہ ادباً نہیں کہا) اگرچہ ابن عمر کو شرف صحبت نبوی ﷺ نصیب ہے۔ تو اسود کو (اور کچھ) بہت فضیلت حاصل ہے اور پھر عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں۔ اس پر اوزاعی خاموش ہوگئے (مسند امام اعظم ص ۱۲۱)

اس مناظرہ میں امام اوزاعی نے محدثین کے ایک اصول کو مد نظر رکھا کہ سند عالی کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس اصول کی بنیاد محدثین کی رائے ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ نے کتاب و سنت کے اصول کو مد نظر رکھا' کیونکہ اللہ نے بھی فقہاء کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے۔ اللہ کے رسول نے بھی فقہ کو ہی خیر اور فقہاء کو خیار فرمایا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا تبصرہ :

امام مالک نے موطا میں رفع یدین کی حدیث لکھ کر اس کی اسنادی حیثیت بھی واضح کردی کہ سالم اس کو مرفوع اور نافع اس کو موقوف بیان کرتے ہیں۔ گویا اس کا حدیث نبوی ﷺ ہونا ہی مشکوک ہے۔ اسی لئے ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے علاوہ رفع یدین (کی روایات) ضعیف ہیں (المدونۃ الکبریٰ) اس اسنادی حیثیت کے بعد یہ بھی بتایا کہ میں تحریمہ کے بعد کسی رفع یدین کرنے والے کو پہچانتا تک نہیں (المدونہ) گویا مدینہ منورہ میں عملی تواتر ترک رفع یدین کو ہی حاصل تھا۔

امام محمد رحمہ اللہ :

امام محمد نے جہاں موطا میں حدیث رفع یدین کی اسنادی حیثیت کو واضح فرمایا کہ اس کے مرفوع موقوف ہونے میں ہی اختلاف ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ثابت کردیا کہ خود حضرت عبداللہ بن عمر اس رفع یدین والی حدیث پر عمل نہیں کرتے تھے' بلکہ وہ بغیر رفع

یدین کے نماز پڑھتے تھے۔ اگر اس حدیث سے رفع یدین کا سنت ہونا ثابت ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کیوں خلاف سنت نماز پڑھتے؟ اور نہ صرف ابن عمرؓ بلکہ یہ سند بھی مدنی ہے، سب اہل مدینہ کیوں خلاف سنت نماز پڑھتے تھے۔ علاوہ ازیں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا، اور خلفائے ثلاثہ بھی مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، لیکن امام مالک ان میں سے کسی سے بھی نہ تو رفع یدین کی مرفوع حدیث لاسکے نہ موقوف۔ ہاں آخری خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں تشریف لائے تھے۔ امام محمد نے نہایت پختہ ثبوت سے ان سے ترک رفع یدین کو ثابت کیا، اور رفع یدین والوں سے مطالبہ کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا تھا کہ صف میں میرے نزدیک علم و عقل والے لوگ کھڑے ہوا کریں، وہ مجھ سے نماز سیکھیں، اور لوگ ان سے نماز سیکھیں۔ اس لئے مہاجرین و انصار اور خصوصاً اہل بدر اگلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے۔ تو رفع یدین کرنے والے اہل بدر سے رفع یدین کی مرفوع و موقوف حدیث بیان کریں۔ جیسا کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو اہل بدر میں سے ہیں ترک رفع یدین نہایت مضبوط طریقے سے ثابت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ :

مولوی صاحب نے خیرالقرون کے فیصلوں کو ماننے سے انکار کردیا اور اس ضد پر اڑ گئے کہ بخاری اصح الکتب ہے، اس پر فیصلہ ہوگا۔ جب اس سے کہا گیا کہ صحیح بخاری کا اصح الکتب ہونا نہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے نہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس لئے آپ کو کیا حق ہے کہ اس کو اصح الکتب کہیں۔ یہ تو امام شافعی کے مقلد امام ابن الصلاح کا قول ہے جو خود اس کے اپنے امام کے خلاف ہے۔ کیونکہ امام شافعی نے موطا کو اصح الکتب فرمایا۔ اور ابن صلاح کے قول کو اگر شافعیوں نے اپنے امام کے خلاف قبول کرلیا تو احناف نے اپنے اصول فقہ کے باب السنہ میں ہرگز اس کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ شیخ ابن الھمام نے اس قول کو رد فرما دیا ہے۔ جیسا کہ تحریر الاصول اور فتح القدیر میں ہے۔ مولوی صاحب کہنے لگے: امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث سے صحیح بخاری کا انتخاب

فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ امام بخاری جیسا چھ لاکھ احادیث کا حافظ بھی امام محمد کے چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ کیا وہ کسی بدری صحابی سے رفع یدین کی حدیث لا سکے۔ بخاری میں دو ہی صحابہ سے وہ رفع یدین کی حدیث لائے ہیں۔ ایک ابن عمر سے' دوسری مالک بن الحویرث سے۔ ان میں سے ایک بھی بدری صحابی نہیں۔ خود بخاری (ص ۱۷ 'ج ۱) پر ابن عمر کے اصغر القوم ہونے کا اقرار ہے اور بخاری (ص ۹۴' ج ۱) پر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جماعت کے وقت کھانا کھاتے رہتے تھے۔ پھر آکر ملتے تو یقیناً پچھلی صفوں میں ملتے تھے اور مالک بن الحویرث صرف بیس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے (بخاری ص ۸۷ 'ج ۱) مولوی صاحب اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ پھر ہم نے پوچھا کہ بخاری میں رفع یدین کا کتنا ثبوت ہے :

(۱)..... رَفَعَ يَدَيْهِ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کی۔ تو اتنا ثبوت تو بخاری میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا بھی ہے' دیکھو بخاری ص ۳۵ 'ج ۱۔ ص ۳۶ 'ج ۱۔ ص ۳۳۶ 'ج ۱۔ تو کیا وجہ ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو سنت موکدہ متواترہ نہ کہا جائے اور رفع یدین کو کہا جائے۔ اس نے کہا کہ بال قائما کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ یہ تو ماضی مطلق ہے' جس سے صرف ایک دفعہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہوا۔ اس لئے رَفَعَ يَدَيْهِ سے بھی ایک دفعہ ہی رفع یدین ثابت ہوگی۔

(۲)..... لیکن ہمارا استدلال ماضی مطلق رَفَعَ يَدَيْهِ سے نہیں بلکہ ماضی استمراری يَرْفَعُ يَدَيْهِ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ ماضی استمراری اور جگہ بھی ہے کان يصلي في نعليه۔ (بخاری ص ۵۶ 'ج ۱) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے۔ کان يصلي وهو حامل امامة بنت العاص (بخاری ص ۷۴ 'ج ۱) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی امامہ کو اٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ کان يباشر وهو صائم (بخاری ص ۲۵۸ 'ج ۱)۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں بیوی سے مباشرت فرمایا کرتے تھے' یعنی بوس و کنار۔ تو کیا وجہ ہے کہ آپ ان تین کاموں کو سنت موکدہ متواترہ نہیں کہتے اور رفع یدین کو کہتے ہیں۔

(۳)..... بخاری ص ۱۱۰ ج ا پر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تکبیرات انتقال کے ساتھ نماز پڑھائی اور آخر میں فرمایا یہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز کا طریقہ ہے۔ حتٰی فارق الدنیا۔ کیا اس طرح آپ بھی بخاری سے رفع یدین کی حدیث میں حتٰی فارق الدنیا۔ کا لفظ دکھا سکتے ہیں، تو دکھاؤ۔ بخاری انہیں دی گئی۔ مگر وہ بالکل نہ دکھا سکے۔ میں نے کہا ان فقروں کے فرق پر غور کرو۔ حضرت موسیٰ نبی تھے۔ یہ قرآن پاک کی متواتر شہادت سے یقیناً ثابت ہے۔ مگر یہ بات کہ حضرت موسیٰ آخری نبی تھے، قطعاً ثابت نہیں، بلکہ بالکل جھوٹ ہے۔ اسی طرح یہ بات کہ آپ ﷺ جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے، ثابت ہے۔ مگر یہ کہنا کہ آپ ﷺ ہمیشہ جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے، یقیناً جھوٹ ہے۔

بخاری کھول لی :

اب مولوی صاحب نے بخاری شریف کھول لی۔ مگر وہاں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے باب میں تو کان یرفع یدیہ تھا، مگر رکوع کی رفع یدین کے باب میں اور اس کے بعد والے دو ابواب میں رفع یدیہ تھا۔ گویا چار جگہ تو رفع یدین کا اتنا ہی ذکر تھا جتنا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا اور ایک جگہ اتنا ذکر تھا جتنا جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا۔ اس سے زیادہ کوئی ذکر نہ تھا۔ اب سب نے پوچھا کہ جو لفظ چار جگہ ہے، اس کا اعتبار ہے یا جو ایک جگہ ہے اس کا۔ اب تو وہ بہت پریشان تھا۔ لیکن ضد ایک لاعلاج بیماری ہے۔ کہنے لگا کہ میں چار کے مقابلہ میں ایک کو مانوں گا۔ کیونکہ مسلم شریف میں بھی کان یرفع یدیہ ہے۔ اس لئے یہ لفظ متفق علیہ ہے۔ میں نے کہا کہ مسلم میں تو رفع یدیہ ہے، اس لئے رفع یدیہ متفق علیہ ہوا۔ اب آپ متفق علیہ کو مانتے ہیں یا صرف بخاری کے ۵/۱ کو۔ میں نے کہا کہ امام بخاری نے دو صحابہ سے حدیث نقل کی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک جگہ یرفع یدیہ ہے اور تین جگہ رفع یدیہ ہے۔ یہاں بھی رفع یدیہ کا پلا بھاری ہے۔ مگر دوسرے صحابی مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف رفع یدیہ ہے۔ اس کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ پھر میں نے کہا کہ امام بخاری

نے جہاں کان یرفع یدیہ روایت کیا ہے وہ امام مالک کی سند ہے۔ تو آیئے موطا امام مالک سے فیصلہ کرلیں۔ تو دیکھا کہ ایک تو موطا امام مالک میں رفع یدیہ ہے۔ یہ مدینہ کی کتاب ہے اور بخارا میں جاکر کان یرفع یدیہ ہوگیا۔ جبکہ کوفہ میں بھی رفع یدیہ ہی رہا (موطا محمد) اور دوسرا فرق یہ ہوا کہ موطا مالک میں اذا کبر للرکوع نہیں تھا۔ بخاری میں اس کا اضافہ ہوگیا۔ گویا مدینہ منورہ کی کتاب میں چار رکعت نماز میں پانچ دفعہ رفع یدین کا ذکر تھا۔ بخارا میں پانچ کو نو بنالیا گیا۔ اب میں نے پوچھا کہ مدینہ والی کتاب کو مانوگے یا بخارا والی کو؟ کہنے لگا بخارا والی کو۔ میں نے کہا آپ کا عمل نہ مدینہ والی پانچ پر نہ بخارا والی ۹ پر۔ آپ تو دس جگہ سنت موکدہ متواترہ کہتے ہیں۔ تو آپ کے نزدیک تو ۵ بھی خلاف سنت' ۹ بھی خلاف سنت۔ جب ایک بھی سنت رہ جائے تو ایک لعنت آپڑی۔ گویا ان احادیث میں جو نماز نبوی ﷺ مذکور ہے' وہ خلاف سنت اور موجب لعنت ہے۔

ہاتھ کہاں تک اٹھائے :

آخر اس نے بخاری کی اسی روایت پر زور دیا۔ ان رسول اللّٰہ ﷺ کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوة واذا کبر للرکوع و اذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذالک ایضا وقال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد و کان لا یفعل ذالک فی السجود (ص ۱۰۲' ج ۱) ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں مونڈھوں تک ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کی تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تب بھی اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور سجدوں میں ہاتھ نہ اٹھاتے۔''

اب مولوی صاحب نے فرمایا کہ ماضی استمراری کے ساتھ اگر ''اذا'' آجائے تو دوام کا معنی دیتا ہے۔ اس لئے ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے۔ میں نے کہا یہ قاعدہ کسی عربی کتاب میں لکھا ہے تو حوالہ دو۔ ورنہ پنجاب میں بیٹھ کر مرزا قادیانی کی طرح عربی کے نئے قاعدے گھڑنا کب درست ہے۔ اب وہ نہ اس کا حوالہ دکھاتا تھا اور نہ ہی ضد چھوڑتا تھا۔ کہتا تھا کہ دوام رفع یدین ثابت ہوگیا۔ میں نے کہا یہ

ترجمہ لکھ دو۔ اس نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے جب نماز شروع کرتے۔ میں نے پوچھا کیا آپ ﷺ کانوں تک ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اس نے کہا کبھی کندھوں تک اٹھاتے تھے، کبھی کانوں تک۔ اب میں نے سب لوگوں کو سمجھایا کہ دیکھو اس نے پہلے ترجمہ ہمیشہ کے لفظ سے کیا تھا۔ اس وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے والی حدیث اس کو یاد نہ تھی۔ جب میں نے یاد کرائی تو اب ہمیشہ کی بجائے کبھی ترجمہ کرلیا۔ صاف معلوم ہوا کہ پہلا ترجمہ احادیث کے خلاف تھا۔ اب ماضی استمراری بھی ہے، اذا بھی ہے، مگر خود مولوی صاحب نے ترجمہ کبھی کرلیا ہے۔ اب آگے بھی یہی ترجمہ جائے گا۔ رکوع کے ساتھ بھی، کیونکہ وہاں کوئی نئی استمراری نہیں ہے۔ اب مولوی صاحب کی ضد ٹوٹ گئی۔ مگر مولوی صاحب کی مثال وہی تھی کہ ملا آں باشد کہ چپ نہ شود۔ کہنے لگے کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیث بخاری مسلم دونوں میں ہونے کی وجہ سے متفق علیہ ہے۔ اس کے خلاف اگرچہ مسلم نے دو حدیثیں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی لکھی ہیں۔ ایک حضرت مالک بن الحویرث سے، دوسری وائل بن حجر سے، مگر وہ متفق علیہ نہیں۔ آپ متفق علیہ حدیث پر عمل نہ کرکے یقیناً گمراہ ہیں۔ میں نے کہا کہ رفع یدیہ کا لفظ متفق علیہ تھا۔ وہ آپ نے چھوڑ دیا۔ تو آپ گمراہ کیوں نہ ہوئے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانے والوں کو گمراہ کہنا بہت بڑی جرات ہے۔ امام بخاری جزء رفع یدین میں روایت لائے ہیں: عن حمید بن هلال قال کان اصحاب النبی ﷺ اذا صلوا کان ایدیھم حیال اذانھم (ص ۳۲) حمید بن ہلال سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ جب نماز پڑھتے تو ان کے ہاتھ ان کے کانوں تک ہوتے۔ اس کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں کہ حمید نے کسی ایک صحابی کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔ گویا اس متفق علیہ حدیث پر کسی ایک صحابی کا بھی عمل نہ تھا۔ اور امام بخاری صحیح بخاری میں سب صحابہ کرام کے عمل والی حدیث بالکل نہیں لائے۔ بلکہ وہ حدیث لائے ہیں جو امام بخاری کے قول کے مطابق بلا استثناء سب صحابہ کرام کے عمل کے خلاف تھی۔ الحمدللہ احناف نے "ما انا علیہ واصحابی" پر پورا عمل کیا۔ اور غیر

مقلدین نے ما انا علیہ و اصحابی کی پوری مخالفت کی۔ ہاں اس حدیث کو بھی ترک نہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت وائل سے فرمایا تھا کہ تم کانوں تک ہاتھ اٹھاؤ اور عورت پستانوں تک ہاتھ اٹھائے۔ اس لئے ہماری عورتیں کندھوں تک ہاتھ اٹھاتی ہیں۔ اب احناف جو دونوں احادیث پر عامل ہیں' ان کو اہل قیاس کہا جاتا ہے اور غیر مقلدین جو سب صحابہ کے خلاف چلتے ہیں' اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔

ع　بر عکس نہند نام زنگی کافور

رکوع کی رفع یدین :

اب اس میں رکوع کی رفع یدین کا ذکر ہے۔ اس حدیث کا مدار زھری پر ہے۔ زہری کے مدنی شاگرد امام مالک ہیں۔ وہ رکوع کو جانے سے پہلے رفع یدین کا ذکر نہیں کرتے (موطا) اور المدونۃ الکبریٰ میں تو امام مالک نے صرف تحریمہ کی رفع یدین کو بیان کیا ہے اور عبداللہ بن عون الخزار نے تو لایعود روایت کرکے تحریمہ کے علاوہ سب جگہ کی رفع یدین کی نفی کردی ہے (خلافیات بیھقی) زھری کے مکی شاگرد سفیان بن عیینہ ہیں۔ وہ اکثر روایات میں تو رکوع کے بعد جزاء مذکور ہی نہیں کرتے' البتہ مکہ کی کتاب الحمیدی میں اور ابو عوانہ میں جزاء فلا یر فعھما مذکور ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ مدینہ میں بھی عملی تواتر ترک رفع یدین کو حاصل تھا (المدونۃ) اور مکہ مکرمہ میں بھی عملی تواتر ترک رفع یدین پر تھا (ابوداؤد) اس پر مولوی صاحب نے بڑا شور مچایا کہ ترک رفع یدین کی کوئی حدیث ہی نہیں' ورنہ امام بخاری ضرور کوئی حدیث ذکر کرتے۔ میں نے کہا امام بخاری کو تو یہ بات مسلم ہے کہ ترک رفع یدین کی احادیث بہت ہیں۔ چنانچہ جزء رفع یدین میں لکھتے ہیں: کان الثوری و وکیع وبعض الکوفیین لا یرفعون ایدیھم وقدر ووافی ذالك احادیث کثیرۃ (ص ۵۴) کہ ثوری اور وکیع اور بعض اہل کوفہ رفع یدین نہیں کرتے۔ اور انہوں نے اس بارہ میں بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ترک کی بھی بہت احادیث ہیں۔ جب دونوں طرف احادیث ہیں تو ان میں سے کن پر عمل کیا جائے۔ خود امام بخاری

اپنے استاد حمیدی سے نقل کرتے ہیں: انما یوخذ بالاخر فالاخر من فعل رسول اللہ ﷺ - کہ آپ ﷺ کے آخری فعل پر عمل کیا جائے گا- بخاری ص۹۶' ج۱ اور امام بخاری کے جزء رفع یدین میں ہے کہ امام اوزاعی سے پوچھا گیا کہ نماز کے اندر کھڑے ہو کر رفع یدین کرنے کا کیا حکم ہے- انہوں نے کہا یہ پہلا معاملہ ہے (ص۵۶) یعنی یہ رفع یدین منسوخ ہو گئی ہے- تو اب اسی ترک پر عمل ہو گا-

دلیل کس کے ذمہ ہے :

اب مولوی صاحب بخاری کی اس حدیث میں نہ تو یہ دکھا سکے کہ آنحضرت ﷺ دس جگہ ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے' نہ ہی اس کا حکم دکھا سکے کہ یہ سنت موکدہ متواترہ ہے- نہ ہی یہ دکھا سکے کہ جو یہ رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی- اور نہ ہی اٹھارہ جگہ کی نفی دکھا سکے- نہ ہی اپنی مسلمہ دلیل شرعی سے اس کا صحیح ہونا ثابت کر سکے- تو گھبرا کر ہم سے منع کی حدیث کا مطالبہ شروع کر دیا- میں نے کہا کہ دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے- فرمان رسول ﷺ ہے: البینة علی المدعی - کہ ثبوت مدعی کے ذمہ ہے- آپ بھی کوئی حدیث پیش کریں کہ رسول اقدس ﷺ نے فرمایا ہو کہ البینة علی المنکر - ساتھ ہی میں نے مثال دی کہ دیکھو رافضی اذان میں اشھد ان علیا ولی اللہ کے الفاظ زائد کہتا ہے- ہم تو اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ اس کا ثبوت پیش کرو- مگر وہ یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ اس کے منع کی آیت یا صحیح صریح حدیث دکھاؤ- اگر آپ کے خیال میں یہ مطالبہ صحیح ہے تو آپ اس کے منع کی صحیح صریح حدیث دکھائیں- مگر وہ کہاں سے دکھاتا- پھر میں نے اور مثال دی کہ یہ گاڑی آپ کی ہے- ٹریفک والے آپ سے تو یہ کاغذات مانگتے ہیں کہ کاغذات دکھاؤ جس میں سرکاری ثبوت ہو کہ یہ گاڑی عبدالحمید کی ہے- اب آپ خود کاغذات نہ دکھائیں' بلکہ الٹا پولیس والوں سے مطالبہ شروع کر دیں کہ تم سرکاری کاغذات دکھاؤ جن میں یہ لکھا ہو کہ فلاں نمبر گاڑی عبدالحمید کی نہیں ہے- جس کوٹھی کے بارہ میں آپ کا دعویٰ ہے کہ یہ کوٹھی میری ہے- اس کے بارہ میں آپ سے تو رجسٹری کا مطالبہ کیا جائے گا' مگر آپ الٹا یوں

مطالبہ شروع کردیں کہ تم رجسٹری دکھاؤ کہ یہ کوٹھی عبدالحمید کی نہیں ہے۔ اب تو سب حاضرین سمجھ گئے کہ اس کا یہ مطالبہ بالکل بے ہودہ ہے۔ پھر میں نے کہا اگر آپ نہ حدیث کو مانیں کہ ثبوت بذمہ مدعی ہے' نہ قانون کو مانیں تو جن ۱۸ جگہوں پر آپ رفع یدین نہیں کرتے اور منع کرتے ہیں ان کے لئے اگر آپ منع کا لفظ دکھادیں تو باقی ۹ جگہ کے لئے ہم سے منع کا لفظ دیکھ لیں۔ اور اگر ان ۱۸ جگہوں کے لئے آپ منسوخ کا لفظ دکھادیں تو ہم سے باقی ۹ جگہ کے لئے منسوخ کا لفظ دیکھ لیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی طرح لینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور نہ رکھیں۔ اسی طرح کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی حدیث تو بخاری میں ہے اس کا منع یا منسوخ ہونا بخاری سے دکھاؤ۔ ورنہ اسی کو سنت موکدہ متواترہ مانو۔ جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا ثبوت تو بخاری میں ہے۔ اس کے منع یا منسوخ ہونے کی حدیث بخاری سے دکھاؤ۔ ورنہ اس کو سنت موکدہ متواترہ مانو اور ہمیشہ ہر نماز جوتے پہن کر پڑھو' اور انعامی اشتہارات چھاپو کہ جو جوتے پہن کر نماز نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

سجدوں کی رفع یدین :

اس نے کہا کہ سجدوں کی رفع یدین کے بارہ میں تو اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ کان لا یفعل ذالک فی السجود۔ اور یہ حدیث متواتر ہے۔ میں نے پوچھا کہ متواتر کی کیا تعریف ہے؟ اور اس حدیث کو کتنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے؟ کہنے لگا ایک یا دو نے۔ میں نے کہا پھر کس تعریف پر یہ متواتر ہے۔ صحاح ستہ میں تو صرف ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سالم کے طریق میں یہ ہے۔ جبکہ نافع کے طریق میں ثبوت رفع یدین بوقت سجود بخاری نے جزء میں مان لیا ہے اور حضرت مالک بن الحویرث' حضرت وائل بن حجر' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہ سے سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کی حدیث ثابت ہے۔ اس پر وہ پھر پریشان ہوا۔ آخر پھر اسی بات پر آگیا کہ سجدوں کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی حدیث اگرچہ صحاح میں ایک ہی ہے مگر ہے تو متفق علیہ۔ جو اس متفق علیہ حدیث کے خلاف اس رفع یدین کو سنت

کہے وہ جاہل بلکہ بے دین ہے۔ میں نے کہا کسی نے صحیح کہا ہے کہ مرد ناداں در سخن باشد دلیر۔ دیکھو آپ کا یہ فتویٰ کہاں پہنچتا ہے۔ امام بخاری جزء رفع یدین میں لکھتے ہیں کہ الحسن، مجاہد، عطاء، طاؤس، قیس بن سعد، حسن بن مسلم، القاسم، مکحول، عبداللہ بن دینار، سالم رکوع و سجود کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا: ھذا من السنة ص۵۱۔ کیا یہ سب لوگ جناب کے نزدیک جاہل، گمراہ اور بے دین تھے۔ اب تو اس کی حالت دیدنی تھی۔ بخاری بخاری کا وظیفہ پڑھنے والا کچھ بھی بخاری سے ثابت نہ کر سکا۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں صرف دو صحابہ سے ر ، یدین کی حدیث ذکر کی ہے۔ دونوں صغار صحابہ میں سے ہیں۔ امام نسائی نے یہ دونوں احادیث نقل کرکے ان کے بعد ترک رفع یدین کا باب باندھا ہے۔ اور کبار صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ترک رفع یدین پر پیش کی ہے۔ اور امام مسلم نے تین صحابہ ابن عمر، مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر سے رفع یدین کی حدیث نقل کی ہے، جن میں سے دس جگہ کی رفع یدین ایک میں بھی نہیں۔ نسائی نے یہ تینوں احادیث نقل کرنے کے بعد کبار صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے۔ اسی طرح امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے بھی رفع یدین کی حدیث کے بعد ترک رفع یدین کی حدیث نقل کی ہے۔ جبکہ کتب صحاح ستہ میں سے ایک بھی ایسی کتاب پیش نہیں کی جاسکتی جس میں ترک رفع یدین کی حدیث پہلے ہو اور رفع یدین کی حدیث بعد میں ہو۔ وہ کہنے لگا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف ہے۔ میں نے کہا کیا اس حدیث کو اللہ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ضعیف کہا ہے۔ جب اللہ یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس کو صحیح فرمایا نہ ضعیف تو تمہیں نہ اس کو صحیح کہنے کا حق ہے نہ ضعیف کہنے کا۔ ہاں یہ بتاؤ کہ ہمارے امام کا عمل اس کے موافق ہے یا نہیں۔ کہنے لگا موافق ہے۔ میں نے کہا ہمارے امام کا اصول جانتے ہو۔ فرماتے ہیں: اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ تو یہ حدیث ہمارے امام کے نزدیک صحیح ہوئی۔ کہنے لگا امام بخاری نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ میں نے

کہا بالکل جھوٹ ہے۔ کہیں ضعیف نہیں کہا۔ بلکہ یہ حدیث تو امام نے وکیع و سفیان ثوری سے روایت کی ہے۔ اور ص ۵۴ پر لکھا ہے کہ دونوں اس پر عمل کرتے تھے' اور ص ۴۳ پر لکھا ہے کہ وکیع فرماتے تھے کہ جو حدیث کو اسی طرح روایت کرے جیسے ہے' وہ اہل سنت ہے' اور جو اپنی خواہش کے موافق احادیث کو تلاش کرے وہ اہل بدعت ہے۔ اور امام بخاری نے معمر سے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ پہلے لوگوں کے ہاں پہلے والے زیادہ عالم تھے (خیرالقرون والے) اور بعد والے بعد والوں کو زیادہ عالم کہتے ہیں (ما بعد خیرالقرون والوں کو) ص ۴۴۔ اس لئے خیرالقرون کے امام کا فیصلہ بعد والوں پر تو حجت ہے' مگر بعد والوں کا پہلوں پر حجت نہیں۔

علامہ انور شاہ رحمہ اللہ اور مسئلہ رفع یدین :

اب مولوی صاحب سب کچھ چھوڑ کر اس بات پر آگئے کہ علامہ انور شاہ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رفع یدین سنداً و عملاً متواتر ہے (نیل الفرقدین ص ۲۲) میں نے کہا کہ اس پر ذرا تفصیل سے بات کی ضرورت ہے۔

علامہ انور شاہ رحمہ اللہ امام ابراہیم نخعی سے نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل ترک رفع یدین تھا۔ امام نخعی نے مغیرہ سے کہا اگر وائل رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پچاس دفعہ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین نہیں کرتے تھے (طحاوی) اور امام نخعی نے عمرو بن مرہ سے کہا کہ وائل رضی اللہ عنہ نے آپ کو رفع یدین کرتے دیکھ لیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ نے نہ دیکھا (طحاوی) اور دوسری روایت میں ہے کہ امام ابراہیم نخعی تابعی نے عمرو بن مرہ سے فرمایا: شاید وائل رضی اللہ عنہ نے کسی ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔ ان کو یہ یاد رہا' اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر (حاضر باش) صحابہ کو یاد نہ رہا۔ میں نے ان میں سے کسی سے رفع یدین کی حدیث نہ سنی۔ سوائے اس کے نہیں وہ تو صرف نماز کی پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے (موطا محمد) (نیل الفرقدین ص ۱۴۰) اس میں امام ابراہیم نخعی نے صاف واضح فرمادیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا اکثری عمل ترک رفع یدین تھا۔ اسی بات کو علامہ موصوف نے بر قرار رکھا۔ خیر القرون میں کسی نے امام ابراہیم نخعی کی تردید نہ کی۔ دوسری بات ابراہیم نخعی کے ارشاد سے یہ ثابت ہوئی کہ رفع یدین کی حدیث نہ سنداً متواتر ہے اور نہ عملاً۔ تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ ترک رفع یدین ہی امام نخعی کے نزدیک عملاً متواتر تھی اور امام ابراہیم نخعی ترک رفع یدین کو سنداً بھی متواتر فرماتے ہیں: قد حدثنی من لا احصی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ رفع یدیہ بدء الصلوۃ فقط وحکاہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی مجھے بے شمار راویوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ انہوں نے صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھائے اور اسی کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی (مسند امام اعظم ص ۱۱۹)

تواتر اسنادی :

علامہ رحمہ اللہ یہ قاعدہ بیان فرماتے ہیں کہ کثرت روایت ہمیشہ وجودی فعل کی ہوتی ہے۔ اور راوی اکثر عدمی کی روایت نہیں کرتے (نیل الفرقدین ص ۱۷) اور ترک کی نقل بہت کم ہوتی ہے کیونکہ وہ تروک میں سے ہے۔ اگرچہ فی نفسہ وہ کثیر ہو (ص ۱۸) کثرت سے کسی بات کا نقل ہونا اس پر دلیل نہیں کہ یہ فعل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ دفعہ کیا ہوگا۔ کیونکہ وجودی فعل کو اکثر نقل کرتے ہیں بخلاف عدمی کے کہ اس کو بغیر کسی داعیہ کے بیان ہی نہیں کرتے، حالانکہ ترک فی نفسہ کثیر ہوتا ہے (حاشیہ فیض الباری ص ۲۶۰، ج ۲)

مثال اول :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدھ دفعہ جوتا پہن کر نماز ادا فرمائی اس کی روایت سنداً متواتر ہے (طحاوی) حالانکہ امت میں جوتے اتار کر نماز پڑھنا عملاً متواتر ہے۔

مثال دوم :

شق قمر ایک رات ہوا۔ جس کو کتنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا۔ مگر

باقی عمر مبارک کے ۶۳ سال کسی رات شق قمر نہ ہوا۔ اس کو راویوں نے سرے سے روایت ہی نہیں کیا۔ پھر اس قول میں یہ بھی وضاحت نہیں کہ کتنی جگہ رفع یدین سنداً متواتر ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ ۱۲ صحابہ سے رفع یدین کی حدیث مروی ہے (نیل الفرقدین ص ۵۳) اور پھر جو مزید تحقیق فرمائی تو پانچ یا چھ صحابہ سے رفع یدین کا ثبوت مانا (حاشیہ فیض الباری ص۲۵۹' ج ۲)

نیز علامہ انور شاہ رحمہ اللہ مطلقات کو بھی اپنے دلائل میں شمار فرماتے ہیں (نیل الفرقدین ص۱۱۔ حاشیہ فیض الباری ص۲۶۰' ج ۲) پھر تو ترک رفع یدین کی احادیث زیادہ ہو جاتی ہیں۔ پھر تواتر ہو تا بھی تو ثبوت کا ہے نہ کہ دوام کا۔ دیکھو حضرت موسیٰ کا نبی ہونا قرآن پاک کی متواتر آیات سے ثابت ہے۔ اس سے ثبوت نبوت ہے۔ اس کو یوں کہنا کہ قرآن پاک کی متواتر آیات سے ثابت ہے کہ موسیٰ آخری نبی تھے' یقیناً جھوٹ ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ حضرت ﷺ دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرتے رہے یہ سنداً متواتر ہے' بالکل جھوٹ ہے' بلکہ یہ تو کسی خبر واحد سے بھی ثابت نہیں۔

تواتر عملی :

علامہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اور سب شہروں میں تارکین بھی تھے جن کا نام نہیں روایت کیا گیا۔ کیونکہ جب تعامل اور توارث جاری ہو جائے تو سند کے بیان سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب سند کی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر کچھ ناخلف آکر سندوں کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب سند نہیں پاتے تو تواتر عملی کا انکار کرتے ہیں۔ اور یہ عادت اکثر محلّٰی میں ابن حزم کی ہے۔ گویا اس کے نزدیک دنیا میں کوئی واقعہ ایسا ہوا ہی نہیں جس کی سند مذکور نہ ہو' حالانکہ یہ بات یقیناً باطل ہے۔ اور اس طرح وہ کئی اجماعیات کا انکار کر دیتا ہے جو عملاً تو متواتر ہوں مگر سنداً احاد ہوں۔ اس طرح تخریب زیادہ ہوتی ہے تعمیر کم اور یہ ضرر عظیم ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہ قرآن کس طرح تلاوتاً پوری دنیا میں متواتر ہے' لیکن اگر ہم قرآن پاک کی ہر آیت کا اسنادی تواتر تلاش کرنے لگیں تو یقیناً ہم عاجز آجائیں گے (حاشیہ فیض الباری ص۲۵۹' ج ۲)

علامہ صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک اسی تواتر عملی سے ترک رفع یدین ثابت ہے۔اس کے انکار سے ڈرنا چاہئے۔کوفہ میں تو امام ابراہیم نخعیؒ سے ترک رفع یدین پر تواتر پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

مکہ مکرمہ :

مکہ مکرمہ میں دور صحابہ میں کبار صحابہ میں سے کسی سے رفع یدین ثابت نہیں۔ البتہ صغار صحابہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ذکر ملتا ہے۔جمہور تارک تھے (نیل الفرقدین ص۵۱) ہاں ابن جریج سے مکہ مکرمہ میں متعہ اور رفع یدین کا رواج عام ہو گیا۔ اس رواج پر امام شافعی نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی (حاشیہ فیض الباری ص۲۵۶،ج۲ بہ تشریح ص۲۶۲،ج۲)

مدینہ منورہ :

مدینہ منورہ میں بھی کبار صحابہ سے رفع یدین ثابت نہیں۔صغار صحابہ میں سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اولاً رفع یدین کرنا مذکور ہے۔ان کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں رفع یدین متروک تھی۔ ان کی حدیث بھی اسی کی دلیل ہے (فیض الباری ص۲۵۲،ج۲) رفع یدین نہ کرنے والوں کو کنکریاں مارنا دلیل کی کمزوری کی دلیل ہے، اور ان پر اعتراض ہونا ماھذا (مسند احمد ص۴۵،ج۲) آخر انہوں نے بھی ترک فرمادی۔ اور اہل مدینہ کا تعامل ترک پر ہی رہا۔ "اسی تعامل پر امام مالک نے ترک رفع یدین کے مذہب کی بنیاد رکھی (نیل الفرقدین ص۲۲) اسی طرح تابعین میں بھی ابو بکر بن عیاش کے فرمان کے موافق فقہاء (کبار تابعین و تبع تابعین) میں سے کوئی رفع یدین نہ کرتا تھا۔بعض صغار کرتے تھے۔

شام :

یہی حال خمول رفع یدین امام اوزاعیؒ کے زمانہ میں شام میں تھا (نیل الفرقدین ص۱۳۸) الغرض اگرچہ علامہ صاحب نے رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں کو عملاً

متواتر فرمایا، مگر ترک رفع یدین کا عملی تواتر ایک تو ہر زمانہ کے اکابر کا رہا۔ پھر اس کا خمول اور استغراب ذکر نہیں فرمایا۔ جبکہ رفع یدین کا عمل تواتر صغار کا بھی تھا اور اس کا خمول و استغراب بھی ثابت فرمایا۔

مثال : یہ خیال نہ کریں کہ دونوں کو عملاً متواتر کیسے کہہ دیا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سات اختلافی قراء تیں متواتر ہیں۔ متواتر تو سب کو کہا جائے گا مگر تلاوت صرف اسی قراءت پر کی جائے گی جو ہمارے علاقہ میں تلاوتاً متواتر ہوگی۔ اسی طرح ہمارے ملک میں چونکہ ترک رفع یدین ہی عملاً متواتر ہے۔ ہم اسی پر عمل کریں گے۔

خاتمہ : اب مولوی صاحب نے تسلیم کر لیا کہ میرا مطالعہ اس مسئلہ میں بہت ناقص تھا اور اس ملک میں ترک رفع یدین ہی عملاً متواتر ہے۔ اسی پر عمل ہونا چاہئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادران اہل سنت والجماعت! دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے کامل فرمادیا لیکن غیر مقلدین کا دین انتہائی ناقص ہے، صرف چار پانچ مسئلوں کا دین ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں جب سے یہ فرقہ پیدا ہوا، اس وقت سے اہل سنت ان سے مطالبہ کرتے آرہے ہیں کہ آپ اپنی نماز کی مکمل ترتیب اور مکمل احکام صرف اور صرف قرآن وحدیث سے ثابت کر دیں مگر یہ نہ کر سکے اور نہ ان شاءاللہ آئندہ کر سکیں گے۔ اس طرح انہوں نے اپنے دعویٰ عمل بالحدیث میں جھوٹے ہونے پر مہر لگا دی ہے۔ ان بے چاروں کو رات دن یہی ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں ہمیں مکمل نماز کا ثبوت نہ دینا پڑ جائے، اس لئے جلدی جلدی دو تین مسئلوں میں چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں اور ان دو تین مسائل میں بھی کبھی نہ ان کا حکم بیان کریں گے اور نہ اپنا مکمل عمل تحریر کریں گے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مدرسہ عربیہ دار الحدیث رحمانیہ ملتان چونگی نمبر ۱۴ سے ایک فتوئی صادر ہوا جس پر محمد عمران سلفی تلمیذ الاستاذ المکرم محمد یٰسین غفاری لکھا ہے، مدرسہ اور دار الافتاء کی مہر ہے۔ یہ فتوی ۱۲ اگست ۱۹۹۷ء کو لکھا گیا اور پورے ایک ماہ پندرہ دن کی مسافت طے کر کے ۱۷ ستمبر ۱۹۹۷ء کو جامعہ خیر المدارس پہنچا۔ اس میں مسئلہ رفع یدین پر طبع آزمائی کی ہے لیکن نہ موضوع کی وضاحت، نہ دلیل اور دعویٰ میں مطابقت۔

رفع یدین کا معنی:

رفع یدین لغوی طور پر دونوں ہاتھ اٹھانے کو کہتے ہیں۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے

لیکن شرعی معنی کے اعتبار سے نماز بدنی اور زبانی عبادات کا مجموعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں: أقم الصلوة لذكرى میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ اس لئے تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کانوں یا کندھوں تک اٹھانے کو شرعی رفع یدین کہتے ہیں جو ذکر اللہ کے ساتھ مل کر عبادت بن گئی۔ جس رفع یدین کے ساتھ شریعت مقدسہ میں تکبیر یعنی ذکر اللہ ثابت نہیں، وہ نہ شرعی رفع یدین ہے اور نہ ہی عبادت ہے۔

تکبیر تحریمہ کی رفع یدین:

تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرنا عبادت ہے اور اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ چنانچہ علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں: اجمعت الأمة على استحباب رفع اليدين عند تكبيرة الاحرام و اختلفوا فيما سواها (شرح مسلم ص ۱۶۸، ج ۱)۔ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا مستحب ہے اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرنے میں امت میں اختلاف ہے۔ یاد رہے کہ اہل سنت والجماعت حنفی اسی اتفاقی اور اجماعی رفع یدین پر قائم ہیں، وہ اختلافی رفع یدین سے بچتے ہیں تاکہ ان کی نماز اختلاف سے محفوظ رہے۔ امام مالکؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے (نووی ص ۱۶۸، ج ۱)۔

اختلافی رفع یدین:

شوافع اور حنابلہ اور غیر مشہور روایت میں امام مالکؒ تکبیر تحریمہ کی اجماعی رفع یدین کے علاوہ چار رکعت میں آٹھ جگہ اختلافی رفع یدین کرتے ہیں۔ چار رکعت میں چار رکوع ہوتے ہیں تو رکوع سے پہلے اور اٹھنے کے بعد آٹھ جگہ یہ حضرات اختلافی رفع یدن کو مستحب مانتے ہیں (نووی ص ۱۶۸، ج ۱)۔ ہاں غیر مقلدین کا باوا آدم ہی نرالا ہے، وہ مذاہب اربعہ کے خلاف تکبیر تحریمہ کی اجماعی رفع یدین کے علاوہ نو (۹) جگہ اختلافی رفع یدین کرتے ہیں، آٹھ وہی اور نویں تیسری رکعت کے شروع میں۔ اور بعض غیر مقلدین تکبیر تحریمہ کی اجماعی رفع یدین کے علاوہ پچیس جگہ اختلافی رفع یدین کرتے ہیں، ان نو کے

ساتھ سولہ رفع یدین آٹھ سجدوں کی ملاتے ہیں (فتاوی علماء حدیث)۔ عمران سلفی نے یہ نہیں بتایا کہ وہ نو والوں میں ہے یا پچیس والوں میں۔ جو مفتی اپنا دعویٰ بھی پورا نہ لکھ سکے تو کون فیصلہ کرے گا کہ اس کی ذکر کردہ دلیل دعویٰ کے موافق بھی ہے یا نہیں؟

اختلافی رفع یدین کا حکم:

ائمہ اہل سنت میں سے جو امام اختلافی رفع یدین کا قائل ہے، وہ اس کو مستحب کہتا ہے (نووی ص ۱۶۸، ج۱)۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: واجمعوا علی أنه لا یجب شیء من الرفع (نووی ص ۱۶۸، ج۱) اس پر بھی اجماع ہے کہ رفع یدین کسی مقام پر بھی واجب نہیں۔ مگر غیر مقلدین اس اجماع کے خلاف اختلافی رفع یدین کو اتنا ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ کسی فرض کے تارک کے خلاف بھی اتنی اشتہار بازی اور چیلنج بازی نہیں کرتے جتنی اس اختلافی رفع یدین کے بارے میں کرتے ہیں۔

خلاصہ اختلاف:

اہل سنت والجماعت حنفی صرف ایک اجماعی رفع یدین کرتے ہیں اور پوری نماز میں کسی بھی جگہ اختلافی رفع یدین نہیں کرتے۔ ان کی رفع یدین ایسی ہی ہے جیسے کلمہ توحید لا الـــہ الا اللہ کوئی لائق عبادت نہیں مگر ایک اللہ۔ اسی طرح یہ ایک اجماعی رفع یدین کا اثبات اور باقی سب جگہ کی نفی کرتے ہیں اور یہ جو دلائل بیان کرتے ہیں ان میں بھی نفی اور اثبات کے دونوں پہلو ہوتے ہیں، اس لئے ان کی دلیل دعویٰ کے عین مطابق ہوتی ہے۔ غیر مقلدین چار رکعت میں دس جگہ ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اٹھارہ جگہ کبھی ہاتھ نہیں اٹھاتے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آخری نماز تک آپ ﷺ کا یہی عمل رہا، جو اس طرح رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس لئے غیر مقلدین کی دلیل ایسی آیت یا حدیث ہوگی جن میں مندرجہ ذیل پانچ باتیں صراحۃً ثابت ہوں:

(۱)...... چار رکعت نماز میں اٹھارہ جگہ رفع یدین کا منع ہونا یا متروک ہونا صاف صاف مذکور ہو۔

(۲)............دس جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی صراحت ہو۔
(۳)............اس کی صراحت ہو کہ یہ طریقہ آپ ﷺ کی آخری نماز تک رہا۔ اس بات کو خوب سمجھ لیں کہ یہود کی اتنی بات صحیح ہے کہ حضرت موسیٰ خدا کے سچے نبی تھے مگر یہ بات غلط ہے کہ حضرت موسیٰ خدا کے آخری نبی تھے۔ اسی طرح عیسائیوں کے بعض فرقوں کی اتنی بات تو صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ خداتعالیٰ کے سچے نبی تھے مگر یہ بالکل جھوٹ ہے کہ حضرت عیسیٰ خداتعالیٰ کے آخری نبی تھے۔ اسی طرح بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا مگر اس کا یہ مطلب بیان کرنا کہ آپ ﷺ ہمیشہ کھڑے ہو کر پیشاب فرماتے، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کا آخری پیشاب بھی کھڑے ہو کر فرمایا اور کھڑے ہو کر ہی پیشاب کرنا ہر مرد اور عورت کے لئے ضروری ہے ورنہ بخاری و مسلم کی حدیث کی مخالفت گناہ ہے یا بخاری و مسلم سے ہی اس کا منسوخ ہونا ثابت کرو۔ یا مثلاً بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: کان یصلی فی نعلیہ کہ آپ ﷺ جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے۔ اس کا یوں مطلب بیان کرنا کہ آنحضرت ﷺ نے زندگی بھر ہر فرض ہر ہر نفل جوتے پہن کر پڑھے حتیٰ کہ زندگی کی آخری نماز بھی جوتے پہن کر ادا فرمائی، جو جوتے اتار کر نماز پڑھتا ہے، بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث کے موافق اس کی نماز نبی ﷺ والی نماز ہرگز نہیں ورنہ بخاری و مسلم کی حدیث سے اس کا منسوخ ہونا ثابت کرو، تو یہ سب جھوٹ ہے۔ بہرحال غیر مقلدین کا دعویٰ یہ نہیں کہ حضرت ﷺ نے دس جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھائے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ آخری نماز تک دس جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے رہے اور اٹھارہ جگہ کبھی ہاتھ نہ اٹھائے، اس کی صراحت دکھانا ہوگی۔
(۴)............جو شخص اختلافی رفع یدین ترک کرے اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ جو بھی حکم ہو واجب یا سنت مؤکدہ متواترہ، یہ صراحۃً حدیث میں دکھانا ہوگا۔
(۵)............حدیث کا صحیح یا ضعیف ہونا دلیل شرعی سے ثابت کرنا ہوگا اور یاد رہے کہ غیر مقلدین کے ہاں دلیل شرعی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یا نبی ﷺ کا ارشاد

ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کی دلیل میں پانچ باتیں دیکھی جائیں اور وہ بھی نمبر وار:

ا......۱۸ جگہ کا منع یا ترک، کیونکہ کلمہ شریف میں نفی پہلے ہے اثبات بعد میں۔

۲......دس جگہ کندھوں تک تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا اور ان کا حکم، ایک سنت کے ترک سے بھی نماز خلاف سنت ہوتی ہے۔

۳......ہمیشہ یا آخر عمر تک کی صراحت ہو۔

۴......اختلافی رفع یدین کے تارک کی نماز نہیں ہوتی۔

۵......اس حدیث کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا ہو۔

اب مفتی یٰسین غفاری اور اس کے تلمیذ عمران سلفی کے فتویٰ کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱/۹) یہ اپنے دعویٰ کی پانچوں باتیں قرآن پاک سے ثابت نہیں کر سکے، اس لئے انہیں پہلے اعتراف کرنا چاہئے کہ قرآن پاک اس مسئلہ میں ہمارے سر پر ہاتھ نہیں رکھتا (بمطابق حدیث معاذ رضی اللہ عنہ)۔

(۱۰/۲) دوسرے نمبر پر احادیث ہیں۔ انہوں نے کوئی حدیث نہیں لکھی، البتہ صفحہ نمبر ۱۵ پر ایک گوشوارہ دیا ہے کہ ہمارے دعویٰ پر بیس (۲۰) کتابوں میں ۲۲۷ حدیثیں ہیں اور ساتھ نوٹ دیا ہے کہ خدا کے لئے ان احادیث پر عمل کر کے اپنی آخرت بنائیں، ان صحیح احادیث کی تردید سے آخرت برباد ہونے کا خطرہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ رسول پاک ﷺ کا نام لے کر ان پر ۲۲۷ جھوٹ بول دیئے گئے ہیں۔ ان میں ایک حدیث بھی نہیں جس میں ان کے دعویٰ کے پانچوں اجزاء ثابت ہوں۔ جناب یٰسین صاحب کوئی ثالث طے کر لیں جس میں ثالث کی شرعی صفات پائی جائیں اور نمبر وار یہ احادیث دکھاتے جائیں۔ جس حدیث میں یہ پانچوں باتیں دکھاتے جائیں گے ہم ثالث کے ذریعہ سو روپیہ فی حدیث انعام دیتے جائیں گے۔ اس طرح قسط وار ہر حدیث پر انعام دینے سے ان کے بائیس ہزار سات سو (۲۲۷۰۰) روپے بن جائیں گے اور جس حدیث میں وہ پانچوں باتیں نہ دکھا سکیں تو وہ بذریعہ ثالث یہ تحریر دیں گے کہ یہ میں نے دھوکہ دیا ہے، میرا مکمل دعویٰ ہرگز

ہرگز اس حدیث میں موجود نہیں اور اس دھوکے اور جھوٹ پر آخرت کا عذاب تو اللہ تعالیٰ دیں گے، دنیا میں ہر حدیث کے بعد بذریعہ ثالث تحریری معافی نامہ اور فی حدیث ایک سو روپیہ ہرجانہ ادا کریں گے اور ان شاء اللہ العزیز خسر الدنیا والآخرۃ کا نظارہ دیکھیں گے۔

(۱۱/۳) مفتی یٰسین صاحب نے جو حدیث کی کتابوں کی لسٹ دی ہے ان میں سے ایک بھی غیر مقلد نہیں۔ وہ دلیل سے ثابت کریں گے کہ اس کتاب کا مؤلف نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا تھا، نہ تقلید کرتا تھا اور دکھائیں گے کہ اس نے کتاب میں مجتہدین کی تقلید کے شرک ہونے کا باب باندھا ہے، اس لئے یہ غیر مقلد ہے۔ اگر وہ اپنی مسلّمہ دلیل سے ہر کتاب کے بارے میں یہ ثابت کر دیں تو ہم بذریعہ ثالث سو روپیہ فی کتاب انعام دیں گے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو بذریعہ ثالث فی کتاب ایک سو روپیہ ہرجانہ ادا کریں گے اور اس دھوکہ دہی سے تحریری معافی مانگیں گے جس پر ثالث کے بھی دستخط ہوں گے۔

(۱۲/۴) جناب غفاری صاحب نے احادیث کی کتابوں کی لسٹ میں حدیث کی کچھ کتابیں لکھی ہیں اور کچھ چھوڑ دی ہیں، یہ انتخاب انہوں نے قرآن کی آیت سے کیا ہے یا حدیث رسول ﷺ سے یا حدیث نفس سے؟ آخر خیر القرون کی حدیث کی کتابیں مسند الامام زید ۱۲۲ھ، مسند امام اعظم ۱۵۰ھ، کتاب الآثار ابی یوسف ۱۸۲ھ، کتاب الحجہ امام محمد ۱۸۹ھ، شرح معانی الآثار طحاوی ۳۲۱ھ وغیرہ حدیث کی کتابوں کا انکار بھی اہل حدیث کہلانے کے لئے ضروری ہے؟

(۱۳/۵) جو لسٹ لکھی ہے، ان کی ترتیب کس دلیل سے بدلی ہے؟ ان کتابوں کی اصل ترتیب یہ ہے: (۱) موطا امام مالک ۱۷۹ھ، (۲) مسند امام شافعی ۲۰۴ھ، (۳) مصنف عبد الرزاق ۲۱۱ھ، (۴) مسند الحمیدی ۲۱۹ھ، (۵) ابو داؤد طیالسی ۲۲۴ھ، (۶) مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ ۲۳۵ھ، (۷) مسند امام احمد ۲۴۱ھ، (۸) دارمی ۲۵۵ھ، (۹) بخاری ۲۵۶ھ، (۱۰) جزء بخاری ۲۵۶ھ، (۱۱) مسلم ۲۶۱ھ، (۱۲) ابن ماجہ ۲۷۳ھ، (۱۳) ابو داؤد ۲۷۵ھ، (۱۴) ترمذی ۲۷۹ھ، (۱۵) نسائی ۳۰۳ھ، (۱۶) ابو عوانہ ۳۱۶ھ، (۱۷) ابن

حبان ۳۵۴ھ،(ـ) دار قطنی ۳۸۵ھ،(ـ) بیہقی ۴۵۸ھ۔

نوٹ: جزء رفع الیدین بخاری کے راوی محمود بن اسحاق کی توثیق بطریق محدثین بالکل ثابت نہیں۔ جناب نے اس ترتیب کو کیوں تبدیل کیا، کس دلیل سے؟

(۱۴/۶) نام نہاد اہل حدیث کا دعویٰ تو یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن وحدیث کے سوا کچھ نہیں مانتے اور کہا کرتے ہیں: ''در موقوفات صحابہ حجت نیست'' کہ ہم صحابہ کی موقوفات (صحابہ کے اقوال کو) کو نہیں مانتے۔ اب تو غفاری صاحب بسم اللہ میں ہی مسلک اہل حدیث کو طلاق دے کر قرآن وحدیث کی بجائے صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لینے لگے ہیں اور وہ بھی اس رسالے کے حوالے سے جس کے راوی محمود بن اسحاق کی توثیق یہ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے (ان شاء اللہ)۔

(۱۵/۷) جزء رفع یدین میں ہے: سعید عن قتادة عن الحسن قال کان أصحاب النبی ﷺ کأنما أیدیهم المراوح یرفعونها اذا رکعوا و اذا رفعوا رؤسهم۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ، ان کے ہاتھ پنکھوں کی طرح تھے، وہ ان کو اٹھاتے جب جھکتے اور جب اپنے سروں کو اٹھاتے۔ اس اثر میں سعید ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد فرماتے ہیں کہ سعید کا حافظہ بھی بگڑ گیا تھا اور وہ مدلس بھی ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے اور قتادہ بھی مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے تو یہ سند کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ (ابکار المنن ص ۹۶) پھر اسی جزء رفع یدین میں حضرت ربیع کا بیان ہے کہ میں نے حسن، مجاہد، عطاء، طاؤس، قیس بن سعد اور حسن بن مسلم کو دیکھا کہ وہ رکوع کے وقت اور سجدوں کے وقت بھی رفع یدین کرتے۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا: یہ سنت ہے (جزء رفع یدین) امام بخاریؒ کے استاذ ابن ابی شیبہؒ بھی سند سے نقل کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے (ص ۲۷۱، ج ۱)۔ سلفی و غفاری صاحب! آپ تو امام حسن بصریؒ کے مسلک کے خلاف ہر چار رکعت میں سجدوں کی رفع یدین نہ کر کے سولہ سنتوں کے تارک ہیں۔

(۱۶/۸) کیا حضرت حسن نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا؟ جب صوفیاء کرام کے شجروں کا انکار آپ لوگ کرتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ حضرت حسن کی تو چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات ثابت نہیں اور حضرت حسنؒ کی کس عبارت کا ترجمہ ہے کہ تمام صحابہ غیر مقلدوں والی دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے اور اٹھارہ جگہ کبھی رفع یدین نہ کرتے تھے؟

(۱۷/۹) غیر مقلدین روزانہ صحاح ستہ، صحاح ستہ کے گیت گایا کرتے ہیں، آج تو صحاح ستہ کی کھلی مخالفت پر اترے ہوئے ہیں اور ایک ایسے رسالہ پر ایمان ہے جس کے راوی کی توثیق ہی ثابت نہیں۔ محمود بن اسحاق نے جو امام بخاریؒ کے ذمہ یہ بات لگائی ہے کہ امام حسنؒ نے کسی ایک صحابی کا بھی استثناء نہیں کیا، یہ بات امام بخاریؒ تو کجا کوئی ادنیٰ عالم بھی نہیں کہہ سکتا کیونکہ امام ابوداؤدؒ اپنی سنن میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجود کے وقت بھی رفع یدین کیا واذا رفع رأسه من السجود ایضاً رفع یدیه کہ جب سجدوں سے سر اٹھایا اس وقت رفع یدین کیا۔ حدیث کے راوی محمد بن جحادہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ امام حسن بصریؒ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے۔ فعله من فعله وترکه من ترکه جو کرتے ہیں وہ کرتے ہیں، جو چھوڑ گئے وہ چھوڑ گئے (ابوداؤد)۔ یہاں امام حسن بصریؒ نے خود استثناء کیا ہے کہ تارکین بھی ہیں، یہ ابوداؤد صحاح ستہ میں ہے۔ اسی طرح امام ترمذیؒ جو امام بخاریؒ کے خصوصی شاگرد ہیں وہ ترمذی میں رفع یدین کی حدیث لکھ کر اس کے بعد فرماتے ہیں: به یقول بعض أهل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ رفع یدین (وہ بھی شوافع والی) کے قائل نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں (غیر مقلدوں والی کا تو کوئی قائل اور فاعل ہے ہی نہیں) اور پھر امام ترمذیؒ ترک رفع یدین کی حدیث کے بعد لکھتے ہیں: وبه یقول غیر واحد من أهل العلم من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و التابعین و هو قول سفیان وأهل الکوفة۔ بے شمار اہل علم صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین ترک رفع یدین کے قائل وفاعل ہیں اور یہی مذہب امام سفیان ثوریؒ اور اہل

کوفہ کا ہے۔ تو جو قول لکھا ہے کہ تمام صحابہ رفع یدین کرتے تھے، یہ باطل ہے۔ آیئے حضرت امام ابراہیم نخعی تابعیؒ (۹۰ھ) کا فرمان بھی سن لیں، وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور صحابہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ما سمعته من أحد منهم، انما كانوا يرفعون أيديهم في بدء الصلوة حين يكبرون (موطا محمد ص ۹۰) یعنی میں نے کسی صحابی سے نہ رفع یدین کی حدیث سنی اور آنکھوں سے یہی دیکھا کہ وہ تمام صحابہ صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں رفع یدین روایۃً بھی شاذ تھی اور عملاً بھی شاذ تھی اور ترک رفع یدین سنداً بھی متواتر تھی جیسا کہ امام ابراہیم نخعی تابعیؒ بھی فرماتے ہیں: حدثني من لا أحصي مجھے اتنے لوگوں نے (ترک رفع یدین کی) حدیث سنائی کہ میں ان کو گن نہیں سکتا اور ترک رفع یدین عملاً بھی متواتر تھی، ان متواترات کا انکار کر کے آج سلفی اور غفاری اپنا ایمان برباد کر رہے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر کے ضال مضل بن رہے ہیں۔ اسی طرح ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضرت میمون مکی جو طبقہ ثالثہ کے کبار تابعین میں سے ہیں جنہوں نے اکثر صحابہؓ کی زیارت کی، انہوں نے ایک دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا: میں نے ابن زبیر کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا لم أر أحدا يصليها کبھی بھی کسی کو ایسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ غور فرمائیں کہ مکہ مکرمہ وہ مقدس شہر ہے جہاں اس زمانہ میں ہر طرف سے صحابہؓ اور تابعینؒ حج وعمرہ کے لئے آتے رہتے تھے مگر حضرت میمون مکیؒ نے ابن زبیرؓ کے سوا نہ کسی مکہ میں رہنے والے کسی صحابی اور تابعی کو رفع یدین کرتے دیکھا اور نہ باہر سے حج وعمرہ پر آنے والے کسی صحابی اور تابعی کو رفع یدین کرتے دیکھا۔ یہ ابوداؤد بھی صحاح ستہ میں ہے مگر آج جھوٹے اہل حدیث صحاح ستہ سے ناراض ہیں۔

حمید بن ہلال:

(۱۰/۱۸) حمید بن ہلال کی روایت کہ صحابہ کرام جب نماز پڑھتے تو ہاتھ کانوں تک اٹھاتے گویا کہ وہ پنکھے ہیں، دیکھئے اس روایت میں کہیں اٹھارہ جگہ رفع یدین کی نفی اور

دس جگہ کندھوں تک رفع یدین کا اثبات ہے؟ ہر گز نہیں۔ ہاں اگر سب صحابہ ؓ ہمیشہ کانوں تک ہی ہاتھ اٹھاتے تھے بلا استثناء تو غیر مقلدین سب صحابہ ؓ کے خلاف ہیں کیونکہ وہ سب کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بخاری و مسلم نے جو متفق علیہ حدیث کندھوں تک ہاتھ اٹھانے والی نقل کی ہے وہ سب صحابہ کے اجماعی عمل کے خلاف ہے۔

جزء رفع یدین:

(۱۹/۱۱) جزء رفع یدین کے حوالہ سے ایک عبارت غفاری صاحب نے نقل کی ہے: من زعم أنه بدعة فقد طعن فی الصحابة فانه لم يثبت عن أحد منهم تركه ۔ یہ عبارت اس طرح جزء رفع یدین میں نہیں ہے۔ یہاں غفاری صاحب نے یہ مثال پوری کی ہے: کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ غفاری صاحب! جزء رفع یدین میں تو سجدوں کی رفع یدین کو سنت لکھا ہے جس کے آپ نہ قائل ہیں، نہ فاعل اور جزء رفع یدین میں تو یہ بھی لکھا ہے: كان الثوری و وكيع و بعض الكوفيين لا يرفعون أيديهم وقد رووا فی ذلك أحاديث كثيرة کہ امام سفیان ثوریؒ اور امام وکیعؒ اور بعض اہل کوفہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور انہوں نے ترک رفع یدین کے بارے میں بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں: ليس أسانيده أصح من رفع الأيدی ۔ ان کی سند رفع یدین کی حدیثوں سے زیادہ صحیح نہیں، یعنی دونوں صحیح ہیں۔ سلفی صاحب! کیا جناب بخاری کی یہ بات مانتے ہیں کہ ترک رفع یدین کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث ہیں۔ غفاری صاحب! آپ تو ان احادیث کثیرہ کے منکر ہیں۔ ایک ہی مسئلہ میں بہت سی احادیث صحیحہ کا کھلا منکر اور نام اہل حدیث رکھے:

برعکس نہند نام زنگی کافور

(۲۰/۱۲) جزء رفع یدین میں تو آخری حصہ میں یہ بھی ہے کہ امام اوزاعیؒ سے پوچھا گیا کہ نماز کے اندر کھڑے ہو کر ہر تکبیر کے ساتھ جو رفع یدین ہے، اس بارے میں

آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ذلك الأمر الأول یا ابتدائی کا کام ہے۔ لیجئے آپ کی منہ مانگی مراد پوری ہوگئی کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین کی احادیث صحیح ہیں، البتہ رفع یدین کی احادیث پہلے زمانہ کی ہیں یعنی منسوخ ہیں۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زلیخا نے کیا خود چاک دامن ماہ کنعاں کا

کیا اب یہاں آمنا وصدقنا پر عمل ہوگیا یا اپنے بڑوں کی تقلید میں سمعنا وعصینا ہی فرمائیں گے؟

(۲۱/۱۳) پھر غفاری، سلفی صاحبان لکھتے ہیں: امام بیہقیؒ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ امام بیہقی پر (ؒ) کی علامت لکھی ہے اور امام لکھا ہے مگر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ نہ حضرت لکھا اور نہ (رضی) کا نشان، ہائے بغض صحابہ۔ پھر غفاری، سلفی صاحبان اس کو امام بیہقی کا قول قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ قول ابوبکر بن اسحاق فقیہ کا ہے۔ فتویٰ لکھنے سے پہلے نظر چیک کروالیا کریں۔ ویسے تو اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی اقوال حجت نہیں مگر کوئی صحابہ رضی اللہ عنہم پر حملہ کرے تو اس کا قول آپ کے ہاں قرآن وحدیث سے بڑھ کر حجت ہوجاتا ہے۔

(۲۲/۱۴) آپ ابوبکر بن اسحاق سے پوچھ کر وہ حدیث نقل تو کریں جس میں پانچوں باتیں ہوں کہ ۱۸ جگہ رفع یدین منع ہے اور دس جگہ کندھوں تک رفع یدین ضروری ہے ورنہ نماز نہ ہوگی اور یہ رفع یدین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز تک کی اور اس حدیث کو دلیل شرعی سے صحیح ثابت کردیں۔

(۲۳/۱۵) ابوبکر بن اسحاق نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا نام بھی بے دلیل لے دیا اور جناب نے نہیں پوچھا کہ جناب کسی ایک ہی خلیفہ راشد سے صرف ایک ہی دن کی ایک ہی نماز کی چار رکعات میں اٹھارہ جگہ رفع یدین کے منع، دس جگہ کندھوں تک رفع یدین کا ایسا ضروری ہونا کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور اس کو دلیل شرعی سے صحیح ثابت کردیں مگر

آپ استاد و شاگرد تو ابو بکر بن اسحاق فقیہ کے ایسے اندھے مقلد ہیں کہ دلیل پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ واہ نام اہل حدیث اور کام مشرکوں والے۔

(۲۴/۱۶) پھر آپ نے نبی پاک ﷺ کو چھوڑ کر ابو بکر بن اسحاق فقیہ کو جو امام مان لیا ہے، اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام بھی لیا ہے، چونکہ آپ کے امام کا یہ قول آپ کی نفس پرستی کے موافق تھا، اندھا دھند اس قول کو بلا مطالبہ دلیل تسلیم کر کے شرک تقلیدی میں غرق ہو گئے حالانکہ کسی ایک صحابی سے بھی غیر مقلدین والی رفع یدین کا ثبوت نہیں۔ اگر ہمت ہے تو صرف اور صرف ایک ہی صحابی سے زندگی بھر میں ایک ہی نماز کی چار رکعات میں اٹھارہ جگہ کی نفی اور دس جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا اور اس کو ایسا ضروری قرار دینا کہ جو اس طرح رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی اور اس کو دلیل شرعی سے صحیح ثابت کر دیں۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

(۲۵/۱۷) آپ کے فقیہ نے تابعین کا نام بھی لیا ہے اور آپ نے دلیل پوچھے بغیر اس کی اندھی تقلید کر لی ہے۔ آپ ایک اور صرف ایک تابعی سے ثابت کر دیں کہ اس نے ایک ہی دن ایک ہی نماز کی چار رکعات میں اٹھارہ جگہ رفع یدین ترک کی ہو اور دس جگہ کندھوں تک رفع یدین کی ہو اور اس کو اتنا ضروری قرار دیا ہو کہ جو نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی اور اس کو دلیل شرعی سے صحیح ثابت کر دیں، مگر:

ایں خیال ست و محال ست و جنوں

(۲۶/۱۸) چونکہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے نام سے غفاری، سلفی صاحبان نے عوام کو بہت بڑا دھوکہ دیا ہے، اس لئے وہ مسلمہ شرعی ثالث کے سامنے ان سے اپنا مکمل دعویٰ ثابت کر دیں تو ہم بذریعہ ثالث شرعی فی صحابی اور فی تابعی ایک ایک سو روپیہ انعام دیں گے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃ سامنے رکھ کر ہم ایک ایک صحابی سے ثبوت پوچھتے جائیں گے، وہ جس صحابی اور

تابعی سے ثابت نہ کر سکے تو فی صحابی اور فی تابعی ایک ایک سو روپیہ ہر جانہ ادا کریں گے اور بذریعہ ثالث تحریر دیں گے کہ ہم نے محض دھوکہ کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعینؒ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا نام لیا تھا۔

(۱۹/ ۲۷) منکرین حدیث اقوال پرست صفحہ نمبر ۳ پر شاہ ولی اللہؒ کا قول نقل کرتے ہیں، خدا جہالت کا ستیاناس کرے ان بے چاروں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ مذہب حنفی مفتی بہا اور معمول بہا اقوال کا نام ہے، اگر قرآن و حدیث سے تحقیقی دلیل ان کے پاس نہیں تھی اور الزام ہی دینا تھا تو فقہ حنفی کے متون معتبرہ سے صرف ایک حوالہ دکھا دیتے جس میں ان کے دعویٰ کی صراحت ہوتی، اٹھارہ جگہ کی نفی، دس جگہ کا اثبات، ہمیشہ کی صراحت، جو نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ شاہ ولی اللہؒ نے دس جگہ کی رفع یدین کا ذکر تک نہیں کیا۔ شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے: والحق عندی فی مثل ذلك ان الكل سنة کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں سنت ہیں۔ کیا آپ نے ترک رفع یدین کو سنت تسلیم کر لیا ہے؟ پھر ان کی رائے ہے کہ رفع یدین کرنے والا مجھے زیادہ پسند ہے نہ کرنے والے سے اور دلیل یہ دی ہے کہ رفع یدین کی احادیث اکثر اور اثبت ہیں۔ مگر یہ کوئی دلیل نہیں، جس نے بھی کتب حدیث کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی احادیث اکثر اور اثبت ہیں بلکہ امام طحاویؒ شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں کہ سنداً متواتر ہیں لیکن امت کا عملی تواتر جوتے اتار کر نماز پڑھنے پر ہے اور یہی احب ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے جو تحریر فرمایا ہے اور منکرین حدیث نے اس کو نقل نہیں کیا وہ یہ ہے: غير أنه لا ينبغي لانسان في مثل هذه الصور أن يثير على نفسه فتنة عوام بلده و هو قوله ﷺ لو لا حدثان قومك لنقضت الكعبة کہ ایسے مسائل میں اپنے علاقے کی عوام کا فتنہ اپنے سر نہیں لینا چاہئے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر نئی نسل کا خوف نہ ہوتا تو میں کعبہ شریف کو شہید کر دیتا (اور دوبارہ بنائے ابراہیمی پر تعمیر کراتا)۔ خلاصہ کلام شاہ صاحبؒ کا یہ نکلا کہ اگر کوئی رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھے تو سنت تو ہے مگر امت محمدیہ میں اس علاقہ میں باعث فتنہ ہے اور

فتنے سے بچنا حضور ﷺ کا طریقہ ہے، اور اگر بغیر اختلافی رفع یدین کے نماز پڑھے تو نماز بھی موافق سنت ہوگی اور امت میں کوئی فتنہ بھی نہ ہوگا اور فتنے سے اللہ و رسول ﷺ دونوں سخت ناراض ہیں۔ الفتنة أشد من القتل، الفتنة أكبر من القتل اسی لئے جس طرح فتنہ سے عوام کو بچانے کے لئے حضور پاک ﷺ نے کعبہ شریف کو شہید نہ کرایا، اسی طرح امت کو فتنہ سے بچانے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کبھی رفع یدین کے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ غیر مقلدین نے یہ فتنہ کھڑا کیا جس کی وجہ سے اللہ و رسول ﷺ کے علاوہ شاہ ولی اللہؒ بھی ان فتانوں سے ناراض ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ:

(۲۰/ ۲۸) قرآن و حدیث کا دعویٰ کرنے والے آج تو قرآن و حدیث کا نام بھی نہیں لیتے، اقوال الرجال کو شرک کہنے والے آج اسی شرک میں غرق ہیں۔ دوبارہ یاد کرلیں کہ مذہب حنفی کے مفتی بہ قول کے خلاف تو خود امام صاحبؒ کا کوئی شاذ قول ہو تو وہ بھی حجت نہیں۔ جس طرح متواتر قرآن کے خلاف شاذ قرأت حجت نہیں، متواتر سنت کے خلاف شاذ حدیث حجت نہیں تو مفتی بہ مذہب کے خلاف کسی مقلد کا قول کب حجت ہوسکتا ہے؟

(۲۱/ ۲۹) حضرت ملا علی قاریؒ نے کسی جگہ بھی غیر مقلدین کی اختلافی رفع یدین کو سنت نہیں فرمایا۔

دھوکہ اور فریب:

(۲۲/ ۳۰) حضرت ملا علی قاریؒ کی عبارت پیش کرنے میں اقوال پرست مفتی نے بڑا دھوکہ دیا ہے۔ ایک دفعہ ایک عیسائی پادری سے مناظرہ تھا وہ بڑی جرأت سے قرآن پاک سے حضرت عیسیٰؑ کا خدا ہونا ثابت کر رہا تھا کہ قرآن پاک میں ہے: ان الله هو المسيح بن مريم بے شک مریم کا بیٹا مسیح خدا ہے، حالانکہ قرآن نے یہ قول تردید کے لئے ذکر کیا: لقد كفر الذين قالو ان الله هو المسيح ابن مريم وہ لوگ کافر ہیں جو

کہتے ہیں کہ مریم کا بیٹا مسیح خدا ہے۔ بالکل یہی فریب غفاری، سلفی نے کیا۔ ملا علی قاریؒ نے جس قول کی تردید فرمائی وہ قول تو نقل کر دیا مگر تردید نقل نہ کی۔

(الف)......... ملا علی قاریؒ نے اسی صفحہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین والی حدیث کو حسن قرار دیا ہے جس کا غفاری، سلفی نے بے دلیل انکار کر کے اپنا نام منکرین حدیث میں درج کرایا ہے۔

(ب)......... اسی صفحہ پر حضرت ملا علی قاریؒ نے حضرت امام اعظمؒ اور امام اوزاعیؒ کے مناظرہ کی روایت کو مشہور قرار دیا ہے جو مکہ مکرمہ میں رفع یدین پر ہوا اور امام اوزاعیؒ لاجواب ہوئے بلکہ جیسا کہ جزء رفع یدین کے حوالے سے گزرا کہ وہ نسخ رفع یدین کے قائل ہوگئے۔ یہی وہ مناظرہ ہے جس میں امام اعظمؒ نے پوری جرأت سے فرمایا: لأجل انه لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شيء، کہ سنیت رفع یدین کے بارے میں رسول پاک ﷺ سے کوئی روایت بھی صحیح نہیں۔ بالکل یہی موقف حضرت امام مالکؒ کا ہے۔ ابن القاسم فرماتے ہیں: كان رفع اليدين عند مالك ضعيفاً الا في تكبيرة الاحرام (المدونة الكبرى) امام مالکؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین (کی احادیث) ضعیف ہیں۔ امام مالکؒ کا وصال ۱۷۹ھ میں مدینہ منورہ میں ہی ہوا اور کسی ایک عالم نے بھی اس خیر القرون میں امام مالکؒ کے اس قول کی تردید نہ فرمائی۔

(ج)......... اسی صفحہ پر حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بسند صحیح ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(د)......... پھر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(ر)......... پھر سات جگہ کے علاوہ باقی جگہ نماز یا حج میں رفع یدین کے منع ہونے کی حدیث نقل فرمائی ہے۔

(س)......... پھر خلافیات بیہقی سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے

کہ آنحضرت ﷺ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(ش)......... پھر رفع یدین کی حدیثوں کو نسخ پر محمول فرمایا جس پر سلفی، غفاری بڑے جز بز ہیں۔ایک حوالے میں سات خیانتیں۔غفاری صاحب! حدیث پاک میں خیانت کو منافق کی علامت قرار دیا ہے یا اہل حدیث کی؟

مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ:

(۳۱/۴۳) آج غفاری صاحب کو اللہ ورسول ﷺ تو بالکل بھولے ہوئے ہیں، اقوال الرجال کی پرستش ہو رہی ہے جب کہ یہ اقوال نہ ان کے ہاں تحقیقی دلیل ہے کیونکہ تحقیق دلیل ان کے ہاں صرف اور صرف قرآن وحدیث ہے اور نہ ہی یہ الزامی دلیل ہے کیونکہ الزامی دلیل صرف اور صرف مذہب کا مفتی بہ قول ہے۔مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ کی عبارت کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے۔مولانا فرماتے ہیں:

(الف)......... رفع یدین کرنے اور ترک رفع یدین دونوں نبی پاک ﷺ سے ثابت ہیں مگر غفاری صاحب کب مانتے ہیں؟

(ب)......... مولانا فرماتے ہیں کہ ترک رفع یدین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے مگر غفاری صاحب کب مانتے ہیں؟

(ج)......... مولانا فرماتے ہیں کہ اصحاب ابن مسعود جو جلیل القدر صحابہ اور تابعین تھے رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر غفاری صاحب کب مانتے ہیں؟

(د)......... مولانا فرماتے ہیں کہ بے شک رفع یدین سنت مؤکدہ نہیں اور رفع یدین نہ کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں مگر غفاری صاحب رات دن اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

(ر)......... مولانا فرماتے ہیں کہ امام طحاویؒ، شیخ ابن الھمامؒ، علامہ عینیؒ جو رفع یدین کو منسوخ کہتے ہیں اس کی وجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسن ظن ہے کیونکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم (مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے رفع یدین کی احادیث روایت کی ہیں۔

وہ خود رفع یدین کے بغیر نماز پڑھتے تھے۔ اب اگر رفع یدین سنت مؤکدہ یا واجب ہوتی تو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم باوجود حدیث روایت کرنے کے تارک سنت کیوں تھے؟ اور تارک سنت کی تو روایت ہی مقبول نہیں۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ سوءِ ظن درست نہیں کہ وہ سنت کو روایت کر کے پھر اس پر عمل نہ کر کے لم تقولون ما لا تفعلون کے مصداق بنے بلکہ ان سے یہی حسن ظن رکھا جائے گا کہ ان کو جس طرح ثبوت رفع یدین کا علم تھا، اس کے نسخ کا بھی علم تھا اور ان کا عمل اسی نسخ کا مؤید تھا۔ ہاں غفاری صاحب کو اگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے حسن ظن نہیں تو ان کو حسن ظن کی طرف آجانا چاہئے، اللہ تعالیٰ توفیق دیں۔

(س)......... غفاری صاحب کا یوں ترجمہ کرنا کہ اسی لئے ابن الھمام اور علامہ عینی نے امام طحاوی کا ساتھ نہیں دیا، ترجمہ نہیں جھوٹ ہے جو منافق کی علامت ہے نہ کہ اہل حدیث کی۔

(ش)......... رہی مولانا کی یہ بات کہ احادیث رفع یدین کثیر ہیں اور ترک رفع یدین کی احادیث قلیل ہیں تو یہ بات صحیح نہیں۔ امام محمدؒ (۱۸۹ھ) فرماتے ہیں: وفی ذلک آثار کثیرۃ (موطا محمد ص ۸۸) اور جزءِ رفع یدین میں ہے: رووا فی ذلک أحادیث کثیرۃ اور مولانا عبدالحیؒ کی اسی وقت تردید کر دی گئی تھی۔ محدث محمد حسن سنبھلی جو مولانا عبدالحیؒ کے معاصر ہیں، مولانا عبدالحیؒ کی وفات ۱۳۰۴ھ میں ہے اور مولانا محمد حسن صاحبؒ کی ۱۳۰۵ھ میں ہے، وہ فرماتے ہیں: اعلم ان الأحادیث المرفوعۃ و الموقوفۃ فی جانب ترک الرفع أیضاً کثیرۃ عامتھا صحیحۃ أو حسنۃ (تنسیق النظام) جان لے کہ ترک رفع یدین کے بارے میں بھی مرفوع اور موقوف احادیث کثرت سے ہیں۔ اکثر ان میں صحیح یا حسن ہیں۔

(ص)......... اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی تو بھی یہ کوئی وجہ ترجیح نہیں۔ آپ کے علامہ البانی لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ کا سجدوں کے وقت رفع یدین کرنا دس صحابہ کرام سے مروی ہے اور امام بخاری نے جزءِ رفع یدین میں امام عبدالرحمٰن بن مہدی سے اس کا سنت ہونا نقل کیا ہے (صفۃ صلاۃ النبی ص ۱۴۶) مگر آپ سارے غفاری اور سلفی مل کر ان دس کے مقابلے

میں تین صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی سجدوں کی رفع یدین کے ترک کی احادیث پیش نہیں کر سکتے، تو جب سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کے راوی زیادہ اور ترک کے کم تو آپ لوگ اس سنت کے کیوں تارک ہیں۔

(ض)............اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں۔ زید نے سعید سے ایک ہزار روپیہ چار ہزار گواہوں کے سامنے قرض لیا اور صرف دو گواہوں کے سامنے وہ واپس کر دیا تو کوئی عقل مند بھی یہ نہیں کہے گا کہ ثبوت قرض کے گواہ چار ہزار ہیں اور ادائے قرض کے صرف دو، اس لئے قرض باقی ہے بلکہ ہر آدمی یہی کہے گا کہ یہاں تقابل کرنا ہی غلط ہے۔ چار ہزار گواہ صرف ثبوت قرض کے ہیں، اب بھی وہ قرض باقی ہے یا نہیں، بقاء سے وہ ساکت ہیں۔ ان دونوں گواہوں نے ثبوت قرض کی نفی نہیں کی بلکہ بقائے قرض کی نفی کی ہے۔ اسی طرح احادیث رفع خواہ رکوع کی ہوں یا سجود کی صرف ثبوت رفع کی دلیل ہیں، بقاء رفع سے ساقط ہیں اور احادیث ترک بقاء کی نفی کرتی ہیں اور عدم بقاء پر ناطق ہیں اور ساکت اور ناطق میں کوئی معارضہ نہیں ہوتا۔

ائمہ ثلاثہ کا مسلک:

(۳۲/۲۴) یا اللہ یہ کیسی غفاری ہے جس کو آج یاد ہی نہیں کہ وہ اہل حدیث کے نام سے لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے جن کی زندگی کا مشن یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات بھی حجت نہیں، جن کا روزمرہ ائمہ کی تقلید کو شرک کہنے میں گزرتا ہے، وہ آج نہ خدا کو جانتے ہیں اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ ائمہ کی تقلید پر اتر آئے ہیں۔ اہل حدیث مسلک چھوڑ کر پکے مشرک بن چکے ہیں جو تقلید کو پٹہ کہتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، آج ان کی گردنیں و جعلنا فی أعناقهم أغلالاً کا منظر پیش کر رہی ہیں۔ اتنے پٹے، اتنے پٹے کہ حدیث والا چہرہ ہی مسخ ہو چکا ہے لیکن غفاری صاحب! وہ دن گئے جب خلیل صاحب فاختہ اڑایا کرتے تھے، اب جناب کے دھوکے نہیں چل سکتے۔ جس طرح خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا ذکر آپ نے

دھوکے کے لئے کیا، صحابہ ﷺ اور تابعین کا ذکر آپ نے دھوکے کے لئے کیا، اسی طرح ائمہ کا ذکر بھی آپ نے دھوکے کے لئے کیا۔ ائمہ کی متواتر فقہ متون متواترہ میں ہوتی ہے۔ آپ کسی ایک امام کی فقہ کے متواتر متن سے اپنا مسلک دکھادیں کہ اٹھارہ جگہ رفع یدین منع ہے اور دس جگہ ہمیشہ کندھوں تک رفع یدین اتنی ضروری ہے کہ جو نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی تو ثالث شرعی کے وسیلہ سے فی امام آپ کو سو روپیہ انعام دیا جائے گا، اور اگر کسی فقہ کے متواتر متن سے نہ دکھا سکے تو فی امام آپ کو بذریعہ ثالث سو سو روپیہ ہرجانہ دینا ہوگا اور دھوکہ دہی کی تحریری معافی مانگنی ہوگی۔

امام سیوطیؒ:

(۳۳/۲۵) غفاری صاحب خدا اور رسول سے تو ایسے باغی ہو چکے ہیں کہ ان کو تو بھلا ہی دیا ہے۔ ہائے جو رات دن یہ کہتے ہیں کہ در موقوفات صحابہ حجت نیست، جو دن رات ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں وہ اب امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) کی رائے پر ایمان لائے ہیں مگر أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض کے طریقہ پر کیونکہ امام سیوطیؒ تو حیات النبی ﷺ کی حدیث کو بھی متواتر فرماتے ہیں، وہ توسل اور کرامات کے تواتر کے بھی قائل ہیں، وہ ابوین کریمین کے ایمان کے قائل ہیں۔ یا اللہ جو طیوطیؒ کے امام، امام شافعیؒ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں تو نے ان کو کیسا ذلیل کیا ہے کہ آج سیوطیؒ کی تقلید کو فرض سمجھ رہے ہیں۔

آنچہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

اب یہ بات کیسی واضح ہوگئی کہ غیر مقلدیت عمل بالحدیث کا نام نہیں، نفس پرستی کا نام ہے۔

(۳۴/۲۶) امام سیوطیؒ کا یہ دعویٰ تابعین کرامؒ اور ائمہ مجتہدین امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے خلاف ہے۔ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو یہ تواتر انہوں نے ثبوت رفع یدین پر

لکھا ہے یا بقائے رفع یدین پر۔ دیکھو! حضرت موسیٰ کا نبی و رسول ہونا قرآن پاک کی متواتر آیات سے ثابت ہے، مگران کو قرآن کا نام لے کر آخری نبی کہنا قرآن پاک پر جھوٹ ہے۔ کیا امام سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، دس جگہ ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس کو اتنا ضروری سمجھتے تھے کہ جو رفع یدین نہ کرے اس کی نماز صحیح نہیں، اذا لیس فلیس۔

(۳۵/۲۷) امام سیوطیؒ تو ۹۱۱ھ کے بزرگ ہیں، امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا متواتر حدیث سے ثابت ہے۔ اب جتنے غیر مقلدین جوتے اتار کر نماز پڑھتے ہیں، کیا وہ سنت متواترہ کے مخالف ہیں؟ ان کے خلاف کتنے رسالے آپ نے شائع کئے؟ کتنے لاکھ کے اشتہاری چیلنج دیئے؟ اور کتنے مناظرے کئے؟ یاد رہے جوتے اتار کر نماز پڑھنا امت میں عملاً متواتر ہے، اس لئے ساری امت اسی طرح نماز پڑھ رہی ہے۔ اسی طرح ترک رفع یدین اختلافی کے ساتھ نماز عملاً متواتر ہے جس کا انکار کر کے آپ اپنی اور اپنے مقلدین کی آخرت برباد کر رہے ہیں اور متواتر سنتوں کو مٹا رہے ہیں۔

(۳۶/۲۸) غفاری صاحب! غیر مقلدین کی اختلافی رفع یدین کے ساتھ سنت متواترہ کا لفظ نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں، یہ جناب نے کہاں سے لیا؟ اگر کوئی یہ کہے کہ رفع یدین سنت متواترہ نہیں تو وہ کس آیت یا حدیث کا منکر ہے؟

(۳۷/۲۹) غفاری صاحب! آپ اہل حدیث رہ کر صرف قرآن وحدیث سے نہ سنت کی جامع مانع تعریف لکھ سکتے ہیں، نہ متواتر کی، نہ صحیح حدیث کی، نہ ضعیف حدیث کی۔ ذرا ہمت کریں اور یہ چاروں تعریفیں صرف قرآن و حدیث سے لکھ بھیجیں۔ ہاں امتیوں کی اصول کی کتابوں سے چوری نہ کریں ورنہ چور کی حد آپ کو معلوم ہی ہے۔

(۳۸/۳۰) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہود بے بہبود کی بدعادت کا تذکرہ فرمایا ہے کہ جب خدا کے رسول کوئی ایسی بات فرماتے جو ان کی اھواء (نفسانی خواہشات) کے خلاف ہوتی تو وہ ظالم خدا کے سچے رسول کو شہید کرنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ اب غفاری،

سلفی کے سامنے اللہ کے رسول پاک ﷺ تو نہیں کہ ان کو شہید کریں، ہاں آپ ﷺ کی کوئی حدیث پاک ایسی پیش کر کے دیکھیں جو ان کی حدیث نفس کے خلاف ہو، اس کو اس بے دردی سے شہید کریں گے کہ یہود بھی شرما جائیں گے۔ چنانچہ ابھی آپ احادیث نبویہ ﷺ پر ان کا کمانڈوز ایکشن ملاحظہ کریں گے، حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم اللہ اور رسول ﷺ کے علاوہ کسی کی بات کو حجت نہیں مانتے اور یہ سب جانتے ہیں کہ اللہ ورسول ﷺ نے کسی حدیث کو نہ صحیح فرمایا ہے نہ ضعیف، اس لئے ان لوگوں کو نہ تو کسی حدیث کو صحیح کہنے کا حق ہے اور نہ ضعیف کہنے کا۔ ہاں ہم اہل سنت چونکہ چار دلائل مانتے ہیں، ہم حدیث کے بارے میں صاف کہیں گے کہ اس حدیث کو اللہ یا رسول ﷺ نے نہ صحیح فرمایا ہے، نہ ضعیف۔ اب اگر اس حدیث پر چاروں ائمہ نے بالاتفاق عمل کر لیا تو بدلیل اجماع وہ صحیح ہے اور اگر چاروں ائمہ نے بالاجماع اس کو ترک کر دیا تو بدلیل اجماع وہ ضعیف ہے اور اگر اس بارے میں ائمہ مجتہدین میں اختلاف ہو تو جس حدیث کے موافق ہمارے امام اعظمؒ کا عمل ہوگا، اس کو ہم صحیح کہیں گے۔ ہاں ہم ضد نہیں کریں گے، جس حدیث کے موافق ہمارے امام کا عمل ہے۔ اگر یہ لوگ اللہ یا رسول اللہ ﷺ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت کر دیں تو ہم اللہ ورسول ﷺ کی بات مان لیں گے اور امام کا قول چھوڑ دیں گے۔ ہاں جب بات امتیوں میں ہی دائر ہو تو ہم خیر القرون کے امام اعظم کے مقابلہ میں مابعد خیر القرون کے کسی امتی کی بات نہیں مانیں گے۔ اب غفاری صاحب کا فرض تھا کہ وہ اپنی مسلمہ دلیل شرعی اللہ سے یا رسول ﷺ سے ثابت کر دیتے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین والی حدیث ضعیف ہے تو بات ختم ہو جاتی لیکن یہ تو وہ کرے جو سچا اہل حدیث ہو۔ جھوٹے اہل حدیث نام خدا اور رسول ﷺ کا کرتے ہیں اور اندھی تقلید خیر القرون کے بعد کے امتیوں کی کرتے ہیں۔

(۳۱/۳۹) لکھا ہے کہ امام ترمذی نے روایت نقل کرنے کے بعد قال ابن المبارك لم یثبت حدیث ابن مسعود۔ غفاری صاحب! اگر جناب کو نظر نہیں آتا تو

کسی سے کتاب پڑھا لیا کریں۔ امام ترمذیؒ نے ابن مبارکؒ کا یہ قول حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد نہیں لکھا بلکہ پہلے لکھا۔ یہ بات چونکہ بالکل بے دلیل تھی اس لئے ترمذی نے حدیث کو حسن کہا اور یہ بھی بتایا کہ اس حدیث پر تو عبداللہ بن مبارکؒ کی پیدائش سے بھی پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کا عمل آ رہا ہے۔ پھر یہ سند کوفی ہے۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ اہل کوفہ کا اس پر عمل ہے اور اہل کوفہ میں سے سفیان ثوریؒ کا الگ ذکر فرمایا کیونکہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا اپنا فرمان ہے کہ اگر کسی مسئلے میں امام سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ اتفاق کر لیں تو پھر مجھے کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں اور مسئلہ رفع یدین میں امام اعظمؒ اور امام سفیان ثوریؒ کا اتفاق ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو جب تک یہ حدیث نہیں ملی تھی تو عدم علم کی وجہ سے غیر ثابت کہا اور جب مل گئی تو اس کو خود روایت کیا جیسا کہ نسائی میں ہے۔ لیکن منکر حدیث غفاری کو عبداللہ بن مبارکؒ نبی پاک ﷺ کی حدیث سنائیں تو وہ کب مانیں گے۔ دھوکہ دینے میں غفاری صاحب کو خاص کمال ہے۔ کہتا ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد خاص ہیں، تو جناب امام کے شاگرد خاص تو آپ کو حدیث سنا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ انکار حدیث میں اتنے پختہ کہ:

زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد

اور عبداللہ بن مبارکؒ کے استاد امام ابوحنیفہؒ فرما رہے ہیں کہ رفع یدین کے بارے میں کچھ صحیح نہیں، یہ بات آپ نے کب مانی؟

امام ابوداؤدؒ:

(۴۰/۳۲) منکر حدیث رائے پر انکار حدیث کے لئے اب امام ابوداؤدؒ کے ایک قول کا بہانہ بنا رہا ہے، وہ کبھی نہیں پوچھے گا کہ صحت کی نفی کی دلیل کیا ہے؟ بلا مطالبہ دلیل اندھی تقلید کرے گا اور نہ یہ سوچتا ہے کہ صحت کی نفی سے حسن ہونے کی نفی تو نہیں ہوتی۔ پھر ابو داؤد کی یہ بے دلیل عبارت ابن الاعرابی کے نسخہ میں تھی۔ بعد میں آخری نسخہ جو لؤلؤی کا ہے

اس سے امام ابوداؤدؒ نے خود ہی نکال دی۔ بڑی ڈھٹائی ہے کہ ابوداؤدؒ جس بات کو ختم کر دیں، تم انکار حدیث کے جوش میں اسی اندھی تقلید کرتے جاؤ۔

(۴۱/۳۳) پھر ملا علی قاریؒ کی کتاب سے اس عبارت کا ترجمہ لکھا ہے جس کی ملا علی قاریؒ نے خود تردید فرمائی ہے۔

(۴۲/۳۴) اقوال پرست کہتا ہے کہ بیہقی (۴۵۸ھ) کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھول گئے۔ یہ قول بیہقی نے ابوبکر بن اسحاق فقیہ سے نقل کیا۔ اس سے یہ تو مان لیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک تو سند صحیح ہے، البتہ وہ بھول گئے۔ غفاری صاحب! آپ کے ہاں ان کا امام بھی ہر ہر رکعت میں اختلافی رفع یدین کرتا ہے، دائیں والے بھی بائیں والے بھی، پیچھے والے بھی اور دن میں کتنی کتنی بار مشاہدہ ہوتا ہے، پھر بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھول گئے، آج تک میں نے کسی غیر مقلد کو رفع یدین بھولتے نہیں دیکھا۔ وہ تحریمہ کی رفع یدین کبھی نہیں بھولے۔ امام ابراہیم نخعیؒ (۹۰ھ) فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کیسے بھول سکتے ہیں؟ اور کوئی نہیں کہتا بھول گئے مگر پانچویں صدی والے کو اس بھول کا علم ہوا۔ غفاری صاحب! انکار حدیث کے لئے ایسے بے ہودہ بہانے اور نام اہل حدیث، کم از کم نام ہی کی لاج رکھی ہوتی۔

(۴۳/۳۵) ابوحاتم نے کہا ہے: ھذا خطاء یہ تو منکر حدیث غفاری نے نقل کیا مگر اس کی کوئی دلیل بھی ابوحاتم نے دی؟ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ورنہ انکار حدیث کا شوق پورا نہ ہوگا۔ ابوحاتم نے یہ کہا ہے کہ امام سفیان ثوریؒ کو وہم ہو گیا، اس نے لا یعود کہا ہے۔ لیکن یہ وہم ابوحاتم کا ہے نہ کہ سفیان ثوریؒ کا کیونکہ سفیان ثوریؒ اہل کوفہ میں سے ہیں اور اہل کوفہ میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر عمل متواتر ہے۔ تواتر کی موافقت کا نام وہم نہیں ہوتا، تواتر کی مخالفت کا نام وہم ہوتا ہے، لیکن منکر حدیث کو انکار حدیث کا بہانہ چاہئے۔

(۴۴/۳۶) یحییٰ بن آدم اور امام احمد نے اس حدیث کو ضعیف کہا، اس کو امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔ جزء رفع یدین میں کہیں نہیں ہے کہ امام احمدؒ اور یحییٰ بن آدم نے یا

خود بخاری نے اس کو ضعیف کہا ہے، وہاں تو صرف اتنی بات ہے کہ تطبیق والی روایت کو اصح کہا ہے تو ترک رفع یدین والی صحیح ہوئی۔ ہاں بخاری وغیرہ پر یہ اعتراض آتا ہے کہ ان کا عمل نہ اصح پر ہے کہ تطبیق کریں، نہ صحیح پر کہ رفع یدین اختلافی ترک کریں۔ واہ رے منکر حدیث! بہانہ تو کوئی نہ ملا مگر انکار حدیث تیری عادت ہے۔

(۳۷/۴۵) دار قطنی کا نام لیا ہے جن کی وفات ۳۸۵ھ میں ہے۔ اس نے وہی ابن مبارکؒ کا بے دلیل قول نقل کیا ہے جس کا مفصل جواب گزر چکا ہے اور ابن حبان (۳۵۴ھ) نے بھی کوئی دلیل ضعف بیان نہیں کی، اس لئے البانی کو اعتراف کرنا پڑا: ماقالوا فی تعلیله فلیس لعلة۔ کہ اس حدیث کو ضعیف کہنے کے جتنے بہانے بنائے گئے ایک بہانہ بھی کامیاب نہیں۔

اس حدیث پر ہر دور کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک متواتر عمل چلا آرہا ہے۔ احناف ہمیشہ مسلمانوں میں دو تہائی سے زائد رہے۔ ایسے متواترات کا انکار کوئی منکر حدیث ہی کر سکتا ہے۔ اب غفاری صاحب کا دل ملامت کر رہا ہے کہ کسی بھی دلیل سے اس حدیث کو ضعیف ثابت نہیں کر سکا تو ایک اور پینترا بدلا ہے۔

(۳۸/۴۶) کہ رفع یدین کی حدیث بخاری میں ہے، پورا صفحہ نمبر ۱۹ اس پر لکھ مارا ہے اور رجال پرست نے اقوال الرجال نقل کئے ہیں مگر میں غفاری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ غصہ کس پر آرہا ہے؟ بخاری کی رفع یدین والی حدیث کو تو خود بخاری نہیں مانتا کیونکہ اس میں کان لا یفعل ذلك فی السجود ہے اور بخاری جزء میں لکھتا ہے کہ رفع یدین عند السجود بھی سنت ہے۔ معلوم ہوا کہ بخاری کے نزدیک صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق رفع یدین کرنے سے نماز خلاف سنت ہوگی اور فتاویٰ علمائے حدیث ص...... ا ج ۴ پر صاف بخاری کی اس حدیث کو منسوخ لکھا ہے۔ ذرا گھر میں ماتم کر لیجئے، پھر ادھر ادھر والوں کو دھمکانا۔

حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

(۳۹/۴۷) عن عبد الله قال صليت مع النبی ﷺ و مع أبی بكر و

مع عمر رضی اللہ عنہما فلم یرفعوا أیدیھم الا عند تکبیرۃ الأولی فی افتتاح الصلوۃ قال اسحاق بہ نأخذ فی الصلوٰت کلھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی، ان سب نے رفع یدین نہیں کیا مگر پہلی تکبیر کے وقت نماز کے شروع میں۔ محدث اسحاق بن ابی اسرائیلؒ کہتے ہیں کہ ہم اسی کو اپناتے ہیں پوری نماز میں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اختلافی رفع یدین کا ترک آنحضرت ﷺ کا آخری عمل ہے جس پر آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو چھوڑ کر گئے اور اسی پر حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر گئے۔ اس حدیث کی صحت پر محدث اسحاق بن ابی اسرائیلؒ کا قول ہے کہ ہم سب اسی کے موافق نماز پڑھتے ہیں۔ مگر منکر حدیث غفاری صحیح حدیث کو مان لے یہ ناممکن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دارقطنی نے کہا کہ محمد بن جابر اس روایت میں اکیلا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ دارقطنی کی دونوں باتیں غلط ہیں۔ محمد بن جابر اس کے مرفوع کرنے میں اکیلا نہیں بلکہ سند مناظرہ میں امام اعظمؒ بھی اس کو مرفوع کرتے ہیں۔ سند ملاحظہ کریں: أبو حنیفة حدثنا حماد عن ابراھیم عن علقمة و أسود عن ابن مسعود (مسند امام اعظم ص ۵۰) اور اس حدیث کی سند ہے محمد بن جابر عن حماد عن ابراھیم عن علقمة عن ابن مسعودؓ۔ معلوم ہوا کہ درار قطنی کی یہ بات ناواقفیت پر مبنی ہے۔ مگر منکر حدیث کو تو صحیح حدیث ﷺ رد کرنے کا بہانہ چاہئے۔ رہی دوسری بات کہ دارقطنی نے کہا ہے کہ محمد بن جابر ضعیف ہے۔ محمد بن جابر امام صاحبؒ کا ہم استاذ ہے۔ امام صاحبؒ کا اس کی کتاب پر اعتماد کرنا اس کے ثقہ ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ پھر محمد بن جابر کے شاگرد محدث اسحاق بن ابی اسرائیل کا اس اجماع کو ذکر کرنا کہ ہم سب نماز اسی حدیث کے مطابق پڑھتے ہیں، دلیل ہے کہ اس زمانہ میں اس حدیث کی صحت پر اجماع تھا کسی ایک بھی محدث نے اسحاق بن ابی اسرائیل کے قول کو رد نہیں کیا۔ دارقطنی نے محمد بن جابر کو نہ دیکھا، نہ وہ محمد بن جابر کا شاگرد، نہ ساتھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ محمد بن

جابر سفیان اور شعبہ جیسا حافظ تھا جیسا کہ خود اس کے شاگرد اسحاق بن ابی اسرائیل نے بتایا ہے (الکامل) آخر عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لئے آخر عمر میں محدثین نے ضعف حافظہ کی وجہ سے انہیں ضعیف کہا۔ ایسے راوی کی حدیث کا یہ حکم ہوتا ہے کہ یا تو یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں حدیث حافظہ کمزور ہونے سے پہلے دور کی ہے تو اس حدیث کے صحیح ہونے میں ذرہ بھر شک نہیں ہوگا اور یا اس کا متابع مل جائے تو بھی حدیث صحیح ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دیا، وجہ یہی بتائی ہے کہ ایک بھول جائے گی تو دوسری یاد دلائے گی۔ اس حدیث میں دونوں باتیں ثابت ہیں کیونکہ محدث اسحاق بن ابی اسرائیل اس زمانہ کے شاگرد ہیں جب اس کا حافظہ نہایت قوی تھا بلکہ تمام معاصرین نے خاص طور پر اس کی اس حدیث کو قبول کیا اور دوسری بات بھی ثابت ہے کہ امام اعظمؒ بھی اس کے ساتھ ہیں تو اس حدیث کا انکار بڑے ڈھیٹ منکر حدیث کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ امام احمد (۲۴۱ھ)، بخاری (۲۵۶ھ)، ابو داؤد (۲۷۵ھ)، عجلی (۲۶۱ھ)، وغیرہ میں سے کسی ایک نے بھی محمد بن جابر کا زمانہ نہیں پایا اور نہ ہی اس منکر حدیث غفاری نے ان کے اصل اقوال کو نقل کیا۔ پس اندھی تقلید میں مرعاۃ المفاتیح والے غیر مقلد کے کہنے سے سب کے پٹے گلے میں ڈال لئے، حالانکہ پٹوں والا غفاری صبح قیامت تک بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ حدیث آخری دور کی ہے جب ان کا حافظہ صحیح نہیں رہا تھا۔ ہاں صحیح حدیث کے انکار میں وہ بہت جری اور نبی ﷺ کی سنتوں کا بہت بڑا دشمن ہے۔

(۴۰/۴۸) حدیث سوم لا ترفع الأیدی۔ آنحضرت ﷺ نے مطلق نماز اور حج میں سات دفعہ سے زیادہ رفع یدین سے منع فرمایا۔ ان میں ایک رفع یدین مطلق نماز میں ہے اور چھ حج میں۔ مطلب یہ ہوا کہ مطلق نماز میں ایک رفع تحریمہ کے علاوہ رفع یدین منع ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کو غفاری اس لئے نہیں مانتا کہ اس کی نفس پرستی کے خلاف ہے۔ اب امتیوں کی آراء نقل کرتا ہے کہ اس کا راوی ابن ابی لیلیٰ اکیلا ہے اور اس کا حافظہ صحیح نہیں (نصب الرایہ ص ۳۹۰) اس کا جواب اس صفحہ کے حاشیہ پر موجود ہے جو

غفاری کو نظر نہیں آیا کہ محمد بن ابی لیلیٰ کا حافظہ کمزور ہے و حدیثه حسن ان شاء الله تعالی اور دوسری سند جو اس کا معنوی شاہد ہے اس میں عطاء بن سائب ہے جس کا حافظہ آخر عمر میں خلط ہو گیا تھا لیکن یہ حدیث حافظہ بگڑنے سے پہلے کی ہے کیونکہ اس سند میں عطاء بن سائب کا شاگرد ورقاء ہے جو شعبہ کا ساتھی ہے اور شعبہ کا سماع عطاء بن سائب سے قدیم اور صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ دونوں سندیں الگ الگ بھی حسن سے کم نہیں اور مل کر تو بالکل صحیح ہیں۔

(۴۱/۴۹) غفاری صاحب کہتے ہیں کہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: لا يصح رفعه والصحيح وقفه۔ واہ رے ملا علی قاریؒ کی تقلید پر ایمان لانے والے! تجھے تو عبارت بھی پڑھنی نہیں آتی۔ حضرت ملا علی قاریؒ تو اس کی تردید فرما رہے ہیں، فرماتے ہیں: و على تقدير عدم صحة رفعه تكفينا صحة وقفه لا سيما و هو فی حكم المرفوع اذ لا يقال مثل هذا من قبل الرأی كيف وقد روى الطبرانی الخ۔ حضرت ملا علی قاریؒ نے تو یہ ثابت فرمادیا کہ ایک سند سے یہ مرفوع حقیقی ہے اور ایک سے مرفوع حکمی۔ لیکن یہ منکر حدیث جھوٹے بہانوں سے صحیح احادیث کا انکار کر رہا ہے اور اس ان پڑھ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ نماز عیدین اور وتر کا طریقہ باجماع امت دوسری نمازوں سے مختلف ہے اس لئے ان کا مطلق نماز پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے۔ دیکھو ایک غلط قیاس سے کس جرأت سے احادیث صحیحہ کا انکار کر رہا ہے۔

حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ:

(۴۲/۵۰) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے دو الگ الگ حدیثیں مروی ہیں: ایک رفع یدین فی الصلوۃ کے بارے میں ہے، اس میں الفاظ ہی رافعی أيديكم ہیں، دوسری سلام کے وقت اشارہ کرنے کے بارے میں ہے اس میں تشيرون یا تومون کے الفاظ ہیں۔ ہم دونوں حدیثوں کو مانتے ہیں۔ سلام کے وقت دائیں بائیں ہاتھ پھیلانا بھی مکروہ ہے اور نماز کے اندر ہاتھ اٹھانا بھی۔ یہ منکر حدیث سلام والی حدیث کو تو مانتا ہے مگر

ترک رفع یدین والی حدیث کا منکر ہے۔ ان احادیث کا الگ الگ ہونا نصب الرایہ ص ۳۹۳، ۳۹۴، ج ا پر وضاحت سے ہے اور نسائی ص ۱۶۱ ج ا کے حاشیہ نمبر ۲ پر بھی ہے۔ غفاری صاحب نے ص ۱۷۶، ج ا کے سندھی حاشیہ کی عبارت نقل کی ہے جس کی تردید اس کے حاشیہ پر موجود ہے۔ انہوں نے آخر میں یہ بھی لکھا ہے: و لا یقلقك مخالفة الحدیث لترجمة الباب ففی الکتاب کثیر من الأحادیث کذلك۔ غفاری صاحب حدیث کا انکار کرنے کے لئے حدیث کی کتابوں کے ابواب لکھ رہے ہیں حالانکہ اختلاف سند حدیث میں نہیں فہم حدیث میں ہے اور فہم حدیث میں فقہاء کی بات حجت ہے نہ کہ محدثین کی۔ حدیث پاک میں ہے: رب حامل فقه لا فقه له۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: علیك بالفقه فانه ثمرة الحدیث۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں الفقهاء اعلم لمعانی الحدیث لیکن یہ منکر حدیث نہ نبی ﷺ کی سنتا ہے، نہ فقہاء کی ہاں انکار حدیث ان کا شیوہ ہے۔

(۵۱/۴۳) ایک بہت بڑا دھوکہ یہ دیتا ہے کہ رفع یدین اور ترک رفع یدین کی احادیث میں حقیقی تضاد ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شاید زندگی بھر میں ایک ہی نماز پڑھی جس کے بارے میں کوئی کہتا ہے رفع یدین کے ساتھ پڑھی اور کوئی کہتا ہے کہ ترک رفع یدین کے ساتھ۔ یہ مختلف اوقات کی مختلف احادیث ہیں جیسے کبھی آپ ﷺ نے ہاتھ کندھوں تک اٹھائے کبھی کانوں تک، ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ ہاں اگر کوئی یہ جھوٹ بولے کہ آپ ﷺ ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے، اب کانوں تک ہاتھ اٹھانے والی حدیث اس جھوٹ کے خلاف ہو جائے گی۔ اگر اس جھوٹ کو چھوڑ دے تو صحیح حدیث کا انکار نہیں کرنا پڑے گا اور اگر یہ جھوٹ نہ چھوڑے تو نبی پاک ﷺ کی صحیح حدیث کو جھوٹا کہنا پڑے گا۔ غیر مقلدین کا یہی حال ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کبھی رفع یدین کی، کبھی نہیں کی تو احادیث میں کوئی حقیقی تعارض نہیں لیکن غیر مقلدین یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے آخر عمر تک رفع یدین سے نماز پڑھی۔ اس جھوٹ کی وجہ سے احادیث میں حقیقی ٹکراؤ ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ترک رفع یدین کی احادیث رفع یدین کی احادیث کے خلاف نہیں کیونکہ

دونوں طرف قضیہ مہملہ ہے جن کی نقیض نہیں ہوتی۔ ہم کہتے ہیں کہ تم یہ آخری عمر والا جھوٹ چھوڑ دو اور ترک والی احادیث مان لو، وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنا جھوٹ نہیں چھوڑیں گے ہاں ترک رفع یدین کی سب احادیث کو جھوٹا کہیں گے۔ تو یہ کہنا کہ حضرت ﷺ نے آخر عمر تک اختلافی رفع یدین کی، یہ بھی جھوٹ اور ترک رفع یدین کی احادیث جن پر امت میں عمل متواتر ہے ان کا انکار کرنا یہ بھی اپنا ایمان برباد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان جھوٹوں کے فتنوں سے اہل سنت کو محفوظ فرمائیں، آمین۔ فقط

محمد امین صفدر عفا اللہ عنہ

20/09/1997

رفع یدین کے بارے میں شاہین کی خیانتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادران اہل السنۃ والجماعۃ! حضرات غیر مقلدین نے نماز میں رفع یدین کرنے کے مسئلہ میں ملک بھر میں نمازیوں کو پریشان کر رکھا ہے کہ تمہاری نماز نہیں ہوتی، ہم نبی ﷺ والی نماز پڑھتے ہیں اور تم نبی ﷺ کے خلاف نماز پڑھتے ہو، تقریر و تحریر سے گزر کر چیلنج بازی تک نوبت پہنچادی ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے اور مسلمانوں میں افتراق اور شقاق کو ہوا دے کر دین بیزار طبقہ کے ہاتھ مضبوط نہ کئے جائیں۔

(۱)......اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز میں اگر ایک سنت مؤکدہ بھی چھوڑ دی جائے تو وہ نماز خلافِ سنت کہلائے گی۔

(۲)......ہمارے غیر مقلد دوست چار رکعت نماز میں دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرتے ہیں اور اس کو کم از کم سنت مؤکدہ کہتے ہیں اور ۱۸ جگہ کبھی رفع یدین نہیں کرتے۔

رفع یدین کرنے کے دس مقامات یہ ہیں: پہلی اور تیسری رکعت کا شروع اور چار رکوع سے پہلے اور چار رکوع کے بعد۔ ان مقامات میں سے ایک جگہ بھی رفع یدین چھوڑنے سے نماز کا حکم کم از کم خلاف سنت ہے۔ رفع یدین چھوڑنے کے ۱۸ مقامات یہ ہیں: دوسری

اور چوتھی رکعت کا شروع اور آٹھوں سجدوں کو جاتے اور اٹھتے وقت، ان ۱۸ مقامات پر یہ حضرات کبھی بھی رفع یدین نہیں کرتے۔ یہ ان حضرات کا عمل ہے۔

(۳)...... بعض روایات میں ہر اٹھاؤ اور جھکاؤ کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے۔ ان کے مطابق چار رکعت میں ۲۸ جگہ رفع یدین سنت ہو گی مگر غیر مقلدین ان میں سے صرف دس جگہ رفع یدین کرتے ہیں اور ۱۸ جگہ اس سنت کو ترک کرتے ہیں، صرف چار رکعت میں ۱۸ سنتوں کا ترک کرنے سے نماز، نبوی نماز کیسے کہلائے گی۔

(۴) بعض روایات میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے اور چار رکعت نماز میں ۲۲ تکبیریں ہیں (صحیح بخاری ج ۱/ص ۱۰۸) یہ حضرات بائیس تکبیروں میں سے صرف دو تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرتے ہیں اور بیس تکبیروں کے ساتھ رفع یدین نہ کر کے بیس سنتوں کے تارک بنتے ہیں۔

(۵)...... ظاہر ہے کہ دعویٰ کے موافق دلیل وہی ہو گی جس میں دعویٰ کے مثبت اور منفی سب پہلوؤں کا ذکر ہو، ہمارے ناقص مطالعہ کے مطابق آنحضرت ﷺ نے پورے ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں کسی ایک آدمی کو بھی یہ حکم نہیں دیا کہ چار رکعت نماز میں دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرنا اور ۱۸ جگہ کبھی بھی رفع یدین نہ کرنا۔ اس لئے جب حضرت محمد ﷺ نے کبھی ایسا حکم نہیں دیا تو غیر مقلدین کا تقریر وتحریر کے ذریعہ لوگوں کو یہ حکم دینا رسول اللہ ﷺ کی صریح مخالفت ہے، ان کو اس قولی گناہ سے فوری طور پر توبہ کر کے توبہ نامہ شائع کرنا چاہئے۔

(۶)...... پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی ایسی صریح صحیح حدیث ہمیں نہیں ملی جس میں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہو کہ جو شخص چار رکعت نماز میں دس جگہ رفع یدین نہ کرے یا ۱۸ جگہ کرے اس کی نماز بالکل خلاف سنت ہے۔ اس کی نماز نبی والی ہرگز نہیں، اس لئے غیر مقلدوں کو بھی ایسی بات کہنے سے توبہ کرنی چاہئے اور اس توبہ نامہ کو بھی شائع کرنا چاہئے۔

(۷)...... پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی صحیح، صریح حدیث نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ہمیشہ دس جگہ رفع یدین کرتے تھے اور ۱۸ جگہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ الغرض ۱۰ جگہ ہمیشہ رفع یدین کرنے اور ۱۸ جگہ ہمیشہ رفع یدین ترک کرنے کی صراحت کسی بھی ایک

صحیح حدیث میں نہیں ہے۔

(۸)...... نمبر ۵، ۶، ۷ کسی ایک بھی خلیفہ راشد سے کسی ایک بھی صحیح سند تو کجا کسی ضعیف سند سے بھی ثابت نہیں۔

(۹)...... نمبر ۵، ۶، ۷ عشرہ مبشرہ، مہاجرین اور انصار میں سے کسی ایک صحابی سے بھی کسی ایک صحیح سند تو کجا کسی ضعیف سند سے بھی ثابت نہیں۔

(۱۰)...... نمبر ۵، ۶، ۷ ان مذکورہ صحابہ کرام کے علاوہ بھی کسی ایک صحابی، کسی ایک تابعی، کسی ایک تبع تابعی سے بھی، بلکہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک بھی امام سے کسی بھی صحیح یا ضعیف سند سے ثابت نہیں۔ دعویٰ کے مکمل مثبت اور منفی پہلوؤں پر مندرجہ بالا طریقہ سے ثبوت پیش کرنے والے کو نوجوانان اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے تین کروڑ روپے کا انعامی چیلنج بھی مدت سے شائع ہو چکا ہے، لیکن سب غیر مقلدین کو سانپ سونگھ گیا ہوا ہے، وہ ابھی تک یہ ثبوت پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی انشاء اللہ العزیز قیامت تک پیش کر سکیں گے۔

نوٹ:

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک خدا تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے علاوہ کسی کی بات دلیل شرعی نہیں۔ اس لئے وہ جس حدیث کو صحیح کہیں گے اس کا صحیح ہونا بھی خدا یا رسول سے ثابت کریں گے اور جس حدیث کو ضعیف کہیں گے اس کا ضعیف ہونا بھی خدا یا رسول سے ثابت کریں گے۔ کوئی اصول بیان کریں گے تو وہ بھی خدا یا رسول سے، اسی طرح جرح و تعدیل بھی خدا یا رسول سے دکھائیں گے۔ اس کے علاوہ کچھ قبول نہیں ہو گا۔

(۱۱)...... بعض اوقات غیر مقلد مناظر جب اپنے دعویٰ کے مثبت اور منفی پہلو پر مکمل دلیل پیش کرنے سے بالکل عاجز آ جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دس جگہ رفع یدین کرنے کی قولی اور تقریری حدیث تو بالکل نہیں دکھا سکتے ہاں فعلی حدیث دکھائیں گے بشرطیکہ اس کے ساتھ ہمیشگی کے لفظ کا مطالبہ بھی نہ کیا جائے اور نہ ہی ۱۸ جگہ نہ کرنے کی صراحت کا مطالبہ کیا جائے اور کہتے ہیں کہ نہ کرنے کی صراحت دکھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ پھر اہل السنۃ

والجماعۃ سے جھگڑا کیوں کرتے ہو۔ اہل السنۃ والجماعۃ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے ہیں، اس کے بعد کسی جگہ نہیں کرتے یہ ان کا مکمل مسئلہ ہے۔ اس میں پہلی تکبیر کی رفع یدین آپ بھی کرتے ہیں، باقی نہ کرنے کے لئے آپ نے خود مان لیا کہ حدیث سنانے کی ضرورت نہیں تو اہل السنۃ کا مسئلہ تو آپ نے مان لیا اور اگر اہل السنۃ کو مجبور کیا جاتا ہے کہ جس جگہ آپ رفع یدین نہیں کرتے اس کے منع یا منسوخ ہونے کی حدیث لاؤ اور تین لاکھ روپے انعام لے جاؤ تو اہل السنۃ والجماعت بھی یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ تم ۱۸ جگہ رفع یدین کے منع یا منسوخ ہونے کی حدیث لاؤ اور تین کروڑ روپے لے جاؤ۔

(۱۲)...... آنحضرت ﷺ نے جوتے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے اور اس پر عمل بھی فرمایا ہے اور یہ حدیث متواتر بھی ہے جیسا کہ البانی صاحب نے اپنی کتاب ''صفۃ صلوٰۃ النبی''، صفحہ ۷۰ پر تحریر کیا ہے۔ اب جو لوگ جوتے اتار کر نماز پڑھتے ہیں اس کیلئے بھی کوئی حکم اور حدیث متواتر ہے تو کہاں ہے؟ سنت متواترہ کیا ہے؟

(۱۳)...... سجدوں کے وقت رفع یدین کرنا آنحضرت ﷺ سے بقول البانی دس صحابہ نے روایت کیا ہے اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے اس کو سنت فرمایا ہے اور بقول البانی امام احمد، امام مالک اور امام شافعی بھی اس کے قائل ہیں (صفۃ صلوٰۃ النبی/ص ۱۴۶، ۱۴۷) لیکن آج کل غیر مقلدین اس کے خلاف عمل کر کے چار رکعت میں سولہ سنتوں کے تارک ہیں۔ بقول البانی یہ سنت تو دس صحابہ سے مروی ہے، اس کا منع یا منسوخ ہونا کتنے صحابہ سے مروی ہے۔

(۱۴)...... امام بخاریؒ اپنے استاد حمیدی سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے آخری عمل پر عمل کیا جائے گا۔ (بخاری ج ۱/ص ۹۶)

فتاویٰ علمائے حدیث (ج ۴/ص ۳۰۶) پر سجدوں کے وقت رفع یدین کے بارے میں لکھا ہے: ''یہ رفع یدین منسوخ نہیں بلکہ یہ نبی ﷺ کا آخری عمر کا فعل ہے''۔ اور یہ بھی لکھا ہے: ''بلاشبہ اس کا عامل محی السنۃ المیتۃ ہے اور مستحق اجر سو شہید کا ہے۔'' یعنی سجدوں کے وقت رفع یدین کرنا سنت ہے جو مردہ ہو چکی ہے، اس کا زندہ

کرنے والا سو شہید کا اجر پائے گا، گویا چار رکعت میں ۲۶ رفع یدین سنت ہے یہی رسول پاک ﷺ کی آخری نماز ہے لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے نبی ﷺ کی آخری نماز کا تذکرہ تک نہیں کیا اور غیر مقلدین نبی پاک ﷺ کی آخری نماز کے تارک اور سنت کے مخالف نماز پڑھتے ہیں۔

(۱۵)...... علامہ البانی نے ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کو بھی تسلیم کیا ہے کہ اس کی حدیث بھی صحیح ہے اور امام ابن قیم کی البدائع ج ۴/ص ۹۸ سے نقل کیا ہے کہ امام احمدؒ بھی اسکے قائل تھے۔ (صفۃ صلوٰۃ النبی/ص ۱۶۱) ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دوسری اور چوتھی رکعت کی ابتداء بھی چونکہ تکبیر سے ہوتی ہے اس لئے اس وقت بھی رفع یدین سنت ہے لیکن غیر مقلدین نہ تو ان دونوں رکعتوں کے شروع کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے ہیں اور نہ ہی اس دو جگہ رفع یدین کے منع یا منسوخ ہونے کی کوئی صحیح یا ضعیف حدیث دکھا سکتے ہیں۔

(۱۶۔۱۷)...... حضور ﷺ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے، یہ حدیث متفق علیہ بھی ہے اور متواتر بھی، امام طحاوی اسے متواتر فرماتے ہیں (طحاوی ج ۱/ص ۲۵۹) کشف النقاب میں حضرت مولانا حبیب اللہ مختارؒ نے تقریباً ۵۳ صحابہ سے اس کو نقل فرمایا ہے، اس کا اگر کوئی شخص یوں مطلب بیان کرے کہ صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت متواترہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ ایک ہی کپڑے میں نماز ادا فرمائی، زندگی بھر ایک نماز بھی ایک سے زائد کپڑا پہن کر نہیں پڑھی، جو مرد یا عورت ایک سے زائد کپڑے پہن کر نماز پڑھے اس کی نماز خلاف سنتِ متواترہ ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ اس کے منع یا منسوخ ہونے کی صحیح، صریح، غیر مجروح مرفوع حدیث پیش کر کے تین لاکھ روپے انعام لے، کیا یہ مطلب صحیح ہے اور آج سب غیر مقلد مردوں عورتوں کی نماز خلاف سنت متواترہ ہے۔

(۱۸)...... حضور ﷺ روزہ کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار اور مباشرت فرمایا کرتے تھے، یہ حدیث متفق علیہ بھی ہے (بخاری ج ۱/ص ۲۵۸، مسلم ج ۱/ص ۳۵۲) اور متواتر بھی ہے (طحاوی ج ۱/ص ۳۷۳) اس کے منع یا منسوخ ہونے کی کوئی ایک بھی

حدیث نہیں، جو شخص روزہ میں یہ کام نہ کرے کیا اس کا روزہ خلاف سنت متواترہ ہوگا؟ اس کو کتنا گناہ ہوگا؟ اور اس پر بمطابق حدیث کتنے کوڑے حد لگائی جائے گی؟ اور غیر مقلدین نے اس پر کتنے لاکھ کا چیلنج شائع کیا ہے؟

(۱۹)......رسول اقدس ﷺ اپنی نواسی کو اٹھا کر نماز پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (بخاری ج ۱/ص ۷۴، مسلم ج ۱/ص ۲۰۵) اس کے منع یا منسوخ ہونے کی کوئی متفق علیہ یا غیر متفق علیہ حدیث نہیں ہے۔ آج کل جو غیر مقلد مرد عورتیں بچی کو اٹھائے بغیر نماز پڑھتے ہیں ان کی نمازیں بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے خلاف سنت ہیں یا نہیں؟ ان سے منع یا منسوخ کی حدیث پیش کرنے پر کتنے لاکھ کا چیلنج شائع کیا گیا ہے؟

(۲۰)......آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا، یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (بخاری ج ۱/ص ۳۵، مسلم ج ۱/ص ۱۳۳) اب اس کے خلاف جو غیر مقلد مرد یا عورتیں بیٹھ کر پیشاب کرتے ہیں ان کا یہ فعل اس حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے خلاف سنت ہے یا نہیں؟ ان سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے منع یا منسوخ ہونے کی حدیث کا آپ نے کبھی مطالبہ کیا اور اس پر تین لاکھ کا انعامی چیلنج شائع کیا؟ نہیں تو کیوں؟

(۲۱)......رسول اقدس ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے (بخاری ج ۱/ص ۱۰۲ مسلم ج ۱/ص ۱۶۹) آپ ﷺ کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (مسلم ج ۱/ص ۱۶۹) ان دونوں حدیثوں میں حقیقی تعارض نہیں کیونکہ دونوں حدیثوں کو ماننے سے یہ مطلب بنے گا کہ کبھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور کبھی کانوں تک، لیکن اگر کوئی شخص پہلی حدیث کا یوں غلط ترجمہ کرے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ کندھوں تک ہی ہاتھ اٹھاتے تھے، زندگی بھر میں ایک دفعہ بھی کانوں تک ہاتھ نہیں اٹھائے، تو یہ ترجمہ یقیناً غلط ہے، ایک تو اس لئے کہ یہ یقیناً رسول اقدس ﷺ پر جھوٹ ہے، دوسرے یہ کہ دوسری حدیث سے یہ ترجمہ ٹکرا رہا ہے۔ اب اسے ایک شخص سمجھائے کہ تم یہ جھوٹا ترجمہ چھوڑ دو جس سے دو گناہ لازم آ رہے ہیں: ایک حضور ﷺ پر جھوٹ، دوسرے حضور ﷺ

کی دوسری حدیث کا انکار اور یہ دونوں بہت بڑے گناہ ہیں لیکن وہ شخص ضد میں آ کر اپنا جھوٹا ترجمہ نہ چھوڑے البتہ پوری ڈھٹائی سے اس حدیث کو جھوٹا کہے جو صرف اس کے جھوٹے ترجمے کے خلاف ہے اور کسی بھی صحیح حدیث کے خلاف نہیں۔ تو یہ کتنا بڑا گناہ ہے مگر ہمارے غیر مقلدین حضرات اس گناہ پر بہت دلیر ہیں۔ وہ پہلے ایک حدیث کا بالکل غلط اور جھوٹا ترجمہ کرتے ہیں جو کسی امام کے قول سے نہیں بلکہ خود رسول اقدس ﷺ کی دوسری صحیح احادیث سے ٹکرا رہا ہوتا ہے۔ پھر ان سب احادیث کو جو ان کے جھوٹے ترجمہ کے خلاف ہوں جھوٹا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

(۲۲)...... اسی طرح رفع یدین کہاں کہاں کیا جائے اس بارے میں بظاہر احادیث مختلف ہیں لیکن ان میں حقیقی ٹکراؤ نہیں ہے:

بقول البانی دس صحابہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سجدوں کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور ایک آدھ حدیث میں ہے نہیں کرتے تھے۔ ہمارے غیر مقلدین دوستوں کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی سجدوں کے وقت رفع یدین نہیں کی۔ اس ایک حدیث کا ترجمہ انہوں نے اس انداز سے کیا کہ وہ دس احادیث سے ٹکرا گیا، جب انہیں اس غلط ترجمے پر آگاہ کیا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنے اس غلط ترجمے سے توبہ کرتے جو دس احادیث کے خلاف تھا، انہوں نے پوری جرأت سے ان دس احادیث کو جھوٹا کہہ دیا اور یہ شور مچا دیا کہ ان دس میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ان دس احادیث کو جھوٹا کہنا اور اس ایک حدیث کو صحیح کہنا، پھر ایک حدیث کا جھوٹا ترجمہ کر کے ان دس سے ٹکرا دینا اس کی کوئی دلیل ہے یا محض آپ کی خواہش نفسی۔ دلیل تو آپ صرف خدا اور رسول کے ارشاد کو مانتے ہیں، آپ خدا اور رسول ﷺ سے دکھلا دیں کہ یہ ایک حدیث صحیح ہے اور خدا اور رسول سے ثابت کر دیں کہ وہ دس کی دس احادیث جھوٹی ہیں۔ اور خدا اور رسول سے ثابت کر دیں کہ ان احادیث میں حقیقی ٹکراؤ ہے۔ اپنے ترجمے کی تصدیق کروا دیں تو وہ یہ بھی نہ کر سکے۔ ان کی اپنی خواہش نفس ہے اور اس خواہش نفس سے حضور ﷺ کی احادیث کے ترجمے غلط کرتے ہیں اور اللہ کے پاک نبی

کی احادیث میں حقیقی ٹکراؤ پیدا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ ان احادیث میں کوئی حقیقی ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ ٹکراؤ جب ہوتا ہے کہ ایک طرف یوں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ آخر عمر تک سجدوں کے وقت رفع یدین کرتے رہے، آپ ﷺ نے ایک نماز بھی بغیر رفع یدین کے نہیں پڑھی اور دوسری طرف ہوتا کہ آپ ﷺ نے کبھی سجدوں کے وقت رفع یدین نہیں کی یا آپ ﷺ سجدوں کے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ صاف بات یہ ہے کہ دس احادیث سے صرف یہ ثابت ہوا ہے کہ آپ ﷺ سجدوں کے وقت رفع یدین کرتے تھے، یہ سب ہمیشہ کرتے رہے یا چھوڑ دی ان باتوں سے یہ دس کی دس احادیث خاموش ہیں، ہاں قیاس کی ایک ادنیٰ قسم جس کو استصحاب حال کہتے ہیں اس کی بنا پر کہا جا سکتا تھا کہ جب آپ ﷺ نے کی تو ہمیشہ کرتے رہے ہوں گے، یہ قیاس ہے یا حدیث؟ البتہ اس قیاس کے خلاف ایک حدیث مل گئی کہ آپ ﷺ نے چھوڑ دی تھی تو اہل السنۃ نے فوراً اس قیاس کو چھوڑ دیا جو اس حدیثِ صحیح کے خلاف تھا۔ اب اگر کوئی شخص ہمیشہ سجدوں کے وقت رفع یدین کرے تو اس ہمیشگی کیلئے اس کے پاس حدیث نہیں قیاس ہے۔ وہ شخص اہل قیاس ہوگا نہ کہ اہلحدیث اور جو شخص سجدوں کے وقت رفع یدین نہیں کرتا وہ اس قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کر رہا ہے کہ آپ ﷺ نے کی تھی جس کو دس صحابہ نے روایت فرمایا اور پھر چھوڑ دی جس کو ایک صحابی نے روایت کیا ہے۔ نہ کوئی غلط ترجمہ کرنا پڑا نہ احادیث میں ٹکراؤ پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ یہی معاملہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے والی احادیث کا ہے کہ ان میں کسی ایک میں بھی ہمیشہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنے کی صراحت نہیں اس لئے وہ ترک والی احادیث کے مخالف نہیں، یہی حال رکوع کے وقت رفع یدین کی احادیث کا ہے۔ الغرض غیر مقلدین کے دعویٰ وعمل کے موافق ایک بھی حدیث صحیح، صریح نہیں جس میں دس جگہ رفع یدین کا دوام اور ۱۸ جگہ رفع یدین کے دائمی ترک کی صراحت ہو، اس لئے ترک رفع یدین کی احادیث ان احادیث کے مخالف نہیں جو غیر مقلدین پیش کرتے ہیں بلکہ ان کے جھوٹے ترجموں کے خلاف ہیں اگر یہ ہمیشہ رفع

یدین کرنے کا جھوٹ چھوڑ دیں تو ان احادیث میں تعارض نظر نہیں آئے گا۔

(۲۳)...... جام پور کے غیر مقلدین نے ایک اشتہار بنام ''اثبات رفع یدین'' شائع کر کے علاقہ بھر کی فضا کو مکدر کیا۔ جبکہ اس اشتہار میں وہ ایک حدیث بھی پیش نہ کر سکے جس میں ان کے عقیدہ وعمل کے مثبت اور منفی پہلوؤں کی مثل نمبر ۵، ۶، ۷ صراحت ہوتی۔ جب وہ دس جگہ دوام رفع اور ۱۸ جگہ دوام ترکِ رفع پر ایک صحیح تو کجا ضعیف حدیث بھی نہ لا سکے اور اپنے قیاس بلکہ جھوٹ کو کہ حضرت ہمیشہ اس طرح نماز پڑھتے رہے حدیث کے نام سے لوگوں میں پھیلانے لگے تو جمعیت احناف جام پور کی طرف سے ان کے اس جھوٹ کے خلاف ایک اشتہار ''ہم رفع یدین کیوں نہیں کرتے'' شائع کیا گیا۔ جس میں گیارہ احادیث سے ان کے اس جھوٹ کا پول کھول دیا گیا کہ حضرت ﷺ ۱۰ جگہ ہمیشہ رفع یدین اور ۱۸ جگہ ہمیشہ ترک رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ اس پر اہلحدیث کو تو خوش ہونا چاہئے تھا اور اپنا جھوٹ چھوڑ کر احادیث کے سامنے جھک جانا چاہئے تھا، مگر انہوں نے اپنا جھوٹ چھوڑنے کے بجائے ان گیارہ احادیث کو جھوٹا کہنے پر کمر باندھ لی۔ اس کام کیلئے ''عبدالرحمٰن شاہین مدرس جامعہ دارالحدیث رحمانیہ ملتان وخطیب جامع مسجد ابوبکر اہلحدیث صادق کالونی ملتان'' کی خدمات حاصل کی گئیں۔ موصوف نے ۳۲ صفحات میں رسالہ لکھا اور نام رکھا ''ہم رفع یدین کیوں کرتے ہیں؟'' ''حنفی اشتہار ''ہم رفع یدین کیوں نہیں کرتے کا علمی دندان شکن جواب'' اس میں موصوف نے پہلے تقریباً سولہ صفحات میں اپنے دلائل لکھے جو کہنے کو ۱۴ ہیں مگر ان میں ایک حدیث میں بھی ہمارے نمبر ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ میں مذکورہ تفصیلی دعویٰ کے مطابق نہیں۔ اب انہیں یہی پڑھنا چاہئے کہ

اے میرے باغ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

موصوف نے ص ۵ پر رفع یدین کو سنت متواترہ قرار دیدیا، اسمیں ہمارے نمبر ۵ قولی حدیث کا عنوان ص ۹ پر دیا اور بڑا غم وغصہ ظاہر فرمایا۔

چند اہم اصول اور صحتِ حدیث کے درجات:

(۱)...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میرے قریب عاقل اور سمجھدار صحابہ کھڑے ہوں، پھر جو عقل وفہم میں دوسرے درجہ پر ہوں پھر جو عقل وفہم میں تیسرے درجہ پر ہوں (مسلم ج۱/ص۱۸۱) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو پسند تھا کہ آپ ﷺ کے قریب مہاجرین اور انصار کھڑے ہوں۔ (عبدالرزاق ج۲/ص۵۳) حضرت قیس بن عبادؓ فرماتے ہیں کہ میں پہلی صف میں کھڑا ہو گیا، حضرت عمرؓ تشریف لائے، سب کو دیکھا اور مجھے پیچھے کر کے خود وہاں کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں نے اس لئے تجھے پیچھے کر دیا کہ رسول اقدس ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ پہلی صف میں مہاجرین اور انصار کھڑے ہوں تو ان میں سے نہیں تھا اس لئے میں نے تجھے پیچھے کر دیا۔ (طیالسی/ص۷۵، نسائی ج۱/ص۱۳۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ پہلی صف میں کوئی اعرابی، اندھا اور نابالغ کھڑا نہ ہو (دار قطنی ج۱/ص۱۰۵) حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اعرابی، مہاجرین اور انصار کے پیچھے کھڑے ہوا کریں تاکہ وہ اعرابی ان مہاجرین وانصار کی اقتداء کریں اور ایک روایت میں آپ ﷺ مہاجرین کو حکم دیتے کہ وہ پہلی صفوں میں کھڑے ہوں اور فرماتے کہ یہ مہاجرین نماز کو ان ناواقف اعرابیوں سے زیادہ جانتے ہیں (رواہما الطبرانی، مجمع الزوائد ج۲/ص۹۴) ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہ کو حکم تھا کہ اگلی صفوں میں کھڑے ہوں، اسلئے کہ یہ نماز نبوی کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ فقہاء ومحدثین نے بھی ان احادیث سے یہ اصول اخذ کیا ہے جو شاگرد استاد کے ساتھ کثیر الملازمت رہا ہو یعنی بہت مدت رہا ہو اس کی روایت زیادہ ترجیح رکھتی ہے اس سے جو کم مدت اُستاد کے ساتھ رہا ہو۔

(۲)......رسول اقدس ﷺ نے فقہ کو خیر اور فقہاء کو خیار فرمایا ہے (متفق علیہ) اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے (ترمذی، ابن ماجہ) اور عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو

تروتازہ رکھیں جس نے میری بات کو خوب یاد کیا اور اس کو آگے پہنچایا، بہت سے راوی غیر فقیہ ہوتے ہیں اور بہت سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں (مشکوۃ) اس حدیث سے یہ اصول ثابت ہوا کہ جو راوی مضبوط حافظے کے ساتھ فقیہ بھی ہو اُس کی روایت اس راوی سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے جو صرف حافظے والا ہو مگر غیر فقیہ ہو۔ ان دونوں اصولوں سے معلوم ہوا کہ جس راوی میں تین خوبیاں ہوں گی کہ وہ زیادہ فقیہ بھی ہو، کثیر الملازمت بھی ہو اور تام الضبط بھی ہو اس کی حدیث سب سے اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور جو راوی کثیر الملازمت اور تام الضبط ہو اس کی حدیث درجہ دوم میں ہوگی اور جو صرف تام الضبط ہو اس کی حدیث صحت کے تیسرے درجہ میں ہوگی اور اگر ضبط میں بھی کچھ کمی ہو تو اس کی حدیث چوتھے درجے میں ہوگی یعنی حسن۔

(۱)......شاہین صاحب نے اگر چہ دعویٰ کیا ہے کہ خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ سے بھی رفع یدین کی احادیث ہیں لیکن ان کو پیچھے ہٹا کر پہلے نمبر پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سولہ کتابوں کے حوالہ سے پیش کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور ﷺ کے زمانہ میں اصغر القوم تھے (بخاری ج ۱/ص ۱۷) رسول اقدس ﷺ تو مہاجرین وانصار کو آگے کرنے کا حکم دیتے ہیں مگر یہ (شاہین صاحب) ان کے بچوں کو ان سے آگے کر کے حدیثِ رسول کی مخالفت سے ابتداء کر رہے ہیں۔

(۲)......اس حدیث میں دس جگہ رفع یدین کا دوام تو کجا ہوتا صرف ۹ جگہ رفع یدین کا ذکر ہے، تیسری رکعت کے شروع کی رفع یدین کا ذکر نہیں اور نہ ہی ۱۸ جگہ نفی کا ذکر ہے۔ خود شاہین صاحب کے نزدیک اس حدیث میں مذکور نماز خلاف سنت ہے کیونکہ ان کے نزدیک تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین سنت متواترہ ہے اور اس کا ترک خلاف سنت ہے۔

(۳)......اگر چہ شاہین صاحب نے یہ حدیث ۱۶ کتابوں کے حوالوں سے لکھی ہے لیکن ان سب ۱۶ محدثین میں پہلے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ ہیں جنہوں نے انس بن مالکؓ کی زیارت کی اور تابعیت کے شرف سے مشرف ہوئے اور وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ کے شرف سے مشرف ہوئے۔

(۱)......سفيان بن عيينه قال : اجتمع ابو حنيفة والاوزاعی فی دار الحناطين بمكة فقال الاوزاعی لابی حنيفة : مابالكم لا ترفعون ايديكم فی الصلوٰة عند الركوع و عند الرفع منه فقال ابو حنيفة لاجل انه لم يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه شیٔ قال: كيف لا يصح وقد حدثنی الزهری عن سالم عن ابيه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم : انه كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰة وعند الركوع و عند الرفع منه فقال له ابو حنيفة : فحدثنا حماد عن ابراهيم عن علقمة والاسود عن ابن مسعودؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يرفع يديه الا عند افتتاح الصلوٰة ولا يعود لشیٔ من ذٰلك فقال الاوزاعی : احدثك عن الزهری عن سالم عن ابيه و تقول: حدثنی حماد عن ابراهيم فقال له ابو حنيفة : كان حماد افقه من الزهری و كان ابراهيم افقه من سالم و علقمة ليس بدون ابن عمر فی الفقه وان كان لابن عمر صحبة وله فضل صحبة فالاسود له فضل كثير و عبدالله هو عبدالله فسكت الاوزاعی (مسند امام اعظم/ص۱۲۰)

ترجمہ:

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ اور اوزاعی مکہ کی غلہ منڈی میں ایک دوسرے سے ملے، امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے کہا: (اے کوفیین) تم کو کیا ہوا کہ نماز میں رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتے، ابوحنیفہ بولے: اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث (بغیر معارض کے) نہیں ملی۔ اوزاعی نے کہا: صحیح حدیث کیوں نہیں، حدیث ہے، البتہ حدیث بیان کی مجھ سے زہری نے، انہوں نے سالم سے، انہوں نے اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے کہ نبی اقدس ﷺ ہاتھ اٹھایا کرتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کرنے اور اس سے اٹھنے کے وقت تو امام ابوحنیفہؒ نے ان سے کہا حدیث بیان کی مجھے حماد نے، انہوں نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ واسود سے، انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مگر شروع

نماز میں پھر دوبارہ ایسا کچھ نہیں کرتے تھے۔ اس پر اوزاعی کہنے لگے: میں نے زہری، سالم، ابن عمر سے (علوسند) روایت بیان کی ہے اور تم نے حماد، ابراہیم سے، تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حماد زہری سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ ہیں اور علقمہ حضرت ابن عمر سے فقہ میں کم نہیں اگرچہ حضرت ابن عمر کو شرف صحبت نبوی نصیب ہے اور اسود کو بھی بہت فضیلت حاصل ہے، پھر عبداللہ تو عبداللہ ہی ہیں اس پر اوزاعی خاموش ہو گئے۔

(۲)...... اس مناظرہ میں امام اوزاعیؒ نے جو حدیث بیان فرمائی ہے اس میں مسئلہ رفع یدین کا مثبت اور منفی پہلو مکمل نہیں آیا، یہ حضرات چار رکعت میں دس جگہ رفع یدین کرتے ہیں اور ۱۸ جگہ نہیں کرتے، اس حدیث میں صرف ۹ جگہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے اور اس کے بھی دوام کا ذکر نہیں اور تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کا ذکر نہیں اور نہ ہی ۱۸ جگہ رفع یدین کرنے کی نفی ہے۔ اس لئے اس حدیث میں مذکورہ نماز غیر مقلدین کے نزدیک خلافِ سنت ہے اور دعویٰ کے موافق یہ مکمل دلیل نہیں ہے۔ اس کے برعکس امام اعظم ابوحنیفہؒ نے جو حدیث پیش فرمائی ہے وہ بالکل مکمل مسئلہ ہے کہ پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کی جائے پھر کسی جگہ نہ کی جائے۔

(۳)...... امام صاحبؒ کی پیش کردہ حدیث کا ہر راوی اپنے زمانہ کا افقہ الناس ہے جبکہ یہ خوبی امام اوزاعیؒ کی حدیث میں نہیں پائی جاتی۔

(۴)...... امام صاحب کی پیش کردہ حدیث کا ہر راوی اپنے استاد کے ساتھ کثیر الملازمت ہونے کا شرف رکھتا ہے، چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حماد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب میں دیکھتا ابراہیم نخعی کو تو ان کی خصلت وسیرت کو دیکھنے والا (بلاشبہ) کہتا کہ ان کی خصلت عین حضرت علقمہ کی خصلت وسیرت ہے اور جو علقمہ کو دیکھتا تو وہ کہتا کہ اس کی سیرت وخصلت عین عبداللہ بن مسعودؓ کی سیرت وخصلت ہے، اور جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھتا تو وہ یہ کہتا کہ یہ عین رسول اللہ ﷺ کی خصلت وسیرت ہے (مسند امام اعظم/ص ۲۲۰) لیکن امام اوزاعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں یہ خوبی بھی نہیں کیونکہ نہ تو خود امام اوزاعیؒ زہری سے کثیر الملازمت ہیں، چنانچہ امام ذہبی فرماتے ہیں: ثقة وليس هو

فی الزهری کما لک و عقیل (میزان الاعتدال ج ۲/ص ۵۸۰) اور نہ ہی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح کثیر الملازمت رسول اللہ ﷺ کیساتھ تھے۔ حضور ﷺ نے معلمین قرآن میں ان کا پہلا نمبر بیان فرمایا (بخاری ج ۱/ص ۵۳۱) اور فرمایا: جو چیز تمہارے لئے ابن مسعود پسند کرے میں اس پر راضی ہوں (مستدرک ج ۳/ص ۳۱۹) اور فرمایا: اگر بغیر مشورہ کے تمہارے لئے میں خلیفہ کا انتخاب کروں تو وہ صرف ابن مسعودؓ ہی ہوں گے اور جس چیز کو ابن مسعودؓ تمہارے لئے پسند نہ کرے میں بھی تمہارے لئے اس کو پسند نہ کروں گا (الاستیعاب ج ۱/ص ۳۵۹) اور فرمایا: ابن مسعودؓ کے عہد اور تحقیق کو مضبوطی سے قائم رکھو (ایضا) وہ ہر وقت حضور ﷺ کے پاس رہتے تھے اور حضور ﷺ ان سے کسی وقت حجاب نہیں کرتے تھے۔ (مسلم ج ۲/ص ۲۹۳) حضرت عمرؓ نے ان کو علم کا انبار کہا اور اہل کوفہ کی طرف تعلیم کیلئے روانہ فرمایا (بغدادی ج ۱/ص ۱۴۷) حضرت علیؓ نے ان میں علمی فیض کو دیکھ کر دعا کی کہ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے جیسا اس نے اس شہر کو علم کے نور سے بھر دیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خود فرمایا: کنت اصغر القوم (بخاری ج ۱/ص ۱۷)

(۵)..... حضرت امام صاحبؒ نے جو حدیث پیش فرمائی اس کے مطابق بلا اختلاف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود بھی عمل فرماتے تھے اور ان کے تمام ساتھی بھی اس پر عمل پیرا تھے۔ چنانچہ امام بخاریؒ کے دادا استاد امام محمدؒ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے (موطا محمد ج ۱/ص ۹۰) اس طرح اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دونوں شاگرد حضرت علقمہ اور حضرت اسود صرف پہلی تکبیر کیساتھ رفع یدین کرتے تھے پھر کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱/ص ۲۳۷) اور امام ابراہیم نخعی بھی صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱/ص ۲۳۶) بلکہ آپ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کرنے سے صراحتاً منع فرماتے تھے (موطا محمد ص ۸۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱/ص ۲۳۶) اس کے برعکس رفع یدین کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی صحیح سند سے دس جگہ ہمیشہ

رفع یدین کرنا اور ۱۸ جگہ ہمیشہ ترک کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس امام بخاریؒ کے استاد ابوبکر ابن ابی شیبہ امام مجاہد کی روایت نقل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو پہلی تکبیر کے بعد کبھی رفع یدین کرتے نہیں دیکھا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱/ ص ۲۳۷) اور امام بخاری کے دادا استاد امام محمدؒ، عبدالعزیز بن حکیم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نماز شروع کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اس کے علاوہ کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے (موطا محمد/ص ۹۰) اسی لئے امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا رفع یدین کی حدیث کو بیان کر کے پھر خود رفع یدین کو ترک کر دینا اس کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا تھا (طحاوی) امام محمد حسن سنبلی (۱۳۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ خصوصاً عبداللہ بن عمرؓ تو آپ ﷺ کی اتباع میں نہایت شدت اختیار فرماتے تھے، آپ ﷺ کی اور آپ کی سنت کی اتباع میں عشق اور فنائیت کے درجہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا بھی مشکل ہے کہ وہ نماز جیسی اہم عبادت میں عادتاً ہمیشہ سنت کے خلاف نماز پڑھتے ہوں۔ اس لئے ان سے حسنِ ظن اور ان کے سنت سے عشق کا تقاضا یہی ہے کہ وہ رفع یدین کو منسوخ سمجھتے تھے (تنسیق النظام/ص ۵۲) حضرت سالم اور زہری سے بھی کسی صحیح سند سے دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرنے اور ۱۸ جگہ ہمیشہ رفع یدین ترک کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

(۶)...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہزاروں ساتھیوں میں سے کسی ایک کا بھی پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں، وہ سب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اسی حدیث کے موافق نماز پڑھتے تھے جو امام صاحبؒ نے مناظرہ میں بیان فرمائی۔ چنانچہ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کے دادا اُستاد امام محمدؒ (۱۸۹ھ) امام ابراہیم نخعی (۹۶ھ) سے، جن کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت شان اور فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے، اور امام شعبیؒ (۱۰۵ھ) جنہوں نے پانچ سو صحابہ کی زیارت کی نے ابراہیم نخعی کی وفات کے وقت فرمایا کہ ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور فقیہ کوئی نہیں چھوڑا۔ لوگوں نے

کہا: حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں؟ تو امام شعبی نے کہا نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں بھی نہیں (تہذیب الاسماء واللغات ج ۱/ص ۴۰۱)، روایت کرتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے تمام اصحاب میں سے کسی ایک سے بھی نہ پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ رفع یدین کرنے کا مسئلہ سنا، (اور نہ ہی کسی کو پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ رفع یدین کرتے دیکھا) وہ صرف نماز کی ابتداء میں رفع یدین کرتے تھے (موطا محمد/ص ۹۰) اور امام بخاریؒ کے استاد امام ابوبکر بن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) امام ابواسحاق (۱۲۷ھ) جو بڑے حفاظ اور ائمہ دین میں سے تھے (شذرات الذہب ج ۱/ص ۱۷۴) جن کی توثیق اور جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تہذیب الاسماء واللغات ج ۲/ص ۱۷۲) سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے کوئی بھی پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱/ص ۲۳۶) ظاہر ہے کہ ان کے اصحاب ہزاروں سے متجاوز تھے، اس کے برعکس رفع یدین نہیں کرتے تھے اسی طرح کسی ایک ساتھی سے بھی نماز میں دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرنے اور ۱۸ جگہ ہمیشہ ترک رفع یدین کا ثبوت کسی ایک بھی صحیح سند سے نہیں ملتا۔

(۷)...... امام صاحبؒ نے مناظرہ میں جو حدیث پیش فرمائی اس کی سند کوفی ہے اور تمام اہل کوفہ اس کی صحت اور اس پر عمل کرنے پر متفق تھے۔ مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء کوفہ قدیماً اور حدیثاً پہلی تکبیر کے بعد ترک رفع یدین پر متفق تھے۔ نیز امام محمد بن نصر مروزی (۲۰۲ھ) سے نقل فرماتے ہیں ''ہم کوئی شہر ایسا نہیں جانتے جنہوں نے بالاجماع رفع یدین ترک کردی ہو مگر اہل کوفہ'' (التعلیق الممجد /ص ۸۹) یعنی اہل کوفہ کا ترک رفع یدین پر اجماع تھا۔ دوسرے شہروں میں کوئی نہ کوئی کرنے والا مل ہی جاتا تھا۔ اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رفع یدین والی حدیث کی سند مدنی ہے، جیسے خود ابن عمرؓ اور ان کے کسی ساتھی کا اس حدیث پر عمل نہیں تھا، اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی مدینہ منورہ میں رفع یدین کا کوئی رواج نہ تھا۔ امام مالکؒ امام اہل مدینہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ میں پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ رفع یدین کو پہچانتا تک نہیں (المدونۃ الکبریٰ

ج ۱/ص ۷۱) گویا کوفہ کی طرح مدینہ منورہ میں بھی پورے خیر القرون میں عملاً ترک رفع یدین والی نماز ہی متواتر تھی۔ مدینہ منورہ میں رفع یدین پر عمل جاری نہ رہنا واضح دلیل ہے کہ ان کے ہاں رفع یدین کی حدیث متروک تھی۔

(۸)......اس حدیث میں ہے کہ امام اوزاعی خاموش ہو گئے، تو جب خیر القرون میں لاجواب ہو کر رفع یدین کے قائلین خاموش ہو گئے تو اب بھی ان کو خاموش ہو جانا چاہئے۔

اس حدیث کے پیش کرنے میں شاہین صاحب کی خیانتیں

خیانت نمبرا

اس مکمل حدیث کا پہلا حصہ نقل کیا اور اس کا جواب اور آخری فیصلہ نقل نہ کیا جو زبردست خیانت ہے۔ قرآن میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ بے شک اللہ کو خوش نہیں آتے دغاباز۔

خیانت نمبر۲

اس حدیث میں موطا امام مالک (۱۷۹ھ) کا بھی حوالہ دیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ عبداللہ بن عمرؓ سے سالم اس کو مرفوع اور نافع موقوف بیان کرتے ہیں اور رکوع میں جاتے وقت کی رفع یدین بھی مذکور نہیں یعنی اس کا مرفوع ہونا بھی مشکوک اور اس میں پورا مسئلہ بھی نہیں، یہ بات شاہین صاحب نے نہیں بتائی۔

خیانت نمبر۳

اس نامکمل حدیث پر موطا امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کا حوالہ بھی دیا، حالانکہ اس کے مطالعہ سے دو باتیں ظاہر تھیں: ایک تو یہ کہ اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں ہی اختلاف ہے، دوسرے یہ کہ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے تھے۔ اگر شاہین صاحب یہ دونوں باتیں بھی بتا دیتے تو ان کا مسئلہ ہی مٹ جاتا لیکن انہوں نے یہ باتیں چھپائیں حالانکہ انہوں نے قرآن میں پڑھا ہے کہ کتمان حق شیوۂ یہود ہے۔

خیانت نمبر ۴

شاہین صاحب نے ابوداؤد (۲۷۵ھ) کا بھی حوالہ دیا جبکہ اس کے بعد دو احادیث ترک رفع یدین کی موجود تھیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ نے کرنے کے بعد چھوڑ دی تھی لیکن اگر یہ بات شاہین صاحب بتا دیتے تو ان کو رسالہ لکھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

خیانت نمبر ۵

شاہین صاحب نے ترمذی (۲۷۹ھ) کا بھی حوالہ دیا وہاں بھی بعد میں رفع یدین کے چھوڑنے کی حدیث موجود ہے، جب آپ ﷺ نے چھوڑ دی تو شاہین صاحب کیوں ضد کر رہے ہیں۔

خیانت نمبر ۶

اسی طرح نسائی (۳۰۳ھ) کا حوالہ دیا اس میں بھی اس کے بعد ترک رفع یدین کی حدیث ہے۔لیکن شاہین صاحب نے اس کو ذکر نہ کر کے خیانت کی۔

خیانت نمبر ۷

طحاوی شریف (۳۲۱ھ) کا بھی حوالہ دیا، انہوں نے صراحت کی تھی کہ یہ حدیث منسوخ ہے مگر شاہین صاحب نے ازراہ خیانت اس بات کو چھوڑ دیا حالانکہ شاہین صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ حدیث میں خیانت کو منافق کی علامت بتایا گیا ہے نہ کہ اہلحدیث کی۔

خیانت نمبر ۸

حمیدی (۲۱۹ھ) کا بھی حوالہ دیا جبکہ اس کے صحیح نسخوں اور پہلی طبعات میں یہ حدیث نہیں بلکہ اس کے خلاف ترکِ رفع یدین کی حدیث ہے۔

خیانت نمبر ۹

مسند ابی عوانہ (۳۱۶ھ) کا حوالہ دیا ہے جبکہ اس میں حدیث اس کے خلاف ہے

خیانت نمبر ۱۰

سنن کبریٰ بیہقی (۴۵۸ھ) کا بھی حوالہ دیا ہے اس کے بعد بھی اس میں ترک رفع یدین کی احادیث ہیں، لیکن کیا ایسی خیانتوں سے حق کو مٹایا جا سکتا ہے؟ ہر گز نہیں اِنَّ اللہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ اللہ نہیں چلنے دیتا فریب دغا بازوں کا۔

خیانت نمبر ۱۱ تا ۱۴

اس کے بعد صفحہ ۷ پر سرخی لکھی ہے: ''ابن عمرؓ کی حدیث متواتر ہے'' اس میں صرف ایک دفعہ دس جگہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے اور ۱۸ جگہ کی نفی نہیں ہے، مگر یہ ایک دفعہ کا ثبوت بھی رسول اقدس ﷺ سے مشکوک ہے۔ شاہین صاحب کو پتہ ہے کہ موطا امام مالک، موطا امام محمد میں یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں۔ امام بخاری نے بھی اس شک کا اظہار فرمایا ہے جس کو شاہین نے نقل نہیں کیا اور امام ابوداوٗد نے پورے زور وشور سے اس کے مرفوع یعنی حدیث نبوی ہونے کا رد کیا ہے، یہ چار خیانتیں اس روایت میں شاہین صاحب نے کی ہیں جس کا مرفوع ہونا ہی مشکوک ہو اس کو متواتر کہنا بہت بڑی جرأت ہے۔ مدینہ میں عملی تواتر تو اس کے خلاف تھا۔ امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے تو اس مشکوک روایت کو اپنی کتاب میں لکھنا تک پسند نہیں فرمایا لیکن شاہین صاحب نے اس کو متواتر بنا ڈالا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

امام ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ)، امام ابواسحاق (۱۲۷ھ) امام ابوبکر بن عیاش، امام مالک (۱۷۹ھ) کے بیانات سے ترک رفع یدین کا عملاً متواتر ہونا واضح ہے۔ اب پندرھویں صدی میں شاہین صاحب اس رفع یدین کو متواتر بنانا چاہتے ہیں جس کو خیر القرون میں کوئی جانتا پہچانتا بھی نہ تھا۔

خیانت نمبر ۱۵

شاہین صاحب نے صفحہ ۷ پر عنوان لکھا ہے: ''عبداللہ بن عمرؓ کا رفع یدین نہ

کرنے والوں کو کنکریاں مارنا'' بلکہ جو شخص نماز میں رفع یدین نہ کرتا اسے کنکریاں مارا کرتے تھے: ان ابن عمر اذا رأى رجلاً لم یرفع یدیه رماه الحصٰی (مسند حمیدی ج ۱/ص ۲۷۷) اب اصلی الفاظ اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں: ان عبداللہ بن عمرؓ کان اذا ابصر رجلاً یصلی لا یرفع یدیه کلما خفض و رفع حصبهٗ حتٰی یرفع یدیه. (مسند حمیدی) ''بے شک عبداللہ بن عمرؓ جب کسی آدمی کو دیکھتے کہ نماز میں ہر خفض و رفع پر رفع یدین نہیں کرتا تو اس کو کنکر مارتے یہاں تک کہ رفع یدین کرتا۔''

اس روایت کے مطابق ۴ رکعت میں ۲۸ جگہ رفع یدین کرنا ضروری ہے ورنہ اس پر پتھراؤ ہوگا، لیکن شاہین صاحب ۴ رکعت پر دس جگہ رفع یدین کرتے ہیں اور ۲۸ جگہ شیعہ کرتے ہیں۔ اس روایت کے مطابق شاہین صاحب چار رکعت میں ۱۸ سنتوں کے تارک اور ۱۸ پتھروں کے مستحق ہیں۔ اس لئے شاہین صاحب نے کلما حفض و رفع کے الفاظ عربی میں بھی چھوڑ دیئے اور اردو میں بھی ترجمہ نہ کیا کہ اس روایت کو دیکھ کر کہیں شیعہ غیر مقلدین کو سنگسار ہی نہ کر دیں۔

خیانت نمبر ۱۶

صفحہ ۷ پر عنوان ہے ''صحابہ کرام اور رفع یدین'' اس کے بعد ترمذی سے چند صحابہ اور تابعین کے نام بے سند ذکر کر دیئے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک صحابی اور تابعی سے بھی دس جگہ رفع یدین کا دوام اور ۱۸ جگہ کا دائمی ترک صراحتاً ثابت نہیں۔ امام ترمذیؒ نے جس حدیث کے بعد یہ نام ذکر فرمائے ہیں اس حدیث میں ذکر کردہ نماز تو شاہین کے نزدیک خلاف سنت ہے کیونکہ تیسری رکعت کے شروع کی رفع یدین اس میں مذکور نہیں اور شاہین صاحب اس کو سنتِ متواترہ کہتے ہیں (دیکھو صفحہ ۷) تو معلوم ہوا کہ اس کی کوئی سند بھی ہوتی تو ان صحابہ و تابعین کی نماز شاہین کے مطابق خلافِ سنت متواترہ ہے۔

خیانت نمبر ۱۷

پھر ترمذی کے حوالہ سے محض بے سند ۱۴ صحابہ کے نام لکھے ہیں، گویا آنحضرت

ﷺ کا دس جگہ نہیں ۹ جگہ ایک دفعہ رفع یدین کرنے کو ۱۴ صحابہ نے بیان کیا ہے۔ اس طرح ترمذی میں ہی آنحضرت ﷺ کے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر امام ترمذی نے ۱۴ ہی صحابہ کا نام لکھا ہے۔ اب شاہین صاحب بتائیں کہ ایک سے زائد کپڑوں میں کسی مرد یا عورت کا نماز پڑھنا خلاف سنت کہا جائے گا؟ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ۹ جگہ رفع یدین کی جس کو ۱۴ صحابہ نے روایت کیا جو شاہین صاحب کے نزدیک خلاف سنت متواترہ ہے۔ اسی طرح آپ نے ایک کپڑے میں نماز ادا فرمائی اس کو بھی چودہ صحابہ سے ترمذی نے نقل کیا اس میں تو ایک دفعہ ۹ جگہ رفع یدین اور ایک کپڑے میں نماز برابر رہی، مگر ایک کپڑے میں نماز کی حدیث کے بعد امام ترمذیؒ نے اس فعل کے چھوڑنے کی کوئی حدیث ذکر نہیں کی اور رفع یدین کے بعد ترک رفع یدین کی حدیث ذکر فرمادی، خلاصہ یہ کہ دس جگہ رفع یدین تو ایک دفعہ بھی ترمذی میں ثابت نہ ہوئی، صرف ۹ جگہ کا ذکر آیا اس کو ۸ جگہ بھی ترک کردیا گیا، تو رفع یدین کا ثبوت ترمذی شریف میں ایک کپڑے میں نماز پڑھنے سے بھی کمزور نکلا بلکہ ترک کی وجہ سے وہ بھی باقی نہ رہا۔ لیکن شاہین صاحب دیکھئے کیسے زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔

خیانت نمبر ۱۸

پھر جن ۱۴ صحابہ کے نام پر شاہین صاحب بے سوچے سمجھے پھولے نہیں سماتے، ناصر البانی صاحب ان میں سے دس صحابہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے سجدوں کے وقت کی رفع یدین بھی روایت کی ہے۔ گویا دس صحابہ نے چار رکعت نماز میں ۲۶ جگہ رفع یدین روایت کی اور چار نے ۹ جگہ اور آپ ۱۰ جگہ کرتے ہیں ۱۸ جگہ نہیں کرتے۔ آپ کے موافق تو ایک صحابی کی روایت نہیں رہی تو یہ جھوٹا ناز کس بات پر۔

خیانت نمبر ۱۹

صفحہ ۸ پر شاہین صاحب لکھتے ہیں: امام بیہقی نے سنن کبریٰ بیہقی شریف ج ۲/ص ۷۴ پر امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ۱۷ صحابہ رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ امام

بیہقی آپ کے نزدیک دو وجہ سے مشرک ہیں: ایک اس لئے کہ انہوں نے ''حیات النبی ﷺ'' پر مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو آپ کے نزدیک شرک ہے، دوسرے اس لئے کہ وہ امام شافعیؒ کی تقلید شخصی کرتے تھے۔ آپ تو کہا کرتے ہیں کہ ہم خدا اور رسول کے سوا کسی کی بات حجت نہیں مانتے۔ اب بیہقی جو آپ کے نزدیک ڈبل مشرک ہے کی بات بھی حجت بن گئی، پھر بیہقی نے اس کو ابو عبداللہ الحافظ سے روایت کیا ہے جس کو بعض محدثین شیعہ، بعض غالی شیعہ اور بعض رافضی خبیث تک کہتے ہیں۔ پھر محمد بن احمد بن موسیٰ البخاری کی توثیق بھی نہ تقریب میں ہے نہ تہذیب میں نہ تذکرہ میں اور محمود بن اسحاق بن محمود البخاری کی توثیق بھی کسی محدث نے نہیں کی اور یہی شخص ''جزء القراۃ بخاری'' اور ''جزء رفع یدین بخاری'' کا راوی ہے۔ جب تک اس کی توثیق ثابت نہ کریں ان رسالوں یا اس کی حدیثوں سے استدلال نہیں کر سکتے۔

خیانت نمبر ۲۰

ان ۷ اصحابہ کا نام بھی بغیر سند کے ہے تو کیا فائدہ؟ پھر ان میں سے بھی ۹ جگہ رفع یدین کا ایک آدھ دفعہ بے سند ذکر ہے۔ نہ ۱۰ جگہ کا دائمی اثبات نہ ۱۸ جگہ کی دائمی نفی۔ شاہین صاحب نے رسالہ لکھتے وقت نہ اپنا دعویٰ یاد رکھا نہ اپنا عمل، ان کی مذکورہ نماز صحیح بھی ثابت ہو جاتی تو شاہین صاحب کے نزدیک خلاف سنت ہے۔ اگر ہمت ہے تو ان میں سے صرف ایک صحابی سے ۱۰ جگہ دوام رفع یدین ۱۸ جگہ دائمی ترک ثابت کر دیں۔

خیانت نمبر ۲۱

صفحہ ۹ پر عنوان لکھا ہے ''خلفائے راشدین اور رفع یدین'' اور لکھا ہے کہ ''ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں بھی روایات ہیں کہ وہ رفع یدین کرتے تھے۔'' (بیہقی ج ۲/ص ۴۷، ترمذی ج ۱/ص ۳۵) روایات جمع کا لفظ ہے جبکہ حضرت عثمانؓ سے ایک روایت بھی نہ بیہقی میں ہے اور نہ ترمذی میں بلکہ ترمذی میں بے سند ناموں میں عثمانؓ کا نام نہیں۔ افسوس شاہین صاحب کو یہ آیت یاد نہیں رہی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ

كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۔ ’’اللہ کو خوش نہیں آیا کوئی دغا باز ناشکرا۔‘‘

خیانت نمبر ۲۲

ترمذی ج ۱/ص ۳۵ بلکہ پوری ترمذی شریف میں ابوبکر صدیق ؓ کی بھی کوئی روایت نہیں ہے لیکن شاہین صاحب نے صفحہ اور جلد تک لکھ ماری ہے، چہ دلاور است دزدے کہ چراغ دارد۔

خیانت نمبر ۲۳

ابوبکر صدیق ؓ کی روایت جو بیہقی میں ہے اس پر ابن ترکمانی (۷۴۹ھ) نے سخت جرح کردی ہے کہ صغار نے سلمی سے تحدیث کی تصریح نہیں کی ہے بلکہ خود سلمی متکلم فیہ ہے اور عارم کا تو حافظہ بالکل گیا گزرا تھا۔ اس کا جواب سات سو سال سے قرض ہے، شاہین صاحب کو یہ قرض چکانا چاہئے تھا۔

خیانت نمبر ۲۴

پھر اس روایت میں صرف ۹ جگہ رفع یدین کا ایک دفعہ کرنے کا اثبات ہے۔ نہ دس جگہ دوام کا اثبات ہے نہ ۱۸ جگہ کی دائمی نفی، تو شاہین صاحب کے نزدیک تو صدیق اکبرؓ کی نماز خلاف سنت ہے، نہ شاہین ایسی نماز پڑھتا ہے۔

خیانت نمبر ۲۵

حضرت عمرؓ سے بھی چار رکعت میں دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرنے اور ۱۸ جگہ ہمیشہ چھوڑنے کی صحیح تو کجا ضعیف روایت بھی نہیں ہے۔

خیانت نمبر ۲۶

حضرت علیؓ کا نام بھی لکھا ہے جبکہ حضرت علیؓ کا یہ عمل کہ آپ دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے اور ۱۸ جگہ ہمیشہ ترک کرتے تھے، ہرگز ہرگز نہ کسی صحیح سند سے مذکور، نہ کسی

ضعیف سند سے۔

خیانت نمبر ۲۷ تا ۳۲

صفحہ ۹ پر ''عشرہ مبشرہ'' کی سرخی قائم کی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام کا اس سنت پر اتفاق ہے۔ اب خلفائے راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے یہ حضرات بچے: طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن الجراح۔ حاکم شیعہ (۴۰۵ھ) سے پہلے تذکرۃ الحفاظ میں ۹۶۱ محدثین کا ذکر ہے جن میں صحاح ستہ والے، ان کے اساتذہ اور ان کے تلامذہ بھی شامل ہیں، مگر کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ شاہین اگر پانچویں صدی کے شیعہ کی تقلید شخصی سے اس کا قائل ہو گیا ہے تو اس کا فرض ہے کہ ان چھ صحابہ سے دس جگہ دوام رفع یدین اور ۱۸ جگہ دوام ترک کی صرف ایک ایک حدیث پیش کر دے، ہم صحیح کی شرط بھی چھوڑتے ہیں ضعیف سند ہی لے آئے، چلو ہم پورے چھ میں سے صرف ایک کے بارے میں صرف ایک سند صحیح نہ ہو تو حسن وہ بھی نہ ہو تو ضعیف پیش کر دے اگر نہ کر سکے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک پیش نہیں کر سکے گا تو سادہ عوام کو فریب دینے سے باز آئے

خیانت نمبر ۳۳

صفحہ ۹ پر عنوان باندھا ہے ''ائمہ محدثین اور رفع یدین'' اور لکھا ہے: تمام محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں مستقل باب قائم کر کے اس مسئلہ رفع یدین کو ثابت کیا ہے، یہ بھی محض جھوٹ ہے۔ کسی ایک محدث نے بھی ۱۰ جگہ دوام رفع یدین اور ۱۸ جگہ دوام ترک رفع یدین کا باب نہیں باندھا اور کتنے ہی محدثین نے ترک رفع کے باب باندھ کر دوام کی نفی کر دی ہے۔ لیکن جھوٹ کا مزہ شاہین کو لگ گیا ہے جو چھوٹ نہیں سکتا۔

خیانت نمبر ۳۴:

صفحہ ۹ پر لکھا ہے ''رفع یدین کی قولی روایات'' یہ روایات تو جمع کا صیغہ ہے، مطالبہ نمبر ۵ کے مطابق ایک بھی قولی روایت یہ قیامت تک پیش نہیں کر سکے گا وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔

گالیاں

شاہین صاحب کے دل کو پورا پورا احساس ہے کہ خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور محدثین پر جھوٹ بول کر بھی میں اپنے دعویٰ ۱۰ جگہ دوام رفع یدین اور ۱۸ جگہ دوام ترک رفع یدین ثابت نہیں کر سکا۔ جھوٹ بھی بولے، خیانتیں بھی کیں جو اہلحدیث کی علامت نہیں منافق کی علامات ہیں۔ پھر یاد آیا کہ حدیث میں منافق کی ایک تیسری علامت بھی تو ہے: اذا خاصم فجر وہ بحث میں گالیاں بکتا ہے۔ شاہین صاحب نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا، فرماتے ہیں: احناف اپنی لاعلمی اور کورچشمی کی وجہ سے یہ واویلا مچاتے اور جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ رفع یدین کرنے کی کوئی قولی حدیث نہیں حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا (ص ۹) شاہین صاحب! غصہ تھوک دیجئے۔ آپ گوندی والی مسجد کے مناظرے سے اسی لئے تو بھاگے تھے کہ آپ کے پاس قولی حدیث نہ تھی، آپ ایک کروڑ کا انعام حاصل نہ کر سکے۔ شاہین صاحب! اگر آپ کے پاس وہ تین احادیث ہوتیں جن کا مولوی فخر الدین نے مطالبہ کیا تھا تو اپنے اشتہار ''باسی کڑھی میں پھر ابال'' میں حدیثیں لکھتے، گالیاں دے کر گزارہ نہ کرتے۔ شاہین صاحب! قولی احادیث وہ ہیں جو ہم نے آپ کو بھیجی ہوئی ہیں اور قریباً چار ماہ ہو چکے نہ ہی آپ نے ان کا کوئی جواب دیا ہے اور نہ ہی آپ ان پر ایمان لائے ہیں۔

خیانت نمبر ۳۵

صفحہ ۹ پر حضرت مالک بن الحویرث کی حدیث میں مالک بن الحویرث کے بارے میں جو رفع یدیه ہے اس کا ترجمہ تھا: ایک دفعہ رفع یدین کی۔ شاہین صاحب نے ترجمہ کیا رفع یدین کرتے، اگر کوئی بال قائما کا معنی بھی یہی کرے کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے پھر اس کو سنت اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کو خلاف سنت کہے اور چیلنج بازی شروع کر دے کہ جو مرد یا عورت بیٹھ کر پیشاب کرے وہ بخاری، مسلم کی متفق علیہ حدیث کے خلاف ہے، آخر کوئی وجہ فرق حدیث سے بیان کی ہوتی کہ رفع یدیہ اور بال قائما

میں وہ کیا فرق ہے، آپ ﷺ کے ایک فعل کو سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے فعل پر زور نہیں دیا جاتا: اَفَتُؤمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْض.

خیانت نمبر ۳۶

شاہین صاحب! اس حدیث کے مرسل اور مسند ہونے میں ہی اختلاف ہے، حدث کا عطف اگر رأی پر ہو تو رأی کا فاعل ابوقلابہ ہے، حدث کا فاعل بھی ابوقلابہ ہے اور اس نے حضور ﷺ کا زمانہ نہیں پایا تو حدیث مرسل ہوئی اور اگر آپ عطف حدث کی صلی پر ڈالیں تو مسند ہوگی مگر دونوں احتمالوں میں سے اِس احتمال کو آپ نے اپنی رائے سے لیا نہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ حدث کا عطف صلی پر ڈالنا رأی پر نہ ڈالنا۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کو آپ نے یاد ہی نہیں رکھا۔

خیانت نمبر ۳۷

شاہین صاحب مالک بن الحویرث کا شاگرد یہاں ابوقلابہ ہے جو ناصبیت کی طرف مائل تھا (تقریب) یعنی اہل بیت نبوی ﷺ کے مخالف تھا۔ آپ رفع یدین کیلئے کبھی کسی شیعہ کی چوکھٹ پر سجدہ کرتے ہیں کبھی کسی ناصبی کے پاؤں چاٹتے ہیں:

آنکہ شیراں را کند روباہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

خیانت نمبر ۳۸

ابوقلابہ کے دو شاگرد ہیں: ایوب سختیانی اور خالد الحذاء۔ ایوب ثقہ اور ثبت ہے اس کی حدیث میں رفع یدین کا نام ونشان تک نہیں (بخاری ج ا/ص ۱۱۳) خالد کا حافظہ آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا، اس آخری عمر میں وہ بصرہ آ گیا تھا، اس کے تین شاگرد ہیں: ابن علیہ، ہیشم، خالد الطحان۔ ہیشم کے سامنے تو اس نے رفع یدین کا نام تک نہیں لیا۔ (بخاری ج ا/ص ۱۱۳) ابن علیہ کو بتایا کہ رفع یدین ابوقلابہ کا فعل تھا (ابن ابی شیبہ) اور خالد الطحان کو بتایا کہ یہ مالک بن الحویرث کا فعل تھا (بخاری ج ا/ص ۱۰۲)

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرھا

ابوب جیسے ثقہ کے خلاف ایسے خراب حافظے والے کی روایت کیسے صحیح قرار دی جاسکتی ہے۔

خیانت نمبر ۳۹

حضرت مالک بن الحویرثؓ کے دوسرے شاگرد نصر بن عاصم ہیں وہ آپ سے سجدوں کے وقت رفع یدین بیان کرتے ہیں (نسائی) ابوقلابہ صرف ایک دفعہ ۹ جگہ رفع یدین بیان کرتے ہیں جبکہ آپ کے نزدیک دس جگہ سنت ہے تو ۹ جگہ والی میں سنت متواترہ کا ترک ہے، گویا ابوقلابہ یا مالک بن الحویرث یا نبی ﷺ کی نماز آپ کے نزدیک خلاف سنت ہے اور ۱۸ جگہ نفی کی بھی صراحت نہیں تو دلیل ناقص ہوئی اور نصر بن عاصم کی روایت میں ۲۵ جگہ رفع یدین ہے تیسری رکعت کی رفع یدین اس میں بھی نہیں۔ گویا اس حدیث کے مطابق آپ چار رکعت نماز میں سولہ سنتوں کے تارک ہیں۔ نہ ابوقلابہ والی روایت آپ کے موافق نہ نصر بن عاصم والی، پھر انکو پیش کر کے دھوکا کیوں دیتے ہو۔

خیانت نمبر ۴۰

حضرت مالک بن حویرثؓ کی نصر بن عاصم والی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے جبکہ آپ کے نزدیک کندھوں تک ہاتھ اٹھانا حدیث ابن عمر کے مطابق حدیث متفق علیہ میں ثابت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا متفق علیہ نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ دونوں فعل بعض اوقات تھے اب کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ کا ترجمہ آپ یہ نہیں کریں گے کہ آپ ﷺ ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے بلکہ یہ کریں گے کہ کبھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے کبھی کانوں تک، اس لئے ان احادیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس طرح اگر رفع یدین کرنے اور نہ کرنے والی احادیث کو الگ الگ موقعوں پر مان کر کہا جائے کہ کبھی کی، کبھی چھوڑ دی تو ان میں بھی اختلاف نہیں رہے گا، آپ غلط ترجمہ کر کے احادیث میں بلاوجہ حقیقی ٹکراؤ کیوں پیدا کرتے ہیں۔

خیانت نمبر ۴۱

حدیث ابن عمرؓ میں ہاتھ کندھوں تک اٹھانے کا ذکر ہے، حدیث مالک بن الحویرث میں ہاتھ کانوں تک اٹھانے، حدیث ابن عمرؓ میں سجدوں کے وقت رفع یدین کی نفی ہے، حدیث مالک بن الحویرث میں اثبات ۔ دونوں متعارض حدیثوں کو آپ کیسے مان رہے ہیں۔

خیانت نمبر ۴۲

صفحہ ۱۰ پر صحیح بخاری ج ۱/ ۸۷، ۸۸، ۹۵ کے حوالہ سے جو عبارت لکھی ہے اس میں بخاری کے تینوں صفحات پر یہ تھا کہ حضرت مالک بن الحویرث آنخضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں صرف بیس رات رہے، آپ نے اس کو نقل نہیں کیا تا کہ پتہ نہ چل جائے کہ ایک مسافر صحابی تھے جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ نہیں رہے۔

خیانت نمبر ۴۳

آپ نے ص ۱۰ پر بخاری کے ج ۱/ص ۸۷، ۹۵ کے حوالہ سے لکھا ہے: صلوا کما رأیتمونی أصلی جبکہ ان دونوں صفحات پر یہ جملہ موجود ہی نہیں۔

خیانت نمبر ۴۴

آپ نے صفحہ ۱۰ پر بخاری ج ۱ صفحہ ۸۸ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے حضرت مالک بن الحویرث کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو جا کر نماز سکھاؤ۔ اس حکم کی جو تعمیل انہوں نے فرمائی اور جو نماز سکھائی وہ صحیح بخاری ج ۱/ص ۱۱۳ پر ہے اس میں رفع یدین کا نام و نشان تک نہیں آپ نے یہ بات کیوں چھپائی۔

خیانت نمبر ۴۵

یہ جملہ کہ ایسی نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا، یہ ابوقلابہ کے شاگرد ایوب کی روایت میں ہے جس کی روایت بخاری ج ۱/ص ۱۱۳ پر ہے اس میں رفع یدین کا نشان تک

نہیں ۔اس جملے کو وہاں ایوب کی روایت سے اٹھا کر خالد جیسے خراب حافظہ والے کی روایت سے ملانا جس میں ادھوری رفع یدین کا ذکر ہے حافظے کی خرابی کے علاوہ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ پر بھی عمل ہے۔

خیانت نمبر ۴۶

آپ نے حدیث ابوقلابہ والی لکھی ہے جس میں ۹ جگہ ایک دفعہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، اس میں یہ صراحت کہیں نہیں کہ مالک بن الحویرث نے فرمایا ہو کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا۔ یہ صراحت نصر بن عاصم کی روایت میں ہے جس میں ۲۵ جگہ رفع یدین کا اثبات مگر باقی تین جگہ کی نفی نہیں۔ آپ نے ابوقلابہ والی روایت کے ساتھ دیکھنے کا جملہ کہاں سے ملا لیا۔

خیانت نمبر ۴۷

آپ نے حضرت مالک بن الحویرث ؓ کی حدیث کے ضمن میں عنوان دیا ''رفع یدین منسوخ نہیں''، تو اس حدیث میں تو سجدوں کی ۱۶ جگہ رفع یدین بھی ہے وہ کب منسوخ ہوئی آپ کے فتاوی علمائے حدیث میں اس کو بھی منسوخ نہیں مانا۔ پھر تو آپ ہر چار رکعت میں ۱۶ سنتوں کے تارک ہیں۔

خیانت نمبر ۴۸

آپ نے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ اگر یہ منسوخ ہوتی تو صحابہ کی اتنی بڑی جماعت مسلسل اور متواتر نہ نقل کرتی نہ ہی اس پر عمل کرتی۔ مولانا کسی ایک صحابی سے بھی آپ کی طرح ۱۰ جگہ دوام رفع یدین اور ۱۸ جگہ دوام ترک رفع یدین متواتر تو کجا کسی ایک صحیح بلکہ ضعیف سند سے بھی ثابت نہیں۔

خیانت نمبر ۴۹

صفحہ ۱۱ پر ''تاریخی شہادت'' کا عنوان لکھ کر بغیر کسی ثبوت کے لکھا ہے کہ مالک بن

الحویرث ۹ھ کے وسط میں اسلام لائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو انہوں نے ۹ھ تک سجدوں کے وقت رفع یدین بھی روایت کی ہے، اس کو فتاویٰ علمائے حدیث میں صحیح اور غیر منسوخ مانا ہے جبکہ اس کے مطابق آپ ہر چار رکعت میں ۱۶ جگہ تارک سنت ہیں۔

خیانت نمبر ۵۰، ۵۱

صفحہ ۱۱، ۱۲، ۳۲ پر مولانا عبدالحی کی عبارتیں نقل کی ہیں ان میں زبردست خیانت کی ہے، پہلے پوری عبارت پڑھیں: ولا یخفی علی الماہر ان طرق حدیث ابن مسعود تبلغ درجة الحسن والقدر المتحقق فی ھذا الباب ھو ثبوت الرفع و ترکه کلیھما عن رسول الله صلی الله علیه وسلم الا ان رواة الرفع من الصحابة جم غفیر و رواة الترک جماعة قلیلة مع عدم صحة الطرق عنھم الا عن ابن مسعود و کذالک ثبت الترک عن ابن مسعود و اصحابه باسانید محتجة بھا فاذن نختار ان الرفع لیس بسنة مؤکدة یلام تارکھا الا ان ثبوته عن النبی صلی الله علیه وسلم اکثر و ارجح واما دعویٰ نسخه کما صدر عن الطحاوی مفترا بحسن الظن بالصحابة التارکین وابن الھمام و العینی و غیرھم من اصحابنا فلیست بمبرھن علیھا بما یشفی العلیل و یروی الغلیل (التعلیق الممجد /ص ۸۹)

ترجمہ:

کسی ماہر حدیث پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی (ترک رفع یدین والی) حدیث کی سندیں درجہ حسن تک پہنچی ہیں اور اس باب میں تحقیقی بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے اور اس کا چھوڑنا بھی ثابت ہے مگر رفع یدین کے راوی صحابہ کی بڑی جماعت ہے اور ترک رفع یدین تھوڑی جماعت نے روایت کیا ہے جن کی سندیں صحیح نہیں سوائے ابن مسعود کی ترک رفع یدین کی حدیث کے (کہ اس کی سند صحیح ہے) اور (جس طرح رسول پاک ﷺ سے رفع یدین کا

چھوڑنا ابن مسعودؓ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے) اسی طرح خود عبداللہ بن مسعودؓ اوران کے اصحاب کا ترک رفع یدین بھی صحیح سندوں سے ثابت ہے۔ تو ہم یہ بات اختیار کرتے ہیں کہ رفع یدین ہرگز سنت مؤکدہ نہیں ہے کہ نہ کرنے والے کو برا بھلا کہا جائے اگرچہ اس کا ثبوت اکثر اور ارجح ہے۔ ہاں امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے جو دعویٰ کیا ہے کہ رفع یدین منسوخ ہے اور اس کی بنیاد صحابہ کرام سے حسن ظن پر رکھی ہے کہ جن صحابہ (مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ نے رفع یدین کی حدیث روایت کی ہے انہوں نے ہی خود رفع یدین کو ترک کر دیا۔ یہ رفع یدین کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر وہ اس کو سنت سمجھ کر ہمیشہ خلاف سنت نماز پڑھتے رہے تو بات صحابہ کی شان کے لائق نہیں بلکہ اس سے ان کی عدالت ہی مجروح ہو جائے گی تو ان کی روایات بھی مشکوک ہو جائیں گی اور اگر یہ سنت کے شیدائی صحابہ ہمیشہ ترک رفع یدین کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو گویا رفع یدین کو سنت نہیں بلکہ منسوخ سمجھتے تھے یہی بات صحابہ سے حسن ظن کے موافق ہے) نے رفع یدین ترک کی ہے یہ دلیلِ نسخ ہے اور ابن الہمام اور علامہ عینی اور ہمارے دوسرے اصحاب بھی اس بنیاد پر رفع یدین کو منسوخ کہتے ہیں۔ میرے (مولانا عبدالحیٔ ؒ) کے نزدیک یہ ایسی دلیل نہیں ہے جس سے بیمار کو صحت ہو اور پیاسے کی پیاس بجھے۔

اب دیکھئے! مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح رفع یدین کرنے کی حدیثیں ثابت ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ سے رفع یدین نہ کرنا بھی ثابت ہے۔ میاں نذیر حسین دہلوی بانی فرقہ غیر مقلدین (۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں ''علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں ہے کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرف دلائل موجود ہیں (فتاویٰ اہلحدیث ج ۳/۱۶۱) جب دونوں امر ثابت ہیں تو احادیث میں تعارض نہ رہا۔ شاہین صاحب کا ترک کی تمام احادیث کو ضعیف کہنا باطل ہوا۔

خیانت نمبر ۵۲

مولانا عبدالحی صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ترک رفع یدین کی حدیث جو عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے حسن ہے لیکن شاہین صاحب نے مولانا کا نام لے کر جھوٹ بولا ہے کہ کسی کی بھی سند صحیح نہیں۔ (ص ۱۲)

خیانت نمبر ۵۳

مولانا عبدالحیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے تمام ساتھی رفع یدین نہیں کرتے تھے، شاہین نے یہ نقل نہیں کیا۔

خیانت نمبر ۵۴

مولانا نے لکھا تھا کہ رفع یدین سنت مؤکدہ نہیں ہے اور نہ کرنے والے کو ہرگز برا بھلا نہ کہنا چاہئے، مگر شاہین چونکہ یہ نہیں مانتا اس لئے اس نے درمیان سے یہ بات چھوڑ دی

خیانت نمبر ۵۵

رہا مولانا عبدالحیٰ ” کا یہ فرمان کہ رفع یدین کے راوی زیادہ ہیں اور ترک رفع یدین کے کم ہیں، مولانا کے معاصر مولانا محمد حسن سنبھلی (۱۳۰۵ھ) نے تنسیق النظام میں اس شبہ کو دور فرمادیا ہے، وہ فرماتے ہیں: **لیس فی جانب الرفع الاعدۃ احادیث فعلیۃ** ۔(ص ۵۴) ”رفع یدین کی روایات چند ایک ہیں وہ بھی صرف فعلی“ اور فرماتے ہیں: **اعلم ! ان الاحادیث المرفوعۃ والموقوفۃ فی جانب ترک الرفع ایضاً کثیرۃ عامتھا صحیحۃ اوحسنۃ** (ص ۵۱) جان لے بے شک ترک رفع یدین کی احادیث مرفوعہ اور موقوفہ بھی بکثرت ہیں اور اکثر صحیح یا حسن ہیں۔ پھر ترک رفع یدین کی قولی اور فعلی احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **فھذا کلہ من انموذج احادیث عدم رفع الیدین عامتھا فعلیۃ وما قبل الاخیر قولی اوردناھا لرغم انف من یختلق ان لا حدیث فی جانب ترک الرفع و عدمہ و نفیہ وانما الاحادیث قد**

تظافرت و تمالأت علی الرفع صحاحاً و حساناً و صفاناً ومع ذالک کله قد ترکنا کثیراً من الاخبار مخافة التطویل۔ (ص ۵۵) اگر شاہین صاحب کو اس جواب کا علم نہیں ہے تو جہالت کے باوجود قلم اٹھانا کون سا کمال ہے اور علم ہے تو ان کو جواب الجواب لکھنا چاہئے تھا۔

خیانت نمبر ۵۶

شاہین صاحب علم اصول سے بالکل ناآشنا ہیں، علامہ نسفی (۷۱۰ھ) فرماتے ہیں: والترجیح لا یقع بفضل عدد الرواة (المنار) یعنی راویوں کا زیادہ ہونا ترجیح کی کوئی وجہ نہیں ہے:

(۱)...... دیکھئے! بقول ناصر البانی سجدوں کے وقت رفع یدین کے ثبوت کے دس راوی ہیں اور ترک کے ایک آدھ پھر بھی شاہین صاحب نے ترک کو اختیار کیا ہے۔

(۲)...... رسول اللہ ﷺ کے جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی احادیث کے راوی تقریباً ۵۳ ہیں (کشف النقاب) اور جوتا اتار کر پڑھنے کے راوی دو تین سے زائد نہیں مگر شاہین صاحب جوتا اتار کر نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

(۳)...... ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کی احادیث متواتر ہیں اور ایک سے زائد کپڑوں کی نہ ہونے کے برابر، مگر شاہین صاحب اور ان کی مسجد کے سب نمازی ایک سے زائد کپڑوں میں نماز پڑھتے ہیں۔

(۴)...... روزہ کی حالت میں بوس و کنار کی احادیث متواتر ہیں اور روزہ میں بوسہ نہ لینے کی کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔

(۵)...... نماز میں بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنے کی صریح احادیث ہیں اور صراحتاً نفی کی کوئی روایت نہیں ہے مگر شاہین صاحب اور اس کی مسجد کے نمازی بغیر بچوں کو اٹھائے ہی نماز پڑھتے ہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو عام عادت ہو اس کی روایت کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو

سب کا عمل ہے اور کوئی انوکھا کام ہو تو اس کو لوگ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً شاہین صاحب کی مسجد میں لوگ جوتے اتار کر نماز پڑھتے ہیں اس کو لوگ عام طور پر بیان نہیں کرتے کیونکہ کوئی نئی بات نہیں کہ بیان کی ضرورت ہو ہاں وہ جوتوں سمیت ایک ہفتہ نماز پڑھادیں تو پورے علاقے میں شور مچ جائے گا۔ بچے، بوڑھے، اپنے، بیگانے سب روایت کریں گے۔ اس سے کوئی آدمی یہ سمجھ لے کہ یہ عمل شاہین صاحب کا اکثری ہے تو اس کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں۔ شاہین صاحب نماز میں بچوں کو نہیں اٹھاتے وہ صرف دو چار دن نمازیں اس طرح پڑھادیں کہ نماز میں جوتا پہنا ہو، صرف ایک کپڑا اور بچے کو اٹھایا ہوا ہو تو دیکھو اس کی روایت کتنی پھیلتی ہے، اسی لئے اہل اصول نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ کثرت روایت کثرت عمل کی دلیل نہیں ہوتی۔ مگر شاہین صاحب کو تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔

خیانت نمبر ۵۷

مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ نے رفع یدین کے ثبوت کے ساتھ ترک رفع یدین کو بھی مانا ہے البتہ وہ اس کا نام نسخ نہیں رکھتے۔ شاہین صاحب تو سرے سے ترک ہی نہیں مانتے۔ امام طحاویؒ، ابن الہمام، علامہ عینی اور دیگر احناف نے صرف ترک کی روایات کو دلیل نسخ نہیں بنایا کہ ایک نے رفع یدین کی حدیث روایت کی دوسرے صحابی کا عمل ترک رفع پر ہے۔ یہ ترک رفع واقعی دلیل نہیں بن سکتا کہ ہوسکتا ہے کہ اس کو روایت نہ پہنچی ہو۔ اگرچہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ نماز کوئی دو چار سال کے بعد پڑھی جانے والی عبادت نہیں کہ اس کی سنتیں حاضر باش صحابہ سے مخفی رہیں، یہ تو روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے، احناف کہتے ہیں کہ یہ روزانہ کئی دفعہ پیش آنے والا عمل ہے۔ مہاجرین وانصار اور حاضر باش صحابہ جو اگلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے ان سے اس کی بکثرت روایت ہونی چاہئے تھی جبکہ اکابر صحابہ میں سے کسی نے اس کو روایت نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں ایک بچے اور ایک مسافر کی روایت ہے جو صرف بیس رات رہا۔ امام مسلم نے ایک دوسرا مسافر اور تلاش کر لیا، صحیحین میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے، سنن میں اکابر میں سے صرف علیؓ کی روایت ملتی ہے وہ اگر صحیح ہو تو حضرت علیؓ

اوران کے ہزاروں ساتھیوں کا ہمیشہ بغیر رفع یدین کے نماز پڑھنا دلیلِ نسخ ہے۔ امام طحاویؒ کا فرمانا یہی ہے کہ اولوالاحلام اکابر صحابہ میں سے جس نے رفع یدین کی روایت کی ہے اس کا اپنا عمل ترک رفع یدین ہے۔ مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا کہ صرف ترک کو دلیلِ نسخ نہیں بنایا جا سکتا، یہ بات شاید قابل قبول ہوتی مگر بات یہ نہیں ہے، بات یہ ہے کہ رفع یدین کے راوی خود عادتاً تارک رفع یدین کے ہیں اور یہ دلیل نسخ ہے، چنانچہ مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ کے اس شبہ کو مولانا سنبھلی نے صفحہ ۵۲ پر اسی طرح دور فرمایا ہے جیسا کہ اوپر عرض ہوا۔

خیانت نمبر ۵۸

ص ۱۱۲ پر عنوان دیا ہے ''شاہ ولی اللہ اور رفع یدین'' پہلا اور عام دھوکہ تو شاہین صاحب کا یہ ہے کہ یہ تفصیل نہیں بتاتے، شاہ صاحب نے یہاں ۹ جگہ رفع یدین کا ذکر کیا ہے نہ کہ دس جگہ اور ۹ جگہ رفع یدین کرے دس جگہ نہ کرے تو شاہین صاحب کے نزدیک وہ نماز خلاف سنت متواترہ ہے۔ پھر شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت ﷺ نے بغیر رفع یدین کے بھی نماز پڑھی ہے جس کو شاہین صاحب نہیں مانتے۔ اس لئے **فعلہ مرۃ و ترکہ مرۃ** کی عبارت نہیں لکھی۔ پھر شاہ صاحب نے صراحتاً لکھا ہے کہ ترک رفع یدین والی نماز بھی سنت ہے، صحابہ وتابعین کی ایک جماعت اسی طرح نماز پڑھتی تھی لیکن شاہین صاحب نے یہ بات بھی نہیں لکھی کیونکہ ان کے خلاف تھی۔ اس کے بعد شاہین صاحب نے صرف اتنی بات لکھی کہ ''جو آدمی رفع یدین کرتا ہے وہ مجھے نہ کرنے والے سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے کہ رفع یدین کی احادیث اکثر اور زیادہ ثابت ہیں۔'' اکثریت کی بات تو تفصیلی جواب گزر چکا البتہ اس کے بعد جو شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے اس کو شاہین صاحب نے بالکل چھوڑ دیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں: اگرچہ مجھے رفع یدین زیادہ پیاری ہے مگر رفع یدین کر کے اپنے شہر میں اور عوام میں فتنہ ہرگز کھڑا نہیں کرنا چاہئے۔ جیسا رسول پاک ﷺ چاہتے تھے کہ خانہ کعبہ کو گرا کر بناء ابراہیم پر بنا دیا جائے لیکن امت کو فتنے سے بچانے کیلئے آپ نے اپنی چاہت چھوڑ دی۔ اگر شاہین صاحب شاہ صاحب کی نصیحت پر عمل کرتے تو کبھی یہ

فتنہ کھڑا نہ کرتے۔ پھر شاہ صاحبؒ کی یہ باتیں بھی اس دور کی ہیں جب وہ تقلید میں ڈھیلے ہونے لگے تھے۔ فرماتے ہیں: میری طبیعت تقلید کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ تقلید سے باہر نہ نکلنا۔ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا چار ائمہ سے کس کی تقلید کروں؟ فرمایا بے شک وشبہ مذہب حنفی نہایت پاکیزہ اور ستھرا طریقہ ہے اور سنت کے سب سے زیادہ قریب ہے (فیوض الحرمین) چنانچہ اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے الانصاف میں صراحتاً فرمایا کہ اس ملک میں صرف امام ابوحنیفہؒ کی تقلید ہی واجب ہے اور امام صاحب کی تقلید سے نکلنا حرام ہے، یہاں جس نے امام اعظم کی تقلید چھوڑ دی اس نے شریعت کی رسی گلے سے نکال پھینکی اور وہ بالکل بے کار رہ گیا۔

شاہین صاحب! آپ کو اگر تفصیل کا علم نہیں تھا تو اس جہالت پر کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی اور اس جہالت پر ضرور ضال مضل بننا تھا اور اگر آپ کو یہ تفصیل معلوم تھی تو حق پوشی کر کے اپنی بھی عاقبت برباد کی اور دوسروں کو بھی غلط راہ پر لگایا۔

خیانت نمبر ۵۹

صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے ”رفع یدین نماز کی زینت ہے“ پھر تو شیعوں کی نماز آپ سے زیادہ زینت والی ہے، یہاں تو شاہین صاحب نے دو اور دو چار روٹیوں والی مثال پوری ہی کر دی۔ شاہین صاحب اپنے دعویٰ کے مطابق دکھائیں کہ دس جگہ رفع یدین زینت ہے اور ۱۸ جگہ جو شیعہ کرتے ہیں، بدزیب ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے ہرگز یہ تصریح نہیں ملے گی، ویسے زینت خارجی زیبائش کو کہتے ہیں نہ کہ اندرونی زیبائش کو، تکبیر تحریمہ چونکہ شرط نماز ہے اس لئے اس کے ساتھ رفع یدین زینت بنے گی، اندرونی معاملات کا زینت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

خیانت نمبر ۶۰

صفحہ ۱۳ پر ابن سیرین کا قول لکھا ہے کہ رفع یدین نماز کی تکمیل کا باعث ہے اور اس پر جزء بخاری کا حوالہ دیا ہے جس کے راوی کی توثیق ہی ثابت نہیں اور اس میں یہ صراحت بھی نہیں کہ دس جگہ کی رفع یدین تکمیل کا باعث ہے اور ۱۸ جگہ نقصان کا باعث۔

اشعث فرماتے ہیں کہ امام حسن اور امام ابن سیرین دو سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے (ابن ابی شیبہ ج ۱/ص ۲۷۱) ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہی رفع یدین تکمیل کا باعث ہوگی، تو شاہین صاحب کی نماز تو پھر بھی ناقص کی ناقص ہی رہی، ایسی قسمت کی ہار ہے کوئی بات بنتی نہیں، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ بے چارہ بے فائدہ ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

خیانت نمبر ۶۱

صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں: رفع یدین کرنے پر نیکیاں ملتی ہیں، حضرت عقبہ بن عامر صحابی رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جو آدمی ایک دفعہ نماز میں رفع یدین کرتا ہے تو اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے گویا دو رکعت پر پچاس اور چار رکعت پر سو نیکیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔ (ص ۱۳) اگر یہ بات صحیح ہے تو شیعہ کو چار رکعت میں ۲۸۰ نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور غیر مقلدین ہر چار رکعت میں ۱۸۰ نیکیوں سے محروم رہتے ہیں۔ شاہین صاحب نے جو رطب و یابس ملا، لے لیا، دعویٰ موافق ہو یا نہ ہو اس سے غرض نہیں، حضرت عقبہ بن عامر کا قول رفع یدین کے بارے میں ہے ہی نہیں۔ طبرانی نے اس کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے وہاں رفع یدین کا ذکر نہیں، قیامت تک کسی صحیح تو کجا کسی ضعیف سند سے بھی رفع یدین کا لفظ نہیں دکھا سکتے، کنز العمال اور فتاویٰ علمائے حدیث میں یہ اشارہ کے باب میں ہے، طبرانی اور مجمع الزوائد میں بھی الاشارة الرجل یشیرھا الرجل بیدہ ہے اور اس کی سند بھی صحیح نہیں، اس کی سند میں ابن لہیعہ متکلم فیہ ہے اور مشرح بن عاہان ہے جس نے حجاج کے لشکر میں ہو کر خانہ کعبہ پر منجنیق سے گولہ باری کی تھی، (کذا فی العقیلی) بہرحال یہاں بھی اشارہ کی ضعیف بات کو رفع یدین پر لگا کر یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ پر عمل کیا ہے، وہ قیامت تک یہاں دس جگہ کی رفع یدین کا اثبات اور ۱۸ جگہ کی نفی نہیں دکھا سکتا۔

خیانت نمبر ۶۲

حضرت ابوبکرؓ اور رفع یدین کی حدیث نقل کی ہے جو نہ صحیح ہے، نہ دس جگہ رفع یدین کا اثبات دائمی اور نہ ہی ۱۸ جگہ دوام ترک ہے بلکہ شاہین صاحب کے نزدیک اس

حدیث میں مذکور صدیقی نماز خلاف سنت ہے کہ تیسری رکعت کی رفع یدین کا ذکر نہیں۔ لکھتا ہے: امام سبکی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ پختہ اور صحیح ہیں (بیہقی ج ۲/ص ۷۳) شاہین صاحب! امام بیہقی ۴۵۸ھ میں فوت ہو گئے تھے، امام سبکی ۸۵۶ھ میں فوت ہوئے تو امام بیہقی کی کتاب جو سبکی سے چار سو سال پہلے کی ہے اس میں سبکی کا قول کیسے آ گیا اور ابن حجر کی وفات اگرچہ ۸۵۲ھ میں ہے مگر اس نے بھی تلخیص الحبیر /ص ۸۲ پر سبکی کا قول نقل نہیں کیا، حوالوں میں اس قدر لاپرواہی تو کبھی نہ دیکھی نہ سنی۔

خیانت نمبر ۶۳

صفحہ ۱۴۳ پر ''حضرت عمر اور رفع یدین'' کا عنوان باندھ کر جو حدیث نقل کی ہے اس پر سنن دارقطنی کا حوالہ دیا ہے جو سنن دارقطنی میں بالکل ہے ہی نہیں۔

خیانت نمبر ۶۴

''جزء البخاری'' جیسی غیر معتبر کتاب کا حوالہ دیا ہے، اس میں بھی نہ کسی صحیح سند سے نہ حسن سند سے نہ ہی کسی ضعیف سند سے مذکور ہے، محض بے سند ہے۔

خیانت نمبر ۶۵

اب شاہین صاحب کہہ رہے ہیں کہ یہ غرائب مالک میں ہے جیسا کہ نصب الرایہ ج ۱/ ۴۱۶ پر ہے مگر وہاں بھی اس کا رد ہے کہ دارقطنی نے کہا ہے کہ خلف بن ایوب منفرد ہے اس کا کوئی متابع نہیں اور نصب الرایہ ج ۱/ص ۴۰۸ پر دارقطنی ہی کا قول غرائب مالک کے حوالہ سے درج ہے کہ امام مالک سے ۲۰ ثقہ راویوں نے یہ روایت ابن عمر سے بیان کی ہے۔ تو اصل بات یہ ملی کہ یہاں ابن عمرؓ کا نام غلط لیا گیا ہے، ابن عمر کی بجائے بیس راویوں کے خلاف ایک راوی خلف بن ایوب کی یہ بھول ہے اور اس خلف بن ایوب کے بارے میں ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ غالی مرجئہ تھا اس کی حدیث سے بچنا بہتر ہے کیونکہ وہ اہل السنۃ کے خلاف تعصب اور بغض رکھتا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں: ضعیف تھا، عقیلی اس کی احادیث کو منکر اور امام احمد ثابت نہیں مانتے (میزان الاعتدال ج ۱/ص ۶۵۹) جماعت کے

خلاف تو ثقہ کی روایت بھی شاذ ہوتی ہے چہ جائیکہ ضعیف کی روایت ہو، اس کے منکر ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

خیانت نمبر ٦٦

اس کے بعد بھی اس روایت میں ۹ جگہ رفع یدین کا ایک دفعہ کرنا مذکور ہے، نہ دسویں رفع یدین کا اثبات ہے نہ ۱۸ جگہ کی دائمی نفی، گویا شاہین صاحب کے نزدیک اس ضعیف و منکر روایت میں مندرجہ نماز بھی خلاف سنت ہے، شاہین کا عمل اس کے مطابق نہیں ہے۔

خیانت نمبر ٦٧

صفحہ ۲۴ پر ''حضرت علیؓ اور رفع یدین'' کا عنوان لکھا ہے اور طحاوی، جزء بخاری اور ابوداؤد کے حوالہ سے حضرت علیؓ کی حدیث لکھی ہے، پھر ص ۲۵ پر ترمذی، سنن دار قطنی، نصب الرایہ، التعلیق الممجد اور الدرایہ کا حوالہ دیا ہے۔ گویا یہ آٹھ کتابوں میں ہے، میں کہتا ہوں کہ ان کے علاوہ یہ حدیث ابن ماجہ ص ٦٢، ابن خزیمہ ج ۱/ص ۲۹۵، بیہقی ج ۲/ص ۷۴، مسند احمد ج ۱/ص ۹۳ پر بھی ہے۔ اب یاد رکھیں کہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، احمد، دار قطنی، بیہقی، طحاوی، نصب الرایہ، الدرایہ، التعلیق الممجد ان گیارہ کتابوں میں الفاظ یہ ہیں: **اذا قام من السجدتین** کہ رسول اللہ ﷺ جب دو سجدوں سے کھڑے ہوتے یعنی دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں تو رفع یدین کرتے، چونکہ شاہین صاحب ان دو جگہوں میں رفع یدین نہیں کرتے اس لئے حدیث کے الفاظ بدل کر سجدتین کی جگہ رکعتیں کر دیئے۔ ان گیارہ کتابوں کے خلاف غیر معتبر رسالہ جزء رفع یدین میں صرف ایک جگہ رکعتین ہے، دوسری جگہ اس میں بھی سجدتین ہے۔ دیکھو! یہ کس قدر بددیانتی ہے۔

خیانت نمبر ٦٨

پھر شاہین صاحب اس کو بڑے زور سے صحیح کہہ رہے ہیں، اس کا پھر اس میں بارہ جگہ رفع یدین کا اثبات ایک دفعہ ہے نہ کہ دائمی اور باقی ۱٦ جگہ کی نفی بھی نہیں۔ اس حدیث

میں مذکورہ نماز شاہین صاحب کی نماز کے موافق نہیں ہے پھر نمبر بڑھانے سے کیا فائدہ۔

خیانت نمبر ۶۹

شاہین صاحب نہ ہی خدا یا رسول سے اسکا صحیح ہونا ثابت کر سکا ہے نہ ہی امتیوں والی صحیح حدیث کی تعریف آتی ہے، اس میں رفع یدین کا ذکر کرنے میں عبد الرحمٰن بن ابی الزناد منفرد ہے۔ یہ بات طحاوی میں لکھی ہے جسکا حوالہ شاہین صاحب نے دیا ہے اور اس کا حافظہ آخری عمر میں جب بغداد آیا خراب ہو گیا تھا اور اس سے رفع یدین کی روایت کرنے والے راوی بھی بغدادی ہیں اس دور کی اس کی روایتیں صحیح نہیں۔

خیانت نمبر ۷۰

طحاوی نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت علیؓ صحیح روایت کے مطابق رفع یدین نہیں کرتے تھے جو رفع یدین کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتا تھا۔ (ج ۱/ص ۲۳۶) شاہین صاحب نے یہ بھی بیان نہیں کیا۔

خیانت نمبر ۷۱

صفحہ ۱۴ پر ''حضرت انسؓ اور رفع یدین'' کا عنوان باندھا ہے اور ابن ماجہ ص ۶۲ اور بیہقی ج ۲/ص ۷۴ کا حوالہ دیا ہے، بیہقی میں تو صرف بغیر کسی سند کے محض حضرت انسؓ کا نام ہے، حدیث کے کوئی الفاظ نہیں اور اذا رفع رأسہ من الرکوع کے الفاظ ابن ماجہ میں بھی نہیں ہیں۔ دار قطنی ج ۱/ص ۲۹۰ پر واذا سجد کے الفاظ بھی ہیں اور ساتھ یہ بھی صراحت ہے کہ یہ نبی ﷺ کی حدیث نہیں ہے، یہ حضرت انسؓ کا اپنا فعل ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱/ ۲۷۱ پر ہے کہ حضرت انسؓ دونوں سجدوں کے درمیان بھی رفع یدین کرتے تھے۔ الغرض یہ حدیث مرفوع ہے ہی نہیں، نہ ان الفاظ سے کسی کتاب میں ہے، پھر حضرت انسؓ کا عمل بھی شاہین صاحب کے موافق نہیں، نہ اسمیں دس جگہ کی دائمی رفع کا اثبات نہ ۱۸ جگہ دائمی ترک کا ذکر تو آخر اس فریب دہی سے کیا فائدہ؟

خیانت نمبر ۷۲

صفحہ ۱۴۴ پر لکھا ہے ''حضرت ابن عباسؓ اور رفع یدین'' اور سنن ابن ماجہ ص ۶۲ اور جزء رفع یدین للبخاریؒ ص ۱۷ کا حوالہ دیا ہے لیکن ابن ماجہ ص ۶۲ پر تو ہے کہ رسول اقدس ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے مگر شاہین صاحب کا اس پر عمل نہیں، اس کے مطابق وہ ہر چار رکعت میں ۱۶ سنتوں کے تارک ہیں اس لئے حوالہ ابن ماجہ کا دیا اور الفاظ اس کے نہیں لکھے اور جزء رفع یدین جیسی غیر معتبر کتاب میں بھی اس کی نہ کوئی صحیح سند ہے نہ حسن نہ ضعیف اور نہ ہی اس میں دس جگہ رفع یدین کا دائمی اثبات نہ ہی ۱۸ جگہ کا دائمی ترک۔

خیانت نمبر ۷۳

احمد، ابوداؤد اور طبرانی میں ہے کہ میمون مکی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا: میں نے عبداللہ بن زبیر کے علاوہ کبھی کسی کو رفع یدین کر کے نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دور صحابہ و تابعین میں رفع یدین والی نماز کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود ابن عباسؓ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے کیونکہ میمون مکی نے ابن زبیرؓ کے علاوہ سب کی نفی کر دی ہے، کاش! شاہین صاحب اس حقیقت کو بھی بیان کر دیتے۔

خیانت نمبر ۷۴

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے قولی فتویٰ میں نماز میں پہلی تکبیر کے بعد اور حج میں چھ جگہ کے علاوہ رفع یدین سے صراحتاً منع فرمایا۔ یہ فتویٰ نصب الرایہ ج ۱/ص ۳۹۱ پر ہے جو شاہین صاحب کے پیش نظر ہے، اس کا فرض تھا کہ اس قولی فتویٰ کے مقابلہ میں کوئی فتویٰ پیش کرتا، مگر کہاں سے۔

خیانت نمبر ۷۵:

''حضرت ابو ہریرہؓ اور رفع یدین'' کا عنوان لکھا ہے اور ابوداؤد ج ۱/ص ۱۱۲، بیہقی ج ۲/ص ۷۴، تلخیص الحبیر اور نصب الرایہ کا حوالہ دیا ہے (ص ۱۵) بیہقی میں تو یہ حدیث

بالکل موجود ہی نہیں، محض بے سند نام مذکور ہے وہ بھی جزء جیسی نامعتبر کتاب کے حوالہ سے نہ کوئی صحیح سند نہ حسن نہ ضعیف۔

خیانت نمبر ۷۶

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث صحیح بخاری ج ۱/ص ۱۱۰ پر ہے وہاں رفع یدین کا ذکر بالکل نہیں محض تکبیرات کا ذکر ہے۔ رفع یدین کا ذکر ابوداؤد میں یحییٰ بن ایوب نے کیا ہے جس کے بارے میں تقریب میں ہے: صدوق ربما اخطأ باوجود خطا کار ہونے کے ثقات کی مخالفت کر رہا ہے، تو حدیث شاذ ہوئی اور شذوذ صحت کے منافی ہے۔

خیانت نمبر ۷۷

شاہین صاحب نے تلخیص الحبیر کے حوالہ سے لکھا ہے: رجاله رجالٌ صحیح یہ فقرہ ہی غلط ہے وہاں رجاله رجال الصحیح ہے، یہ فقرہ ابن حجر نے زیلعی سے لیا ہے۔ شیخ ابن دقیق العید الشافعی (۶۲۱۔۷۰۲ھ) فرماتے ہیں: ھؤلاء کلھم رجال الصحیح لیکن اس کے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ یحییٰ بن ایوب کی متابعت عثمان بن الحکم الجذامی نے اور صالح بن ابن الاخضر نے کی ہے مگر پہلے کو دارقطنی نے اور دوسرے کو ابن ابی حاتم نے ضعیف کہا ہے۔ پھر دارقطنی اور ابن ابی حاتم دونوں سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں رفع یدین کا ذکر صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح تکبیر کہنے کا ذکر ہے (نصیب الرایہ ج ۱/ ص ۴۱۴) مگر اس جرح کا جواب نہ حافظ ابن حجر نے دیا جن کا وصال ۸۵۲ھ میں ہے اور شروع کا فقرہ لکھ دیا کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ یہ ان کے تعصب کی غمازی کرتا ہے اور نہ ہی یہ قرضہ شاہین صاحب اتار سکے، تقریباً ۷۰۰ سال کا یہ قرضہ باقی ہے۔ اس لئے شاہین صاحب نے یہ چالاکی کی کہ یہ جملہ نصب الرایہ کی بجائے تلخیص الحبیر سے لکھا۔

کیا شوخیاں دکھائے گا اے نشتر جنوں
مدت سے ایک زخم جگر ہی چھلا نہیں

خیانت نمبر ۷۸

صحیح ابوداؤد شریف شاہین صاحب کے سامنے ہے، وہاں حضرت ابوہریرہؓ کی دوسری حدیث کو ترک رفع یدین کے باب میں ابوداؤد نے درج فرمایا ہے اور موطا امام محمدؒ میں نہایت صحیح سند سے آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، اس کے بعد ہر اونچ نیچ میں صرف تکبیر کہتے تھے، اس طرح حق پوشی کیوں کی؟

خیانت نمبر ۷۹

ابوداؤد سے جو حدیث نقل کی: **واذا رفع للسجود فعل مثل ذلک** اور جب سجدہ کیلئے اٹھتے تو اسی طرح (رفع یدین) کرتے، اس سے سجدہ کے وقت رفع یدین کرنا ثابت ہو رہا ہے جو شاہین صاحب نہیں کرتے تو آپ نے سجدہ کا ترجمہ رکوع سے کر دیا اور لکھ دیا ''اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح رفع یدین کرتے''۔

خیانت نمبر ۸۰

''براء بن عازب اور رفع یدین'' صفحہ ۱۵ لکھا ہے اور بیہقی ج ۲/ص ۷۷ سے حدیث نقل کی ہے: **ابراهيم بن بشار ثنا سفيان ثنا يزيد بن ابى زياد بمكة عن عبدالرحمن بن ابى ليلٰى عن البراء بن عازب قال: رأيت النبى صلى الله عليه وسلم اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه و اذا اراد ان يركع و اذا رفع راسهٗ من الركوع قال سفيان فلما قدمت الكوفة سمعتهٗ يقول يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا يعود فظننت انهم لقنوهٗ** (بیہقی ج ۲/ص ۷۷ **باب من لم يذكر الرفع عند الركوع**)

ترجمہ:

ابراہیم بن بشار کا بیان ہے کہ سفیان نے بیان کیا ہے کہ مکہ میں یزید بن ابی زیاد نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے حضرت براء بن عازب کی حدیث یوں بیان کی کہ میں نے

دیکھا: رسول اقدس ﷺ نے جب نماز شروع کی ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع کا ارادہ کیا اور جب رکوع سے سر اٹھایا۔ سفیان نے کہا: جب میں کوفہ آیا پھر میں نے یہ سنا کہ یزید یوں حدیث بیان کرتا تھا کہ آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ سفیان کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے انہوں نے اس کو سکھا دیا ہے (بیہقی ج ۲/ص ۷۷) شاہین صاحب نے نہ شروع سے روایت کا حصہ نقل کیا نہ آخر سے۔

خیانت نمبر ۸۱

بیہقی کے حاشیہ میں اسی صفحہ پر ابن ترکمانی (۷۴۹ھ) نے شیخ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) سے نقل کیا تھا کہ اس حدیث میں رکوع کی رفع یدین کا ذکر بقول حکم (شیعہ) بھی ابراہیم بن بشار کے سوا کسی اور نے نہیں کیا۔ شاہین صاحب قیامت تک اس کا کوئی متابع پیش نہیں کر سکتے۔

خیانت نمبر ۸۲

پھر اسی صفحہ پر ابن ترکمانی (۷۴۹ھ) نے جواب دیا تھا کہ یہ ابراہیم بن بشار جس نے سب کے خلاف یہاں رکوع کی رفع یدین کا ذکر کیا ہے، امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں، امام احمد نے بھی اس کی بہت مذمت کی ہے، ابن معین نے کہا: وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، جب سفیان روایت بیان کرتا تو وہ بالکل نہیں لکھتا تھا، میں نے اس کے ہاتھ میں کبھی قلم نہیں دیکھا اور سفیان کا نام لے کر لوگوں کو ایسی باتیں لکھوا دیتا تھا جو سفیان نے کبھی نہ کہی ہوتیں (الجوہر النقی ج ۲/ص ۷۷)

یہ ہے روایت جس کو شاہین صاحب بڑے فخر سے پیش کر رہے ہیں اور ترجمہ بھی غلط کیا ہے، رفـع یـدیـه کا معنی ہے: ''رفع یدین کیا'' یعنی ایک مرتبہ نہ کہ رفع یدین کرتے۔

خیانت نمبر ۸۳

پھر اس جھوٹی روایت میں بھی صرف ۹ جگہ ایک دفعہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ نہ دس جگہ کا ذکر نہ دوام کا، نہ ۱۸ جگہ دوام ترک کی تصریح اور ایسی نماز تو خود شاہین صاحب کے نزدیک خلاف سنت متواترہ ہے۔

خیانت نمبر ۸۴

شاہین صاحب اس کے راوی یزید بن ابی زیاد کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ ''ضعیف کوفی راوی ہے اور ہے بھی شیعہ (پھر سوال کرتے ہیں) کسی سنی راوی کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے؟ اب شیعوں کی روایات پر عمل شروع کر دیا ہے؟ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ کہیں اس لئے تو نہیں کہ فقہ جعفریہ اور حنفیہ کا خمیر کوفہ سے اٹھا ہے؟ اس لئے امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ شیعہ ہے اور اس کا حافظہ بھی خراب ہے، امام ابن المبارک فرماتے ہیں اسے پھینک دو، امام یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث دلیل و حجت نہیں بن سکتی۔ محدثین کے اقوال ہم نے مختصر نقل کئے ہیں دیگر کئی ماہر و مستند محدثین نے بھی اس پر صریح جرح کی ہے'' (رسالہ شاہین/ص ۲۰، ۲۱) شاہین صاحب! جب یہ راوی شیعہ بھی ہے ضعیف بھی تو آپ نے اس کی حدیث کیوں لکھی۔ کہیں اس لئے تو نہیں کہ غیر مقلدیت شیعیت ہی کی شاخ ہے، اس نے کب شیعیت سے توبہ کی تھی؟ ایک ہی راوی پر ایک جگہ شدید جرح کرنا اور جب ضرورت پڑے اسی کی حدیث لے لینا، کیا یہی شانِ غیر مقلدیت ہے؟

خیانت نمبر ۸۵

اس حدیث براءؓ میں دو مسئلے ہیں، ایک یہ کہ ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، دوسرا یہ کہ ہاتھ کتنی بار اٹھائے جائیں، محدث کی عادت ہوتی ہے کہ جب ایک مسئلہ بتانا ہو تو اتنی حدیث بیان کرتے ہیں اور جب دونوں بتانے ہوں تو مکمل، یہ نہ شرعاً گناہ ہے نہ عرفاً۔ یزید بن ابی زیاد کوفی ہیں ان کی اس حدیث کے دونوں مسئلے (کہ پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھائے جائیں اور اس کے بعد نماز میں کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں) اہل کوفہ میں

عملاً بھی متواتر تھے اور سنداً بھی۔ یزید بن ابی زیاد کے شاگرد اسی حدیث میں (۱) سفیان بن عیینہ، (۲) سفیان ثوری، (۳) شریک، (۴) ہیثم، (۵) اسماعیل بن زکریا (۶) شعبہ، (۷) اسرائیل، (۸) حمزہ الزیات، (۹) عبداللہ بن ادریس، (۱۰) علی بن عاصم، (۱۱) خالد بن عبداللہ، (۱۲) اسباط بن احمد، (۱۳) الجراح، (۱۴) صالح بن عمر اور (۱۵) زہیر ہیں، ان ۱۵ نے پہلا مسئلہ بیان کیا اور ان میں سے پہلے دس نے دونوں مسئلے بیان کئے ان پندرہ شاگردوں میں سے ۱۳ نے کوئی بات نہیں کی وہ پہلے اتنی حدیث بیان کرتے تھے بعد میں اتنی۔ ان ۱۳ کی روایت سنداً بھی متواتر ہے اور عملاً بھی۔ شاہین صاحب نے ان تیرہ کی روایت کو چھپا کر یہود اور روافض کے کتمان حق کو بھی مات کر دیا۔

خیانت نمبر ۸۶

سفیان بن عیینہ نے اپنی آخری عمر میں کہا کہ وہ پہلے ''لا یعود'' نہیں کہتا تھا جب مکہ میں تھا اور جب کوفہ گیا تو کہنے لگا، لیکن علی بن عاصم نے اس کے برعکس کہا ہے کہ یزید بن ابی زیاد پہلے ''لا یعود'' کہتا تھا، بعد میں کہنے لگا: مجھے یاد نہیں (دارقطنی) شاہین نے پہلی بات بیان کی دوسری بیان نہیں کی۔

خیانت نمبر ۸۷

سفیان بن عیینہ اگرچہ بہت ثقہ راوی تھے لیکن آخری عمر میں ان کو اختلاط ہو گیا تھا، چنانچہ امام یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں: بے شک سفیان بن عیینہ کو ۱۹۷ھ میں اختلاط ہو گیا تھا (میزان الاعتدال ج۱/ص۱۷۱) ذہبی نے اس کا انکار کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ نفی کی شہادت ہے جو مقبول نہیں ہوتی۔

اس اختلاط کی واضح دلیل یہ ہے کہ یزید بن ابی زیاد کا مکہ میں رہنا ثابت ہی نہیں، خود کہتے ہیں کہ امام حسینؓ کی شہادت کے وقت ۱۴، ۱۵ سال کا تھا اور وہیں کوفہ میں ان کی وفات ۱۳۷ھ میں ہو گئی (تہذیب التہذیب ج۱۱/ص۳۳۰) اور سفیان بن عیینہ یزید بن ابی زیاد کی وفات کے ۲۶ سال بعد کوفہ سے مکہ آئے اور پھر وفات (۱۹۸ھ) تک مکہ

میں ہی رہے۔ (یعنی دوبارہ کوفہ گئے ہی نہیں اور جاتے بھی تو یزید بن ابی زیاد کو فوت ہوئے مدتیں گزر چکی تھیں) (تہذیب ج ۳/ص ۱۲۲) شاہین صاحب نے جو روایت نقل کی اس میں یہ مکہ اور کوفہ کا ذکر تھا، اس کو رسالہ میں نقل نہیں کیا۔ جب نہ یزید بن ابی زیاد مکہ میں رہے نہ سفیان نے مکہ سے ان کی روایت سنی کیونکہ وہ تو مکہ میں یزید کی وفات کے ۲۶ سال بعد آئے تو معلوم ہوا کہ رکوع والی رفع یدین کا ذکر جس حدیث میں ہے وہ ۱۵ سندوں کے خلاف بھی ہے اور بالکل جھوٹی ہے کیونکہ مکہ میں ان دونوں کا اکٹھا آباد ہونا ہی حقائق کے خلاف ہے، عملی اور اسنادی تواتر کے خلاف جھوٹی حدیث پر شاہین کا اعتماد ہے اور شاہین بے چارہ کر بھی کیا سکتا ہے، اس یتیم اور لاوارث مذہب کی بنیاد ہی شاذ اور منکر روایات پر ہے۔

خیانت نمبر ۸۸

ایک راوی نے دونوں مسئلے روایت کر دیئے ایک نے ایک روایت، اس میں کوئی اختلاف نہیں، لیکن شاہین صاحب کی پیش کردہ جھوٹی روایت یقیناً ان متواتر سندوں کے خلاف ہے جن میں پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین کی نفی ہے اور متواتر تعامل کے بھی خلاف ہے۔ متواترات کے خلاف جھوٹی روایات پر اعتماد جھوٹا مذہب ہی کر سکتا ہے۔

خیانت نمبر ۸۹

صفحہ ۱۵ پر حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت کا ذکر ہے جس میں صرف ۹ جگہ صرف ایک دفعہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، نہ دس دفعہ کا دوام نہ ہی ۱۸ جگہ کا دائمی ترک لیکن شاہین صاحب نے ترجمہ بجائے ''رفع یدین کیا'' کے ''رفع یدین کرتے'' کر دیا ہے، جو غلط ہے۔

خیانت نمبر ۹۰

صفحہ ۱۸ پر شاہین صاحب نے عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو نہ ماننے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ''اس حدیث کی سند کا دارومدار راوی عاصم بن کلیب پر ہے، جس کے بارے میں امام علی بن المدینی ۲۳۴ھ فرماتے ہیں کہ یہ جس حدیث کو اکیلا بیان کرے تو وہ دلیل اور

حجت نہیں بن سکتی، اس لئے یہ حدیث ضعیف ہے اور رفع یدین کے ترک کے لئے اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔'' لیکن شاہین صاحب کی اس پیش کردہ حدیث کا دارومدار بھی اسی راوی عاصم بن کلیب پر ہے اور وہ یہاں منفرد ہے، اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔ قرآن پاک نے یہود بے بہود کی یہ عادت بیان کی ہے: كُلَّمَا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَاتَهْوٰىٓ اَنْفُسُهُمْ ۔ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۔ (۵:۷۰) جب لایا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم جو خوش نہ آیا ان کے جی کو تو بہتوں کو جھٹلایا اور بہتوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ یہی حال ان غیر مقلدین کا ہے جو حدیثِ رسول اللہ ﷺ ان کے جی کو اچھی نہ لگے اس کو جھٹلاتے ہیں اور غیر معقول جرحوں سے اس کو قتل کر دیتے ہیں۔

خیانت نمبر ۹۱

ابوداؤد شریف سے وہ روایت تو نقل کر دی جس میں ایک دفعہ ۹ جگہ رفع یدین کا ذکر ہے مگر اس کے متصل حضرت وائل بن حجرؓ کی دوسری آمد کی حدیث تھی کہ دوسری آمد کے وقت سب صحابہ کو نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے دیکھا، اس میں کسی ایک صحابی کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا، اس کو شاہین صاحب نے نقل نہیں کیا۔ کاش شاہین صاحب اس آیت کریمہ کو یاد کر لیتے: فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰىٓ اَنْ تَعْدِلُوْا ''سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں۔'' کیا شاہین صاحب کو خدا اور رسول ﷺ نے اس ناانصافی کا حکم دیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ صرف اس کے دل کی خواہش نے اس بے انصافی پر اس کو آمادہ کیا۔

خیانت نمبر ۹۲

امام ابراہیم نخعیؒ (۹۵ھ) نے حضرت وائل بن حجرؓ کی ایک دفعہ ۹ جگہ رفع یدین کرنے کی حدیث سن کر پورے یقین سے فرمایا کہ میں نے پہلی تکبیر کے بعد نہ کسی کو رفع یدین کرتے سنا نہ دیکھا (موطا محمد) کیا شاہین صاحب کا فرض نہ تھا کہ اس تابعی کا فیصلہ بھی اس حدیث کے متعلق بیان کر دیتے کہ یہ حدیث عہد صحابہ و تابعین میں متروک العمل تھی اور صحابہ و تابعین کا عملی تواتر اسی پر تھا کہ پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے

بعد نہیں کرتے تھے۔

خیانت نمبر ۹۳

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل کوفہ کا شروع سے پورے خیر القرون میں ترک رفع یدین پر اجماع رہا جیسا کہ التعلیق الممجد سے ظاہر ہے اور یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت وائل بن حجرؓ بھی آخری عمر میں کوفہ میں آباد رہے۔ نہ ہی شاہین صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت وائل بن حجرؓ نے اس حدیث کی بنا پر اہل کوفہ کو کبھی مناظرے کا چیلنج دیا ہو، ان کی نمازوں کو خلاف سنت کہا ہو، بلکہ وہ قیامت تک نہ بھی کسی صحیح یا حسن تو کجا کسی ضعیف سند سے بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ حضرت وائل بن حجرؓ اپنی آخری زندگی کے قیامِ کوفہ میں دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے اور ۱۸ جگہ ہمیشہ ترک کرتے تھے۔ کیا شاہین کا فرض نہیں تھا کہ اس کا ثبوت پیش کرتا لیکن یہ وہ قرض ہے جس کو شاہین بلکہ اس کی پوری پارٹی بھی مل کر نہیں چکا سکتی، دیدہ باید۔

خیانت نمبر ۹۴

شاہین صاحب نے عجیب کرتب دکھایا ہے، ابوداؤد شریف کے جس صفحہ سے حضرت وائلؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے اس سے اوپر بھی حضرت وائلؓ کی ہی حدیث تھی جس میں سجدوں کے وقت رفع یدین کرنے کا بھی ثبوت تھا۔ نہ تو اس حدیث کو مانا اور جو نقل کی اس کے بعد صرف پہلی تکبیر کی رفع یدین کی حدیث ہے اس کو بھی نہیں مانا۔ اگر شاہین صاحب کہیں کہ ''اس میں رکوع وغیرہ کی رفع یدین کی نفی نہیں ہے'' تو شاہین صاحب کی پیش کردہ حدیث میں بھی سجدوں کی رفع یدین کی نفی نہیں ہے، اگر شاہین صاحب اوپر والی حدیث بھی مانتے ہیں تو شیعہ بنتے ہیں اور سب سے نیچے والی مانتے ہیں تو سنی بنتے ہیں اگر نہ اوپر والی مانیں نہ نیچے والی، صرف درمیان والی مانیں تو منکر حدیث بنتے ہیں کیونکہ اوپر اور نیچے والی کا تو صاف انکار کر دیا اور یہ درمیان والی میں بھی تیسری رکعت کے شروع کی رفع یدین نہیں ہے، وہ حدیث بھی ان کے نزدیک خلاف سنت ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

خیانت نمبر ۹۵

صفحہ ۱۶ پر ابوحمید الساعدی کی حدیث نقل کی ہے کہ لیکن یہاں شاہین صاحب صحیح بخاری شریف سے منحرف ہو گئے کیونکہ یہ حدیث صحیح بخاری ج ۱/ص ۱۱۴ پر ہے اس میں صرف ایک رفع یدین کا ذکر ہے پہلی تکبیر کے وقت کا، اس کا نام تک نہیں لیا۔

خیانت نمبر ۹۶

اس میں جس راوی نے رفع یدین کی زیادتی کی ہے اس کا نام عبدالحمید بن جعفر ہے جو متکلم فیہ ہے (طحاوی) اس میں محمد بن عمرو بن عطاء کے سماع ابوحمید سے امام ابوحاتم نہیں مانتے اور وہ اس حدیث کو مرسل قرار دیتے ہیں (کتاب العلل ابن ابی حاتم ص ۱۶۳) محمد بن عمرو بن عطاء اس کو عباس بن سہل سے روایت کرتے ہیں، امام ابوداؤد عبداللہ بن المبارک سے روایت کرتے ہیں: **اخبرنا فلیح سمعت عباس بن سھل الساعدی فلم احفظہ** یعنی یہ حدیث اچھی طرح یاد نہیں رہی مگر ان باتوں کا کوئی جواب شاہین صاحب نے نہیں دیا۔

خیانت نمبر ۹۷

امام احمد، ترمذی، ابن حبان، ابن ماجہ اور نسائی نے لفظ **رفع یدیہ** روایت کیا ہے نہ کہ **یرفع یدیہ**. یہ لفظ شاذ ہے صرف ایک دفعہ رفع یدین کا ذکر ملا نہ کہ ہمیشہ رفع یدین کرنے کا۔

خیانت نمبر ۹۸

احمد، ترمذی اور نسائی نے دو سجدوں کے بعد رفع یدین روایت کی ہے، امام ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ عبدالحمید کی روایت کی طرح تیسری رکعت کی رفع یدین اور تورک کا

ذکر دوسرے راوی نے نہیں کیا مگر شاہین صاحب اس کو سنت سمجھے بیٹھے ہیں۔

خیانت نمبر ۹۹

شاہین صاحب نے کہا کہ دس صحابہ نے تصدیق کی حضور ﷺ ایسی نماز پڑھا کرتے تھے، یہ جملہ نہ (۱) عباس کی روایت میں نہ محمد بن عمرو بن عطا سے (۲) محمد بن عمرو بن حلحلہ نے نہ (۳) عبدالکریم بن الحارث نے اور نہ ہی (۴) عیسیٰ بن مالک نے روایت کیا ہے نہ ہی عبدالحمید سے (۵) ہثیم اور (۶) یحیٰ بن سعید نے روایت کیا ہے۔ اس کے ذکر کرنے میں صرف ابو عاصم منفرد ہے اس کی تفصیل طحاوی میں ہے اور پھر یہ بھی اختلاف ہے کہ انہوں نے کان یصلی کہا تھا جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے یا صرف صلی کہہ کر ایک ہی دفعہ کی نماز کا بیان کیا جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔

خیانت نمبر ۱۰۰

شاہین صاحب اپنا مسلک کہ چار رکعت نماز میں دس جگہ دوام رفع یدین اور ۱۸ جگہ ہمیشہ رفع یدین چھوڑنے کو بالکل ثابت نہیں کر سکے نہ قیامت تک کر سکیں گے انشاء اللہ العزیز اور اس ناکامی کا غصہ آخر میں بے چارے حنفیوں پر جھاڑ رہے ہیں کہ اس حدیث میں تو تورّک کا ثبوت ہے۔ اس کے بارے میں حنفی کہتے ہیں یہ آپ ﷺ بڑھاپے میں کرتے تھے، مولانا! غصہ تھوک دیجئے: اس حدیث میں تورّک کا ثبوت صحیح نہیں ہے۔ ابوداؤد میں ہی اگلے صفحے کی اسی روایت میں لم یتورک ہے اور ابوداؤد نے بھی کہا ہے کہ عبدالحمید کی طرح دوسرے راوی نے تورّک ذکر نہیں کیا تو تورّک کا ذکر ہی شاذ ہے۔

خیانت نمبر ۱۰۱

اپنے رسالہ کے آخری صفحہ پر ایک جھوٹی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت ہمیشہ وفات تک رفع یدین کرتے تھے (ص ۳۲) اس سے صاف معلوم ہوا کہ تیسری رکعت کے شروع کی رفع

یدین کا دوام اور ۱۸ جگہ ترک رفع یدین کا دوام تو شاہین صاحب کسی جھوٹی حدیث سے بھی نہیں دکھا سکے، اس لئے پہلے تیسری رکعت کے شروع کی رفع یدین کرنے اور ۱۸ جگہ ترک رفع یدین سے توبہ نامہ شائع کریں پھر اس حدیث کو صحیح ثابت کریں۔

خیانت نمبر ۱۰۲

اس جھوٹی روایت کا پہلا راوی امام بیہقی ہے جس نے حیات النبی ﷺ پر مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو کہ آپ کے نزدیک شرک ہے اور وہ امام شافعیؒ کی تقلید شخصی کرتے ہیں (دیکھو! طبقات الشافعیہ) اور یہ بھی آپ کے نزدیک شرک ہے۔ آپ ان کے بارے میں کسی ایک مستند کتاب میں یہ جملہ دکھادیں: **کان لا یجتھد و لا یقلد** کہ نہ وہ اجتہاد کی اہلیت رکھتے تھے نہ تقلید کرتے **و کان غیر مقلد** اور وہ غیر مقلد تھے۔ ویسے تو شاہین صاحب نے ٹیپ میں اہلحدیث ہونے کا انکار کر دیا ہے لیکن مسلم ہو کر ڈبل مشرک کی روایت پیش کرنا کہاں کا اسلام ہے؟

خیانت نمبر ۱۰۳

اس جھوٹی روایت کا دوسرا راوی بعض محدثین کے نزدیک شیعہ، بعض کے نزدیک غالی شیعہ اور بعض کے نزدیک رافضی خبیث ہے (میزان، لسان) اس کے تیسرے راوی جعفر بن محمد بن نصر کی بھی توثیق ثابت کریں۔

خیانت نمبر ۱۰۴

اس جھوٹی روایت کا چوتھا راوی عبدالرحمٰن متھم بوضع الحدیث ہے (جس پر حدیثیں گھڑنے کی تہمت لگی ہوئی ہے) جس کا نام عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہے (میزان) ایسے راوی کی حدیث متروک اور واہی کہلاتی ہے۔ اس کا پانچواں راوی عبداللہ بن احمد الدجی ہے اس کی توثیق بھی شاہین صاحب کے ذمہ ہے کہ ثابت کریں اور چھٹا راوی الحسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی ہے، اس کی توثیق بھی ثابت کرنا ضروری ہے۔

خیانت نمبر ۱۰۵

اس جھوٹی حدیث کا چھٹا راوی عصمہ بن محمد انصاری ہے جو بہت بڑا جھوٹا تھا اور جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا (میزان الاعتدال) اس جھوٹی اور نامکمل حدیث پر اپنا رسالہ ختم کر کے اپنا ٹھکانا یقیناً جہنم میں ریزرو کروالیا ہے۔

خیانت نمبر ۱۰۶

جب نبی پاک ﷺ کے ذمہ جھوٹی حدیث لگانے سے شاہین صاحب کو شرم نہیں آتی تو مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ پر جھوٹ بولتے کیا شرم آتی، ان کے ذمہ یہ جھوٹ لگا دیا کہ ''یہ روایت ایک حنفی محقق پایہ کا عالم تسلیم کر رہا ہے۔'' مولانا! جھوٹ نہ بولا کریں مولانا عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے صفحہ پر پوری صراحت سے تسلیم فرمایا ہے کہ حضور ﷺ سے ترکِ رفع یدین ثابت ہے، جب ترک ثابت ہو گیا تو ہمیشگی کیسے رہی۔ مولانا! اگر کوئی اصول دنیا میں ایسا ہے کہ جس حدیث کی سند میں دو کذاب ہیں، ایک رافضی خبیث اور تین نامعلوم ہوں وہ حدیث صحیح ہوتی ہے؟ ان مندرجہ ذیل دو حدیثوں کو آپ کیوں نہیں مانتے جن کی سندوں میں صرف ایک ایک کذاب ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : من رفع یدیہ فی الرکوع فلا صلوۃ لہ (نصب الرایہ ج ۱/ص ۴۰۴) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جس نے رکوع کی رفع یدین کی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یاد رہے حاکم شیعہ اور ابن الجوزی متشدد کا کوئی قول بغیر دلیل مانا نہیں جائے گا۔ **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال : من رفع یدیہ فی الصلوۃ فلا صلوۃ لہٗ** (نصب الرایہ ج ۱/ص ۴۰۵) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا: جس نے نماز میں رفع یدین کی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ ان دونوں روایتوں میں ایک ایک راوی کذاب ہے، ان کو رد کر کے اس حدیث کو کیسے آپ نے مان لیا جس میں دو کذاب، ایک رافضی خبیث اور متعدد مجہول ہیں۔

معزز قارئین! گزشتہ معروضات سے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی کہ کیا شاہین اور کیا پوری دنیائے غیر مقلدیت نہ ہی دس جگہ رفع یدین کا دائمی حکم اور نہ ہی ۱۸ جگہ کی دائمی منع دکھا سکے ہیں اور نہ ہی ۱۰ جگہ کا دائمی فعل بلا معارض اور نہ ہی ۱۸ جگہ کا دائمی ترک دکھا سکے ہیں اور نہ ہی رفع یدین دس جگہ نہ کرنے کی نماز کا باطل ہونا ثابت کر سکے ہیں، جس طرح یہ تینوں باتیں رسول پاک ﷺ سے ثابت نہیں کر سکے، کسی خلیفہ راشد، کسی عشرہ مبشرہ، کسی ایک مہاجر یا انصار، کسی ایک صحابی، تابعی یا تبع تابعی سے بھی ثابت نہیں کر سکے۔ اب اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کیلئے ان کے پاس تین ہتھکنڈے ہوتے ہیں:

پہلا ہتھکنڈا:

مسئلہ کو بگاڑنا کہ مسئلہ مکمل زیر بحث نہیں ہوگا بلکہ اس کا تہائی اور چوتھائی حصہ زیر بحث لایا جائے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہل السنۃ کے دلائل جو مکمل دعویٰ کے موافق ہوتے ہیں ان کو ناکارہ ثابت کیا جا سکے تاکہ لوگ سمجھیں کہ جس طرح غیر مقلد ناکام رہے ہیں اہل السنۃ بھی ناکام رہے ہیں۔

مثال:

اہل السنۃ والجماعۃ نماز میں پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے ہیں، اس کے بعد کسی جگہ نہیں کرتے، غیر مقلدین دس جگہ ہمیشہ رفع یدین کرتے ہیں اور ۱۸ جگہ نہیں کرتے۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان کے مکمل دعویٰ پر ایک صحیح یا حسن تو کجا کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں ملی۔ وہ جھوٹی حدیث بھی ان کا مکمل دعویٰ بیان نہیں کرتی۔ اب یہ عوام کو اس دھوکے میں ڈالیں گے کہ صرف رکوع کے وقت رفع یدین پر بحث کرلو جو ان کے دعویٰ کا ایک چوتھائی ہے۔ یہ اپنے دعویٰ سے فرار اور شکست کی بدترین مثال ہے، ادھر پھر جب اہل السنۃ اپنے مکمل دعویٰ پر مکمل دلیل بیان کریں گے تو شور مچائیں گے کہ اس میں خاص رکوع کا لفظ نہیں آیا، اس لئے دلیل اگرچہ مکمل دعویٰ کے موافق ہے مگر چوتھائی دعویٰ اس میں صراحت سے نہیں آیا۔ آج ہم فریقین کے صرف چوتھائی دعویٰ پر بات کریں گے، یہ عادت دراصل

کفار کی تھی جس کو آج ہر اہل باطل نے اپنا رکھا ہے۔

دوسرا ہتھکنڈا

کفار جب عاجز آ جاتے تو فرمائشی معجزات کا مطالبہ شروع کر دیتے اور جب ان کا فرمائشی معجزہ نہ دکھایا جاتا تو یہ شور نہیں مچاتے تھے کہ ہمارا فرمائشی معجزہ نہیں دکھایا گیا بلکہ یہ جھوٹا شور مچاتے تھے کہ سرے سے کوئی معجزہ دکھایا ہی نہیں گیا۔ یہ لوگ بھی کچھ غلط سلط شرطیں لگا کر ایک عبارت بناتے ہیں اور کہتے ہیں: آج تک جو کچھ قرآن حدیث میں آیا ہے وہ ہماری ان شرائط کے مطابق نہیں ہے، اس لئے اس کو ہم نہیں مانتے کیونکہ ہمارا ایمان خدا، رسول پر نہیں، اپنی ان شرائط پر ہے۔ یہ ہماری عبارت پر اللہ ورسول کے دستخط کروا دو اور تین لاکھ روپیہ انعام لے لو، اگر اللہ یا رسول سے دستخط نہ کروا سکے تو پھر یہ نہیں کہتے کہ ہماری فرمائشی عبارت اللہ رسول سے نہیں لکھوا سکے بلکہ یہ جھوٹا شور مچاتے ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ پر سرے سے کوئی دلیل بھی پیش نہیں کر سکے۔

تیسرا ہتھکنڈا

تیسرا ہتھکنڈا کفار کا یہ ہوتا تھا کہ الزامات پر اتر آتے تھے تا کہ اہل حق نہ اپنی بات سمجھا سکیں اور نہ ہم سے کسی دلیل کا مطالبہ کر سکیں بلکہ ہمارے الزامات کی جواب دہی میں ہی مشغول رہیں۔ بالکل یہی تین ہتھکنڈے غیر مقلدین کے ہوتے ہیں، ان سے خبردار رہنا نہایت ضروری ہے جیسے آپ کسی کو کہیں کہ ہر نماز میں رکوع وسجدہ ضروری ہے کوئی الجھے کہ تم نماز جنازہ میں کیوں نہیں کرتے تو جس طرح نماز جنازہ دوسری نمازوں سے مختلف ہے اسی طرح عیدین اور نماز وتر بھی دوسری نمازوں سے مختلف ہیں۔ ان تین نمازوں کو عام نمازوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

جب تک یہ اپنے دعویٰ کے بارے میں فیصلہ لکھ نہ دیں کہ ہم ۱۰ جگہ دوام رفع یدین اور ۱۸ جگہ دوام ترک رفع یدین پر کوئی قولی، فعلی، یا تقریری حدیث پیش نہیں کر سکے تو جوابِ دعویٰ پر بحث نہیں ہوگی کیونکہ اس فیصلہ کے بغیر جوابِ دعویٰ کی نوعیت ہی صاف نہیں ہوگی۔

(۱)...... یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم نے دوام رفع یدین دس جگہ اور دوام ترک ۱۸ جگہ ثابت کردیا اس لئے اہل السنۃ کی پیش کردہ احادیث ان احادیث کے خلاف ہیں جو ہم نے پیش کیں، اس لئے یہ ہر حدیث پر کہیں گے یہ حدیث فلاں حدیث کے خلاف ہے۔

(۲)...... اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ تم اپنے مکمل دعویٰ کا ثبوت پیش نہیں کر سکے، نہ دس جگہ دوام رفع یدین نہ ۱۸ جگہ دوام ترک رفع یدین، اس لئے تمہارا دعویٰ بے دلیل رہا۔ تم نے جو احادیث نامکمل دعویٰ پر پیش کیں ان سے ایک مرتبہ یا چند مرتبہ رفع یدین کا ثبوت ہوا، اس کے بعد اس رفع یدین پر عمل باقی رہا یا ترک ہو گیا، اس بات سے بالکل خاموش ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ قیاس کی گھٹیا ترین قسم جو استصحاب حال ہے اس سے یہ بات نکلے گی کہ اگر حضور ﷺ نے رفع یدین کی تو کرتے رہے ہوں گے، تو دوام رفع یدین پر ہمارا یہ قیاس اور آپ کا جھوٹ کہ دوام رفع یدین کرتے رہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے ہماری پیش کردہ احادیث کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہیں بلکہ اس قیاس یا آپ کے جھوٹ کے خلاف ہوں گی، اس لئے ہم ہر حدیث پر یہ واضح کریں گے کہ ہماری حدیث ہمارے مکمل عمل کو ثابت کرتی ہے، جبکہ تم اپنے مکمل عمل پر ایک بھی حدیث پیش نہیں کر سکے۔ ہماری یہ حدیث کسی آیت یا حدیث کے بالکل خلاف نہیں، آپ کے جھوٹ کے خلاف ہے، آپ اہل جھوٹ ہیں، ہم اہل السنۃ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ کا رسالہ "نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین عندالرکوع وبعدھافی الصلوٰۃ" پڑھا۔ بڑے شوق سے خریدا اور بڑی عقیدت سے مطالعہ کیا' مگر مندرجہ ذیل بعض باتیں واضح نہ ہوسکیں :

(۱) ---- اہل سنت والجماعت بالترتیب چار دلائل شرعیہ مانتے ہیں' نمبر۱: کتاب اللہ' نمبر۲: سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' نمبر۳: اجماع' نمبر۴: قیاس۔

جبکہ اہل حدیث حضرات صرف دو دلائل مانتے ہیں' نمبر۱: قرآن' نمبر۲: حدیث۔ لیکن آپ نے ان دونوں دلائل کے خلاف تحریر فرمایا کہ "اصل حجت قرآن' حدیث اور اجماع ہے۔" (ص ۱۳۸' ۱۴۰) گویا نہ آپ اہل سنت رہے اور نہ ہی اہل حدیث۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

آدھا تیتر' آدھا بٹیر والی مثال بالکل آپ پر پوری آگئی۔

(۲) ---- یہ تو پہلے ہی ہمیں یقین تھا کہ آپ لوگوں کا دین کامل نہیں ہے' نہ ہی آپ لوگوں کی نماز مکمل ہے۔ آپ مکمل نماز کی ترتیب آج تک قرآن و حدیث سے ثابت

نہیں کر سکے اور نہ ہی آپ لوگوں کی نماز جنازہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

یہ مسئلہ رفع یدین جس پر ملکہ وکٹوریہ کے دور سے لے کر آج تک دن رات ایک سو سال تک محنت فرمائی اس میں بھی آپ کو اپنی علمی بے مائیگی کا پورا پورا احساس ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ بھی آپ نے پورا نہیں لکھا' جبکہ مدعی کا فرض ہے کہ پہلے وہ اپنے دعویٰ کو مکمل طور پر پیش کرے۔

آپ حضرات دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں کبھی رفع یدین نہیں کرتے' جبکہ تیسری رکعت کے شروع میں ہمیشہ رفع یدین کرتے ہیں۔ آپ سجدوں میں جاتے وقت' سجدوں سے سر اٹھاتے وقت' سجدوں کے اندر اور سجدوں کے درمیان کبھی رفع یدین نہیں کرتے اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بلا تکبیر رفع یدین کرتے ہیں۔ یہ آپ کا مکمل عمل ہے۔ لیکن آپ کے پورے رسالے میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں آپ کے اس مکمل عمل کا حکم نبی اقدس ﷺ نے دیا ہو' یا اس مکمل عمل پر نبی کریم ﷺ اور کم از کم عشرہ مبشرہؓ کا دوام بنص صریح ثابت ہو' یا رسول اللہ ﷺ یا عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک نے فرمایا ہو کہ جو اس طرح نماز نہیں پڑھے گا اس کی نماز باطل اور بے کار ہوگی اور مقبول نہیں ہوگی۔

(۳) ---- آپ کے رسالہ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلا کہ احادیث رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اہل سنت والجماعت حدیث کے مقابلہ میں امام کے قول کو مانتے ہیں' یہ بات یقیناً غلط ہے۔

(۴) ---- آپ کے رسالہ کا خلاصہ یہ ہے: "رفع یدین کرنے کی دس حدیثیں صحیح ہیں اور ترک رفع یدین کی تمام حدیثیں اور آثار ضعیف اور بالکل باطل ہیں۔" لیکن آپ نے اپنے دونوں دعووں کو کسی دلیل شرعی ثابت نہیں کیا۔ کیا آپ کے نزدیک دلیل شرعی تین چیزیں ہیں: قرآن' حدیث اور اجماع؟ لیکن نہ تو آپ نے قرآن سے ثابت کیا کہ "رفع یدین کی حدیثیں صحیح اور ترک رفع یدین کی حدیثیں ضعیف ہیں اور نہ ہی آپ نے یہ بات نبی پاک ﷺ کے فرمان عالیشان سے ثابت کی ہے اور نہ ہی اس پر اجماع

امت ہوا۔ بلکہ آپ نے ص ۵۸ پر لکھا ہے: "حدیث کی تصحیح اور تضعیف کا دارومدار محدثین کے الہام پر ہوتا ہے۔" جبکہ باجماع امت الہام دلائل شرعیہ میں سے نہیں ہے اور جن کے الہامات آپ نے نقل کئے ہیں ان کا ملہم ہونا بھی کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے۔ مرزا قادیانی نے بھی یہی لکھا ہے کہ "میں اپنے الہام سے جس حدیث کو چاہوں رد کروں اور جس کو چاہوں قبول کروں۔" اس سے معلوم ہوا کہ آپ کسی دلیل شرعی سے رفع یدین کی احادیث کی صحت اور ترک رفع یدین کا ضعف ثابت کرنے سے بالکل عاجز ہیں۔

(۵) ---- آپ نے اپنے دعویٰ پر الہامی صحت کے بل بوتے پر دس روایات نقل کی ہیں' جن میں سے نو احادیث میں رفع یدیہ قضیہ شخصیہ ہے اور ایک میں یرفع یدیہ قضیہ مہملہ ہے جس میں جزئیہ یقینی مراد ہے اور تکرار مشکوک المراد جو کسی دوسری دلیل کا محتاج ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ "رسول اکرم ﷺ نے زندگی بھر ایک مرتبہ رفع یدین کیا جس کو دس راویوں نے بیان کیا' اس کے بعد رفع یدین کرتے رہے یا چھوڑ دیا۔ اس سے حدیث بالکل خاموش ہے۔ البتہ قیاس کی گھٹیا ترین قسم استصحاب حال کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ شاید آپ کرتے رہے ہوں گے۔

لیکن یہ قیاس ان تمام احادیث اور آثار کے خلاف ہے جن کے ضعف پر الہام کے علاوہ آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور الہام یقیناً حجت شرعیہ نہیں ہے۔

(۶) ---- آپ کے رسالہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ نقلیات میں صرف الہام کے پابند ہیں' مگر عقل کا جوہر لطیف شاید خدا کی طرف آپ کو عنایت ہی نہیں ہوا' کیونکہ آپ نے اپنے دعویٰ پر نامکمل قضیہ شخصیہ پیش کیا ہے یا قضیہ مہملہ' جس کا حدیث ترک رفع یدین سے کوئی تعارض نہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے کندھوں تک ہاتھ اٹھائے اور کبھی کانوں تک' یہ دونوں قضیہ مہملہ ہیں جن کا آپ نے بھی تعارض نہیں مانا۔ تعارض تو جب ہوتا جب آپ اپنے دعویٰ میں قضیہ کلیہ پیش کرتے' کیونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتی ہے۔

(۷)---- آپ کے رسالہ کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ رفع یدین کی احادیث کی صحت یا ترک رفع یدین کی احادیث کا ضعف یقیناً کسی دلیل شرع پر مبنی نہیں ہے۔ حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مسئلہ کتاب و سنت سے نہ ملے تو مجتہد کو اجتہاد کا حق ہے اور غیر مجتہد اس کی طرف رجوع کرے۔ اس لئے میں نے مجتہد اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف رجوع کر کے رفع یدین ترک کر دیا ہے' کیونکہ آپ کسی دلیل شرعی سے نہ دوام ثابت کر سکے اور نہ ہی اس کا حکم حدیث پاک سے دکھا سکے اور نہ ہی رفع یدین کے بغیر نماز کا باطل ہونا قرآن' حدیث اور اجماع سے ثابت کر سکے۔

آخر میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ کے رسالہ سے یہ بات درجہ یقین کو پہنچ گئی کہ رفع یدین کے مسئلہ میں آپ دلائل شرعیہ سے ایسے عاری ہیں جیسے گدھا سینگوں سے۔ دعا فرمائیں آپ کے رسالہ کے مطالعہ کی برکت سے جو میں نے رفع یدین چھوڑ دیا ہے اللہ تعالیٰ اس پر استقامت نصیب فرمائیں' آمین ثم آمین۔ فقط

آپ کا خیر اندیش

ابو زبیر محمد عبداللہ سلفی

۲۷/ ۲/ ۱۴۱۴ھ

نوٹ : خط کا جواب جلدی ارسال فرمائیں۔ جوابی لفافہ ارسال خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدهٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم . اما بعد:

برادران اہل السنۃ! خداوند قدوس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اپنے بندوں کی رہنمائی کیلئے دین کو کامل فرمادیا اور مشہور و معروف حدیث پاک میں ہے: آخری ایام میں سیدنا جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور رسول اقدس ﷺ سے ایمانیات (عقائد) اسلامیات (احکام و اعمال) اور احسانیات (تصوف) کے بارے میں سوالات فرمائے۔ آنحضرت ﷺ نے جوابات ارشاد فرمائے اور آخر میں فرمایا! کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے سوالات کا مقصد یہ تھا کہ سامعین کو کامل دین سمجھ آجائے۔ چنانچہ اس حدیث پاک میں تین اہم شعبوں کا ذکر آیا عقائد، اعمال اور احسان۔ الحمدللہ! ہمیں خداوند تعالیٰ نے مکمل دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی، ہمارے عقائد کی تفصیل بھی کتابوں میں موجود ہے، ہم عقائد میں اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں۔ اعمال میں کتاب وسنت کی روشنی میں تفصیل ہمارے پاس فقہ حنفی کی شکل میں ہے اس لئے ہم حنفی کہلاتے ہیں اور احسان واخلاص وتصوف کی تفاصیل سلاسل اربعہ میں ہے اس لئے ہم قادری کہلاتے ہیں۔ گویا جب ہم نے اپنا تعارف سنی، حنفی، قادری سے کروادیا تو یہ واضح کر دیا کہ حدیث جبرئیل میں دین کے تینوں مذکورہ شعبہ جات ہمارے پاس مکمل اور مفصل موجود ہیں اور یہی دینِ اسلام کا تکمیلی اور تفصیلی خاکہ ہے۔ الحمدللہ ہماری کتبِ عقائد بھی

ہماری مکمل رہنمائی کرتی ہیں، ہماری فقہ بھی اعمال میں ہماری رہنمائی کرتی ہے اور ہمارا تصوف بھی حصولِ اخلاص اور حصول نسبت مع اللہ کیلئے ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔

فرقے:

اس کے برعکس آپ فرقوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت دوپہر کے سورج سے زیادہ روشن نظر آئے گی کہ ان کے پاس نہ مکمل عقائد، نہ مکمل احکام اور نہ ہی مکمل تصوف ہے، آپ ایک فرقے کی تاریخ پڑھ جائیں، بے چاروں کی ساری پونجی چند اختلافی مسائل ہونگے اور بس۔ اور ان فرقوں کی بقا بھی ان چند مسائل کی مرہون منت ہوتی ہے۔ جب تک ان مسائل میں اختلاف و انتشار کا جھنڈا لہراتا رہے وہی اس فرقے کی حیات ہے۔ وہ اگرچہ سمندر کی جھاگ کی طرح کتنا اچھلے، لیکن آخر کار وہ جھاگ بیٹھ جائے گی۔ جب تک ان کے مسائل کو غیر ملکی سرمائے کی ہوا ملتی رہی یا کسی نااہل حکومت کا سہارا حاصل رہا، ان میں دم خم باقی رہا اور ذرا وہ سہارا ختم ہوا تو ان کے فرقے قصہ پارینہ بن گئے۔ کسی پرانی الماری میں کسی کتاب میں ان کا ذکر مل جائے تو مل جائے ورنہ عالم وجود سے وہ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔ روافض کی بنیاد مسئلہ امامت، خوارج کی بنیاد مسئلہ تحکیم، نواصب کی بنیاد بغض اہل بیت، معتزلہ کی بنیاد خلق قرآن وغیرہ پر ہے۔ مکمل دینی و تفصیلی مذہب اور کامل تصوف کا نام و نشان ان کے پاس نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ پاک و ہند میں اسلام پہلی صدی کے آخر میں ہی آ گیا تھا اور تقریباً ایک ہزار سال یہاں اسلامی حنفی حکومت قائم رہی۔ اس دور میں بھی اگرچہ فرقوں کے لاوے ابلتے مگر اسلامی حکومت میں جلدی ہی ٹھنڈے ہو جاتے، مگر جب انگریز اس ملک پر قابض ہوا، اس نے حکومت حنفی مسلمانوں سے چھینی تھی۔ اب اس نے پختہ منصوبہ بنایا کہ جن کی دنیا ہم نے چھینی ہے ان کا دین بھی باقی نہ رہے، اس لئے اس نے نئے نئے فرقے پیدا کئے اور اپنے خاص مقاصد کیلئے ان شعلوں کو ہوا دینا ضروری خیال کیا۔ اسلامی حکومت میں یہ شعلے اگر اٹھتے تو ٹھنڈے ہو کر بجھ جاتے تھے، مگر انگریز حکومت نے شعلوں کو

الاؤ بنانا ضروری سمجھا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ پاک و ہند کی زائد از ہزار سال کی تاریخ میں کبھی اتنے فرقے نہ بنے جتنے انگریز حکومت کے صد سالہ دور میں معرض وجود میں آئے اور اس قسم کے فرقوں کو اسلامی حکومتوں میں کبھی ہوا نہ ملی، جیسی انگریز نے نفاق وانتشار پیدا کرنے کیلئے ان کو ہوا دی بلکہ پرانے خوابیدہ فتنوں کو بھی جگایا۔ اعتزال کے فتنہ کو نیچریت کے نام سے زندہ کر کے اس کی مکمل سرپرستی کی، کہیں ظلی اور بروزی قسم کی نبوتیں گھڑی گئیں، کہیں انکار سنت اور انکار فقہ کے فتنوں کی آبیاری کی گئی۔

ترک تقلید:

ان ہی نوزائیدہ فرقوں میں ایک فرقہ مذہب سے باغی ہو گیا، ان لوگوں نے مساجد کو میدان جنگ بنا دیا، اس سے قبل مسلمان مسجد سے باہر لڑتے اور مسجد میں آ کر ایک ہو جاتے تھے، لیکن انگریز حکومت کو کب گوارہ تھا کہ مسلمان اتفاق اور اتحاد کی فضا میں اپنی پیشانی خدا کی بارگاہ میں رکھیں۔ اب مسجد میں نماز کی صفیں، نماز کی صفیں نہ رہیں بلکہ باضابطہ جنگ کی صفیں بن گئیں، بے نمازیوں کو نماز پر لگانے کی محنت ختم ہو گئی، نمازی نماز پڑھنے والوں کو ہی پٹخنیاں دینے لگے، جوتے اس بات پر چلتے تھے کہ امام صاحب نے سات آیات فاتحہ کی تلاوت فرمائیں، تیس آیات اس کے بعد تلاوت فرمائیں، وہ تیس آیات جو قرآت تھیں وہ سب کی طرف سے ادا ہو گئیں مگر تم نے فاتحہ کو کب سے قرآت قرار دے دیا، یہ امام کی پڑھی ہوئی کافی نہیں تھی تم خود دہراتے۔ اگرچہ امام فاتحہ کے بعد والی سورۃ پڑھ رہا ہوتا، تم اس کی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر فاتحہ خوانی میں مصروف کیوں نہ ہوئے، کبھی اس پر جوتے چلتے کہ امام نے جب ولا الضالین کہا تم نے اگرچہ آمین تو کہہ لی مگر وہ تم نے صرف اللہ تعالیٰ کو ہی کیوں سنائی، آخر ہم جو اردگرد کھڑے ہوئے تھے ہمیں کیوں نہیں سنائی، کبھی اس پر لڑائی کرتے کہ نماز باجماعت میں جب تک دائیں بائیں والے دونوں نمازیوں کے کندھے، گھٹنے اور ٹخنے چھیلے نہ جائیں اللہ تعالیٰ نماز ہی قبول نہیں فرماتے اور قیامت تو اس وقت ٹوٹتی جب ان کو سمجھایا جاتا کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں۔ ان میں اس مجتہد کا فیصلہ قبول کر

لو جس کا مذہب یہاں عملاً متواتر ہے اور نئے اختلاف پیدا کر کے کافروں کو اپنے دین پر ہنسنے کا موقع نہ دو، جن کافروں نے ہماری دنیا چھین لی ہے، ان کو خوش کرنے کیلئے تم اپنے دین میں نئے اختلافات کی آگ کیوں بھڑکاتے ہو۔ مگر وہ یہ کہتے تھے کہ ہم ان اجتہادی مسائل میں امام اعظمؒ کے فیصلے کیوں تسلیم کریں، آؤ! ان احکام کا فیصلہ کافر حکام کی عدالتوں سے کروالیں۔ امام اعظمؒ کے خلاف غیظ و غضب کے شعلوں کو اتنا بلند کرتے اور کافر کی عدالت میں اجتہادی مسائل کے فیصلوں کا مقدمہ لے جاتے۔ اگرچہ درد دل رکھنے والے مسلمان دیکھتے کہ ہائے امام صاحب کی مخالفت میں ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کو بھی جلا کر بھسم کر دیا گیا ہے اور یہ لوگ ان کافروں کے فیصلوں پر خوشی کے شادیانے بجاتے، اپنی فتح کے جھنڈے لہراتے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ان کافروں کے فیصلوں کو باقاعدہ ''فتوحات اہلحدیث'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔

ناطقہ سربگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے

کیا غیرت اسلامی سر پیٹ کر نہ رہ گئی۔

لطیفہ...... مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے رسالہ تدوین حدیث میں غیر مقلدیت کا مزاج سمجھانے کیلئے ایک لطیفہ ذکر فرمایا کہ ایک غیر مقلد مولوی صاحب جن کا نام ابراہیم صاحب تھا، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت نے پوچھا: مولوی صاحب آپ عامل بالحدیث ہیں؟ بولے: جی ہاں الحمدللہ، حضرت نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ سوتے وقت کون کون سی دعائیں پڑھا کرتے تھے؟ مولوی صاحب نے کہا اس وقت یاد نہیں، پوچھا کہ گھر سے نکلتے وقت کون سی دعائیں پڑھتے تھے؟ بولا کہ وہ بھی یاد نہیں۔ الغرض سرور کائنات ﷺ مختلف اوقات و مقامات پر جو مختلف دعائیں پڑھا کرتے تھے وہ پوچھتے رہے اور مولوی صاحب یہی جواب دیتے رہے کہ مجھے یاد نہیں تب حضرت نے فرمایا: کیوں مولانا! آپ نے رسول اللہ ﷺ کی صرف اختلافی حدیثوں کو یاد کیا ہے لیکن جن حدیثوں کے متعلق

کسی کا کوئی اختلاف نہیں ان کو یاد کرنے کی ضرورت کو عمل بالحدیث کیلئے آپ نے ضروری خیال نہ کیا، کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے؟ مولوی صاحب جھینپ گئے اور یہ بھی پتہ چلا کہ مولوی صاحب مذکور بعد میں غیر مقلدیت سے تائب ہو کر حنفی مسلک پر آ گئے تھے۔ اس واقعہ میں واقعی ان حضرات کے مزاج کی حقیقی تصویر ہے، اس فرقہ کا کام ہے ہی اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور اختلاف اور انتشار کو ہوا دینا، فرقہ مجبور ہوتا ہے کہ اپنے دو تین اختلافی مسائل کو ہوا دے کر اور چیلنج بازیاں کر کے اپنے فرقے کی زندگی کا ثبوت مہیا کرے ورنہ اگر دو تین مسائل ختم ہو جائیں تو فرقے کا وجود ہی بھولا بسرا ہو جائے گا۔

ایک کتاب:

ایک صاحب جو کسی کالج کے پروفیسر تھے، ایک ۷۶ صفحات کا رسالہ میرے پاس لائے کہ دیکھو اس رسالہ میں ذکر ہے کہ ۲۷ حنفی تقلید چھوڑ کر اہلحدیث ہو گئے ہیں۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ اہلحدیث سچا فرقہ ہے، میں نے کہا کہ آپ نے اہل قرآن نامی فرقہ کی کتابیں نہیں پڑھیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سینکڑوں اہلحدیث توبہ کر کے ہمارے فرقہ اہل قرآن میں شامل ہو گئے ہیں جبکہ ایک بھی اہل قرآن، قرآن کو چھوڑ کر اہلحدیث نہیں ہوا تو کیا وہ تم سے زیادہ سچے نہ ہوئے اور قادیانیوں کی کتابیں پڑھیں تو وہ بھی یہی لکھتے ہیں کہ سینکڑوں اہلحدیث تحقیق کرنے کے بعد قادیانی بنے ہیں۔ جبکہ کوئی ایک بھی معروف قادیانی عالم اہلحدیث نہیں بنا۔ تو کیا تمہاری دلیل کے مطابق تو وہ تم سے بھی بڑے سچے ہوئے جو اہلحدیثوں کو بھی آگے لے گئے۔ کہنے لگا: آپ ان اہلحدیث ہونے والوں کے دلائل تو پڑھیں، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ پڑھنا شروع کیا، ابھی چوتھائی مشکوٰۃ بھی مطالعہ نہ کی تھی کہ میں تقلید سے دستبردار ہو گیا۔ میں نے کہا: یہ تو عجیب حماقت ہے کہ صاحب مشکوٰۃ تو پوری مشکوٰۃ لکھ کر بھی مقلد ہی رہے اور یہ چوتھائی پڑھ کر ہی غیر مقلد ہو جائے، آخر سوچنے کی بات ہے۔ ہزاروں مقلدین مشکوٰۃ پڑھتے ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں اور پھر بھی مقلد ہی رہتے ہیں۔ میں نے کہا آخر مشکوٰۃ

شریف میں کون سی حدیث ہے کہ غیر مجتہد اجتہادی مسائل میں مجتہد کی تقلید نہ کرے، ذرا ہمیں بھی دکھاؤ۔ اب وہ خاموش، میں نے کہا کہ صاحب مشکوٰۃ نے تو پہلے کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ لکھی ہے۔ اس کے بعد کتاب العلم میں فقہ اور فقہاء کے فضائل بیان کئے ہیں تاکہ ہر مشکوٰۃ پڑھنے والا جان لے کہ کتاب وسنت کا وہی مفہوم قابل اعتماد ہے جو فقہاء کرام بیان فرمائیں، اسی اعتماد کا نام تقلید ہے اور فقہاء سے بغاوت ہی غیر مقلدیت ہے۔

اس نے کہا کہ دیکھو! ایک صاحب نے بیان کیا کہ میں ایک مولوی صاحب سے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے لگا، ابھی میں نے ایک پاؤ قرآن کا ترجمہ بھی نہیں پڑھا تھا کہ میں اہلحدیث ہوگیا۔ میں نے کہا کہ قرآن پاک کے پہلے پاؤ میں کونسی آیت ہے جس میں اس اختلافی رفع یدین کا ذکر ہے اور کون سی آیت ہے جس میں غیر مجتہد پر اجتہادی مسائل میں مجتہد کی تقلید کو حرام یا شرک کہا گیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ وہ قرآن پاک پر جھوٹ بولنے کیلئے اہلحدیث بنا اور تم اس کی تعریف کر رہے ہو، یہ قدر ہے تمہارے ہاں قرآن کی۔ اس نے کہا یہ دیکھو ایک صاحب نے اہلحدیث ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک مولوی صاحب نے گالیاں دیں، حالانکہ گالیاں دینا تو مسلمان کو زیب ہی نہیں دیتا، اس لئے ہم اہلحدیث ہو گئے۔ میں نے کہا کہ جب اس نے خود لکھا کہ گالیاں دینا مسلمان کو زیب نہیں دیتیں تو اس نے صرف حنفیت کو کیوں چھوڑا، اسلام کو کیوں نہ چھوڑا اور یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر کسی نے گالی دی تو اس کی یہ ذاتی برائی ہے نہ کہ اس کے مذہب کی اور اس نے کسی عام آدمی کو گالی دی جبکہ نام نہاد اہلحدیث ائمہ دین کو گالیاں دیتے ہیں۔ کیا واقعی اگر کوئی اہلحدیث گالی دے تو آپ فوراً قادیانی ہو جائیں گے۔ کہنے لگا یہ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے بخاری شریف میں حدیث پڑھی کہ اونچی آواز سے آمین کہنا سنت ہے، اس لئے میں اہلحدیث ہو گیا میں نے کہا یہ بھی بالکل جھوٹ ہے، بخاری میں کوئی حدیث نبوی نہیں کہ اونچی آواز سے آمین کہنا سنت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی قرآن پر جھوٹ بول رہا ہے، کوئی بخاری پر اور آپ ان جھوٹوں کی داد دے رہے ہیں۔ ہاں آپ بھی مانتے ہیں کہ ایمان کے بعد سب سے بڑا فرض نماز ہے، کہنے لگا: بالکل، میں نے کہا: غیر مقلدوں کو اس بات کی رات دن فکر

لگی ہوئی ہے کہ حنفیوں کی نماز حدیث کے مطابق نہیں، لیکن پوری دنیا میں ایک بھی نام نہاد اہلحدیث نہیں جس کو اپنی نماز کی فکر ہو۔ آپ ایک اور صرف ایک نام نہاد اہلحدیث کا نام اس کتاب سے دکھا دیں کہ مجھے اپنی مکمل نماز کی فکر ہوئی اور فلاں مولوی صاحب نے مجھے نماز کے مکمل احکام، شرائط، ارکان، واجبات، سنتیں، مستحبات، مکروہات، مفسدات اور ترتیب احکام صرف قرآن اور حدیث کے ترجمہ سے دکھا دیئے اس لئے میں اہلحدیث ہو گیا۔ کہنے لگا ایسا تو ایک بھی نہیں، میں نے کہا کہ تو ہی ایسا بن جا اور مجھے قرآن وحدیث کے ترجمہ میں یہ مکمل احکام اور ترتیب دکھا دے۔ کہنے لگا میں تو یہ نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا کہ تم سے قیامت کو پہلے یہ سوال ہوگا کہ اپنی نماز کی کیا فکر کی تھی یا یہ ہوگا کہ حنفیوں کی نماز کو غلط کہا تھا یا نہیں؟ کہنے لگا سوال تو پہلے اپنی ہی نماز کے بارے میں ہوگا۔ میں نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ کسی ایک بھی نام نہاد اہلحدیث کو اپنی نماز کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں۔ آخر تم جورات دن عوام کے سامنے یہ جھوٹ بولتے ہو کہ ہماری نماز کی مکمل ترکیب وترتیب اور مکمل احکام صرف قرآن پاک کے ترجمہ اور حدیث کے ترجمہ سے ثابت ہیں، اس جھوٹ کا قیامت کو کیا جواب دو گے۔ کہنے لگا کہ میں کل دوسرے علماء سے پوچھ کر جواب دوں گا۔

الرسائل:

اگلے دن جب وہ صاحب آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کا نام ''الرسائل فی تحقیق المسائل'' تھا اور کہنے لگا کہ کسی حنفی عالم نے ۳۲ صفحات کا ایک رسالہ لکھا تھا جس میں اس نے یہ چیلنج دیا تھا کہ جو رفع یدین کا ثبوت دے اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ایک صاحب نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا، مجاہدین نے رفع یدین کے ثبوت میں ۱۲۳۹ احادیث جمع کر کے عدالت میں پیش کر دیں اور عدالت نے فیصلہ ان مجاہدین کے حق میں دے دیا۔ ان مجاہدین کے نام یہ ہیں:

(۱)...... مولانا عبد الحمید صاحب صدر مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

(۲)...... مولانا عطاء الرحمٰن اشرف صاحب مدرس جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ

(۳)...... مولانا فاروق اصغر صارم (مبعوث دار الافتاء سعودی عرب)
مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

(۴)...... مولانا غلام اللہ ضیاء صاحب جھنگوی مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

(۵)...... مولانا ابوذر زکریا صاحب شیخوپوری مدرس الجامعۃ المحمدیہ لاہور روڈ شیخوپورہ

(۶)...... مولانا صوفی محمد اکبر صاحب خطیب جامع مسجد ناصر خاں ناصر روڈ محلہ بخشے والا گوجرانوالہ

(۷)...... حافظ محمد طیب بھٹوی مدرس جامعہ محمدیہ چوک اہلحدیث گوجرانوالہ

(۸)...... حافظ قاری محمد اکرم صاحب جامعہ محمدیہ چوک اہلحدیث گوجرانوالہ

(۹)...... مولانا رحمت اللہ فقیر صاحب ہموں گکھڑ سیالکوٹ

(۱۰)...... مولانا محمد ادریس صاحب خطیب جامع مسجد اہلحدیث کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

(۱۱)...... جناب ادریس بن صدیق فاضل ادارہ تعلیم وتحقیق جامعہ پنجاب لاہور گوجرانوالہ

(۱۲)...... ڈاکٹر ایچ ایم یوسف اعظم والے تحصیل بازار سیالکوٹ

(۱۳)...... رانا محمد اقبال ایڈووکیٹ ڈسٹرکٹ کونسل سیالکوٹ

ان حضرات کی کئی سال کی محنت اور کوشش اور جہاد کا نتیجہ یہ کتاب ہے اور مسئلہ رفع یدین پر وہ لاثانی تحقیق ہے کہ ائمہ صحاح ستہ میں سے کوئی ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچا۔ اس نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس تحقیق کو اس صدی کے تمام علماء اہلحدیث نے سراہا بلکہ ہفت روزہ الاسلام لاہور، ہفت روزہ اہلحدیث لاہور اور ہفت روزہ الاعتصام لاہور نے اس کی تائید میں جاندار تبصرے لکھے اور جناب حشمت اللہ سیکرٹری نشر واشاعت جماعت اہلحدیث کراچی نے بھی اس جہاد کو سراہا اور اس نے بتایا کہ یہ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے جو ڈبل ترمیم واصلاح کے بعد ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ حق یہ ہے کہ ان مجاہدین نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

معنی رفع یدین:

میں نے کہا: کہ آپ نے اس پوری کتاب کا توجہ سے مطالعہ کیا ہے؟ کہنے لگا: ایک دفعہ نہیں تین چار دفعہ۔ میں نے کہا: رفع یدین کسے کہتے ہیں؟ کہنے لگا: دونوں ہاتھوں کو کندھوں یا کانوں تک اٹھانا۔ میں نے کہا: اگر سر سے اوپر تک اٹھالیں، تو کہنے لگا کہ وہ بھی رفع یدین، میں نے کہا نماز کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ نماز کو میری یاد کیلئے قائم کرو۔ اسی لئے نماز کو بدنی اور زبانی عبادت کا مرکب کہا جاتا ہے۔ میں نے کہا: جب تم تکبیر تحریمہ۔ کے ساتھ رفع یدین کرتے ہو تو رفع یدین ذکر کے ساتھ جمع ہوکر عبادت بن جاتی ہے۔ کہنے لگا: بالکل درست ہے۔ میں نے کہا: وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، یہ رفع یدین بھی عین عبادت ہوئی، اسی طرح عیدین کی زائد تکبیرات کے ساتھ بھی رفع یدین کرتے ہیں تو یہ رفع یدین بھی تکبیر کے ساتھ مل کر عبادت بن گئی۔ اب اس اختلافی رفع یدین پر غور کریں! رکوع سے پہلے جو آپ رفع یدین کرتے ہیں اس کے ساتھ کوئی تکبیر نہیں، بغیر تکبیر کے ہاتھ اٹھانا عادت تو کہلا سکتا ہے عبادت نہیں کہلا سکتا۔ رکوع میں جھکتے ہوئے آپ تکبیر کہتے ہیں وہ رکوع کی تکبیر ہے نہ کہ رفع یدین کی، اسی طرح رکوع سے کھڑے ہوکر جب آپ رفع یدین کرتے ہیں اس کے ساتھ بھی کوئی تکبیر نہیں، اس لئے یہ رفع یدین بھی عادت تو ہو سکتی ہے مگر عبادت نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح دو رکعت سے اٹھتے ہوئے آپ اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر بغیر تکبیر کے رفع یدین کرتے ہیں وہ بھی عبادت نہ بنی۔ معلوم ہوا کہ جس رفع یدین کیلئے ان مجاہدین نے جہاد کیا وہ سرے سے عبادت ہی نہیں بلکہ ان مجاہدین نے اس واضح فرق کو چھپایا اور بالکل ظاہر نہیں کیا، اگر ظاہر کیا ہے تو ذرا دکھادو، کہنے لگا: بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس اہم فرق کو انہوں نے بالکل نظر انداز کر دیا۔

معارض یا غیر معارض:

میں نے کہا ایک اور اس سے بھی اہم فرق کو ان بزرگوں نے بالکل نظر انداز کیا۔

کہنے لگا: وہ کیا؟ میں نے کہا: تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے چھوڑنے کی کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث بھی دنیا کی کسی کتاب میں ہے؟ کہنے لگا: نہیں۔ میں نے کہا: اہل السنۃ کے چاروں متواتر مذاہب میں کسی کا مذہب تحریمہ کی رفع یدین کے چھوڑنے کا ہے؟ کہنے لگا: نہیں۔ میں نے کہا اس سے معلوم ہوا کہ اس تحریمہ کی رفع یدین کے معارض نہ کوئی حدیث ہے نہ کسی متواتر مذہب کا تعامل، تو یہ رفع یدین اختلاف اور معارض سے پاک ہوئی۔ میں نے کہا: اسی طرح وتر کی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کے منع یا ترک کی کوئی حدیث دنیا کی کسی کتاب میں ہے ؟ کہنے لگا بالکل نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ رفع یدین بھی اختلاف سے پاک ہوئی۔ میں نے کہا: عیدین کی تکبیروں کے ساتھ جو رفع یدین کی جاتی ہے اس کے منع یا ترک کی کوئی حدیث کسی کتاب میں ہے؟ کہنے لگا: نہیں۔ میں نے کہا: معلوم ہوا کہ احناف وہ رفع یدین کرتے ہیں جو اختلاف سے پاک ہے اور آپ اس رفع یدین پر لڑتے ہیں جو اختلاف والی ہے، جہاں جہاں تم اختلافی رفع یدین کرتے ہو، اس کے ترک کی احادیث بھی ہیں اور بعض جگہ دو متواتر مذہب جیسے رکوع میں اس کے خلاف ہیں اور بعض جگہ چاروں متواتر مذاہب آپ کے خلاف ہیں جیسے دو رکعت سے کھڑے ہو کر رفع یدین کرنا۔

تواتر عملی:

کہنے لگا کہ اختلافی رفع یدین کے خلاف احادیث تو ہیں مگر وہ سب کی سب ضعیف ہیں جیسا کہ ان مجاہدین نے اپنے کمانڈو ایکشن میں ان احادیث کے پرخچے اڑا دیئے ہیں۔ میں نے کہا ضعیف کی بحث تو وہاں ہوتی ہے جہاں کسی قسم کے تواتر کی تائید حاصل نہ ہو اور جہاں حنفی اور مالکی رفع یدین نہیں کرتے۔ اس ترک رفع یدین کو عملی تواتر کی تائید حاصل ہے۔ دیکھو! تمہارے پروفیسر عبداللہ بہاولپوری نے بھی واضح الفاظ میں اسکا اعتراف کیا ہے: ''میں کہتا ہوں جب کوئی حدیث حد تواتر کو پہنچ جائے تو پھر چھانٹ چھٹائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رؤیت ہلال کے معاملہ کو دیکھیں، ایک دو دیکھیں تو شہادت لی جاتی ہے۔ دیکھنے والوں کی عدالت اور ثقاہت دیکھی جاتی ہے، اگر جم غفیر دیکھے تو پھر جانچ پڑتال

کی ضرورت نہیں ہوتی۔" (رسائل بہاولپور طبع اول صفحہ ۲۳۴) پروفیسر صاحب فرماتے ہیں: "حدیث کے الفاظ بعد میں ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا عمل پہلے ہے۔ صحابہؓ حضور ﷺ کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے، حدیث کے الفاظ سے استدلال کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے، نماز کے سلسلہ میں حدیث سے استدلال کرنے کا طریقہ بہت بعد میں شروع ہوا ہے اور اسی وقت سے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، اگر لوگ حضور ﷺ کے عمل کو دیکھتے جو تعامل امت کی صورت میں چلا آ رہا تھا تو یہ فتنہ کبھی کھڑا نہ ہوتا۔" (رسائل بہاولپوری صفحہ ۶۹۵) دیکھو! پروفیسر صاحب نے کتنا واضح اعتراف کر لیا کہ عملی تواتر کے خلاف احادیث سے استدلال کرنا امت میں اختلاف اور فتنہ ڈالنا ہے۔ مزید فرماتے ہیں: "صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے، احادیث سے استدلال کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے، احادیث سے استدلال کا سلسلہ تو حضور ﷺ کی زندگی کے بعد شروع ہوا" (ص ۷۰۷) بلکہ صفحہ ۷۷۱ پر تصریح کی ہے کہ "صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر آج تک لوگ تعامل سے ہی نماز سیکھتے آئے ہیں" اور پھر اور کھل کر فرماتے ہیں: "اہل حق کے مستمر عمل کے خلاف استدلال کا راستہ گمراہی کا راستہ ہے اور خطروں سے پُر ہے، اس لئے مومن کو اس سے بچنا چاہئے۔" (ص ۷۸۳) جناب پروفیسر کو یہ بھی واضح کر دینا چاہئے تھا کہ ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین ہمیشہ عملی تواتر کا پورا لحاظ رکھتے آئے ہیں، عملی تواتر کے خلاف گمراہی اور فتنہ کا راستہ غیر مقلدین نے ہی اختیار کیا ہے۔

گنتی:

میں نے کہا: ان مجاہدین کو بیس تک گنتی بھی نہیں آتی تھی۔ آپ ذرا شمار کریں کہ چار رکعت نماز میں آپ کتنی جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور کتنی جگہ کرتے ہیں۔ کہنے لگا کہ ہم دو سجدوں سے اُٹھ کر یعنی دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین نہیں کرتے، البتہ دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع یدین کرتے ہیں۔ میں نے کہا ان مجاہدین نے حضرت علیؓ کی حدیث نمبر ۲۰، ۴۶، ۵۳، ۶۶، ۹۱، ۱۰۰، ۱۳۰، ۲۰۴، ۲۲۹ پر درج کی ہے جس میں صاف تصریح ہے کہ

آنخضرت ﷺ دوسجدوں سے اٹھ کر رفع یدین کرتے تھے۔ جبکہ ان مجاہدین سمیت تمام غیر مقلدین نہ تو دوسجدوں سے کھڑے ہو کر رفع یدین کرتے ہیں نہ ہی دوسجدوں سے کھڑے ہو کر رفع یدین کے ممنوع یا متروک یا منسوخ ہونے کی کوئی حدیث دکھاتے ہیں۔ آپ ان ۲۳۹ نمبروں میں سے ایک اور صرف ایک حدیث دکھا دیں جس میں دوسجدوں سے کھڑے ہو کر رفع یدین کو منع کیا ہو یا نہ کرنے کی تصریح ہو، کہنے لگا: یہ ہو نہیں سکتا کہ ان مجاہدین نے ایسی حدیث نہ لکھی ہو جس میں دوسجدوں سے کھڑے ہو کر رفع یدین منع ہو۔ میں دوبارہ آج ساری کتاب کا مطالعہ کروں گا اور کل تلاش کر کے دکھاؤں گا۔ میں نے کہا: ذرا اس کا جواب بھی تلاش کر کے لانا کہ ان مجاہدین کے سامنے موطا امام محمد بھی تھا، مصنف ابن ابی شیبہ بھی اور طحاوی بھی جن سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب کا عملی تواتر تحریمہ کے بعد ترک رفع یدین پر تھا۔ تو کیا حضرت علیؓ اور ان کے ہزار ہا اصحاب میں سنت کی محبت اتنی بھی نہیں تھی جتنی ان مجاہدین اور چودھویں صدی کے غیر مقلدین میں ہے، ہر مسجد میں فتنہ کھڑا کرتے ہیں، لاکھوں روپے کے انعامی چیلنج دیتے ہیں۔ کیا یہ اس عملی تواتر کے خلاف حضرت علیؓ یا ان کے کسی ساتھی سے بھی ایک خبر واحد پیش کر سکتے ہیں کہ وہ غیر مقلدوں والی رفع یدین کرتا ہو۔ کہنے لگا ضرور دکھاؤں گا ۔اگلے دن آیا تو بے چارہ بڑا پریشان تھا کہ یہ مجاہدین تو آپ کے مطالبات کے سامنے چاروں شانے چت گرے پڑے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ چار رکعت نماز میں ۱۸ جگہ کبھی رفع یدین نہیں کرتے اور دس جگہ ہمیشہ کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں، آپ کسی پہلی جماعت کے بچے کو بٹھا لیں اور ان ۲۳۹ نمبروں میں سے صرف ایک نمبر ایسا نکال دیں جس میں ۱۸ جگہ نفی کی صراحت اور دس جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی صراحت اور ہمیشہ اٹھانے کی صراحت ہو۔ دوسرے دن کہنے لگا: آج رات ہم بیس آدمی ساری رات نہیں سوئے، گنتی کرتے رہے مگر ہمارے مکمل عمل پر ایک حدیث بھی نہیں ملی۔

سنت کی تعریف:

میں نے پوچھا کہ ان مجاہدین نے یہ اتنی بڑی کتاب رفع یدین کو فرض ثابت

کرنے کیلئے لکھی ہے یا سنت مؤکدہ ثابت کرنے کیلئے یا مستحب ثابت کرنے کیلئے۔ اس اختلافی رفع یدین کا حکم ان کے نزدیک فجر کی مؤکدہ سنتوں جیسا ہے، جن کی احادیث قولیہ میں زبردست تاکید ہے یا عصر سے پہلے غیر مؤکدہ سنتوں جیسا ہے جن کے بارے میں احادیث قولیہ میں صرف ترغیب ہے۔ کہنے لگا اس رفع یدین کے بارے میں احادیث قولیہ میں نہ کوئی تاکید ہے اور نہ ہی ترغیب ہے، البتہ ہم اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا یہ حکم سنت مؤکدہ کا خدا اور رسول کی نص سے ثابت ہے یا کسی امتی کی رائے سے؟ کہنے لگا: قرآن وحدیث کی کسی نص میں تو یہ حکم مذکور نہیں، یہ رائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہے۔ میں نے کہا امام شافعیؒ کی رائے میں شافعیوں والی اختلافی رفع یدین درجہ استحباب میں ہے، (نووی شرح صحیح مسلم ج۱/ص۱۶۸) تمہاری دس جگہ کی رفع یدین نہ گنتی میں کسی امام سے ملتی ہے نہ حکم میں کیونکہ رفع یدین پر اتنا زور دینا اور تشدد کرنا جتنا تم کر رہے ہو نہ کسی حدیث سے ثابت ہے نہ ہی ائمہ اربعہ میں سے کسی مجتہد کی رائے سے۔ یہ تشدد روافض سے لیا گیا ہے، نہ نص سے نہ اجتہاد سے، میں نے کہا جب یہ لوگ اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں تو ان مجاہدین پر لازم تھا کہ پہلے رفع یدین کرنے اور ترک کرنے کی مکمل گنتی لکھتے، پھر سنت مؤکدہ کی جامع مانع تعریف لکھتے اور وہ بھی صرف قرآن یا حدیث کے ترجمہ سے۔ کسی امتی کی کتاب سے چوری نہ کرتے۔ آپ اس کتاب میں سنت مؤکدہ کی جامع مانع تعریف سنت مؤکدہ کے منکر اور تارک کا حکم دکھا سکتے ہیں؟ وہ بہت شرمسار ہو کر کہنے لگا: یہ تو ساری کتاب میں کہیں مذکور نہیں۔ میں نے کہا: قیامت کی نشانی (کہ علم اٹھ جائے گا) نہیں! جن کو نہ سنت مؤکدہ کی جامع مانع تعریف آتی ہے نہ اس کے منکر اور تارک کا حکم معلوم ہے، وہ بیچارے رفع یدین پر جہاد کرنے اٹھتے ہیں۔

پہلا چیلنج:

جس رسالہ کا جواب لکھنے کیلئے یہ مجاہدین کھڑے ہوئے تھے، اس کے صفحہ ۲۰ پر کتمان حق کا عنوان تھا، اس کے تحت یہ لکھا تھا، ”غیر مقلدین کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ

وہ دلائل تو کیا بیان کریں گے، اپنا اصل مسلک بھی لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے، ان کا اصل مسلک جس پر آج کل یہ عمل پیرا ہیں: یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانے سنت مؤکدہ ہیں، حضور ﷺ ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے تھے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین خلاف سنت ہے۔ حضور ﷺ نے کبھی یہاں رفع یدین نہیں کی۔ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے، حضور ﷺ ہمیشہ یہ رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں میں جانے اور سجدوں سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین خلاف سنت ہے۔ حضور ﷺ نے کبھی یہ رفع یدین نہیں کی۔'' (ص۲۰) ان مجاہدین نے بڑے سائز کے ۵۱۱ صفحات میں کہیں یہ دعویٰ لکھا؟ ہرگز نہیں۔ گزشتہ سال ان کے مناظرین لاڑکانہ میں تین دن بیٹھے رہے لیکن اپنے مکمل عمل اور دعویٰ پر دستخط کرنے سے انکاری رہے، آخر وہاں سے بھاگ آئے، اب تو واقعی پسینہ پسینہ ہو رہا۔

دوسرا چیلنج:

اس رسالہ میں دوسرا چیلنج یہ تھا ''اگر کوئی غیر مقلد ہمت و جرأت کر کے ایک اور صرف ایک قولی حدیث پیش کر دے جس میں ان کا مدعا ہی بطور نص موجود ہو یعنی پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں ہمیشہ کندھوں تک رفع یدین کرنے کا حکم ہو اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں اس رفع یدین سے منع کیا ہو۔ اسی طرح رکوع کے شروع اور آخر میں رفع یدین کا حکم ہو اور سجدہ کے شروع اور آخر میں رفع یدین سے منع فرمایا ہو تو ہم مبلغ دس ہزار روپیہ انعام دیں گے اور رفع یدین کرنا شروع کر دیں گے۔ ہے کوئی مرد میدان جو صرف ایک ہی قولی حدیث بسند صحیح، صریح پیش کر کے انعام حاصل کرے۔'' (ص۲۳) دیدہ باید:

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

کیا سالہا سال بعد جب یہ مجاہدین میدان میں اترے تو وہ یہ مطالبہ پورا کر سکے؟

اگر پورا کیا ہے تو اس کتاب میں وہ قولی حدیث دکھا دو۔ اب تک لانذہبوں پر موت کی سی خاموشی طاری ہے اور حنفی یہی شعر پڑھ کر دل کو تسلی دے لیتے ہیں:

کیا شوخیاں دکھائے گا اے نشتر جنوں
مدت سے ایک زخم جگر ہی چھلا نہیں

تیسرا چیلنج:

اس رسالہ میں یہ لکھا تھا: ''ایک جھوٹی حدیث غیر مقلدین یہ بھی بیہقی کے حوالہ سے رفع یدین کے بارے میں پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ آخر عمر تک رفع یدین (۹ جگہ والی اختلافی) کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔'' اس کے بعد اس کی سند پر جرح کرنے کے بعد لکھا تھا ''اگر کوئی غیر مقلد اس حدیث کو صحیح ثابت کر دے تو ہم اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ ہے کوئی مرد میدان جو ہمت کرے، دیدہ باید (ص ۱۹) سالہا سال کے مطالعہ کے بعد جب یہ مجاہدین میدان میں اترے تو پوری کتاب میں اس حدیث کا ذکر تک نہیں کیا چہ جائیکہ اس کو صحیح ثابت کرتے۔ اس سے زیادہ واضح اعتراف شکست کیا ہو سکتا ہے، بلکہ یہ الفاظ تک لکھنے کی ہمت نہ کر سکے، بلکہ ان کے اخبار کے ایڈیٹروں نے الفاظ تبدیل کر کے اپنی کھلی شکست پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی۔'' چنانچہ صفحہ ۵۰۸ پر لکھا کہ صاحب رسالہ نے کہا تھا کہ رفع یدین ایک غیر اسلامی فعل ہے جو اس فتویٰ کے برعکس ثابت کرے گا اسے مبلغ ایک ہزار روپیہ بطور انعام دیا جائے گا۔'' حالانکہ رسالہ میں ان الفاظ کا نشان تک نہیں۔ کسی نے لکھا کہ رسالہ میں تھا کہ جو میرے ذکر کردہ ۳۸ دلائل کو غلط ثابت کرے گا اس کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا (ص۔۵۰۹) حالانکہ انعام کا وعدہ حدیث فما زالت کو صحیح ثابت کرنے پر تھا۔ نہ ہی ان مجاہدین نے عدالت میں وہ حدیث پیش کر کے اس کو صحیح ثابت کیا اور نہ ہی اس ''کتاب الرسائل'' میں اس کو پیش کر کے اسے صحیح ثابت کیا، ان کے قلم و زبان پر مہر سکوت لگ گئی اور حق کو زبردست فتح نصیب ہوئی، **فلله الحمد**.

فیصلہ کیا ہوا؟

کتاب کے آخر میں یہ شور مچایا گیا کہ فیصلہ ہو گیا، مگر وہ فیصلہ کیا تھا، اس کو کتاب میں درج نہیں کیا گیا بلکہ اخبار اہلحدیث کے ایڈیٹر نے لکھا کہ ''بہتر تو یہ تھا کہ مصنف فیصلہ کی کاپی کتاب کے اول میں شامل کر دیتا۔ لیکن مصنف نے جو فیصلہ پچاس ہزار کا مکان بیچ کر کروایا نہ اس نے خود اس کی مکمل کاپی کتاب کے ساتھ شامل کی نہ ہی دوسروں کے اصرار پر اب تک شامل کی، آخر وہ فیصلہ پردہ اخفاء میں رکھا گیا۔ آپ کتنا ہی اصرار کریں وہ فیصلہ نہیں بتائیں گے''، لیکن آپ زیادہ پریشان نہ ہوں جناب محترم قاضی مسعود الرحمٰن ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج سیالکوٹ نے فیصلہ میں تحریر فرمایا ''زیر بحث مسئلہ رفع یدین تھا، اہل السنۃ و الجماعۃ کے چار ہی مکاتب فکر ہیں جن میں سے دو شافعی اور حنبلی رفع یدین کرتے ہیں جبکہ دو حنفی اور مالکی رفع یدین نہیں کرتے۔'' اس میں فاضل جج نے اہل السنۃ کے چار ہی مکاتب فکر بیان فرمائے۔ غیر مقلدین کو اہل السنۃ میں شمار نہیں کیا، پھر بھی خوش ہیں کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہے، تو اہل السنۃ سے خارج ہونے پر مبارک قبول فرمائیے۔ دوسرے فاضل جج نے جب حنفیوں کو اہل السنۃ قرار دیا تو ظاہر ہے کہ ان کی نماز جس میں نہ اختلافی رفع یدین نہ آمین بالجہر وغیرہ، یہ نماز عین سنت کے موافق ہوئی۔ اس لئے حنفی طریقہ نماز کو خلاف سنت کہنے والے عدالت کے فیصلے سے منحرف ہوں گے۔ گویا عدالت کی نظر میں ان مجاہدین نے مسنون نماز کے خلاف جہاد کیا۔'' پھر فاضل جج فرماتے ہیں: ''میں اپنے آپ میں ایسی قوت نہیں پاتا کہ ان مسائل کا فیصلہ کر سکوں کیونکہ مجھ میں قوت اجتہادی نہیں ہے۔'' گویا فاضل عدالت نے بتا دیا کہ اجتہادی مسائل میں عوام تو کیا فاضل جج صاحبان بھی کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ ان مسائل میں عوام کیلئے مجتہدین ہی کی رہنمائی اور تقلید کی ضرورت ہے۔ اب فرمائیے! یہ فیصلہ مقلدین کے حق میں ہوا یا غیر مقلدین کے حق میں۔ آہ جو لوگ ایک اردو عبارت کو صحیح سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ ائمہ مجتہدین کی فقہ کو کیا خاک سمجھیں گے اور اس سے بڑھ کر اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ قرآن و سنت سے استنباط کر سکتے ہیں تو کون عقل مند

اس پر کان دھرے گا۔ الغرض الرسائل کو پڑھ کر تو اصل رسالے تحقیق مسئلہ رفع یدین کی عظمت اور دل میں بڑھ گئی کہ ماشاءاللہ جو وار ہے جگر سے پار ہے۔

خلفائے راشدینؓ:۔

ان مجاہدین نے صفحہ ۳۷۷، ۳۷۸ پر ۴۴ صحابہ کرامؓ کی فہرست بھی دی ہے، اس پر بحث سے پہلے یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان مجاہدین نے یہ عنوانات قائم کئے ہیں ''ترک سنت گمراہی ہے۔ (ص ۱۵۶) تارک سنت کے دردناک عذاب، (ص ۱۵۶) تارک سنت لعنتی ہے، (ص ۱۵۷) سنت رسول ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف چلنے والا دوزخی ہے، (ص ۱۸۱) خلاف سنت عمل دوزخ کا سبب ہے، (ص ۱۸۲) اس سے معلوم ہوا کہ ایک سنت کا تارک بھی گمراہ ہے، دوزخی ہے، لعنتی ہے۔ اب غیر مقلدین چار رکعت میں دس جگہ رفع یدین کرنے کو سنت کہتے ہیں اور ۱۸ جگہ رفع یدین نہ کرنے کو سنت کہتے ہیں اب اگر کوئی دس کی بجائے نو جگہ یا پانچ جگہ رفع یدین کرے تو بھی وہ سنت کا تارک ہے اور ۱۸ جگہ جہاں نہ کرنا سنت ہے وہاں کسی ایک جگہ بھی رفع یدین کر لے تو بھی گمراہ، دوزخی اور لعنتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں رفع یدین کرنے کی جو حدیث صفحہ ۸۸، ۸۹ پر بیان کی ہے وہیں بیہقی کے حاشیہ الجوہر النقی ج ۲/ص ۷۱ پر اس کا جواب درج تھا کہ صغار کا سلمی سے سماع ثابت کرو اور عارم کا حافظہ خراب تھا۔ اس کی روایات قابل قبول نہیں، اس کے جواب سے مجاہدین میدان چھوڑ گئے۔ پھر اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو اس میں دس جگہ کی رفع یدین پوری کریں اور ۱۸ جگہ کی نفی دکھائیں۔ اس حدیث کے مطابق نماز پڑھنے والا تو تارک سنت، گمراہ، لعنتی اور دوزخی ہے۔ کیا پہلے آپ یہ کہتے تھے کہ حنفی نماز خلاف سنت ہے؟ اب صدیقؓ کی نماز کو بھی خلاف سنت دکھا رہے ہو۔ پھر اسی بیہقی میں دوسری روایت موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تحریمہ کے بعد رفع یدین نہیں کرتے

تھے (الرسائل صفحہ ۴۲۵)۔ جب صدیق ؓ نے چھوڑ دی تھی تو تم چھوڑنے میں شرم کیوں محسوس کرتے ہو۔

حضرت عمرؓ:

حضرت عمرؓ کی حدیث نمبر ۹۰ پر لکھی گئی ہے مگر نمبر ۲۱۵ سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث ابن عمرؓ سے ہے اور اس میں بھی نہ آپ دس جگہ کرنے کی گنتی دکھا سکتے ہیں نہ ۱۸ جگہ نہ کرنے کی، اس لئے یہ نماز بھی آپ کے ہاں خلاف سنت ہے اور دلیل نمبر ۱۸، ۱۹، ۲۰ سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ پہلی تکبیر کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ان مجاہدین نے لکھا اس سند میں حمانی راوی مجہول ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۱/ص ۲۸۳) مجاہدین کا جھوٹ ہے، میزان الاعتدال ج ۱/ص ۲۸۳ پر یہ بات بالکل نہیں اور دلیل نمبر ۲۰ کی سند میں تو حمانی ہے ہی نہیں۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ کا نام لکھا ہے اور ان کی کوئی موقوف یا مرفوع حدیث یہ مجاہدین پیش نہیں کر سکے۔ حضرت علیؓ کی ضعیف حدیث کو دس نمبر دیئے ہیں مگر دلیل ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے اصحاب کا عمل ترک رفع یدین پر تھا اور یہ مجاہدین ان احادیث پر کوئی بھی جرح مفسر جس کا سبب متفق علیہ ہو اور جارح ناصح ہو نہیں کر سکے۔ الغرض خلفائے راشدین سے ہرگز ہرگز غیر مقلدین والی رفع یدین کسی ضعیف سند سے بھی ثابت نہیں جبکہ ترک رفع یدین اسانید صحیحہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد باقی چھ عشرہ مبشرہ کے نام پہلے ایڈیشن میں تھے لیکن اب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا نام نکال دیا ہے، شاید انہوں نے ان مجاہدین کو پیغام بھیج دیا ہو کہ میں نے رفع یدین چھوڑ دی ہے اور باقی جن پانچ کے نام اب بھی درج ہیں ان میں سے کسی ایک سے بھی یہ مجاہدین نہ کسی صحیح سند سے نہ کسی ضعیف سند سے اپنا طریقہ رفع یدین پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی تا روزِ قیامت پیش کر سکتے ہیں غیر مقلدین کی رفع یدین کا عشرہ مبشرہ کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں، نہ روایت کے اعتبار سے اور نہ ہی عمل کے اعتبار سے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے دھوکوں سے توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

بے اصولیاں:

(۱)......ان مجاہدین نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی طرح لینے اور دینے کے باٹ الگ الگ رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوحمید الساعدیؓ کی حدیث میں صحیح بخاری ج ۱/ص ۱۱۴ پر تحریمہ کے بعد کسی رفع یدین کا ذکر نہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں رکوع اور بعد رکعتین کی رفع یدین کا ذکر ہے تو اس کو یہ کہہ کر قبول کرلیا کہ یہ ایک زائد بات ہے حالانکہ وہ ضعیف ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث بخاری ج ۱/ص ۱۱۰ پر رفع یدین کا ذکر نہیں ہے مگر ابوداؤد میں ہے، اس زیادت کو قبول کرلیا باوجود ضعف کے۔ حضرت مالک بن الحویرثؓ کی حدیث بخاری ج ۱/ص ۱۱۳ پر رفع یدین کا ذکر نہیں مگر ج ۱/ص ۱۰۲ پر ذکر ہے اس کو قبول کرلیا، باوجود ناصبیت ابوقلابہ کے۔ حضرت علیؓ کی حدیث کی ایک سند میں رفع یدین کا ذکر نہیں دوسری ضعیف سند میں ہے، اس قول کو قبول کرلیا۔ مگر جب سجدوں کی رفع یدین کا حدیث میں زائد مذکور ہوا حدیث وائل (ابوداؤد) حدیث مالک بن الحویرثؓ (نسائی)، حدیث ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ (ابن ماجہ) میں تو اس کو خلاف کہہ کر رد کردیا حالانکہ انصاف یہ ہے کہ اگر زیادت مردود ہے تو رکوع کی رفع یدین کو بھی رد کرو اور اگر زیادت مقبول ہے تو سجدوں کی رفع یدین بھی قبول کرو۔

(۲)......ان مجاہدین نے اپنے دلائل میں حدیث وائل میں ۳۹ جگہ عاصم بن کلیب کی حدیث کو پیش کیا ہے مگر صفحہ ۴۲۹ اور صفحہ ۴۳۱ پر جہاں اس نے ترک رفع یدین کی حدیث روایت کی ہے وہاں اس کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔

(۳)......حدیث مالک بن الحویرثؓ کے ضمن میں ۲۳ جگہ قتادۃ کی عن والی حدیث پیش کی ہے مگر صفحہ ۴۷۰ پر اس کی حدیث ان کے خلاف تھی اسے رد کردیا ہے۔

(۴)......صفحہ ۳۴۲، ۶۹، ۱۷، پر حصین کی حدیث کو اپنے دلائل میں پیش کیا ہے مگر صفحہ ۴۲۱ اور صفحہ ۴۴۰ پر اس کی حدیث کو رد کردیا ہے۔

(۵)......صفحہ ۳۷۸ میں رفع یدین کی احادیث کو روایت کرنے والوں میں حضرت براء بن

عازب ﷺ کا نام دیا ہے، اس کی سند السنن الکبریٰ میں ہے۔ جس میں راوی یزید بن ابی زیاد ہے مگر یہی راوی حضرت براءؓ کی ترک رفع یدین والی حدیث میں جب آ گیا تو اس پر پوری چڑھائی کی ہے۔ (ص ۴۳۵، ۴۳۶)

(۶)...... صفحہ ۳۷۸ پر رفع یدین کی روایت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی جو فہرست دی ہے اس میں صفحہ ۲۳ پر حضرت عمیر لیثیؓ کا نام بھی دیا ہے حالانکہ ان کی حدیث غیر مقلدین کے سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے، اس میں کان یرفع یدیہ ماضی استمراری بھی ہے۔ جس کے بارے میں یہ مجاہدین کہتے ہیں کہ ماضی استمراری سے دوام اور استمرار ثابت ہوتا ہے اور اسی سے وہ سنت ثابت کرتے ہیں۔ غیر مقلدین کو ہر چار رکعت میں ۲۸ جگہ رفع یدین کرنا چاہئے مگر وہ دس جگہ کرتے ہیں اور ۱۸ جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ گویا ہر چار رکعت میں ۱۸ سنتیں چھوڑ کر ۱۸ گمراہیاں اور ۱۸ لعنتیں کماتے ہیں۔ چونکہ یہ حدیث ان کے مذہب کے خلاف تھی۔ اس لئے صفحہ ۴۵۸ پر پورے کمانڈو ایکشن سے اس کو ضعیف کہہ کر شہید کر ڈالا۔ سوال یہی ہے کہ جب یہ حدیث استدلال کے قابل ہی نہ تھی تو نمبر شماری میں اس کو کیوں درج کیا گیا اور اگر قابل استدلال تھی تو اسے اس بے دردی سے شہید کیوں کیا گیا۔ اس سے نام نہاد اہلحدیث کی امانت و دیانت کا حال واضح ہو جاتا ہے۔

(۷)...... ان مجاہدین نے صفحہ ۳۷۸ پر مردم شماری میں نمبر ۳۰ پر رفع یدین کے راویوں میں حضرت عقبہ بن عامر ﷺ کا نام بھی دیا ہے، لیکن ان کی رفع یدین کے بارے میں حدیث یہ کتاب میں نہیں لائے۔ ان سے رفع یدین کے بارے میں نہ کوئی مرفوع حدیث ہے نہ موقوف، طبرانی میں ہے کہ نماز میں انگلی کے اشارے پر ایک نیکی ملتی ہے۔ اولاً تو اس میں رفع یدین کا ذکر ہی نہیں، ثانیاً یہ موقوف قول ہے، ثالثاً اس کی سند میں ابن لہیعہ اور مشرح بن ہاعان ہیں۔ ابن لہیعہ کو ان مجاہدین نے صفحہ ۴۶۳ پر ضعیف اور نا قابل استدلال قرار دیا ہے اور مشرح بن ہاعان وہ ظالم ہے جس نے حجاج کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر حرم پاک میں حملہ کیا اور منجنیق سے حرم پاک کے پردوں کو آگ لگا دی۔ یہ راوی ان

مجاہدین کا معتمد ہے، اس نے خدا کے حرم پر حملہ کیا تھا اور یہ مجاہدین صحیح احادیثِ رسول پر حملے کر کے ان کو شہید کرتے ہیں (تشابهت قلوبهم) پھر اگر ہر رفع یدین پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو شیعہ تو ہر چار رکعت میں ۱۸۰ نیکیاں غیر مقلد سے زیادہ کما لیتے ہیں۔

(۸)...... نمبر شماری میں صفحہ ۳۷۸ پر نمبر ۱۴ پر حضرت ابو مسعود انصاریؓ، نمبر ۱۶ پر حضرت محمد بن مسلمہؓ، نمبر ۱۸ پر حضرت زید بن ثابتؓ، نمبر ۲۱ پر حضرت ابوحمید ساعدیؓ، نمبر ۲۴ پر حضرت ابوقتادہؓ، نمبر ۲۷ پر حضرت ابواسیدؓ اور نمبر ۲۹ پر حضرت حسن بن علیؓ، نمبر ۳۱ پر حضرت حسینؓ، نمبر ۴۰ پر حضرت سہل بن سعدؓ کے اسمائے گرامی لکھے ہیں۔ امام طحاویؒ نے فرمایا تھا کہ جب تم عبدالحمید بن جعفر کو ضعیف کہتے ہو تو اس کی حدیث سے استدلال کیوں کرتے ہو اور پھر محمد بن عمرو بن عطاء نے یہ حدیث ابوحمید سے نہیں سنی تو تم اس سے دلیل کیوں لیتے ہو۔ اس اعتراض سے ایک تو یوں جان چھڑائی کہ دوسری سند میں عبدالحمید نہیں۔ تو عرض ہے کہ اس میں فلیح بن سلیمان تو ہے جو ضعیف ہے اور اس میں دو سجدوں یا دو رکعتوں سے اٹھ کر رفع یدین کا ذکر بھی تو نہیں۔ اس کے ساتھ عبدالحمید کو ثقہ ثابت کرنے کیلئے علامہ زیلعی سے ایک عبارت نقل کی ہے: **ان عبدالحميد بن جعفر ممن تكلم فيه ولكن وثقه اكثر العلماء و احتج به مسلم فی صحيحه وليس تضعف من ضعفه مما يوجب رد حديثه (ولكن الثقة قد يغلط و الظاهر انه غلط فی هذا الحديث)** (ص ۴۵۵ بحوالہ زیلعی ج ۱/ص ۳۴۴) لیکن یہ بریکٹ میں موجو عبارت مجاہدین حذف کر گئے کہ کہیں ثقہ بھی غلطی کر جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس (عبدالحمید) نے اس حدیث میں غلطی کی ہے۔ مکرم قارئین! اس قسم کی خیانت اس فرقے کا اوڑھنا بچھونا ہے، لیکن ان کا طریقہ واردات بڑا عجیب ہوتا ہے کہ خیانتیں بھی کرتے جائیں گے اور ساتھ ساتھ یہ قوالی بھی سناتے جائیں گے:

ما اہل حدیثیم ، دغا را نہ شناسیم

خدا تعالیٰ ان کے شر سے سنی مسلمانوں کو محفوظ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ منورہ آباد رہے، اسلیئے ان کی حدیث مدنی سند سے مروی ہے۔ امام مالکؒ عالی سند سے مالک عن نافع عن ابن عمر اس کو موقوف روایت کرتے ہیں اور ہاتھ اٹھانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور رکوع سے اٹھتے وقت اس سے بھی کم اور رکوع جانے سے پہلے رفع یدین کا ذکر ہی نہیں کرتے (موطا) اور نازل سند سے بھی مالک عن زھری عن سالم عن ابن عمر اس کو مرفوع روایت کرتے ہیں مگر مختلف الفاظ سے، امام مالکؒ سے تقریباً بتیس شاگرد اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ جن میں سے ۱۸ شاگرد رکوع جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر کرتے ہیں، ان میں سے ۱۷ شاگرد رفع یدیہ بیان کرتے ہیں اور ایک عبداللہ بن سلمہ یرفع یدیہ بیان کرتا ہے اور ۱۲ شاگرد رکوع سے پہلی رفع یدین بیان نہیں کرتے صرف رکوع سے اٹھنے کی رفع یدین بیان کرتے ہیں اور دو شاگرد صاحب مدونۃ الکبریٰ اور عبداللہ بن عون الخراز صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین روایت کرتے ہیں اور تحریمہ کے بعد کی رفع یدین کی نفی کرتے ہیں: مدونۃ کبریٰ میں کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ میں جزاء مقدم اور شرط مؤخر ہے جو حصر کا فائدہ دیتی ہے اور عبداللہ بن عون کی حدیث میں ثم لا یعود کی صراحت ہے کہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے بعد کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ گویا امام مالکؒ کی اسی روایت میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا تو بلا معارضہ ثابت ہے لیکن رکوع کی رفع یدین کے بارے میں احادیث متعارض ہیں۔ ہاں امام مالکؒ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ تکبیر تحریمہ کے وقت تو رفع یدین کرنا عملاً متواتر ہے مگر تحریمہ کے بعد رکوع سجدہ وغیرہ میں رفع یدین نہ کرنا عملاً متواتر ہے۔ امام مالکؒ تکبیر تحریمہ کے بعد رفع یدین کرنے کو پہچانتے تک نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کے اساتذہ آپ کے سارے ساتھی اور آپ کے تمام شاگرد بھی اگرچہ رفع یدین کی حدیث تو روایت کرتے تھے مگر خود رفع یدین نہیں کرتے

تھے ورنہ امام مالکؒ سالبہ کلیہ استعمال نہ فرماتے کہ میں کسی کو نہیں پہچانتا جو تحریمہ کے بعد رفع یدین کرتا ہو۔ سید علامہ محمد انور شاہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ روایت ہمیشہ فعل کی زیادہ ہوتی ہے نہ کہ ترک کی۔ یہاں بھی یہی ہوا کہ روایت کے درجہ میں فعل کی روایت زہری کے بعد درجہ شہرت کو پہنچ گئی مگر عملی تواتر ترک رفع یدین کو ہی رہا۔ اسی طرح شاہ ولی اللہؒ بھی اگرچہ کثرت فعل رفع یدین کی روایت مانتے ہیں مگر عملی تواتر کے خلاف ہونے کی وجہ سے رفع یدین کو فتنہ بھی فرماتے ہیں۔ امام زہری کے دوسرے شاگرد اس حدیث میں امام سفیان بن عیینہ مکی ہیں ان سے بھی تقریباً ۳۲ شاگرد ہی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں مگر سب کے سب اذا رکع و اذا رفع راسہ من الرکوع کی شرط تو روایت کرتے ہیں مگر رفع یدیہ یا یرفع یدیہ کی جزاء بیان نہیں کرتے بلکہ مسند حمیدی اور صحیح ابوعوانہ میں جزاء فلا یرفع اولا یرفعھما ہے البتہ عملی تواتر مکہ میں بھی ترک رفع یدین پر رہا جیسا کہ میمون مکی سے ابوداؤد میں سالبہ کلیہ ہے۔ صلّٰی صلوٰۃ لم ارا احدا یصلیھا کہ میں نے یہ رفع یدین والی نماز پڑھتے کسی کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔

سجدوں میں رفع یدین:

ان مجاہدین نے امام مالکؒ سے ۱۲ سندیں، یونس سے ۶ سندیں، زبیدی سے چار سندیں یعنی تقریباً ۲۲ سندوں میں زہری سے یوں روایت کیا کہ آپ ﷺ سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور کوئی بھی یہ رفع یدین نہیں کرتا۔

سجدوں کے درمیان رفع یدین: !

اسی کتاب میں سفیان بن عیینہ کی تقریباً ۱۶ سندوں میں ہے کہ آپ ﷺ دو سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے اور ابوموسیٰؓ کی حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں اور پوری امت دو سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتی۔ دیکھو! سجدوں میں اور سجدوں کے درمیان رفع یدین نہ کرنے کی حدیث سند کے اعتبار سے متواتر تو کجا خبر واحد متفق علیہ بھی نہیں مگر امت کا عملی تواتر اس رفع یدین کے ترک پر ہے۔ اسی طرح سجدوں

سے پہلے اور سجدوں سے اٹھ کر رفع یدین نہ کرنے کی حدیث خبر واحد متفق علیہ بھی نہیں مگر عملی تواتر امت میں اس رفع یدین کے ترک پر ہی ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی یعلی!:

مجاہدین فرماتے ہیں کہ قاضی عبدالرحمٰن بن ابی یعلی کی حدیث قابل حجت نہیں۔ (ص ۴۳۶) کیوں؟ اس لئے کہ ان کے عمل کے خلاف ہے۔ اسی لئے اس پر کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے حالانکہ یہ جلیل القدر تابعی اور نہایت ثقہ راوی ہیں۔ امام ذہبی نے حفاظ حدیث میں ان کا ذکر فرمایا ہے، لکھتے ہیں ''امام ابو عیسیٰ عبدالرحمٰن بن ابی یعلی انصاری سب صحاح ستہ والوں نے ان کی احادیث روایت کی ہیں، آپ کوفہ کے فقیہ اور قاضی محمد کے پدر بزرگوار ہیں۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے، آپ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوذرؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے ان کی ہم نشینی کی ہے، ان کے تلامذہ ان کی بادشاہوں کی طرح تعظیم کرتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ اردو ج ۱/ص ۶۵) دیکھئے! ضد اور تعصب سے کیسے کیسے ثقہ بزرگوں کو نا قابل حجت کہا جا رہا ہے۔

وجود اور ترک:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین روزانہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۷ ا رکعت فرائض ادا فرماتے۔ ان پانچ نمازوں میں پانچ تکبیر تحریمہ آتیں، جن کے ساتھ آپ ﷺ کو رفع یدین کرتے صحابہ کرامؓ دیکھتے۔ اس رفع یدین کو بعض محدثین کے اقوال کے موافق پچاس صحابہ کرام نے روایت کیا، جبکہ ہر نماز کی دوسری رکعت کے شروع میں بقول غیر مقلدین بھی صحابہ کرامؓ نے آپ کو کبھی بھی رفع یدین کرتے نہ دیکھا۔ اس ترک کو بقول غیر مقلدین ایک صحابی نے بھی روایت نہیں کیا۔ اسی طرح نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی تیسری رکعت میں بقول غیر مقلدین صحابہ کرامؓ روزانہ چار مرتبہ آپ ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھتے مگر ایک بھی متفق علیہ حدیث میں ان کا ثبوت نہیں اور چوتھی رکعت کے شروع

میں ظہر، عصر، عشاء میں صحابہؓ دیکھتے کہ آپ رفع یدین نہیں کرتے۔ اس کو بقول غیر مقلدین ایک بھی صحابی نے روایت نہیں کیا۔ اسی طرح ۱۷ فرائض میں ۱۷ رکوع ہوتے ہیں اور صحابہ کرامؓ روزانہ ۳۴ مرتبہ یہ رفع یدین دیکھتے تھے اور بقول ۱۴ مجاہدین اس کو ۴۴ صحابہ کرامؓ نے روایت کیا حالانکہ غیر مقلدین والی رفع یدین ایک بھی متفق علیہ حدیث میں نہیں مگر ۱۷ رکعتوں میں ۳۴ سجدے ہوتے ہیں اور صحابہ بقول غیر مقلدین روزانہ صرف فرائض کے سجدوں میں ۶۸ دفعہ دیکھتے کہ آپ ﷺ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ مگر کسی ایک صحابی نے بھی صراحتاً اس کی روایت نہیں کی حالانکہ غیر مقلدین کے اصول کے مطابق اگر پہلی رکعت کی تحریمہ کی رفع یدین ۵۰ صحابہ نے روایت کی تو دوسری اور چوتھی رکعت کی ابتداء میں رفع یدین نہ کرنا بھی پچاس صحابہ کرامؓ کو روایت کرنا چاہئے تھا اور تیسری رکعت کی ابتدائی رفع یدین بھی پچاس صحابہ کو روایت کرنا چاہئے تھی اسی طرح ۱۷ فرائض کے رکوع کی ۳۴ جگہ کی رفع یدین کو اگر بقول غیر مقلدین ۴۴ صحابہ نے روایت کیا ہے جبکہ ایک بھی متفق علیہ حدیث سے ثابت نہیں اور سجدوں کے ۶۸ جگہ کے ترک کو ۸۸ صحابہ روایت کرتے اور سجدوں کی ترک کا اسنادی تواتر رکوع کے اسنادی تواتر سے ڈبل ہونا چاہئے تھا جسے غیر مقلدین قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔ جس طرح دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین نہ کرنے کا سندی تواتر غیر مقلدین قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ ترک میں مدار کار عملی تواتر پر ہی ہوتا ہے اور عملی تواتر کی مخالفت کرنا امت میں فتنہ ڈالنا ہے اور فتنہ کو اللہ تعالیٰ نے اشد من القتل بلکہ اکبر من القتل فرمایا ہے۔ غیر مقلدین کو چاہئے کہ عملی تواتر کی مخالفت کر کے امت رسول میں فتنہ نہ ڈالیں اور یاد رکھیں کہ عملیات میں تواتر عملی کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ کثرت روایت کو۔ دیکھو حضرت امام ابراہیم نخعی تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت وائلؓ نے ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پچاس مرتبہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا ہے۔ (طحاوی) کیا جن ۴۴ صحابہ کے نام آپ نے لکھے ہیں کسی تابعی کا ایسا بیان دکھا سکتے ہو کہ اگر فلاں صحابی نے ایک دفعہ نہ کرتے دیکھا ہے تو فلاں صحابی نے پچاس مرتبہ کرتے

دیکھا ہے۔ خیر القرون کے کسی ایک امام سے بھی قیامت تک آپ نہیں دکھا سکتے۔

خلاصہ

(۱)...... جو رفع یدین تکبیر سے خالی اور معارض ہے اس پر حضور ﷺ کی مواظبت ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ کیونکہ معارضت آئی اور مواظبت ختم ہو گئی اور ثبوت سنیت کیلئے مواظبت مع الترک احیاناً ضروری ہے۔

(۲)...... آپ ﷺ کے خلفائے راشدین میں کسی ایک سے بھی غیر مقلدین والی رفع یدین ثابت ہی نہیں چہ جائیکہ مواظبت ثابت ہو۔

(۳)...... بقیہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی کسی ایک سے بھی غیر مقلدین والی، رفع یدین ہرگز ثابت نہیں، مواظبت کا کیا ذکر۔

(۴) مہاجرین اور انصار میں سے کسی ایک صحابی سے بھی غیر مقلدین والی رفع یدین ثابت نہیں، ہیشگی کا تو ذکر ہی کیا۔

(۵)...... ان کے علاوہ ان کے بعد میں ایمان لانے والے صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک سے بھی غیر مقلدین والی رفع یدین کا ثبوت نہیں۔

(۶)...... حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؒ جو طبقہ ثالثہ کے تابعی ہیں اور مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں انہوں نے اپنے والد گرامی کو رفع یدین کرتے دیکھ کر پوچھا کہ ماھذا؟ (یہ کیا ہے؟) معلوم ہوا کہ اس دور میں رفع یدین ایک غیر معروف فعل تھا۔ (مسند احمد)

(۷)...... طبقہ رابعہ کے تابعی میمون مکی فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی رفع یدین والی نماز دیکھی ہی نہیں۔ (ابوداؤد، مسند احمد) اور اسی طبقہ رابعہ کے قاضی محارب بن دثار بھی ابن عمرؓ کی رفع یدین دیکھ کر حیران ہیں اور پوچھتے ہیں ماھذا؟ یہ کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ عہد صحابہ و تابعین میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ میں رفع یدین والی نماز بالکل اوپری نماز معلوم ہوتی تھی۔

(۸)...... طبقہ خامسہ کے حکم بن عتیبہ بھی طاؤس کی رفع یدین دیکھ کر اس کے ایک ساتھی سے پوچھ رہے ہیں (مسند احمد) اور اسی طبقہ کے امام ابراہیم نخعی تو فرماتے ہیں کہ تحریمہ کے

بعد رفع یدین کی حدیث نہ کبھی سنی نہ دیکھی ۔ (موطا محمد)

(۹)...... امام اعظم ابو حنیفہؒ امام اوزاعی سے فرما رہے ہیں کہ رفع یدین کے باب میں ایک حدیث بھی (بغیر معارضہ کے) صحیح نہیں (مسند امام اعظم)

(۱۰)...... طبقہ سابعہ کے جلیل القدر تبع تابعی امام ابوبکر عیاش فرماتے ہیں: کسی ایک بھی فقیہ کو کبھی بھی تحریمہ کے بعد رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ (طحاوی)

(۱۱)...... اسی ساتویں طبقے کے جلیل القدر مدنی تبع تابعی بھی فرماتے ہیں کہ تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ضعیف ہے اور میں کسی بھی رفع یدین کرنے والے کو نہیں پہچانتا (المدونۃ الکبریٰ)

(۱۲)...... اسی طبقہ کے مکہ کے جلیل القدر تبع تابعی وہیب بن خالد تحریمہ کے بعد والی رفع یدین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو بھی کرتے نہیں دیکھا۔ (ابوداؤد، نسائی)

(۱۳)...... اسی طبقہ کے امام محمد بن الحسن شیبانی فرماتے ہیں: ''حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نہایت یقین سے ثابت ہے کہ یہ تکبیر تحریمہ کے بعد نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ علی ابن ابی طالبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ رسول پاک ﷺ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بہت زیادہ علم رکھتے تھے۔ اس لئے کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز (باجماعت) کو قائم کیا جائے تو عقل اور کمال عقل رکھنے والے صحابہ میرے قریب رہا کریں اور پھر ان کے بعد اس وصف میں دوسرے درجے والے، پھر ان کے بعد تیسرے درجہ والے رہا کریں۔ اس لئے ہم نہیں سمجھتے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھائیں تو اہل بدر کے علاوہ کوئی صحابی اگلی صف میں رہ سکیں گے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں پہلی اور دوسری صف میں اہل بدر اور ان جیسے ارباب فضیلت ہی رہیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نوجوانوں کی صف میں ان کے پیچھے رہیں گے۔ اس لئے ہمارا یقین ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان جیسے اہل بدر رسول اللہ ﷺ کی نماز کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ کیونکہ یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب تھے اور خوب جانتے تھے کہ نبی پاک ﷺ نماز میں کون

سا عمل کرتے ہیں اور کون سا عمل ترک کرتے ہیں، اس کو زیادہ یہی لوگ جانتے تھے۔ (کتاب الحجۃ ج ۱/ص ۲۳) امام محمد کا یہ چیلنج آج تک رفع یدین کرنے والوں کے سر پر قرض ہے۔ اس قرض کو نہ صحاح ستہ والے اتار سکے نہ ہی علامہ نووی اور نہ ہی علامہ ابن حجر بلکہ یہ چیلنج امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی حیات میں کیا گیا مگر اس مطالبے کو پورا نہ کر سکے۔ ہم نے یہ اقوال صرف خیر القرون کے ائمہ کے پیش کئے ہیں۔ آپ اس کے مقابلہ میں خیر القرون کے مسلمہ ائمہ کے اقوال پیش کریں لیکن یہ ناممکن بلکہ محال ہے۔ امام بخاری نے بھی جزء رفع یدین میں لکھا ہے کہ اہل السنۃ کی پہچان یہ ہے کہ وہ پہلے ائمہ کی اقتداء کرتے ہیں اور اہل بدعت کی پہچان یہ ہے کہ پہلوں کو چھوڑ کر پچھلوں کے پیچھے لگتے ہیں۔ اس لئے خیر القرون کے سابقین کے مقابلہ میں خیر القرون کے بعد والوں کے اقوال پیش نہ کریں۔ فقط
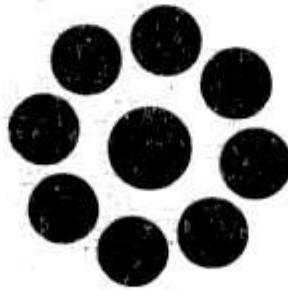
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکرمی مولانا عبدالعزیز النورستانی! السلام علیکم

آپ کا ایک رسالہ "صلوا" ایک دوست سے ملا۔ اس سلسلہ میں چند سوالات کا جواب مطلوب ہے :

۱..... آپ نے بے نماز کو بلا جھجک کافر قرار دیا ہے (ص ۳)۔ تو بے نماز کے نکاح' ذبیحہ' اس کی نماز جنازہ' میراث' مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے' نکاح میں گواہ بننے کے بارہ میں کفر کے مکمل احکام اس پر بلا جھجک نافذ ہوں گے یا نہیں؟

۲..... آپ نے فرمایا ہے کہ نماز کی محافظت یہ ہے کہ ہر نماز کے فرائض اور سنن سب پوری طرح ادا کرے (ص ۴)۔ آپ کو چاہئے تھا کہ نماز کے ہر ذکر اور ہر فعل کا حکم بیان فرمادیتے کہ فلاں فرض ہے فلاں سنت' تاکہ نماز پر محافظت ہو سکتی۔ امید ہے کہ اب آپ ہر فعل اور ہر ذکر کا فرض یا سنت ہونا صریح آیات واحادیث سے تحریر فرمائیں گے۔

۳..... آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی اس حقیقت کو جان سکتا ہے کہ نماز کی ترکیب و طریقہ جب اللہ ہی نے سکھایا ہے تو اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہو سکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف اور تفاوت پاتے (ص ۸)۔ مولانا! حدیث کی مشہور کتاب مصنف ابن

ابی شیبہ کو ہی دیکھ لیں تو آپ کو نبی ﷺ اور صحابہؓ کی نماز کے بارہ میں بکثرت اختلافی احادیث نظر آئیں گی۔ تو کیا نبی ﷺ کی نماز، صحابہؓ کی نماز اور یہ اختلافی حدیثیں یقیناً خدا کی طرف سے نہیں ہیں؟ نماز کے کچھ اختلافات تو آپ نے بھی ص ۷، ص ۱۱، ص ۳۴ وغیرہ پر تسلیم فرمائے ہیں۔ تو کیا واقعتاً یہ آپ کی نماز بھی خدا کی طرف سے نہیں؟

۴..... مولانا! جن اختلافی مسائل میں آپ نے ایک پہلو کی احادیث اپنے رسالہ میں نوٹ فرمائی ہیں دوسرے پہلو کی احادیث بھی کتب حدیث میں موجود تھیں یا نہیں؟ یہ رد و قبول آنجناب نے اپنی رائے سے کیا یا خدا اور رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ حدیثیں لینا اور وہ چھوڑ دینا۔ اگر اپنی رائے سے کیا اور یقیناً اپنی رائے سے کیا، تو آپ اس رائے میں معصوم عن الخطاء ہیں؟ نیز آپ اہل حدیث تو نہ رہے اہل الرائے بن گئے اور اپنی رائے کو نبی کی نماز قرار دے کر اندرون خانہ دعویٰ نبوت بھی کر دیا، کیونکہ جو آپ کے رسالہ کو نہ مانے، دوسری احادیث پر عمل کرے اس کو آپ نبی ﷺ کا منکر کہتے ہیں، کتنا بڑا جھوٹ ہے کہ انتخاب اپنی رائے سے اور سائن بورڈ اہل حدیث کا۔

۵..... مولانا! آپ کے نزدیک دلیل شرعی صرف اور صرف قرآن و حدیث ہے۔ پھر جب آپ یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں ضعیف تو یہ دلیل شرعی سے کہتے ہیں یا رائے سے؟ پھر اس رائے کو قرآن و حدیث کے نام سے پیش کرتے ہو۔ جو تمہاری اس رائے کے خلاف دوسری حدیث کو صحیح یا ضعیف کہہ دے اس کو خدا اور رسول ﷺ کا منکر کہتے ہو۔ آپ خدا اور رسول کب سے بنے ہیں؟

۶..... آپ نے ص ۲۲ پر حدیث نقل فرمائی ہے: حضرت ھلبؓ فرماتے ہیں: رایت النبی ﷺ ینصرف عن یمینه و عن یسارہ و یضع یدہ علی صدرہ۔ اس پر آپ نے حوالہ ابن خزیمہ ص ۲۴۳، ج ا کا دیا ہے، جب کہ وہاں یہ حدیث ہے ہی نہیں۔ مولانا! آپ کو علمی دیانت کا احساس چھو کر بھی نہیں گیا۔

۷..... دوسرا حوالہ آپ نے مسند احمد ص ۲۲۶، ج ۵ کا دیا ہے۔ وہاں بھی یدہ کا لفظ نہیں، ھذہ کا لفظ ہے۔ آپ نے یدہ کا لفظ محض جھوٹ لکھ دیا۔

۸..... مولانا! حضرت ھلبؓ کی یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ وہاں نہ یدہ ہے

نہ صدرہ' یہ الفاظ احمد کے حوالے سے بھی نہ مجمع الزوائد میں' نہ کنز العمال اور جمع الجوامع میں' جس سے یہ شبہ قوی ہوتا ہے کہ یہ صدرہ' ھذہٖ سے تصحیف ہے۔

۹..... اس سند کے سب راوی بصری اور کوفی ہیں' جن میں سے کوئی بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کا قائل وفاعل نہیں۔

۱۰..... اگر بفرض محال مان بھی لیں تو اس میں تو سلام کے بعد ایک ہاتھ سینے پر رکھنے کا ذکر ہے نہ دونوں ہاتھوں کا ذکر' نہ نماز کے اندر کا ذکر۔ آپ نے ترجمہ میں ''نماز میں'' کا اضافہ اپنی طرف سے کر لیا ہے۔

۱۱..... اگر بفرض محال اس میں دونوں ہاتھوں کا ذکر بھی ہوتا' نماز کے اندر کا بھی' سینے کا بھی تو نفس ثبوت ہوتا' نہ سنت ہونا ثابت ہوتا نہ فرض ہونا جو آپ کا مقصد ہے۔ دیکھئے صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں' لیکن آپ کے مرد و عورت نہ اس کو فرض کہتے ہیں نہ دائمی سنت کی طرح عامل ہیں۔ اور یہ حدیث صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں۔ سند کی صحت بھی مشکوک' متن بھی مشکوک' پھر نماز کے اندر سینے پر ہاتھ باندھنا فرض یا دائمی سنت کیسے بن گیا۔ حدیث سے تو پہلے دستبردار ہو گئے تھے' اب تو رائے سے بھی گئے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

۱۲..... ص ۱۷ پر آپ نے حدیث لا صلٰوۃ الا بفاتحۃ الکتاب لکھی ہے اور حوالہ بخاری ص ۱۰۴/ج ۱' مسلم ص ۱۶۹/ج ۱' اور نسائی ص ۹۲/ج ۱ کا دیا ہے' مگر ان الفاظ میں یہ حدیث ان تینوں میں سے کسی کتاب میں موجود نہیں۔ حدیث کے الفاظ بدلنے اور کانٹ چھانٹ کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا ہے؟

۱۳..... ص ۱۸ پر آپ نے حدیث لکھی ہے: قال آمین رفع بھا صوتہ۔ اور ترجمہ کیا ہے: بلند آواز سے آمین کہا کرتے تھے۔ یہ ترجمہ کتنا غلط ہے۔

۱۴..... ص ۱۸ پر ابن ماجہ کے حوالہ سے حسد یہود کی حدیث لکھی ہے۔ اس میں سلام کا بھی لفظ تھا جو آپ نے چھوڑ دیا ہے۔ خیانت حدیث پاک کے موافق منافق کا شیوہ ہے یا اہل حدیث کا؟

۱۵..... اسی حدیث کے ترجمہ میں "اونچی آواز" کے الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے ہیں۔ یہ عربی کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟

۱۶..... مجدد الف ثانی سراج احمد سرہندی کا حوالہ ص ۱۹ پر دیا ہے۔ یہ کون بزرگ ہیں' مستند حوالہ دیں۔ کیونکہ مجدد الف ثانی کا نام سراج احمد نہیں ہے اور سراج احمد ہندی ہیں نہ سرہندی ہیں نہ مجدد الف ثانی' یہ تو صرف جناب کی جہالت کا کرشمہ ہے۔ اس جہالت پر لوگ آپ کو شیر سرحد اور امام وقت کہتے ہیں۔ سچ ہے: اتخذوا الناس روسًا جھالاً۔

۱۷..... ابو طالب مکی 'صاحب قوت القلوب کو آپ نے ص ۲۵ پر حنفی لکھا ہے۔ اس کا مستند حوالہ درکار ہے کہ وہ حنفی تھے۔

۱۸..... ص ۲۴ پر آپ نے حاکم (شیعہ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رفع یدین (متنازعہ فیہ) خلفائے راشدینؓ اور عشرہ مبشرہؓ نے روایت کی ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ کی وہ روایت بسند صحیح پیش فرمادیں کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں کبھی رفع یدین نہیں کی اور رکوع جاتے اور سر اٹھاتے وقت ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے اور سجدوں میں جاتے 'سجدوں سے سر اٹھاتے وقت کبھی رفع یدین نہیں کی۔ فقط

محمد آصف شاہ بخاری

۲۸ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

نوٹ :

یہ اٹھارہ سوالات قسط اول ہیں۔ ان کا جواب صحیح صریح غیر معارض احادیث سے دیں۔ واپسی کے لئے ڈاک ٹکٹ بھی بھیج رہا ہوں۔ جلد از جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر مسلمان جانتا ہے کہ فرائض اور سنت مؤکدہ کی رکعتیں مقرر ہوتی ہیں۔ ان میں کسی کو اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، البتہ نوافل کا حساب ایسا ہے کہ جتنا گُڑ ڈالو گے اُتنا ہی میٹھا ہوگا۔ جتنے پڑھ لو اتنا ہی ثواب مل جائے گا، نمازِ وتر کے بارہ میں احادیث میں کئی اختلافات ہیں جن میں بعض احکام نفل والے ہیں، مثلاً جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لینا، سواری پر بیٹھ کر وتر پڑھ لینا وغیرہ، بعض احکام وجوب کے ہیں کہ تین ہی رکعت پڑھنا، سواری پر بیٹھ کر وتر کا جائز نہ ہونا، وتروں کی قضا کا ضروری ہونا۔ اب شریعت (کتاب وسنت) میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایک ہی نماز کو کبھی نفل کی نیت سے ادا کرلیا جائے اور کبھی واجب کی نیت سے پڑھ لیا جائے اور نہ ہی صراحتاً کسی حدیث میں یہ ہے کہ پہلے یہ احکام تھے، اب یہ ہیں۔ جب یہ صراحت نہ ملی تو بنصِ حدیث معاذؓ یہاں اجتہاد کی گنجائش نکل آئی۔ مجتہدین نے اجتہاد سے کسی ایک پہلو کو ترجیح دے لی۔ اس بارہ میں احناف یہ کہتے ہیں کہ پہلے وتر نفل تھے اور تہجد میں شامل، اس لئے تہجد اور وتر کو ملا کر بیان کردیا جاتا کہ حضرت ﷺ نے گیارہ یا تیرہ تک وتر (مع تہجد) پڑھے۔

وتر واجب ہیں:

(۱) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ اَمَدَّکُمْ بِصَلٰوۃٍ ھِیَ

خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر فجعلھا لکم فیما بین صلوٰۃ العشاءِ الٰی صلوٰۃ الفجر (مستدرک حاکم ج۱،ص۳۰۶) حاکم وذہبی نے شرطِ شیخین پر صحیح کہا ہے، "اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک زائد نماز عطاء کی ہے جو کہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ اور وہ نماز وتر ہے۔ پس اس نے تمہارے لئے اسے عشاء اور فجر کی نماز کے درمیان رکھا ہے" یہ حدیث (۱) حضرت خارجہ بن حذافہؓ (حاکم)، (۲) حضرت ابوسعید خدریؓ (طبرانی)، (۳) حضرت عمرو بن العاصؓ، (۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (دارقطنی)، (۵) حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ (دارِقطنی)، (۶) حضرت عقبہ بن عامرؓ (طبرانی)، (۷) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (اخلاقیات بیہقی)، (۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (دارِقطنی فی غرائب مالک) سے مروی ہے۔ اس لئے قاضی ابوزید فرماتے ہیں: وھو حدیث مشھور (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۴۱۳، ج۳) اس مشہور حدیث سے وتر کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ زیادتی اُسی جنس میں ہوتی ہے، مثلاً کہا جائے کہ اس سکول میں ایک اُستاد بڑھا دیا گیا تو وہ اُستاد ہی شمار ہوگا، اسی طرح فرائض میں ایک نماز کا بڑھانا اس کے فرض ہونے کی دلیل ہے، لیکن اس کا ثبوت فرائض کی طرح متواتر نہیں۔ اس لئے اس کو واجب کہا گیا۔

(۲) خود آنحضرت ﷺ کا فرمان بھی یہی ہے: الوتر حق واجب علٰی کل مسلم (رواہ ابن حبان وصححہٗ (فتح الباری ص۴۰۰، ج۲) وتر لازم اور واجب ہے ہر مسلمان پر۔

(۳) حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے وتر حق (اور ثابت و لازم) ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں۔ وتر حق (لازم) ہے، جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں، وتر حق (لازم) ہے، جو وتر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں۔ (اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے، ص۳۰۶، ج۱)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: الوتر واجب علٰی کل مسلم رواہ البزار۔ یعنی وتر ہر مسلمان پر واجب ہو جانے کے بعد نوافل والے تمام احکام ختم ہو گئے۔ نہ اس کی رکعتوں کی تعداد اپنی مرضی پر رہی، نہ ہی اس کا

بیٹھ کر پڑھنا خواہ سواری پر ہی ہو جائز رہا۔

وتر تین رکعات ہیں:

اب رہا یہ سوال کہ کتنی رکعتیں واجب ہوئیں۔ تو ظاہر ہے کہ یہ زیادتی پانچ نمازوں پر ہوئی اور پانچ نمازوں میں سے چار نمازیں جفت ہیں، یعنی دو یا چار رکعت ہیں اور صرف ایک ہی نماز طاق (وتر) ہے، وہ مغرب کی نماز ہے۔

(۵) عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال صلوٰۃ المغرب وتر النھار فاوتروا صلوٰۃ اللیل (ابن ابی شیبہ، احمد) علامہ عراقی فرماتے ہیں، اس کی سند صحیح ہے (زرقانی شرح موطا ج۱، ص۲۳۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں، اسی طرح تم رات کی نماز کو وتر بنادو۔

(۶) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔ (موطا امام محمد)

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے وتر تین ہیں، جیسے دن کے وتر، یعنی نماز مغرب، اس کو دارِقطنی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(۸) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وتر کی تین رکعت ہیں، جیسے نماز مغرب کی تین رکعت ہیں۔ (طبرانی فی الکبیر)

(۹) حضرت ابوخالدہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح پڑھی جاتی ہے، ماسوا اس کے کہ ہم اس کی تیسری رکعت میں بھی قرأت کرتے ہیں۔ پس یہ رات کا وتر ہے اور مغرب کی نماز دن کا وتر ہے۔ (طحاوی ج۱، ص۱۴۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب وتر واجب ہوئے تو اس کی تین ہی رکعت مقرر ہوگئیں، جیسے نمام مغرب کی تین ہی رکعتیں ہیں اور وہ دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھی جاتی ہیں۔ اسی پر صحابہ خود عمل کرتے رہے اور یہی طریقہ اپنے شاگردوں کو بتاتے رہے اور اسی پر بلاتردد وانکار خیر القرون میں عمل جاری رہا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ جن

احادیث میں وتر کی تعداد مختلف آئی ہے وہ اُس دور کی ہیں جب وِتر نفل تھے۔

آنحضرت ﷺ تین رکعت وتر میں تین سورتیں پڑھا کرتے تھے، یہ حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابزیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت معاویہؓ بن خدیج، حضرت جابرؓ اور حضرت ابوامامہؓ، چودہ صحابہ نے روایت کیا ہے۔

تین رکعت وتر پر اجماعِ صحابہؓ:

ادھر عہد فاروقیؓ سے بیس تراویح اور تین وتر پر صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔ یہی اجماع حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ اور بعد میں بھی قائم رہا۔ لہٰذا تین رکعت کے علاوہ جتنی رکعات کا ذکر احادیث میں آتا ہے وہ اجماعاً متروک العمل ہیں۔

وتر پڑھنے کا شرعی طریقہ:

ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کلام کی بھی گنجائش تھی اور وتر نفل تھے۔ اس لئے بعض اوقات آنحضرت ﷺ تین وتروں میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے اور ایک وتر علیحدہ پڑھ لیتے۔ دیکھنے والے اس کو دو طرح روایت کر دیتے، بعض صرف آخری رکعت کا خیال کر کے اسے ایک رکعت ہی روایت کر دیتے اور بعض یوں بیان کر دیتے کہ تین وتر دو سلاموں سے ادا فرمائے، لیکن جیسے باقی نمازوں میں سلام کلام جائز نہیں رہا، ایسے ہی وتر کے درمیان بھی سلام کلام جائز نہیں رہا۔

(۱) **عن عائشة ان رسول اللّٰه ﷺ كان لا يسلم في ركعتي الوتر** (مؤطا امام محمد، ص۱۵۱، ج۱؛ نسائی ص۲۴۸، ج۱) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۲) اور اسی طریقے پر عمل آخر تک جاری رہا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے ابھی وتر نہیں پڑھے، پس وہ وتر کی نماز

کے لئے کھڑے ہوئے اور حاضرین نے بھی ان کے پیچھے صف باندھ لی تو حضرت مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں: **فصلّی بنا ثلاث رکعات لم یسلم اِلا فی آخر ھن.** یعنی حضرت عمرؓ نے ہمیں تین رکعتیں وتر پڑھائے، جن میں صرف تیسری رکعت پر سلام پھیرا (طحاوی ج۱،ص۲۰۲،عبدالرزاق ج۳،ص۲۰،ابن ابی شیبہ ج۱،ص۲۹۳)

(۳) یہ بات پہلے بھی ذکر ہو چکی ہے کہ دورِ فاروقیؓ، دورِ عثمانیؓ، دورِ مرتضویؓ میں جیسے بیس رکعت تراویح پر اجماع ہوا، اسی طرح تین وتر پر بھی اجماع ہوا۔ حضرت ابی بن کعبؓ امام التراویح **کان یوتِر بثلاثٍ لا یسلم الا فی الثالثة مثل المغرب** (عبدالرزاق ج۳،ص۲۶) تین رکعت وتر پڑھا کرتے اور دوسری رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے، بلکہ مغرب کی نماز کی طرح صرف تیسری رکعت پر ہی سلام پھیرتے تھے۔ یعنی اجماع اسی بات پر ہوا کہ وتر تین رکعت، دو التحیات اور ایک سلام سے مثل مغرب کے ہیں۔

(۴) حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے (ہزاروں) اصحاب (تین وتر پڑھتے تھے) اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۵) حضرت ابو الزناد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ساتوں فقہاء اس پر متفق تھے کہ وتر تین رکعتیں ہیں اور سلام صرف تیسری رکعت کے بعد ہے اور اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فیصلہ فرمایا (طحاوی، ج۱،ص۲۰۳،ص۲۰۴)

(۶) حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں: **اجمع المسلمون ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرھن** (ابن ابی شیبہ ج۲،ص۲۹۴) سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں، جن کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے۔

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان ہی احادیث پر عمل جاری رہا اور دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے پر عمل تو کیا جاری رہتا، صرف حدیث ہی روایت کی تو شاگرد سن کر کہنے لگا کہ "**انی لاخاف ان یقول الناس ھی البتیراء**" میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس طریقے کو دُم کٹی نماز کہیں (طحاوی ج۱،ص۱۹۲) ظاہر ہے کہ اس وقت لوگ یا صحابہ تھے یا تابعین۔ ان کا اس طریقے کو دُم کٹی نماز کہنا اس حدیث

کے متروک العمل ہونے کی دلیل ہے، جیسا کوئی شخص کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر کرتا تو لوگ اعتراض کرتے۔ افسوس کہ غیر مقلدین نے احناف کی ضد میں ان احادیث پر عمل چھوڑ رکھا ہے جن پر بلانکیر عمل جاری رہا اور شاذ روایات کو اپنانا اپنا مشن بنالیا ہے۔

درمیانی قعدہ:

احناف کی ضد میں یا تو غیر مقلدین دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، کیونکہ اس پر عمل باقی نہیں رہا، یا احناف کی ضد میں دو رکعت پر سرے سے قعدہ ہی نہیں کرتے، یہ بھی ترکِ واجب ہے۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ ایک نماز میں آنحضرت ﷺ درمیانی قعدہ بھول گئے تو آپ ﷺ نے سجدہ سہو فرمایا، اس لئے اگر کوئی بھول کر بھی یہ قعدہ نہ کرے تو سجدہ سہو واجب ہے، ورنہ اعادہ نماز واجب ہے۔

(۱) اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کان یقول فی کل رکعتین التحیۃ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۹۴) آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر دو رکعت پر التحیات ہے۔

(۲) حضرت فضل بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ تشھد فی کل رکعتین (ترمذی ج۱ ص۵۰) یعنی نماز دو دو رکعت ہے اور دو رکعت کے بعد التحیات ہے۔

فائدہ: لفظ کل خاص طور پر یہاں قابل توجہ ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتوں پر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر آپؐ نے پرواہ نہ کی، پس جب آپؐ نماز پوری کر چکے تو دو سجدے سہو کے کئے اور پھر سلام پھیرا (رواہ البزار، مجمع الزوائد ج۱ ص۲۰۲) اور کہا اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ۔ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا کہ دو دو رکعت کا کیا مطلب ہے تو فرمایا: ان تسلّم فی کل رکعتین (صحیح مسلم، ج۱،

ص ۲۵۷) کہ تم ہر دو رکعت پر سلام پھیرو۔ چنانچہ تہجد کی نماز میں ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا تھا۔ ہاں وتر کی دو رکعت بعد آخر میں یہ سلام باقی نہ رہا تو التحیات پڑھ کر بغیر سلام پھیرے تیسری رکعت میں کھڑے ہوتے تھے، اس لئے وہ تمام حدیثیں بھی جن میں سلام کی نفی ہے قعدہ کی دلیل ہیں۔

(۵) وہ تمام احادیث جن میں نماز وتر کو نمازِ مغرب جیسا قرار دیا ہے، وہ بھی درمیانی قعدہ کے لئے دلیل ہیں، کیونکہ مغرب کے تین فرضوں کی دو رکعتوں کے بعد اگر التحیات نہ پڑھے، یعنی قعدہ نہ کرے تو بالاتفاق سجدہ سہو واجب ہے۔

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے اپنی والدہ کو (جو آنحضرت ﷺ کی محرمہ تھیں) جناب رسول اللہ ﷺ کے گھر خاص اس مقصد کے لئے بھیجا، تاکہ وہ دیکھیں کہ آنحضرت ﷺ نمازِ وتر کس طرح ادا فرماتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب وتر ادا فرمائے تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی۔ دوسری رکعت میں قل یاَیہا الکٰفرون پڑھی۔ اس کے بعد قعدہ اولیٰ کیا، اس کے بعد کھڑے ہوئے اور ان دو رکعتوں کو سلام کے ساتھ تیسری رکعت سے جدا نہیں فرمایا۔ اس کے بعد تیسری رکعت میں (فاتحہ کے بعد) قل ھو اللہ احد پڑھی، یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد قنوت پڑھی اور پھر رکوع فرمایا (رواہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب)

(۷) حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ پھر جب دو رکعت کے بعد تو (التحیات پڑھ کر) سلام کا ارادہ کرے تو کھڑا ہو کر ایک رکعت ملا لے، وہ وتر ہو جائیں گے۔ حضرت قاسم بن محمد فرماتے ہیں: میں نے تین وتر ہی لوگوں کو پڑھتے پایا ہے (صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۳۵) دیکھئے بخاری شریف کی اس حدیث سے تین رکعت وتر ایک سلام اور دو التحیات سے ثابت ہو گئے۔

غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات:

ان سب مشہور روایات کے خلاف غیر مقلدین جس روایت سے استدلال کرتے

ہیں وہ یہ ہے:

امام حاکم پہلے دو سندوں سے سعید بن ابی عروبہ عن قتادہ عن زرارۃ بن ابی اوفی عن سعد بن ہشام عن عائشہؓ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر صحیح ہے (۱) مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۳۰۴)، سعید کی یہ حدیث مستدرک حاکم کے علاوہ (۲) نسائی، ج ۱، ص ۲۴۸، (۳) موطا امام محمد ج ۱، ص ۱۵۱، (۴) طحاوی ج ۱، ص ۱۹۳، (۵) محلی ابن حزم ج ۲، ص ۴۸، (۶) ابن ابی شیبہ ج ۲، ص ۲۹۵، (۷) دارِ قطنی ص ۱۷۵، ج ۱، (۸) بیہقی ج ۳، ص ۳۱، (۹) مسند احمد ج ۶، ص ۱۵۶، (۱۰) طبرانی صغیر۔

اِن دس کتابوں میں حدیث کے الفاظ یہی ہیں کہ دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ **اخبرناہ ابو نصر احمد بن سھل الفقیہ بنجار اثنا صالح بن محمد بن حبیب الحافظ ثنا شیبان بن فروخ ابن ابی شیبہ ثنا ابان عن قتادہ عن زرارہ بن ابی اوفی عن سعد بن ھشام عن عائشہؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلاث لا یسلم (فی نسخۃِ لا یقعد) اِلا فی آخر ھن وھٰذا وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وعنہ اخذہ اھل المدینۃ** (المستدرک ج ۱، ص ۳۰۴) گویا دس سندوں میں تو اتفاق ہے کہ حدیث کے الفاظ **لا یسلم** ہیں، یعنی آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اور گیارھویں سند میں دو نسخے ہیں۔ ایک تو یہی **لا یسلم**، دوسرا **لا یقعد** کہ آپ ﷺ دو رکعتوں کے بعد نہیں بیٹھتے تھے، اس لئے ضروری ہوا کہ یہ نسخہ جو گیارہ سندوں کے خلاف ہے اس کی سند اور متن کی تحقیق کی جائے، کیونکہ اس نسخہ کی مثال ایسی ہے جیسے متواتر آیت قرآنی کے خلاف کوئی شاذ قرأت ہو، یا محکم کے مقابلہ میں متشابہ آ جائے۔

(۱) اس کی سند کے پہلے دو راویوں کے حالات نہ تقریب میں ملے ہیں نہ تذکرۃ الحافظ اور نہ میزان الاعتدال اور تہذیب التھذیب میں۔

(۲) تیسرے راوی شیبان بن فروخ کے بارہ میں تقریب التھذیب ص ۱۴۸ پر لکھا

ہے: صدوق یھم ورُمِیَ بالقدر ۔ یعنی سچا ہے مگر وہم کا شکار تھا اور تقدیر کے انکار کی بھی تہمت اس پر تھی۔

(۳)　چوتھا راوی ابان ہے، ابان کی ولدیت سند میں مذکور نہیں۔ تقریب التھذیب میں دس ابان نامی راوی ہیں جن میں سے آٹھ ضعیف ہیں اور دو ثقہ ہیں۔ علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ ابان بن یزید گو ثقہ ہے لیکن اس کی یہ روایت ثقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے غیر محفوظ ہے (آثار السنن، ج۱،ص۱۵)

(۴)　فتاویٰ علمائے حدیث میں ہے: ''ابان کی بجائے سعید بن عروبہ اور چند دوسرے رواۃ نے قتادہ سے جو روایت کی ہے اس میں "لا یقعد" کی بجائے "لا یسلّم" ہے (یعنی سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) اس لئے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق یقعد والے الفاظ کو خطاء اور غلطی تصور کرنا چاہئے (فتاویٰ علمائے حدیث ج۳،ص۱۹۹)

(۵)　اس روایت کا مدار قتادہ پر ہے اور قتادہ جب عن سے روایت کرے تو غیر مقلدین کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت حجت نہیں۔

(۶)　اس کے متن پر غور کریں تو بھی جملہ لا یقعد صحیح نہیں، کیونکہ اس کے بعد اسی روایت میں یہ بھی ہے وتر پڑھنے کا یہ طریقہ حضرت عمرؓ کا تھا۔ اور یہی طریقہ اہل مدینہ نے ان سے اخذ کیا۔ اب دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ کا طریقہ لا یقعد والا تھا یا لا یسلم والا۔ تو پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے دفن کے بعد جب حضرت عمرؓ نے سب کو نماز وتر پڑھائی تو آخر میں سلام پھیرا، اس میں لا یسلم ہے، لا یقعد نہیں۔

(۷)　امام حسنؒ سے جب یہ کہا گیا کہ حضرت ابنِ عمرؓ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے اور امام حسنؒ نے فرمایا کہ ان کے والد حضرت عمرؓ بڑے فقیہ تھے۔ وہ دوسری پر سلام پھیرے بغیر تکبیر سے اُٹھتے تھے۔ (مستدرک ج۱،ص۳۰۴) حضرت عمرؓ سے کسی صحیح سند سے لا یقعد کا لفظ ثابت نہیں۔

(۸)　دوسری بات اہل مدینہ کے وتر کی بابت ہے۔ ان کے بارہ میں بھی گزر چکا ہے کہ بالاتفاق لا یسلم والا طریقہ تھا، کسی ایک روایت میں بھی لا یقعد نہیں آتا۔

الغرض لایقعد والی روایت نہ سنداً صحیح ہے نہ متناً اور اکثر احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے نہایت منکر روایت ہے۔

نتیجہ:

غیر مقلدین جو تین وتر پڑھتے ہیں، دونوں طریقے غلط ہیں۔ ایک متروک بالاجماع ہے اور اجماع سے نکلنے والا بنصِ حدیث دوزخی ہے، دوسرا منکر اور مشہور روایت کے مقابلہ میں منکرات پر عمل کرنے والا یقیناً گمراہ ہے۔

ایک رکعت وتر کا مسئلہ:

تین رکعت وتر کی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جس دور میں نماز میں سلام کلام جائز تھا، اُس وقت وتروں میں بھی سلام ہوتا تھا، دو رکعت الگ اور ایک وتر الگ پڑھتے تھے۔ اس طرح بعض راوی اس کو تین رکعت روایت کرتے، بعض ایک رکعت، ورنہ شفع کے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں۔ چنانچہ امام رافعی اور ابن صلاح سے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ''وتر کی روایات کی کثرت کے باوجود ہمیں معلوم نہیں کہ کسی روایت میں یہ آتا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی صرف ایک رکعت وتر پڑھی ہو (تلخیص حبیر، ج ۲، ص ۱۵) لیکن غیر مقلدین احناف کی ضد میں اِسی پر زور دے رہے ہیں۔ اس بارے میں وہ چند استدلال پیش کرتے ہیں، جن میں سرفہرست حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا: جو چاہے پانچ وتر پڑھ لے، جو چاہے تین پڑھ لے، جو چاہے ایک پڑھ لے، مگر اس میں دو باتیں چھپا جاتے ہیں۔

(۱) یہ حدیث دراصل صحابی کا قول ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''امام ابوحاتم، زیلعی، دارِ قطنی، در علل، بیہقی اور بہت سے حضرات نے اس کو موقوفاً صحیح کہا ہے اور یہی درست ہے (تلخیص حبیر، ج ۲، ص ۱۳) موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں اور غیر مقلدین کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ''در موقوفات صحابہ حجت نیست'' صحابی کا قول حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔

(۲) اس روایت کے آخر میں نسائی ج ۱، ص ۲۴۹ پر یہ بھی ہے جو چاہے ایک وتر پڑھ

لے اور جو چاہے اشارہ کرلے، یہ جملہ غیر مقلدین ہرگز بیان نہیں کرتے، کیونکہ اس سے تو ایک وتر سے بھی چھٹی ملتی ہے اور کیسی آسانی ہے کہ وتروں کے سارے اختلافات کا خاتمہ ہے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے مرفوعاً بیان کیا ہے: الوتر رکعة من آخر اللیل (مسلم ج۱،ص ۲۵۷) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ایک رکعت کے الگ پڑھنے میں صریح نہیں، کیونکہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ گزشتہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک ملا کر تین وتر پڑھے (فتح الباری ج ۲،ص ۳۸۵) یا جیسے میں نے کہا کہ دو رکعت کے بعد جب سلام پھیرتے تھے تو کبھی ایک رکعت کو الگ بیان کر دیتے۔ اس کے بعد خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے یہ حدیث روایت فرمائی کہ وتر کی نماز مغرب کی طرح ہے اور ظاہر ہے کہ مغرب کے فرض ایک رکعت کوئی بھی نہیں پڑھتا۔ اور آخر میں تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک رکعت وتر کے اتنے مخالف ہو گئے تھے کہ ایک رکعت وتر پڑھنے والے کو حمار (گدھا) فرمایا (طحاوی ج ۱،ص ۱۹۹) افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت جو پہلے دور کی ہے وہ تو پیش کرتے ہیں، لیکن آخری دور کی روایت کو چھپاتے ہیں، حالانکہ یہ کتمانِ حق یا تو یہود کا طریقہ تھا (القرآن) یا ان سے شیعہ نے لیا (الکافی) یا اب غیر مقلدین کا اوڑھنا بن گیا ہے۔

(۴) عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن البتیراء ان یصلی الرجل واحدةً یوتر بھا (رواہ ابن عبدالبر فی التمھید بحوالہ اعلاء السنن ج ۶،ص ۴۰) حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتیراء سے منع فرمایا ہے، یعنی اس سے کہ آدمی ایک رکعتِ وتر پڑھے۔

(۵) عن محمد بن کعب القرظی ان النبی ﷺ نھی عن البتیراء (زیلعی ج ۱،ص ۳۰۳ وھو مرسل معتضد) محمد بن کعب بھی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے بتیراء سے منع فرمایا ہے۔

(۶) دورِ صحابہ و تابعین میں ان ہی احادیث کے موافق عمل جاری تھا۔ ایک وتر کا کوئی رواج نہ تھا۔ اگر شاذ و نادر کوئی ایک رکعت پڑھتا تو اس پر انکار ہوتا اور لوگ تعجب سے اس کو

دیکھتے۔ وہ ان کے انکار کے جواب میں کوئی حدیث پیش نہ کرسکتا۔ ہمارا غیر مقلدین سے یہی مطالبہ ہے کہ ہم ایسے واقعات احادیثِ صحیحہ سے پیش کریں گے کہ ایک وتر پڑھنے والے پر شدید انکار ہوا، اور غیر مقلدین یہ ثابت کریں گے کہ جن پر انکار ہوا اُنہوں نے فلاں صحیح حدیث سے ان کے سامنے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا۔

(۷)　حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اھونُ ما یکون الوتر ثلاث رکعات (مؤطا امام محمد ص ۱۵۰) کم از کم وتر کی رکعتیں تین ہیں۔ یہ ایک رکعت وتر کا صریح انکار ہے۔ اب غیر مقلد ثابت کریں کہ کسی نے ان کے سامنے حدیث سے ایک وتر کا ثبوت پیش کیا ہو۔

(۸)　پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صراحتاً کھل کر فرمایا: ما اجزات رکعةً واحدةً قطّ (مؤطا امام محمد ص ۱۵۰) کہ (وتر کی) ایک رکعت کبھی کافی نہیں ہوسکتی۔ اس وقت کوفہ میں سینکڑوں صحابہ اور ہزاروں تابعین موجود تھے، کسی نے ایک حدیث بھی ان کے رد میں پیش نہ کی۔

(۹)　حضرت سعدؓ نے ایک وتر پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ایک رکعت ہرگز جائز نہیں۔ وعابَ ذالک علٰی سعدٍ. اور حضرت سعدؓ کے اس فعل کو معیوب قرار دیا (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳) مگر حضرت سعدؓ ایک بھی حدیث ان کے مقابلہ میں پیش نہ کرسکے۔

(۱۰)　حضرت عبداللہ بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے کوفے میں ایک وتر پڑھا، میں ان کے پیچھے چلا اور ان کا بازو پکڑلیا اور پوچھا: یا ابا اسحاق ما ھٰذہِ الرکعة؟ یہ رکعت کیا ہے؟ (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۳) اس سے معلوم ہوا کہ شاذ قرأتوں کی طرح ایک وتر کو لوگ اچنبھے کی طرح دیکھتے تھے۔ حضرت سعدؓ عبداللہ بن سلمہ کے سامنے بھی کوئی حدیث پیش نہ فرما سکے۔

(۱۱)　غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک وتر پڑھا اور حضرت ابن عباسؓ کا قول دلیل شرعی ہے۔ اور ہمارے نزدیک صحابہ کا قول یا فعل دلیل شرعی ہے۔ جمہور کے خلاف کسی کا قول یا فعل دلیل شرعی نہیں۔ اگرچہ ابن عباسؓ کی طرح ہم اجتہادی اختلاف

کی تاویل کریں گے۔ بہرحال اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک رکعت وتر پڑھا، یہ اس عہد میں ایک اجنبی فعل تھا، ابن ابی ملیکہ نے آ کر ابن عباسؓ کو بتایا، آپ رضی اللہ نے فرمایا: انه فَقِيهٌ. یعنی ایک وتر کے باقی رہنے پر ان کے پاس کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔ البتہ ان کی فقہی رائے ہے اور فقیہ اپنی رائے میں خطاء پر بھی ہو تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اس لئے اصاب بھی فرمایا (بخاری)۔ اور واقعی کوئی غیر مقلد یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت معاویہؓ نے کوئی صریح حدیث پیش کر کے ثابت کیا ہو کہ یہ میری فقہی رائے نہیں بلکہ صریح حدیث پر میں عامل ہوں۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ پورے مکہ مکرمہ میں کوئی ایک وتر کو جانتا تک نہ تھا۔ جب امیر معاویہؓ آئے تو دیکھا اور حیران ہوئے۔

(۱۲)　حضرت ابن ابی ملیکہ کو تو ابن عباسؓ نے مندرجہ بالا جواب دیا۔ پھر جب عکرمہ نے بھی آ کر بتایا کہ حضرت معاویہؓ نے ایک وتر پڑھا ہے (تو شاید اس خیال سے کہ اس خطائے اجتہادی کا رواج نہ ہو جائے) آپ نے سخت الفاظ بھی ارشاد فرمائے (طحاوی ج ۱ ص ۱۹۹)

(۱۳)　غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے ایک وتر پڑھا اور ایک رکعت میں سارا قرآن ختم کیا (دار قطنی، طحاوی) ہم کہتے ہیں آپ کے مذہب میں تو حضرت عثمانؓ کا فعل دلیلِ شرعی نہیں بلکہ ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرنا آپ کے نزدیک خلافِ حدیث اور بدعت ہے، پھر آپ کو اس سے کیا فائدہ اور ہم کہتے ہیں کہ اس کی سند میں خلیج بن سلیمان راوی ضعیف ہے، پھر اس روایت میں یہ بھی تو ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن التیمیؓ جو صحابی ہیں، انہوں نے جب حضرت عثمانؓ کو ایک رکعت پڑھتے دیکھا تو یہ فرمایا: اوهم الشيخ. یعنی کوئی شخص وہم یا بھول کر ایک رکعت پڑھ لے تو یہ ممکن تھا، مگر بغیر وہم اور بھول کے ایک رکعت کا پڑھنا اس دور میں کسی کے وہم میں بھی نہیں آ سکتا تھا اور حضرت عثمانؓ بھی کوئی ایک حدیث پیش نہ فرما سکے کہ یہ وہم نہیں ہے، بلکہ میں فلاں حدیث پر عمل کر رہا ہوں۔ تمہیں خود حدیث کا علم نہیں اور احناف یہ کہتے ہیں کہ خود دورِ عثمانیؓ میں بیس تراویح کے ساتھ سب تین وتر پڑھتے تھے، جس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ ان سب روایات سے بھی یہی ثابت ہوا کہ ایک رکعت وتر پر عہدِ صحابہ میں امر منکر کی طرح انکار ہوتا تھا۔ یہ تعامل دلیل ہے کہ حدیث

بتیراء ہرگز بے اصل نہیں۔

(۱۴)　تمام صحاحِ ستہ میں یہ فرمانِ رسول ﷺ موجود ہے: صلٰوۃ اللیل مثنٰی مثنٰی. رات کی نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، اس حدیث سے بھی صاف معلوم ہوا کہ نماز کا کم از کم نصاب دو رکعت ہے، اس سے کم نماز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرائض و نوافل میں، سفر یا حضر میں، حتیٰ کہ خوف کی نماز میں بھی کوئی نماز ایسی نہیں ملتی جہاں شریعت نے ایک رکعت کو جائز رکھا ہو۔ ظاہر ہے کہ وتر کی نماز بھی اسی ضابطہ کے تحت آئے گی اور محض ایک وتر نماز نہیں کہلائے گی۔

(۱۵)　اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضرت عبداللہ بن ابی قیس نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کتنے وتر پڑھتے تھے؟ فرمایا: آپ ﷺ چار اور تین۔ چھ اور تین، آٹھ اور تین رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ کبھی تیرہ رکعت سے زائد اور سات رکعت سے کم نہیں پڑھتے تھے (احمد، ج ۶، ص ۱۵۶، طحاوی ج ۱، ص ۱۹۸، ابوداؤد ج ۱، ص ۲۰۰) اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ تین رکعت سے نہ زیادہ وتر پڑھتے تھے اور نہ تین رکعت سے کم۔ ان دلائل سے یہ باتیں نہایت وضاحت سے ثابت ہوگئیں کہ:

(۱)　ایک رکعت وتر جائز نہیں رہے، ایسی روایات بتیراء سے منع فرمانے سے پہلے کی ہیں۔

(۲)　تین رکعت میں دو رکعت پر سلام پھیرنا یہ طریقہ بھی درست نہیں، اس پر عمل جاری نہیں رہا۔

(۳)　تین رکعت کے درمیان قعدہ نہ کرنا، یہ بھی غلط طریقہ ہے۔ کسی صحیح حدیث سے اس کا ثبوت نہیں۔

(۴)　وتر کا صحیح طریقہ جس کا عمل جاری رہا یہی ہے کہ تین وتر دو التحیات اور ایک سلام سے پڑھے جائیں۔

....

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ امابعد:

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں اسلام کی لازوال دولت سے نوازا اور درود وسلام اس ذات مقدس پر جس کی شریعت کاملہ دونوں جہاں کی کامیابی کی ضامن ہے اور کروڑوں رحمتیں نازل ہوں ائمہ مجتہدین پر جنہوں نے کتاب وسنت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔

ناظرین کرام! برصغیر پاک وہند میں دولت اسلام لانے والے بزرگ اہل سنت والجماعت حنفی ہی تھے اور بارہ سو سال تک اس علاقہ میں اتفاق واتحاد کا موسم بہار رہا، نہ نماز پر لڑائی تھی، نہ وضو پر، نہ جمعہ میں، نہ عید میں۔ لیکن برطانوی سامراج کے منحوس قدم جونہی یہاں پہنچے، اختلافات کی آندھیاں اور نفاق کے طوفان ساتھ لائے امت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا، مسلمان کو مسلمان سے بھڑا دیا گیا امت مسلمہ میں لڑائی جھگڑا بپا کرنے میں سب سے بڑا کردار فرقہ غیر مقلدین نے ادا کیا کیونکہ اس فرقہ کا خمیر ہی بدگمانی، بدزبانی اور فتنہ فساد سے اٹھایا گیا ہے۔ چنانچہ اس فرقہ نے مساجد کو میدان جنگ بنا دیا ہے ان کو مسلمانوں کا اکٹھا ہونا ایک نظر نہیں بھاتا۔ جہاں مسلمان اکٹھے ہوئے یہ نفاق اور فساد کی چنگاریاں بن کر رونما ہوئے، اخوت ومودت کی حیات آفرین فضا کو ایسا مکدر کر دیا کہ جو مسلمان جسد واحد کی طرح یک جان دو قالب کا مصداق تھے، ان میں عداوت نفرت اور

بغض وعناد کے بیج بوئے کہ جس کا ثمرہ باہمی گالی گلوچ بلکہ دنگا فساد اور لڑائی جھگڑا کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آپ مسجد میں جماعت کے لئے اکٹھے ہوں وہاں پھوٹ ڈال دیں گے۔ آپ جمعہ ادا کرنے کے لئے جمع ہوں وہ چند سیکنڈوں میں لڑا دیں گے۔ آپ عید ادا کرنے اکٹھے ہوں وہ فتنہ کھڑا کریں گے کہ الامان الحفیظ۔ حج کا عظیم اجتماع ان کی فتنہ پردازیوں سے قدرے محفوظ تھا لیکن گزشتہ سال وہاں بھی ایسا فتنہ کھڑا کیا کہ تاریخ عالم میں اتنا عظیم فتنہ نظر نہیں آتا۔ حرم شریف کو ناپاک کیا گیا اور ۱۶ دن خدا کے بندے خدا کے گھر کے طواف سے محروم کر دیئے گئے۔ نماز جنازہ کا وقت جو انتہائی غم وصدمہ کا وقت ہوتا ہے سب لوگ اختلافات ختم کر دیتے ہیں لیکن ان کا فتنہ اس موقعہ پر بھی دیدنی ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے منہ میں زبانیں نہیں زہریلے ڈنگ ہیں بس فتوئ بازی شروع ہو جاتی ہے، تم سب بے نماز ہو، تم میں سے کسی کی نماز جنازہ نہیں ہوئی، تمہارے بارہ سو سال کے جتنے بزرگ قبروں میں دفن ہیں سب بلا جنازہ دفن ہیں، مر گئے مردود نہ فاتحہ نہ درود (معاذ اللہ استغفر اللہ)۔

اس لئے خیال آیا کہ نماز جنازہ کا طریقہ کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر کر دیا جائے تا کہ اہل سنت والجماعت مسلمانوں کے دلوں کو اطمینان اور شاید کسی غیر مقلد کو بھی ہدایت نصیب ہو جائے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اللہ تعالیٰ نے نماز جنازہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے وصل علیھم کہ ان کی نماز جنازہ ادا کر۔ اس سے تو فرض ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن جب ایک جنازہ آیا جس کے ذمہ قرض تھا آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی لیکن صحابہ کو فرمایا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ فرض عین نہیں ورنہ آنحضرت ﷺ اسے کبھی ترک نہ فرماتے۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت نماز جنازہ کو فرض کفایہ کہتے ہیں۔

شرائط جنازہ:

ا۔ اسلام: نماز جنازہ ادا کرنے کی پہلی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کبھی کافروں کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ ہی ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان کے لئے

دعائے مغفرت کرو (سورۃ التوبہ) اس لئے کسی کافر مرزائی، قادیانی، مرزائی، لاہوری، منکر قرآن اور منکر حدیث کی نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں۔

۲۔ طہارت: میت کو غسل دینا فرض ہے تاکہ وہ نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہو جائے، اس طرح ضروری ہے کہ جسم کی طرح اس کا کفن بھی پاک ہو اور جس چارپائی وغیرہ پر جنازہ رکھا جائے وہ بھی پاک ہو۔ اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

۳۔ جنازہ کا سامنے ہونا: نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ میت کا کل بدن یا اکثر بدن جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے ہو۔ آنحضرت ﷺ جب جنازہ ادا فرماتے تو جنازہ سامنے رکھتے یا آپ کے بہت سے صحابہ مدینہ منورہ سے باہر فوت ہوئے لیکن آپ ﷺ نے کبھی کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی۔ اسی طرح حضور ﷺ کی زندگی میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے باہر رہتے تھے جب کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوتے تو کسی جگہ بھی ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی، مسلمانوں کو جو عقیدت خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر، اصحاب احد، اصحاب بیعت رضوان، امہات المومنین، سیدہ فاطمۃ الزہرا، حضرات حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تھی اور ہے، وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں لیکن ان میں سے کسی ایک کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی گئی، اگر کوئی صاحب ان میں سے کسی ایک کی بھی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا صحیح سند سے ثابت کر دیں تو فی حدیث ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔

حضرت نجاشی کی نماز جنازہ:

حضرت نجاشی مسلمان تھے آپ فوت ہوئے تو وہاں کوئی مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھنے والا نہ تھا اور کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ حبشہ میں حضرت نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ ﷺ مکہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ پر بیت المقدس مکشوف فرما دیا تھا اسی طرح حضرت نجاشی کا جنازہ آپ پر مکشوف فرما دیا چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم سب صحابہ بھی یہ خیال کر رہے تھے ان جنازتہ

بین یدیہ کہ حضرت نجاشی کا جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے ہے (صحیح ابن حبان) اور فرماتے ہیں ہماری یہی رائے تھی کہ جنازہ ہمارے آگے ہے (صحیح ابوعوانہ) و ما نحسب الجنازہ الا موضوعة بین یدیہ ہمارا یہی گمان تھا کہ جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے رکھا ہوا ہے (مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶) پس یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا اور یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا کیونکہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا بہر حال کسی کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

نماز جنازہ دراصل دعا ہے:

عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا الدعاء رواه ابو داؤد و صححه ابن حبان (بلوغ المرام ص ۱۰۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم مردہ پر نماز پڑھو تو نہایت خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو۔

اس حدیث سے مراد وہ دعا ہے جو نماز جنازہ کے اندر تیسری اور چوتھی تکبیر کے درمیان پڑھی جاتی ہے (مرقات ج ۴ ص ۵۹۔ فتاویٰ سعدیہ، عین الہدایہ)

دعا کا طریقہ:

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

اذا صلی احدکم فلیبدا بتحمید ربه جل و عز و الثناء علیه ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یصلی بعد بما شاء (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷۸، ترمذی، نسائی، بیہقی، حاکم، احمد) جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت و ثنا بیان کرے پھر اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے اور پھر دعا کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، حضرت رسول اقدس ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے، جب

میں (تشہد کے لئے بیٹھا) توبدأت بالثناء علی اللہ تعالیٰ ثم الصلوۃ علی النبی ﷺ ثم دعوت لنفسی میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی پھر نبی اقدس ﷺ پر درود پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مانگ تیری دعا قبول ہوگی، مانگ تیری دعا قبول ہوگی (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا کی مقبولیت کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے ثناء ہو، پھر درود پھر دعاء۔ نماز جنازہ بھی چونکہ دعا ہے اس لئے اس کی ترتیب بھی یہی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔

طریقہ نماز جنازہ:

حضرت ابوسعید مقبری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں تو فرمایا میں جنازہ کے پیچھے چل کر جاتا ہوں پھر جب جنازہ نیچے رکھ دیا جاتا ہے کبرت و حمدت اللہ و صلیت علی نبیہ ثم اقول اللھم الخ (موطا مالک ص ۷۹)...... میں پہلے تکبیر کہتا ہوں پھر اللہ کی ثناء بیان کرتا ہوں پھر نبی پر درود پڑھتا ہوں پھر میت کے لئے دعا مانگتا ہوں۔ حضرات دیکھئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کا طریقہ بتایا اس میں سورت فاتحہ پڑھنے کا ذکر تک نہ کیا۔

مرکز اسلام مدینہ منورہ:

عن نافع ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کان لا یقرء فی الصلوۃ علی الجنازۃ (موطا امام مالک ص ۷۹)

نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قرآن (فاتحہ) نہیں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت سالمؒ جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے اور فقہاء سبعہ میں سے تھے جن کا فتویٰ چلتا تھا فرماتے ہیں لا قراءۃ علی الجنازہ (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹) نماز جنازہ

میں کوئی قرأت نہیں (نہ فاتحہ) اور حضرت سالمؒ کے بعد مدینہ منورہ میں بلا شرکت غیرے امام مالکؒ کا فتویٰ جاری ہوا آپ فرماتے ہیں: قراءۃ الفاتحۃ لیس معمولا بھا فی بلدنا فی صلوٰۃ الجنازۃ (عمدۃ القاری)

نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے پر ہمارے شہر میں عمل نہیں ہے۔

ابن بطال شارح بخاری فرماتے ہیں کہ جو صحابہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنے والوں پر انکار فرماتے تھے، ان میں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ امام مالک ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے خلافت راشدہ سے لے کر ۱۷۹ھ تک مدینہ منورہ میں جو جنازے پڑھے گئے ان میں فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین میں سے مدینہ منورہ میں ایک شخص کا نام بھی پیش نہیں کیا جا سکتا جو نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض کہتا ہو اور اس نے یہ فتوی دیا ہو کہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً کے قبرستان میں جتنے لوگ دفن ہیں، سب بلا جنازہ دفن ہیں۔ اور تو اور کوئی مائی کا لال یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ خلفائے راشدین یا عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کے جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی گئی ہو۔ دیدہ باید

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

دارالاسلام مکہ مکرمہ:

مکہ مکرمہ بھی اسلام اور مسلمانوں کا مرکز ہے حضرت عطاء بن ابی رباح یہاں کے مفتی ہیں، بقول غیر مقلدین ان کو دو سو صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے، خود جلیل القدر تابعی ہیں اور آپ کے شاگرد تبع تابعی ہیں، پورا خیر القرون ان کی نظر میں ہے، آپ سے جب نماز جنازہ کی فاتحہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ حیران ہو کر فرماتے ہیں ما سمعنا بھذا (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹) ہم نے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا کبھی سنا ہی نہیں بلکہ طاؤس و عطاء کانا ینکران القراءۃ علی الجنازۃ (ابن ابی شیبہ ج ۳

ص ۲۹۹) حضرت طاؤس اور حضرت عطاء دونوں نماز جنازہ میں قرأت (فاتحہ پڑھنے) کا انکار فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورے خیر القرون میں مکہ معظمہ میں ایک شخص بھی نماز جنازہ میں فاتحہ کی فرضیت کا قائل نہ تھا۔ سب جنازے بغیر فاتحہ کے پڑھے جاتے تھے اور فاتحہ نہ پڑھنے والوں پر کسی نے کبھی انکار نہ کیا اور ان کے لئے ''نہ فاتحہ نہ درود مر گئے مردود'' کی پھبتی نہ کسی اور اگر کسی نے بھولے سے پڑھ لی ہو تو اکابر علماء نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورت پڑھی چونکہ خیر القرون میں یہ ایک انوکھی بات تھی اس لئے اسی وقت آپ کا بازو پکڑ کر پوچھا گیا کہ یہ کیا؟ آپ نے انہا سنة کہہ کر جان چھڑائی کہ یہ نماز جنازہ پڑھنے کا ایک غیر معروف طریقہ ہے جسے عام صحابہ تابعین نہیں پہنچانتے، اس لئے آپ نے لفظ سنت کو نکرہ بیان فرمایا۔ اس کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی کبھی فاتحہ نہ پڑھی بلکہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوحمزہ رضی اللہ عنہ کو نماز جنازہ کا طریقہ سکھایا تو فرمایا تصل علی الجنازة تسبح و تكبر و لا تركع و لا تسجد (سنده صحيح فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۶) یعنی نماز جنازہ میں تسبیح و تکبیر ہے رکوع سجدہ نہیں...... قرأت کا ذکر تک نہ فرمایا۔

دارالاسلام کوفہ:

کوفہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آباد کیا، وہاں تقریباً سترہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم قیام پذیر ہوئے، یہاں کے پہلے شیخ القرآن والحدیث والفقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو دار الخلافہ بنایا۔ یہ خلافت راشدہ کا آخری مرکز ہے، آخری خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھاتے تو يبدأ الحمد و يصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم يقول اللهم الخ (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۵) پہلے خدا کی ثناء سے شروع فرماتے ہیں پھر درود پاک پڑھتے پھر میت کے لئے دعا فرماتے۔

پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ خود جنازہ میں فاتحہ پڑھتے تھے بلکہ پڑھنے والوں پر انکار فرماتے تھے۔ دور تابعین میں امام شعبیؒ کا فتویٰ چلتا تھا، یہ وہ بزرگ ہیں

جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کیا، یہ بھی نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری کے بعد درود شریف، تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرتے تھے (ابن شیبہ ج ۳ ص ۲۹۵) اور امام شعبیؒ اور نخعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ لیس فی جنازۃ قراءۃ (ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۹) یعنی جنازہ میں کوئی قرأت نہیں، نہ فاتحہ اور نہ اور کچھ۔ پھر اس دار العلم کی سربراہی امام الائمہ سراج الامت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہاتھ آئی۔ آپؒ کا فتویٰ ساری دنیا میں چل رہا ہے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ کی قرأت نہیں ہے۔

الحاصل دار العلم کوفہ میں بھی پورے خیر القرون میں ایک نام بھی نہیں لیا جا سکتا جو نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتا ہو اور یہ اعلان کرتا ہو کہ جو نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز جنازہ ادا نہیں ہوتی۔

بصرہ سے یمن تک:

آپ اکتا جائیں گے اس لئے میں بات کو مختصر کرتا ہوں کہ بصرہ جو خیر القرون میں اسلام کا گہوارہ تھا وہاں بھی علامہ محمد بن سیرینؒ یہی فتویٰ دیتے تھے کہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں اور یمن کے طاؤسؒ بھی یہی فتوی دیتے تھے (ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۹) لیکن بصرہ سے لے کر یمن تک پوری اسلامی دنیا میں ایک شخص نے بھی ان کی تردید نہ کی کہ سورۃ فاتحہ جنازہ میں فرض ہے۔ تم فرض کے منکر ہو، فرض سے روکتے ہو، تمہارے جنازے باطل ہیں...... کیا ہے کوئی غیر مقلد جو خیر القرون میں ایک ہی اپنا ہمنوا تلاش کر لے۔

الحاصل:

آنحضرت ﷺ نے کبھی نہ فرمایا کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ فرض ہے، جس جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے، وہ جنازہ باطل ہے۔ دنیا کی کسی حدیث کی کتاب میں ایسی حدیث موجود نہیں ہے، اگر کوئی غیر مقلد آنحضرت ﷺ کا ایسا حکم دکھا دے تو ہم مبلغ

دس ہزار روپیہ رائج الوقت انعام دیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ تم اپنے اس محسن اعظم کو بھی ساتھ ملا لو جس نے تمہیں ان فتنہ پردازیوں کے لئے جاگیریں دیں اور خزانوں کے منہ کھول دیئے اور جس نے اہلحدیث کا نام الاٹ کیا پھر بھی تم ایسی حدیث پیش نہیں کر سکو گے ......آؤ ہمت کرو...... اگر رسول اکرم ﷺ سے تم یہ حکم نہ دکھا سکو اور قیامت تک نہ دکھا سکو گے تو کسی ایک خلیفہ راشد سے ہی فرضیت کا حکم دکھا دو، اگر یہ بھی نہ کر سکو تو پورے خیر القرون میں لاکھوں صحابہ، کروڑوں تابعین و تبع تابعین میں سے صرف ایک نام ایسا پیش کر دو جو نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض اور دنیا بھر کے جنازوں کو باطل کہتا ہو، سنو میں تمہیں ببانگ دہل کہتا ہوں عورتوں کی طرح نقاب میں نہ چھپ جانا، گوہ کی طرح بل میں نہ گھس جانا، بجو کی طرح عقب میں نہ سمٹ بیٹھنا۔ مردوں کی طرح ایسا حکم پیش کرو، نہ ہو سکے تو ضد کو چھوڑ کر راہ ہدایت پر آ جاؤ۔

فائدہ: ان احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ نماز جنازہ کا مقصد میت کے لئے دعا ہے سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثناء ہے یا اپنے لئے دعا ہے، اس میں میت کے لئے دعا کا ایک لفظ بھی نہیں ہے اب نہ جانے غیر مقلد کس لئے اس کی فرضیت پر زور دے رہے ہیں جب کہ جنازہ کا اصل مقصد ''میت کے لئے دعا'' اس میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ ہاں دعا سے پہلے ثناء پڑھنا سنت ہے اگر ثناء کی نیت سے کوئی پڑھے تو گنجائش ہو سکتی ہے۔

التنبیہ لا یقاظ السفیہ:

غیر مقلد حضرات سے عرض ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں فاتحہ کو فرض نہیں فرمایا تم کون ہو فرض کہنے والے۔ کیا تمہیں ابن مسعود کا وہ ارشاد عالی یاد نہیں کہ اپنی نماز میں شیطان کا حصہ شامل نہ کرو اور نماز میں شیطان کا حصہ شامل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دائیں طرف سے پھرنا (جو اگرچہ آنحضرت ﷺ کا اکثری عمل ہے لیکن ضروری اور فرض واجب نہیں اس کو) ضروری سمجھنا بدعت اور شیطان کا حصہ ہے۔ (بخاری)

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کو فرض نہیں فرمایا تو تمہارا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کو فرض قرار دینا اپنے جنازہ میں یقیناً شیطان کا حصہ شامل کرنا ہے، کیا ہم غیر مقلدوں سے یہ امید رکھیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ڈریں گے اور اپنے جنازوں کو شیطان کے دخل سے پاک کرلیں گے، ہاں دیکھنا شیطان کی طرح یہ پروپیگنڈہ نہ کرنا کہ فاتحہ کو شیطان کا حصہ کہہ دیا بلکہ غیر ضروری کو ضروری قرار دینے کو خود حضور ﷺ نے شیطان کا حصہ فرمایا ہے۔

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں جنازے کی نماز سات، چھ، پانچ اور چار تکبیروں سے ہوتی رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس اختلاف کو ختم کیا گیا۔

فجمع عمر الناس علی اربع کاطول الصلوۃ رواہ البیہقی و اسنادہ حسن (فتح الباری) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو چار تکبیروں پر جمع فرمادیا کیونکہ بڑی نماز کی چار ہی رکعتیں ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم جو نمازیں پڑھتے ہیں کوئی نماز دو رکعت ہے کوئی تین رکعت، کوئی چار رکعت۔ ایک سلام سے چار رکعت سے زیادہ کوئی فرض نماز نہیں ہے اور نماز جنازہ کی ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام ہے تو زیادہ سے زیادہ چار تکبیریں ہی ہوسکتی ہیں کیونکہ بڑی سے بڑی نماز چار رکعت سے زائد نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ نماز جنازہ کی تکبیرات کو فرض نماز کی رکعات کے قائمقام جانتے تھے۔ تو اگر نماز جنازہ میں قرأت فرض یا واجب یا سنت بھی ہوتی تو نماز جنازہ میں چار دفعہ فاتحہ پڑھنی فرض ہوتی کیونکہ چار رکعت نماز میں چار مرتبہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ ہر رکعت میں مستقل فاتحہ تو چار تکبیروں میں بھی چار مرتبہ فاتحہ پڑھنی چاہئے لیکن سوائے ابن حزم کے پوری امت میں کوئی شخص بھی جنازہ میں چار مرتبہ فاتحہ کی فرضیت کا قائل نہیں۔ اس سے معلوم ہوا جو لوگ فاتحہ پڑھتے ہیں وہ اس کو قرأت کی نیت سے بالکل

نہیں پڑھتے، ثناء کی نیت سے پڑھتے تھے کیونکہ چار رکعت نماز میں قرأت چار مرتبہ ہوتی ہے اور ثناء ایک مرتبہ چار رکعت میں جس کسی نے بھی صرف ایک مرتبہ فاتحہ پڑھی وہ ثناء ہی ہے قرأت نہیں۔

کیا بہ نیت ثناء فاتحہ پڑھ لینی چاہیئے؟

ہمارے مسلک حنفی میں اصل ثناء سبحانك اللهم ہی ہے جو ہر نماز میں بطور ثناء پڑھی جاتی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ سورۂ فاتحہ بھی ثناء کی نیت سے پڑھ لے تو جائز ہے لیکن آج کل نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔

غیر مقلدین کی فتنہ پردازی:

غیر مقلدین کا کوئی مذہب نہیں ہے، ان کا کام فتنہ فساد اور عوام کو پریشان کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم فاتحہ پڑھ لیا کرو اگر چہ ثناء کی نیت سے ہی پڑھو پھر نماز جنازہ صحیح ہوگی۔

ان سے کوئی پوچھے کہ اگر ظہر کے چار فرض کوئی شخص فرض کی نیت سے نہ پڑھے، نفل کی نیت سے پڑھ لے تو کیا اس کی نماز ظہر ہو جائے گی؟۔ ایک آدمی زکوۃ نہیں دیتا وہ دس روپے کسی کو دے رہا ہے اور صاف کہتا ہے کہ میری نیت زکوۃ کی نہیں صرف ہدیہ دے رہا ہوں تو کون جاہل کہے گا کہ اس کی زکوۃ ادا ہوگئی؟۔ دوستو! آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انما الاعمال بالنيات عمل کا دارومدار نیت پر ہے جب ایک آدمی فرض کی نیت ہی نہیں کرتا بلکہ وہ صاف اس فرض کے فرض ہونے کا انکار کر رہا ہے تو اس کا فرض کیسے ادا ہو جائے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے فرض ہونے کی جب انہیں کوئی دلیل کتاب وسنت میں نہیں ملتی تو بھولے بھالے حنفی عوام کو دھوکا دینے کے لئے ثناء کے طور پر فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ سنا دیتے ہیں، جس سے عوام تو دھوکہ کھاتے ہیں لیکن اہل علم سمجھ لیتے ہیں کہ اب فرضیت کا انکار کر دیا ہے، غیر مقلدیت دم توڑ گئی ہے، نہ قرآن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا نہ حدیث صحیح فرضیت کی ملی۔ بے چارے کاسہ گدائی لے کر فقہاء کی چوکھٹ پر بھی

گئے لیکن بھیک نہ ملی، آخر فقہ کی چوکھٹ پر فاتحہ کی فرضیت کے عقیدہ کو ذبح کر کے بطور ثناء فاتحہ پڑھنے کا وعظ شروع کیا۔

حنفی مذہب:

حنفی مسلک میں سبحانك اللهم بالاتفاق ثناء ہے لیکن جنازہ میں فاتحہ اگر بہ نیت ثناء پڑھی جائے تو گنجائش ہے۔ اگر قرأت کی نیت سے پڑھی جائے تو مکروہ تحریمی ہے، چونکہ عوام کے لئے اس باریک فرق کا لحاظ رکھنا مشکل ہے اور آنحضرت ﷺ کا حکم دع ما یریبك الی ما لا یریبك یعنی مشکوک چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک چیز پر عمل کرو تو فاتحہ پڑھنے میں مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے گناہ کا خطرہ موجود ہے اور سبحانك اللهم پڑھنے سے کوئی خطرہ نہیں اس لئے فاتحہ سے پرہیز میں ہی احتیاط ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ غیر مقلدین فاتحہ کو بلا دلیل فرض قرار دے رہے ہیں اور بلا دلیل شریعت میں کسی عمل کو فرض قرار دینا نماز میں شیطان کا حصہ شامل کرنا ہے۔ تو جب غیر مقلدین اپنی نماز میں شیطان کا حصہ داخل کر چکے تو اب فاتحہ کسی نیت سے بھی پڑھی جائے اس سے شیطان کی تائید ہوگی اس لئے اس سے بالکل پرہیز کرنا چاہئے۔

دلائل غیر مقلدین

غیر مقلدین کا دعویٰ یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز جنازہ باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ فرضیت ثابت کرنے کے لئے دلیل قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت کی ضرورت ہے۔ قطعی الثبوت کا یہ مطلب ہے کہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث متواتر۔ اور قطعی الدلالت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا معنی صاف یہ ہو کہ فاتحہ جنازہ میں فرض ہے۔ جو نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز باطل اور بیکار ہے۔

لیکن غیر مقلدین جو دلائل بیان رتے ہیں ان میں سے نہ کوئی قطعی الثبوت ہے

یعنی نہ قرآن کی آیت پیش کرتے ہیں نہ حدیث متواتر اور نہ ہی کوئی قطعی الدلالت ہے یعنی کسی حدیث کا یہ معنی نہیں کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز جنازہ باطل اور بے کار ہے۔

وہ جو حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ اس قدر ضعیف ہیں کہ فرض واجب ہونا تو کجا ان ضعیف احادیث سے تو فاتحہ کا سنت یا مستحب ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔

ا۔ عن ام عفیف قالت امرنا رسول اللّٰہ ﷺ ان نقرأ بفاتحة الکتاب (طبرانی) ام عفیف کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔

اس میں اولاً تو سرے سے نماز جنازہ کا ذکر ہی نہیں پھر یہ نہایت درجہ کی ضعیف ہے چنانچہ اس کی سند میں عبدالمنعم ابوسعید ہے جو ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

۲۔ عن ام شریك قال امرنا رسول اللّٰہ ﷺ ان نقرا علی الجنازة بفاتحة الکتاب (ابن ماجة) یعنی ام شریک فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ہم عورتوں کو جنازہ پر فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اس کی سند کو بھی ضعیف کہا ہے۔

۳۔ عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا صلیتم علی الجنازة فاقرؤا بفاتحة الکتاب (طبرانی) حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو فاتحہ پڑھا کرو۔

اس کی سند میں معلیٰ بن حمران ہے جس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں، پس حدیث ضعیف ہے۔

۴۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب (ابن ماجة، ترمذی) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جنازہ پر فاتحہ پڑھی۔

اس کی سند میں ابوشیبہ ہے جس کو غیر مقلدین بالاتفاق ضعیف کہتے ہیں۔

۵۔ عن جابر رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰہ ﷺ قرأ بام القرآن بعد التکبیرة الاولی (کتاب الام) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی۔

اس کی سند میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے جو متروک ہے۔

☆ یہ پانچ روایات ہیں جو کہ سب ضعیف ہیں۔ ان سے تو فاتحہ کا سنت ہونا بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔

نیز پہلی تین احادیث میں عورتوں کو نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ عورتیں جن پر جنازہ پڑھنا فرض نہیں ان کو آپ ﷺ نے فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا، لیکن مرد جن پر جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے ان کو ایک مرتبہ بھی فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نهينا عن اتباع الجنائز کہ ہم عورتوں کو جنازہ پڑھنا تو کجا اس کے ساتھ جانے سے بھی روک دیا گیا۔ چنانچہ کسی حدیث سے بھی ثابت نہیں ہے کہ اس وقت عورتیں جنازہ گاہ میں جا کر جنازہ پڑھتی ہوں۔ پس یہ اس پہلے زمانہ کی حدیثیں ہیں جب عورتیں بھی جنازہ پڑھ لیا کرتی تھیں آخری زمانہ میں آنحضرت ﷺ کا نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا نہ حکم دینا ثابت ہے نہ خود پڑھنا۔ اس لئے باوجود ضعیف ہونے کے ان احادیث میں منسوخ ہونے کا قوی شبہ ہے۔ اور یہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے نماز جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھنے سے تو ان ضعیف روایات کے منسوخ ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔

چار تکبیریں:

نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت حسن رضی اللہ عنہم سب کی نماز جنازہ چار تکبیروں سے ہی پڑھی گئی (حاکم، بیہقی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اس بات پر اجماع ہو گیا کہ اب جنازہ چار ہی تکبیروں سے پڑھا جائے گا کیونکہ آنحضرت ﷺ آخری عمر میں چار تکبیروں سے ہی جنازے پڑھاتے رہے (کتاب الآثار محمد)

☆ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ ﷺ کبر علی جنازۃ فرفع یدیہ فی اول

تکبیرۃ ثم وضع الیمنی علی الیسری (ترمذی ص ۱۷۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پر تکبیر کہی اور پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے اور دایاں ہاتھ بائیں پر باندھا۔

☆　عن ابی ھریرۃ قال من السنۃ وضع الکف علی الکف تحت السرۃ (ابو داؤد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔

☆　عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ علی الجنازۃ فی الاول تکبیرۃ ثم لا یعود (دار قطنی ج۲ ص ۷۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

ثناء:

پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے پھر ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے اور سبحانك اللھم پڑھے جس طرح نماز میں ثناء پڑھتے ہیں۔

فتنہ:

غیر مقلدین کے پاس شور و شر، فتنہ و فساد کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب فتنہ برپا کرنے کا اور بہانہ نہ ملا تو ایک اشتہار شائع کیا اس میں ایک طرف سبحانك اللھم لکھا جس طرح ہم سب نماز میں پڑھتے ہیں، دوسری طرف سبحانك اللھم میں جل ثناؤك زیادہ کر دیا ہے بس آسمان سر پر اٹھالیا۔

میں نے اس غیر مقلد سے کہا کہ جتنی ثناء آپ نے لکھی ہے خاص نماز جنازہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی پڑھنی تم ثابت کر دو جل ثناؤك میں دکھادوں گا۔ آج چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے وہ پریشان ہے، اسے حدیث نہیں مل رہی، وہ اپنے ضمیر اور اپنی ساری جماعت کو لعنت ملامت کر رہا ہے کہ ایسی حدیث تلاش کر دو مگر کسی کو ہمت نہیں ہوئی...... ایک دوسرے غیر مقلد سے میں نے کہا کہ حنفی فقہ کی معتبر کتاب سے ہمیں یہ دکھا دو کہ نماز جنازہ

میں ثناء میں جل ثناؤک ضروری ہے وہ بھی نہیں دکھا سکا۔ پھر دیکھئے ایک خود بہتان تراشتے ہیں، پھر خود ہی فتنہ کھڑا کرتے ہیں، اس لئے تو نواب صدیق حسن کو لکھا پڑا کہ ان ھذا الا فتنة فی الارض و فساد کبیر (الحطہ) یہ فرقہ (غیر مقلدین) خدا کی زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے کا ٹھیکیدار ہے۔

ہم تو یہ کہتے ہیں اگر کوئی جل ثناؤک پڑھے تو روکیں گے نہیں اور اگر نہ پڑھے تو حکم نہیں دیں گے۔ کیونکہ مشہور احادیث میں جل ثناؤک کا ذکر نہیں۔ حافظ الحدیث ابن شجاع کتاب الفردوس میں حدیث لائے ہیں۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ من احب الکلام الی عز و جل ان یقول العبد سبحانك اللهم وبحمدك و تبارك اسمك وتعالىٰ جدك وجل ثناؤك و لا اله غيرك

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کو یہ کلام بہت محبوب ہے۔

سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالىٰ جدك و جل ثناؤك و لا اله غيرك

اسی طرح کی روایت ابن ابی شیبہ نے حضرت عبد للہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے دیکھئے غیر مقلدین ان دونوں حضرات کو کن کن القاب سے نوازتے ہیں جبکہ صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی ان کو بدعتی نہیں کہا اور مناظرہ کا چیلنج نہیں دیا۔

دوسری تکبیر

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے اور وہی درود شریف پڑھنا بہتر ہے جو ہم عام نمازوں میں پڑھتے ہیں لیکن ان فتنہ پردازوں نے یہاں بھی شرارت کھڑی کر رکھی ہے، ٹکے ٹکے کی کتابوں سے یسرنا القرآن وغیرہ سے و رحمت و ترحمت کے الفاظ سنا کر چیلنج کرتے ہیں کہ یہ الفاظ کس حدیث میں ہیں اور بیچارے عوام کو پریشان کرتے ہیں ان جاہلوں کو یہ بھی علم نہیں کہ مذہب حنفی مستند کتابوں میں درج ہے۔ اگر مذہب حنفی پر اعتراض کرنا مقصود ہے تو مذہب حنفی کی مستند کتاب سے وہ مکمل درود شریف دکھاؤ۔ کتنی

ڈھٹائی ہے کہ یسرنا القرآن سے عبارت نقل کر کے ہدایہ، درمختار اور خود امام ابوحنیفہؒ کے خلاف شرانگیزی شروع کردی جائے۔

ہاں ہم بھی غیر مقلدوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ میں خاص یہ درود ابراہیمی مقرر فرمایا ہے یا یہ غیر مقلدوں نے خود مقرر کرلیا ہے؟ اگر کوئی صحیح صریح حدیث آپ کے پاس ہے کہ رسول پاک ﷺ نے نماز جنازہ میں لفظ بہ لفظ یہی درود ابراہیمی مقرر فرمایا ہے تو وہ حدیث لاؤ ہم مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے اور اگر تم آنحضرت ﷺ سے یہ مقرر کرنا نہ دکھا سکو تو تم کون ہوتے ہو مقرر کرنے والے؟ جونسا درود کوئی چاہے پڑھے اگرچہ افضل یہی درود ابراہیمی ہے بلکہ حدیث شریف سے تو صاف ثابت ہے کہ کوئی درود دعا مقرر نہیں۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال ما اباح لنا رسول اللہ ﷺ و لا ابو بکر و لا عمر فی شیء ما اباحوا فی الصلوة علی المیت یعنی لم یوقت (ابن ماجہ ص ۱۰۹ مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ، حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ کے لئے کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔

نوٹ: حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اس حدیث کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ، ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما نے کبھی نماز جنازہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔

غیر مقلدیت کے عناصر اربعہ کا فتویٰ

مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی فرماتے ہیں ''میرے فہم میں یہ سب تشددات (یعنی بے جا سختی) ہے، الفاظ ماثورہ (جو حدیث میں آئے ہوں) پر اگر کچھ الفاظ حسنہ زیادہ ہو جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تلبیہ رسول میں لبیک و سعدیک و الخیر بیدیک لبیک و الرغباء الیک و العمل کے الفاظ زیادہ کرلئے۔ اسی

طرح بہت مواضع میں ثابت ہے کہ صحابہ کرام اور علماء اسلام الفاظ ماثورہ پر درود شریف اور دعوات (دعاؤں) میں بعض الفاظ زیادہ کرتے ہیں اور یہ عمل بلانکیر جاری رہا۔ نماز میں بھی اگر ادعیہ ماثورہ (حدیث کی دعاؤں) پر زائد دعا پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ خود حضور ﷺ کے پیچھے ایک شخص نے حمداً کثیراً والی غیر ماثورہ دعا پڑھی تو آپ ﷺ نے فرمایا تمیں سے کچھ زیادہ فرشتے اس کو لکھنے کو آئے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ ماثور پر زیادت جائز ہے کیونکہ یہ دعا اس نے اپنی طرف سے زیادہ کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی، اور نظائر بکثرت ہیں۔ اگر کل کا استیعاب کیا جاوے تو ایک مستقل کتاب بنے گی غرضیکہ اس قسم کی زیادات بدعت سے نہیں بلکہ فمن تطوع خیرا فهو خیر له (جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے) میں داخل ہے فقط عبد الجبار عفی عنہ، سید محمد نذیر حسین، عبد الرحمٰن مبارکپوری، مولانا شمس الحق عظیم آبادی (فتاویٰ نذیریہ ص ۲،۳، عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۴ ص ۴۰۹)

لیجئے غیر مقلدین کے ان چاروں علماء نے فیصلہ ہی کر دیا کہ درود دعا میں الفاظ حسنہ کی زیادتی صحابہ کرام سے لے کر آج تک بلانکیر جاری رہی ہے۔ اب غیر مقلدوں کو سوچنا چاہئے کہ جن باتوں پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک چودہ سو سال میں کسی نے انکار نہیں کیا آج تم ان باتوں پر فتنے کھڑے کر کے مسلمانوں میں کیوں سر پھٹول کرا رہے ہو؟ کیا ہے کوئی غیر مقلد جو اپنے ان چاروں علماء کی قبریں اکھاڑے کہ تم نے احادیث سے زیادت کا جواز ثابت کر کے ہماری فتنہ پردازیوں پر کیوں پانی ڈالا۔

تیسری تکبیر:

کے بعد بالغ مرد اور عورت کے لئے مشہور دعا ہے، اگرچہ غیر مقلدین نے اس دعا کے الفاظ میں تو اختلاف نہیں کیا لیکن پھر بھی رگ شرارت رہ نہیں سکی۔ آنحضرت ﷺ ہمیشہ نماز جنازہ میں ایک ہی دعا پڑھا کرتے تھے۔ کبھی تین چار دعائیں اکٹھی کر کے نہیں

پڑھیں اور نہ ان کو ضروری قرار دیا۔ لیکن آج روپڑی صاحب اپنی تقریروں میں ایک دعا پڑھ کر جنازہ ختم کرنے کو جھٹکا کرنا کہتے پھرتے ہیں۔ دیکھئے سنت رسول ﷺ کے لئے یہ مکروہ تشبیہ اور پھر بھی نام اہلحدیث

بر عکس نہند نام زنگی کافور

حالانکہ جماعت کی نماز میں تخفیف کو آپ ﷺ نے مستحب فرمایا۔ اور تطویل کرنے کو فتنہ پردازی فرمایا۔ افتان انت یا معاذ؟ لیکن غیر مقلدین کو فتان بننا ہی پسند آتا ہے۔

نابالغ میت:

ابن حزم غیر مقلد نے تو یہ لکھا ہے کہ نابالغ بچے کا جنازہ ہی نہیں پڑھنا چاہئے اسے بلا جنازہ ہی دفن کر دینا چاہئے لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

یصلی علیه و یدعی لوالدیه بالمغفرة و الرحمة (ترمذی وقال صحیح)

اس نابالغ کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اس کے ماں باپ کے لئے رحمت اور بخشش کی دعا کی جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اللھم اجعله لنا فرطاً وسلفاً واجراً (بیہقی) امام حسن بصری بھی ایسی ہی دعا پڑھتے تھے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء نے جو نابالغ کے لئے بالغ سے علیحدہ دعا لکھی ہے، ان کی دلیل یہی احادیث ہیں۔

چوتھی تکبیر:

چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام ہے۔ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی نے روایت فرمایا سلم عن یمینه وعن شماله (بیہقی) یعنی دائیں بائیں دو سلام کہے۔

حضرت عبد اللہ بھی فرماتے ہیں التسلیم علی الجنازة کالتسلیم فی الصلوة (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۱۶۲) یعنی جنازے کا سلام دوسری نماز کے سلام کی طرح ہی ہے۔

نماز جنازہ آہستہ پڑھنی چاہئے:

قبل ازیں یہ لکھا جا چکا ہے کہ نماز جنازہ دعا ہے اور دعا کے متعلق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة انه لا یحب المعتدین اللہ تعالیٰ سے دعا عاجزی سے اور آہستہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنازہ پڑھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ سرا فی نفسه دل ہی دل میں پڑھا جائے اور فتاویٰ علماء حدیث ج ۵ ص ۱۴۷ پر ہے کہ جب کوئی صحابی من السنة کذا کہے تو وہ حدیث مرفوع ہوتی ہے۔ پس کتاب وسنت کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے لے کر تیرہ سو سال تک نماز جنازہ آہستہ پڑھی جاتی رہی، یہاں تک کہ آخری تیرھویں صدی میں دہلی میں ایک غیر مقلد مولوی عبد الوہاب نامی ہوا جس سے انگریزوں نے سید احمد شہید کی تحریک کو فیل کرنے کے لئے امامت کا دعویٰ کروایا تھا (علماء احناف اور تحریک مجاہدین ص ۵۲، ۵۳) اس مولوی نے سب سے پہلے دہلی میں بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنے کی رسم ڈالی (مقدمہ تفسیر ستاری ص ۱۵) اس دن سے خود غیر مقلدین میں خانہ جنگی شروع ہے، قاضی شوکانی نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۹۸۔ میاں نذیر حسین صاحب فتاویٰ نذیریہ ص ۶۶۳، ۶۶۴ ج ۱۔ مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری فتاویٰ علماء حدیث ج ۵ ص ۱۰۷ پر فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں فاتحہ وسورۃ کا جہر مستحب نہیں، یہ جمہور کا مذہب ہے۔ ان کا مشہور اخبار ''الاعتصام'' لکھتا ہے کہ تعلیم کے لئے تو بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے لیکن اس کو عادت بنانا اور سنت سمجھنا صحیح نہیں (جلد ۲ شمارہ ۱۹ فتاویٰ علماء حدیث) اس کے علاوہ آج کل کے عوام غیر مقلدین بلند آواز سے نماز جنازہ پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں اور اس پر بہت اصرار کرتے ہیں ایسے لوگوں کو مولانا داؤد غزنوی کی نصیحت آویزہ گوش کر لینی چاہئے، آپ فرماتے ہیں ''ایک مستحب امر بعض حالتوں میں مکروہ بن جاتا ہے جب کہ امر مستحب کو اس کے درجہ استحباب سے بڑھا دیا جائے۔ جو شخص ایک امر

مستحب پر اصرار کرے اور افضل صورت پر عمل نہ کرے سمجھ لو کہ شیطان اسے گمراہ کرنے کے درپے ہے کیونکہ اس نے ایک امر مستحب کو اس کے رتبہ استحباب سے بڑھا دیا''۔ اسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شیطانی عمل قرار دے کر اس کے بدعت ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ جو شخص صریح بدعت پر اصرار کرے اور سنت کی راہ قبول کرنے سے گریز کرے تو سمجھ سکتے ہو کہ شیطان نے اس پر کس قدر قبضہ جما رکھا ہے اعاذنا اللہ منہ (فتاوٰی علماء حدیث ج ۵ ص ۱۱۶)

بہر حال نماز جنازہ آہستہ پڑھنا ہی کتاب وسنت پر صحیح عمل ہے، جن روایات میں جہر کا ذکر ہے ان میں صاف بیان ہے کہ وہ نماز کا طریقہ سکھانے کے لئے تھا، سنت نہیں تھا۔ اب غیر مقلد سوچیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت پر عمل کریں گے یا مولوی عبدالوہاب دہلوی کی جاری کردہ بدعت پر اصرار کریں گے۔

غیر مقلد دوستوں سے چند سوالات

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ ہم اہلحدیث ہیں، ہمارا ہر مسئلہ حدیث سے ثابت ہے اس لئے چند مسائل عرض کئے جاتے ہیں جن کی احادیث ہمیں نہیں ملیں، براہ کرم وہ ہمیں ان احادیث کی نشاندہی فرما کر ماجور ہوں۔

۱۔ نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں ''پس تنہا نماز کردن بر جنازہ صحیح باشد'' (بدور الاہلہ ص ۹۰) یعنی ایک ہی آدمی اکیلا نماز جنازہ پڑھ لے تو صحیح ہے، یہ صحیح ہونا ایک شرعی حکم ہے اس کے لئے صحیح حدیث چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے جنازے اکیلے پڑھے۔ آپ کے چار صاحبزادے، تین صاحبزادیاں اور دو بیویاں وصال فرما گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کس کس کا جنازہ اکیلے پڑھا۔

۲۔ نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ جنازہ پر چار تکبیروں سے زیادہ تکبیریں کہنا بدعت ہے (بدور الاہلہ ص ۹۱، ۹۲) اور نواب وحید الزمان فرماتے ہیں

''چار تکبیریں تو کم از کم ہیں، زیادہ بھی جائز ہیں'' (ص ۴۰ کنز الحقائق) ان دونوں میں سے کس کا مسلک درست اور حدیث کے موافق ہے۔ حدیث سے مبرہن فرمائیں۔

۳۔ نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ثناء (سبحانك اللهم) نہیں پڑھنی چاہئے لیکن صادق سیالکوٹی نے صلوۃ الرسول میں اور بہادر بیگ نے اپنے دو ورقے میں سبحانك اللهم کو مسنون جنازہ میں درج فرمایا ہے، ان دونوں میں سے حدیث کے موافق کس کا مسلک ہے۔ مدلل جواب سے نوازیں۔

۴۔ نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں قبر مربع بنانی افضل ہے اور اونٹ کی کوہان کی طرح بنانی جیسے آج کل سب بناتے ہیں یہ حدیث کے خلاف ہے، منکر امر ہے۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسی قبر بنانے والے پر انکار کریں (بدور الاہلہ ص ۹۵) کیا غیر مقلدین اپنی قبروں کو جو اونچی بنی ہیں مٹا دیں گے؟ اگر نہ مٹائیں گے تو واجب کے تارک ہوں گے۔ افسوس ہے کہ غیر مقلدین احناف سے فاتحہ کے وجوب پر تو بہت لڑتے ہیں لیکن جب اپنی قبریں گرانے کا واجب حکم سنتے ہیں تو گونگے شیطان کا کردار ادا کرتے ہیں۔

۵۔ نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے آخر میں صرف ایک طرف سلام پھیرے (کنز الحقائق ص ۴۱)

۶۔ نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ بیمار کے مرنے سے پہلے بھی اُس کی تعزیت کرنا جائز۔ (بدور الاہلہ ص ۹۷) یہ جواز ''حکم شرعی'' ہے، اس کی دلیل حدیث صحیح صریح مرفوع سے دکھائیں۔

۷۔ غیر مقلد ابن حزم فرماتے ہیں کہ جب تک بچہ نابالغ ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں (المحلی) لیکن نواب وحید الزمان فرماتے ہیں کہ جو چار مہینے کا حمل ساقط ہو جائے اس کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے (کنز الحقائق ص ۴۱) ان دونوں مسلوں کے لئے صریح حدیث پیش کریں۔

۸۔ فتاویٰ علماء حدیث ص ۳۸ پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کسی دنیوی

پریشانی سے تنگ آ کر کوئی موت کی تمنا نہ کرے یہ حدیث بخاری مسلم کی ہے، لیکن ص ۴۰ پر ہے کہ خود امام بخاریؒ نے امیر خراسان سے تنگ آ کر اپنی موت کی دعا کی۔ آخر کیا امام بخاریؒ نے صحیح حدیث کی مخالفت کی؟

۹۔ عورت کے جنازے پر کفن کے علاوہ ایک چادر ڈالتے ہیں، مولانا عبدالجبار عمر پوری غیر مقلد کہتے ہیں کہ اس چادر کا احادیث میں کہیں پتہ ونشان نہیں ملتا۔ اس کو مسنون خیال کرنا بالکل جہالت ہے یہ بدعت مردودہ ہے لیکن مولوی علی محمد صاحب سعیدی (غیر مقلد) کہتے ہیں کہ اگر احادیث میں اس کا ذکر نہ بھی ملے تو یہ اس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں۔ اس چادر کے بغیر میت بدنما ہوتی ہے (فتاویٰ علماء حدیث ص ۴۴) بتایئے اس جہالت اور بدعت مردودہ کے چھوڑنے کو بدنما کہنے والے کا کیا حکم ہے۔

۱۰۔ محدث دہلی نے فتویٰ دیا کہ مال زکوٰۃ سے کسی میت کی تجہیز وتکفین جائز نہیں لیکن علی محمد سعیدی کہتے ہیں کہ جائز ہے (فتاویٰ علماء حدیث ص ۴۴، ص ۴۵ ج ۵)

۱۱۔ قبر میں مٹی ڈالتے وقت منھا خلقنا کم الآیۃ پڑھنا مستحب ہے مگر اس کی حدیث ضعیف ہے (فتاویٰ علماء حدیث ص ۶۰، ۶۱ ج ۵)

۱۲۔ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں ہاتھ اٹھائے اور پھر باندھ لے (فتاویٰ علماء حدیث ص ۱۲۱، ۱۲۲ ج ۵) اکثر جگہ غیر مقلدین اس پر عمل نہیں کرتے، یہ کیوں؟ یہ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے مگر حدیث ضعیف سے ثابت ہے (ص ۱۵۶، ۱۵۷ ج ۵)۔

۱۳۔ جنازہ کو اٹھاتے وقت باری باری بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھنا اس کا کوئی ثبوت خیر القرون میں نہیں ملتا مگر پھر بھی مستحب ہے۔ (فتاویٰ علماء حدیث ج ۵ ص ۱۳۲)

۱۴۔ نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا شرط ہے فرض سے بڑھ کر (بدور الاہلہ ص ۹۲) سنت ہے (فتاویٰ علماء حدیث ص ۱۴۲، ۱۴۳ ج ۵) غیر مقلد کس نیت سے پڑھتے ہیں۔ فرض کو سنت یا سنت کو فرض کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ اس بات سے حیران ہوں گے کہ آج کل کئی شہروں میں جلسوں کے اشتہارات کے ساتھ ساتھ غائبانہ نماز جنازہ کے اشتہارات بھی دیواروں پر چسپاں نظر آتے ہیں۔ بازاروں میں تو آج کل یہ لفظ عام ہو گیا ہے مگر قرآن وحدیث میں جنازہ کے ساتھ ''غائبانہ'' کا لفظ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا، نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظامؒ اور تبع تابعین ذی اعلامؒ میں اس لفظ کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ بھی فوت ہوئے جو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کی بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ کی (زاد المعاد ص ۵۱۹، ج ۱)

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مبارک دور میں کتنے قاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسیلمہ کذاب اور دیگر مرتدوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے، کتنے دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ سے باہر دوسرے شہروں میں فوت ہوئے لیکن خلیفۃ الرسول بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی نے کسی کی بھی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہ کی۔

امام العادلین، خلیفۂ برحق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مبارک دور فتوحات کے اعتبار سے اسلام کا سنہری دور کہلاتا ہے۔ دور دراز ممالک میں کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا اور کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینۃ الرسول سے باہر وصال فرما گئے مگر پورے دور فاروقی میں نہ کسی کی نماز جنازہ غائبانہ کا اعلان ہوا، نہ کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ ان کی شہادت ہوئی مدینہ منورہ سے باہر کسی اور شہر میں نہ ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی

(اور نہ ان سے قبل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی)

اس کے بعد امیر المومنین حضرت ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ اسلامی خلافت کی سرحدیں آفاق سے باتیں کرنے لگیں۔ کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس دور میں شہید ہوئے اور کتنے وصال فرما گئے مگر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کسی ایک کی بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ فرمائی۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، کیسی مظلومیت کی شہادت ہے لیکن ہم نے کتب احادیث وتاریخ کی ورق گردانی کی کہ شاید مکہ معظمہ میں کسی نے شہید مظلوم کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی ہو یا کوفہ یا بصرہ میں ہی آپ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی ہو مگر اس دور میں نماز جنازہ غائبانہ کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔

اس کے بعد سیدنا اسد اللہ الغالب امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آتا ہے کسی اسلامی کتاب میں آپ کو ایک فقرہ بھی نہیں ملے گا کہ انہوں نے کسی ایک شخص کی بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی ہو اور نہ آپ یہ تلاش کر سکیں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کسی شہر میں ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی ہو۔ ہم نے بارہا مناظروں میں چیلنج کیا کہ دور خلافت راشدہ میں کسی خلیفہ راشد نے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو یا کسی خلیفہ راشد کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے لیکن نہ آج تک کوئی پیش کر سکا اور نہ ہی صبح قیامت تک کوئی پیش کر سکتا ہے۔ ان شاء اللہ!

جنازہ نجاشی:

ایک صاحب فرمانے لگے کہ "رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نجاشی (شاہ حبشہ) کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی، ہم نے خلفائے راشدین کا کلمہ نہیں پڑھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے۔ اگر خلفائے راشدین نے بعد میں اس پر عمل نہیں کیا تو ہم نبی کی حدیث پر عمل کریں گے۔" میں نے پوچھا کیا واقعی جناب روافض کی طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کیا کرتے تھے یا کم از کم سنتوں

سے بالکل لاپرواہ تھے۔ان میں سنت پر عمل کا جذبہ اتنا بھی نہیں تھا جتنا پندرہویں صدی کے غیر مقلدوں میں ہے؟ کہنے لگا میں تیری چالوں میں آنے والا نہیں۔ کہنے لگا:

اہل حدیث کے دو اصول

أطيعوا الله و أطيعوا الرسول

میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بھی سورۂ نور میں خلافت راشدہ کا مشن یہی بتایا ہے لیمکنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم کہ وہ حضرات خدا کا پسندیدہ دین ہی دنیا میں مضبوطی سے قائم کریں گے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی خلفائے راشدین کی سنت کو لازم الاتباع فرمایا ہے (ابوداؤد ۲۶۰۷ کتاب السنہ، ترمذی ۲۶۷۶ کتاب العلم، ابن ماجہ ص ۵) آپ نے تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اطاعت کا انکار کر کے أطيعوا الله کی بھی مخالفت کی ہے اور أطيعوا الرسول کی بھی۔ کہنے لگا جب ان چاروں خلفاء نے نبی کی حدیث پر عمل نہیں کیا تو ہم بھی ان کو نہیں مانتے۔ میں نے کہا کہ پہلے آپ کے بارے میں لوگ یہ خیال رکھتے تھے کہ آپ ائمہ اربعہ کو نہیں مانتے اس لئے آپ چھوٹے رافضی ہیں مگر اب تو پتہ چلا کہ آپ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا بھی انکار کرنے لگے ہیں اور ترقی کر کے بڑے رافضی بن گئے ہیں۔ کہنے لگا کہ ہم کوفہ کے امام کو نہیں مانتے، ہم مدینے والے ہیں، میں نے کہا مدینے والے امام (امام مالک) نے موطا میں اس حدیث پر باب التكبير على الجنائز کا باب باندھا ہے۔ نہ ہی انہوں نے اس پر غائبانہ جنازہ کا باب باندھا ہے اور نہ ہی وہ جنازہ غائبانہ کے قائل ہیں۔ کہنے لگا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں چار تکبیریں ہیں (موطا ص ۲۰۸)۔ میں نے پوچھا کہ حضرت کا وصال کب ہوا؟ کہنے لگا یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا یہ موطا کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ رجب ۹ھ جمعرات کے دن۔ میں نے پوچھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا وصال کب ہوا؟ کہنے لگا معلوم نہیں میں نے کہا ۵۹ھ میں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد ۵۰ سال دنیا میں حیات رہے، آپ ثابت

کریں کہ ان پچاس سالوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو؟ بڑا جھنجھلا کر کہنے لگا اگر ابو ہریرہ حدیث پر عمل نہ کرے تو کیا ہم بھی چھوڑ دیں؟ میں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ فہم حدیث میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بڑھے ہوئے ہیں اور عمل بالحدیث میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آگے ہیں۔ کہنے لگا امام بخاریؒ اتنے عظیم محدث تھے انہوں نے اس حدیث پر نماز جنازہ غائبانہ کا باب باندھا ہے۔ میں نے کہا یہ بات بالکل غلط ہے، اس پر امام بخاریؒ نے ہرگز یہ باب نہیں باندھا۔ میں نے بخاری شریف پیش کی کہ دکھائیں۔ یہ باب کہاں باندھا ہے؟ کہنے لگا میں نے استادوں سے سنا تھا اور ساتھ ہی کہنے لگا کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے یہ روایت صحیح مسلم ص ۳۰۹، ج ۱ پر ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں ہی اس واقعہ کے ستر (۷۰) سال بعد ۷۹ھ میں فوت ہوئے، کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد ۷۰ سال کی طویل مدت میں ایک شخص کی بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی ہو؟ کہنے لگا وہ اس حدیث کا مطلب ہی نہ سمجھے ہوں تو پھر۔ میں نے کہا کسی صحابی نے سمجھا یا بھی نہیں؟

جناب اس زمانہ میں ہوتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احادیث کا مطلب ہی سمجھا دیتے۔ کہنے لگا یہ حدیث حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی تو مروی ہے میں نے کہا بالکل صحیح بات ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد ۴۳ سال زندہ رہے، پہلے کوفہ میں قاضی رہے پھر ۵۲ھ میں بصرہ میں وفات پائی، انہوں نے بھی ان ۴۳ سالوں میں کسی ایک کی بھی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں کی۔ کہنے لگا یا اللہ! عجیب بات ہے کہ یہ لوگ صحابہ ہو کر بھی حدیث پر عمل نہیں کرتے تھے۔ میں نے کہا یہی سوچ گمراہ کن ہے، اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیث کی صحیح سمجھ تھی کیونکہ ان کو پوری بات معلوم تھی۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بات واضح فرما دی وما نحسب الجنازة الا موضوعة بين يديه (مسند احمد ص ۴۴۶، ج ۴) ہم نہیں خیال کرتے مگر یہ کہ جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

رکھا ہوا ہے اور ابن حبان کے الفاظ یہ ہیں و هم لا يظنون الا أن جنازة بين يديه اور صحابہ ﷺ خیال نہیں کرتے تھے مگر یہی کہ جنازہ حضرت ﷺ کے سامنے ہے اور ابوعوانہ میں تو یہ الفاظ ہیں: نحن لا نرى الا أن الجنازة قدامنا ہم نہیں دیکھتے تھے مگر یہ کہ جنازہ ہمارے آگے ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ﷺ نے یہ سمجھ کر نجاشی کا جنازہ پڑھا ہی نہیں کہ جنازہ غائب ہے بلکہ اس خیال سے پڑھا کہ جنازہ حضور ﷺ کے سامنے ہے بلکہ بعض صحابہ ﷺ کو نظر بھی آیا، چونکہ وہ جنازہ حاضر تھا اور صحابہ کرام ﷺ نے اسے حاضر ہی سمجھ کر پڑھا اسی لئے انہوں نے کبھی غائبانہ جنازہ نہ پڑھا۔ کہنے لگا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جنازہ حبشہ میں ہو اور یہاں آپ ﷺ یا بعض صحابہ کرام ﷺ کو نظر آجائے؟ میں نے کہا یہ تو کشف اللہ تعالی جب چاہیں دکھا دیں۔ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں ہیں اور موتہ کی لڑائی کشف میں دیکھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ جھنڈا زید نے لیا اور شہید ہو گیا، پھر جعفر نے لیا اور شہید ہو گیا، پھر عبد اللہ بن رواحہ نے لیا اور شہید ہو گیا۔ آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے اور آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ فرمایا پھر جھنڈا خالد بن ولید نے لیا اور فتح ہو گئی (بخاری ص ۱۶۷، ج ۱)۔ اور آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں ہیں تو آپ کو بیت المقدس دکھا دیا گیا اور آپ ﷺ دیکھ دیکھ کر کافروں کے سوالات کے جوابات دے رہے ہیں (بخاری ص ۵۴۸، ج ۱)۔ یہ حبشہ، موتہ اور بیت المقدس تو دنیا کے مقامات ہیں، آپ ﷺ کو مدینہ میں جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا (بخاری ص ۷۷، ۱۰۳، ۱۲۶، ۱۴۴، ۱۶۴، ج ۱) کہنے لگا آخر اس میں نجاشی کے جنازہ سے یہ خصوصی امر کیوں پیش آیا؟ میں نے کہا ہمیں اس کا جاننا ضروری نہیں۔ امام ترمذیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے حضرت نجاشی کی حدیث پر باب باندھا ہے: باب صلوة النبی ﷺ على النجاشي جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی کی اس طرح نماز یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔ امام بخاریؒ کے دادا استاد حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں ألا يرى أنه صلى على النجاشي بالمدينة وقد مات بالحبشة فصلوة

رسول اللہ ﷺ برکۃ وطھور ولیست کغیرھا من الصلوات وھو قول أبی حنیفۃ "کیا نہیں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی، آپ کی نماز برکت والی اور پاک کرنے والی تھی اور دسروں کی نمازوں جیسی نہیں تھی، یہی فرمان امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔" (موطا محمد ص ۱۶۷)

البتہ امام ابوداؤدؒ نے ص ۴۵۷، ج ۲ پر اس حدیث پر ان الفاظ میں باب باندھا ہے باب فی الصلوۃ علی المسلم یموت فی بلاد الشرک یہ باب اس مسلمان پر نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں ہے جو بلاد شرک میں فوت ہو جائے۔ اس بات کی شرح میں علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں: "نجاشی ایک مسلمان آدمی تھا، وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی مگر وہ اپنا ایمان چھپاتا تھا اور جب کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو مسلمانوں پر اس کی نماز جنازہ ادا کرنا واجب ہے۔ نجاشی چونکہ اہل کفر میں مقیم تھا اور وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی نماز جنازہ پڑھتا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کی نماز جنازہ ادا کرنا ضروری تھا کیونکہ آپ ﷺ اس کے نبی تھے اور لوگوں کی نسبت اسی کے زیادہ حق دار تھے۔ پس اسی سبب سے (واللہ اعلم) آپ ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی دعوت دی (معالم السنن ص ۳۱۰، ج ۱)۔ اور اسی لئے بطور کشف جنازہ آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا۔ اب جن لوگوں کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی جاتی ہے کیا وہ سارے دار الکفر میں ہی فوت ہوتے ہیں اور وہاں کوئی مسلمان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتا؟ اور کیا ان جنازہ پڑھانے والوں کو بھی ہر ہر شہر میں ہر ہر جنازے کا کشف ہو جاتا ہے؟ کہنے لگا کہ ہمارے پاس نماز جنازہ غائبانہ کے اور دلائل بھی ہیں، میں دوبارہ تیاری کر کے آؤں گا۔

اب تیاری کے بعد پھر آیا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن معاویہ حرفی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی۔ یہ حدیث حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں نقل فرمائی ہے۔ میں نے کہا "الاصابہ ص ۴۳۶، ج ۳" پر یہ واقعہ ہے اور اس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت معاویہ بن معاویہ کا وصال ۹ھ میں ہوا۔ ان کا وصال مدینہ منورہ

میں ہوا اور آنحضرت ﷺ اس وقت تبوک میں تشریف فرما تھے اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، جن کا وصال اس واقعہ کے تقریباً ۸۴ سال بعد ۹۳ھ میں ہوا اور ان ۸۴ سالوں میں سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم کا وصال ہوا مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کسی ایک کی بھی غائبانہ نماز جنازہ ادا نہ کی، پھر اس حدیث سے استدلال اس لئے بھی ناجائز ہے کہ اس کی کوئی سند بھی صحیح نہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں (تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۹، ج ۴)۔ اور علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ان احادیث کی سندیں قوی نہیں ہیں، اگر یہ احکام سے متعلق ہوتیں تو ان میں سے کوئی بھی قابل حجت نہ ہوتی (الاستیعاب ص ۳۷۵، ج ۳)۔ اور ظاہر ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ کا جواز احکام ہی کا مسئلہ ہے، تو یہ سندیں کیسے حجت ہوسکتی ہیں؟

اب ذرا اسی روایت پر نظر ڈالیں کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ حضرت معاویہ بن معاویہ کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ تو حضرت جبرئیلؑ نے اپنا دایاں پر پہاڑوں پر رکھا اور وہ دب گئے یہاں تک کہ مدینہ منورہ ہمیں نظر آنے لگا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر نماز جنازہ غائبانہ جائز ہوتی تو حضرت جبرئیلؑ کو نازل ہو کر اس سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی اور پھر پر رکھ کر مدینہ منورہ دکھانے کی کیا ضرورت تھی اور جب نظر آ گیا تو غائب کہاں رہا؟ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے نماز جنازہ غائبانہ پر دلیل لینا جائز نہیں کیونکہ جب پردے اٹھا دیئے گئے تو جنازہ حاضر ہو گیا (غائب نہ رہا) (الاصابہ ص ۴۳۷، ج ۳)

پھر روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ جنازہ کے ساتھ یہ خصوصی رعایت کیوں کی گئی؟ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ سورۃ اخلاص کی محبت کی وجہ سے۔ یہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں قل ھو اللہ (پوری سورت) پڑھتے رہتے تھے۔

میں نے کہا کہ نماز جنازہ غائبانہ خیر القرون کے متواتر عمل کے خلاف ایک بالکل

بے دلیل عمل ہے، کہنے لگا آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ نماز جنازہ غائبانہ کا تو کوئی مسلم انکار ہی نہیں کرسکتا، میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگا سب مسلمان نماز جنازہ میں یہ الفاظ پڑھتے ہیں و شاهد نا و غائبنا اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح حاضر کا جنازہ جائز ہے غائب کا بھی جائز ہے۔ میں نے کہا اس سے پہلے وہ یہ بھی پڑھتے ہیں حینا و میتنا تو کیا ان الفاظ کا بھی یہی مطلب ہے کہ جیسے مردوں کا جنازہ جائز ہے زندوں کا بھی جائز ہے، میں نے کہا آیئے آپ کے جنازے کا اعلان کرتے ہیں کہ فلاں زندہ کا جنازہ پڑھنے کے لئے لوگ جمع ہو جائیں، پھر آپ کا جنازہ پڑھ لیتے ہیں، اس پر وہ بہت پریشان ہوا۔ میں نے کہا جب آپ جیسے نا اہل استدلال کرنے لگیں تو دین پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اذا وسد الأمر الی غیر أهله فانتظر الساعة جب کام نا اہلوں اور نالائقوں کے سپرد ہو تو یہ سمجھو قیامت ٹوٹ پڑی (بخاری)۔ کہنے لگا واقعی نا اہلوں کو استدلال نہیں کرنا چاہئے۔ میں نے پوچھا جب وہ استدلال نہیں کریں گے تو دین پر عمل کیسے کریں گے؟ کہنے لگا جو اہل (علم) حضرات ہیں ان سے پوچھ کر۔ میں نے کہا یہی تقلید ہے جس کو آپ شرک کہتے ہیں؟ کہنے لگا کہ ہم ہر شخص کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھتے، صرف شہداء کی پڑھتے ہیں، میں نے کہا بقول آپ کے بھی حضور ﷺ نے نجاشی اور معاویہ بن معاویہ کا جنازہ پڑھا تھا ان میں سے تو ایک بھی شہید نہیں تھا۔ عجیب بات ہے کہ بقول آپ کے حضرت پاک صاحب لولاک ﷺ نے غیر شہداء کی نماز جنازہ پڑھی مگر آپ ان کی نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھتے اور آپ ﷺ نے کسی شہید کی نماز جنازہ غائبانہ کبھی بھی نہیں پڑھی اور آپ ہر شہر میں پڑھتے ہیں، یہ تو رسول اللہ ﷺ کی کھلی مخالفت ہے۔ آخر کہنے لگا اگر کسی آیت یا حدیث سے شہید کی نماز جنازہ غائبانہ ثابت نہیں تو امام شافعیؒ کے ہاں تو جائز ہے، چلو ہم ان ہی کی تقلید میں پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تقلید کے معنی تابعداری کرنا ہوتا ہے یا مخالفت کرنا؟ کہنے لگا کہ تابعداری کرنا۔ میں نے کہا تم امام شافعیؒ کی مخالفت کرتے ہو اور اس کا نام تقلید رکھ لیا ہے۔ کہنے لگا وہ کیسے؟ میں نے کہا کہ امام شافعیؒ کے ہاں تو شہید کی نماز جنازہ ہے ہی نہیں خواہ

سامنے ہی رکھا ہو۔ آپ امام شافعیؒ سے ہی ثابت کر دیں کہ انہوں نے کسی شہید کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو۔ کہنے لگا اس کے بارے میں تحقیق کر کے آؤں گا۔

ایک ہفتہ کے انتظار کے بعد میں خود ہی اس سے ملا اور پوچھا کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا اور آپ آئے ہی نہیں۔ کہنے لگا راولپنڈی میں ہمارے ایک مولوی صاحب فوت ہو گئے تھے میں ان کے جنازہ پر چلا گیا تھا۔ میں نے کہا وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی تم نے یہاں ہی اس کی نماز جنازہ غائبانہ کیوں نہ پڑھ لی، وقت بھی بچ جاتا، خرچ بھی بچ جاتا، مشقت سے بھی بچ جاتے اور عام لوگوں کو بھی پتہ چل جاتا کہ اب کسی دوسرے گاؤں یا دوسرے شہر میں کسی کا جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جنازہ گاہ میں بھی جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ نماز جنازہ غائبانہ جائز ہے۔ کہنے لگا اس طرح تو کوئی بھی جنازہ پڑھنے نہیں جائے گا۔ یہ تو سب نظام ہی تباہ ہو جائے گا۔ میں نے کہا آپ کی تحریک ہی دین کو تباہ کرنے کے لئے ہے۔ میں نے پوچھا آپ نے یہ ثبوت لانا تھا کہ حضرت امام شافعیؒ نے زندگی بھر میں کسی ایک ہی شہید کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی یا پڑھائی ہو۔ کہنے لگا اس کا تو مجھے ثبوت نہیں ملا۔ پھر میں نے پوچھا کہ جب اس کا ثبوت نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں، نہ امام شافعیؒ کی تقلید میں تو پھر آپ شہداء کی نماز جنازہ غائبانہ کیوں پڑھتے ہیں؟

فقہ حنفی کی مخالفت ہی اصل مقصد ہے:

کہنے لگا ہم جو اہل حدیث کہلاتے ہیں وہ اس لئے نہیں کہ ہمارے ہر شخص، مرد، عورت، بوڑھے، بچے کو تمام احادیث کی سندوں اور سنتوں پر عبور ہے بلکہ ہمارے خیال میں فقہ کی مخالفت کرنے کا نام عمل بالقرآن والحدیث ہے۔ ہم نے فقہ حنفی میں یہ پڑھا کہ نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں، اب اس کو ہم فقہ کا مسئلہ کہتے ہیں اور اس کی مخالفت کا نام ہم نے قرآن وحدیث رکھ لیا ہے، اگرچہ اس مسئلہ کے خلاف ہمیں کوئی آیت یا حدیث ملے یا نہ ملے، اس مسئلہ پر عمل کرنے کو ہم تقلید کہتے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے کو تحقیق کہتے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ ہمیں فقہ سے ضد ہو گئی ہے۔ میں نے کہا اس ساری گفتگو سے یہ احساس

تو آپ کو بھی ہو گیا ہو گا کہ آپ کا قرآن و حدیث کا مطالعہ بالکل ناقص بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے اور اپنے نفس امارہ پر اعتماد اتنا کہ مجتہدین ائمہ اربعہ تو ائمہ اربعہ آپ خلفائے راشدین کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور خوف خدا اور فکر آخرت کا تو آپ کے قریب گزر بھی نہیں۔ کہنے لگا کہ آپ کا یہ تجزیہ سو فیصد صحیح ہے۔ ہم خودرائی، نفس پرستی اور اسلاف سے بغاوت کا نام عمل بالحدیث رکھتے ہیں۔ میں نے کہا جب یہ احساس ہو گیا تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں اور توبہ کا دروازہ تو ابھی کھلا ہے، دیر آپ ہی کی طرف سے ہے، ادھر سے قبولیت میں دیر نہیں۔ کہنے لگا میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صمیم قلب سے توبہ کرتا ہوں اور یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطاء فرمائیں۔ آمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

خداوند قدوس نے اپنی آخری اور کامل کتاب قرآن پاک میں فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ بندگی کریں۔

بندہ آمد از برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

یہ رب العالمین کا خاص انعام ہے کہ ہم جیسے بندے جو سراپا گندے ہیں، ان کو بھی اپنی بارگاہ میں حاضری کی توفیق دی اور پھر دوسرا احسان یہ فرمایا کہ عبادت کے دو حصے کر دیئے، کچھ عبادت تو فرض فرمادی کہ سب کام کاج چھوڑ کر اس کا ادا کرنا لازم ہے اور کچھ درجہ نفل میں رہنے دی، کوئی بندہ جتنی زیادہ نفل عبادت کرے گا، اسے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا یعنی جتنا گڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا ہوگا۔ اسی لئے رسول اقدس ﷺ نے ایک شخص کو فرائض کی تعلیم دی تو اس نے پوچھا ھل علی غیرھن کیا ان فرائض کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ لازم ہے؟ فرمایا: لا الا أن تطوع نہیں، مگر یہ کہ تو خوشی سے کچھ اور ادا کرے۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ فرائض کی ادائیگی میں کوئی کمی کوتاہی ہوئی تو وہ نوافل سے پوری کر دی

جائے گی، اس لئے بندہ کو چاہئے کہ نوافل کا ذخیرہ بھی اپنے پاس رکھے۔

نوافل کا ثواب:

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جب خیبر کو فتح کر چکے تو لوگوں نے اپنا مال غنیمت نکالا، جس میں مختلف قسم کا سامان اور قیدی تھے اور خرید و فروخت شروع ہوگئی (کہ ہر شخص اپنی ضروریات خریدنے لگا اور دوسری زائد چیزیں فروخت کرنے لگا)، اتنے میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے آج اس تجارت میں اس قدر نفع ہوا کہ ساری جماعت میں سے کسی کو بھی اتنا نفع نہیں مل سکا۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے پوچھا کہ کتنا کمایا؟ انہوں نے عرض کیا: حضور! میں سامان خریدتا رہا اور بیچتا رہا، جس میں سو اوقیہ چاندی نفع میں بچی (یعنی تقریباً تین ہزار روپیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہیں بہترین نفع کی چیز بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: حضور ضرور بتائیں۔ فرمایا: (فرض) نماز کے بعد دو رکعت (نفل) رواہ أبو داؤد و سکت عنه المنذری۔

اس حدیث پاک میں نماز کے بعد دو نفل پڑھنے کا کتنا ثواب ارشاد فرمایا، اسی لئے اہل سنت والجماعت نماز ظہر، نماز مغرب اور نماز عشاء کے بعد دو دو نفل پڑھتے ہیں۔ ہاں نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے متواتر حدیث پاک میں منع فرمادیا ہے، اسی لئے فجر اور عصر کے بعد اہل سنت نفل نہیں پڑھتے۔ نماز ظہر، مغرب، عشاء کے بعد کے یہ دو نفل جن کا حدیث پاک سے اتنا ثواب ثابت ہو رہا ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث نہیں، اہل سنت تو ان کو پڑھ کر ثواب کماتے ہیں لیکن غیر مقلدین کی قسمت میں یہ ثواب نہیں۔ اس لئے وہ کبھی یہ نفل نہیں پڑھتے بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ اہل سنت بھی نہ پڑھیں۔

قرب فرائض و نوافل:

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے،

میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے اور کوئی شخص میرا قرب اس چیز کی بہ نسبت زیادہ حاصل نہیں کر سکتا جو میں نے اس پر فرض کی ہے، یعنی سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی مجھ سے فرائض کے ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور نوافل کی وجہ سے بندہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ چیز کو پکڑے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلے، اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو عطاء کرتا ہوں اور کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے تو میں پناہ دیتا ہوں (جمع الفوائد)

فائدہ:

آنکھ کان بن جانے کا مطلب ہے کہ اس کا دیکھنا، سننا، چلنا پھرنا سب میری خوشی کے تابع بن جاتا ہے اور کوئی بات بھی میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتی۔ اس حدیث پاک سے بھی نوافل کی برکات کا پتہ چلا۔ کتنے خوش نصیب ہیں جو قربِ نوافل سے مقامِ ولایت پر فائز ہوئے۔

اختلاف مزاج:

اہل سنت والجماعت کا مزاج یہ ہے کہ کتاب وسنت پر عمل بھی ہو اور امت میں اتفاق واتحاد بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جائے۔ جیسے قرآن پاک کی سات قرأتیں ہیں، ان میں اختلاف بھی ہے مگر اہل سنت سب قرأتوں کو حق مانتے ہوئے تلاوت اسی قرأت میں کرتے ہیں جس پر اس ملک میں تلاوت متواتر ہو، اسی طرح سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے کے چار طریقے اور مذاہب ہیں۔ اہل سنت والجماعت اسی مذہب اور طریقے کے موافق کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں جو اس ملک میں عملاً متواتر ہو۔ اس طرح کتاب و سنت پر عمل بھی ہو جاتا ہے اور امت میں اتفاق، اتحاد، یگانگت اور یکسوئی بھی قائم رہتی ہے جو و اتبع ملة ابراهيم حنيفا میں مطلوب ہے۔

چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''اور یہ چاروں مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) جو مرتب اور مدون ہو گئے ہیں، پوری امت نے یا امت کے قابل اعتماد حضرات نے ان چاروں مذاہب مشہورہ کی تقلید کے جواز پر اجماع کیا ہے اور یہ اجماع آج تک باقی ہے (اس کی مخالفت جائز نہیں، بلکہ موجب گمراہی ہے)'' (حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۶۱، ج ۱) اور سید احمد طحطاوی (۱۲۳۳ھ) فرماتے ہیں: ''اے مسلمانو! تم پر واجب ہے کہ نجات پانے والی جماعت کی تابعداری کرو، جو کہ اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل سنت والجماعت کی موافقت کرنے میں ہے اور اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرنے میں اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا حق دار بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے اور نجات پانے والا گروہ (اہل سنت و الجماعت) آج مجتمع ہو گیا ہے چار مذاہب میں اور وہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہیں اور جو شخص اس زمانہ میں ان چار مذاہب سے خارج ہو گیا، وہ اہل بدعت اور اہل نار میں سے ہے (یعنی اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں) (طحطاوی علی الدر المختار ص ۱۵۳، ج ٤ کتاب الذبائح)

اس کے برعکس جو لوگ چاروں مذہبوں سے کٹ کر غیر مقلدین بن گئے ہیں، ان کے مزاج میں اختلاف ایسا رچ بس گیا ہے کہ وہ سواد اعظم اہل سنت والجماعت سے اختلاف کئے بغیر کوئی عبادت بھی نہیں کرتے۔ مثلاً یہاں سب لوگ قربانی تین دن کرتے ہیں، ان تین دنوں میں ان کے ہاں بھی قربانی جائز ہے مگر وہ نیا اختلاف پیدا کرنے کے لئے چوتھے دن بھی قربانی کریں گے۔ یہاں سب لوگ تین وتر پڑھتے ہیں جو ان کے ہاں بھی جائز ہیں مگر وہ صرف اختلاف ڈالنے کے لئے ایک وتر پڑھیں گے۔ یہاں سب لوگ بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے ہیں، ان کی کتابوں میں بھی بیس کو مستحب لکھا ہے مگر وہ اپنا جہاد اسی کو سمجھتے ہیں کہ کسی حنفی کو آٹھ تراویح کے بعد بھگا کر لے جائیں۔ سب لوگ لیٹرین میں قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے بچتے ہیں، ان کے ہاں یہ

(منہ یا پشت کرنا) بالکل ناجائز ہے اور یہ صرف اختلاف کو بڑھانے کے لئے لیٹرین میں قبلہ رخ ہو کر رفع حاجت پر فخر کرتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک تازہ اختلاف نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا شروع ہوا ہے۔ صد سالہ دور برطانیہ میں جب یہ فرقہ بنا اس وقت بھی اس پر زور نہ تھا اب تو ان کا ایک شعار بن گیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک عزیز نے ایک رسالہ بھیجا جس کا نام ہے "الرحوب لمن یصلی الرکعتین بعد الغروب" تالیف عبدالغفار ضامرانی، ضلع تربت مکران بلوچستان۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کسی نے اس نماز کو نہیں پڑھا (ص ۳) مولانا کو شکایت ہے کہ ملاؤں نے آج تک حق کو چھپایا ہے، جس طرح رسول اکرم ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح کر کے ایک باطل رسم کو توڑا تھا، میں بھی یہ دو رکعت پڑھ کر باطل رسم کو توڑ دوں گا (ص ۷) جہالت کو رفع کرنا فرض ہے اور میں یہ رسالہ لکھ کر فرض ادا کر رہا ہوں (ص ۴)

سنی مذاہب:

ص ۸، ۹ پر لکھا ہے: "احادیث میں تمام سنی مذاہب کی ادلہ موجود ہیں۔ ہاں کسی کی ادلہ کچھ زیادہ قوی ہیں اور بعض کی ادلہ کمزور، لیکن بے دلیل کوئی سنی مذہب نہیں۔" یہ ایک جاہل کا تبصرہ تو ہو سکتا ہے کہ شرائط اجتہاد سے خالی ہو کر مجتہدین کا جج بن بیٹھے۔ پھر یہ بھی نہیں بتایا کہ سنی مذاہب کتنے ہیں؟ سید طحطاوی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ سنی مذاہب چار ہی ہیں۔ غیر مقلدین جو چاروں سے خارج ہیں، وہ اہل بدعت اور اہل نار سے ہیں۔

خرافات:

رسالہ کا مقصد کسی ایک مسئلہ کی تحقیق نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت پر الزامات و اتہامات کی بوچھاڑ ہے۔ لکھتا ہے: "ہر مذہب والے اپنے امام کی آراء و قیاسات کو ایسے بیان کرتے ہیں جیسے آیات محکمات ہیں۔ دوسرے مذہب کو ایک کفر یا خرافہ یا حماقت بحتہ ظاہر کرتے ہیں (یہ بغیر کسی حوالے کے کتنا بڑا جھوٹ اہل سنت کے ذمہ لگا دیا ہے)

حدیث کی نو کتابوں کو ایک سال میں پڑھاتے ہیں (ص ۱۰) اوراق حدیث کو کہنہ کرنے کے لئے الٹ پلٹ کر کے پھر سند دیتے ہیں لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ (ص ۱۵) (یہ دورہ حدیث شریف کا مذاق اڑایا ہے) مولانا! آپ کے بڑے بڑے لامذہب علماء اپنے عزیزوں کو دورہ کے لئے حنفی مدارس میں بھیجتے ہیں، ہمارے علماء کے مقابلہ میں آپ لوگ حدیث کا عشر عشیر بھی نہیں جانتے۔ آج تک تمہارے علماء بخاری، مسلم کی مکمل شرح لکھنے سے عاجز ہیں۔ آپ کے علماء رات بھر مقلدین کی شروح اور کاپیوں کا مطالعہ کرتے ہیں، پھر کہیں صبح کو ایک آدھ حدیث پڑھا سکتے ہیں۔ انسان جس دیگ میں کھائے اسی میں چھید کرے، ہم تو اس کو نمک حرامی سمجھتے ہیں۔

صفحہ ۸ پر لکھتا ہے: رفع یدین متواتر ہے۔ مولانا! یہ آج کی باتیں ہیں، خیر القرون میں کسی نے رفع یدین کو متواتر نہیں کہا۔ ہاں امام ابراہیم نخعی تابعیؒ کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ تحریمہ کے بعد ترک رفع یدین سنداً و عملاً متواتر ہے۔ مولانا سنداً تو جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی حدیث بھی متواتر ہے، گویا آپ جب جوتے اتار کر نماز پڑھتے ہیں تو متواتر حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ مولانا! آپ کی جماعت تو اپنے مکمل دعویٰ پر ایک حدیث بھی پیش نہ کر سکی، آپ ہی ہمت کر دیکھیں۔ ایک اور صرف ایک حدیث پیش فرمائیں جس میں ۱۸ جگہ کی رفع یدین کا ممنوع ہونا اور دس جگہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا اثبات اور وہ دوام میں نص صریح ہو اور یہ صراحت ہو کہ جو اس طرح نماز نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اور یہ بالکل غیر معارض حدیث ہے، اس کا صحیح ہونا دلیل سے ثابت کریں اور یہ کبھی نہ بھولیں کہ آپ کے ہاں دلیل صرف اور صرف خدا یا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ہمت کریں، ہم انتظار کریں گے۔

تقلید شخصی:

ص ۱۲، ۱۳ پر تقلید شخصی کو گمراہی اور دین کا چور دروازہ بتایا ہے۔ مولانا! آپ کے علماء نے جو تقلید شخصی چھوڑی تھی تو صرف ملکہ وکٹوریہ کے اشتہار ''آزادیٔ مذہب'' کی وجہ

کر نہیں پیش بھی حدیث ایک اور آیت ایک تک آج وہ ورنہ)دیکھو ترجمان دہابیہ(، سے سکے کہ مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کے لئے ایسے علاقہ میں جہاں صرف اور صرف ایک ہی امام کا مذہب عملاً متواتر ہو، اس مجتہد کی تقلید شخصی شرک ہے، کفر ہے، حرام ہے۔ آپ کے بڑے سب مر گئے اور ایسی آیت وحدیث پیش نہ کر سکے۔ مولانا! جتنے محدثین کا ذکر طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ، طبقات شافعیہ اور طبقات حنابلہ میں ہے، ان سب کو تو آپ دین کے چور جانتے ہیں، طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب کسی محدث کی لکھی ہوئی آپ پیش نہیں کر سکتے۔

ص ۱۲ پر مؤلف نے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کو فرقہ ذکری بلوچستانی کے امام کے ساتھ ملایا ہے، یہ اہل اللہ سے وہ بغض ہے جو دراصل اللہ سے اعلان جنگ ہے۔ من عادیٰ لی ولیا فقد آذنته بالحرب اور ص ۱۳ پر لکھا ہے "باعتبار نتیجہ شیعہ اور سنی مقلدین دونوں قرآن وحدیث کو چھوڑنے میں برابر ہیں۔" کبھی مقلدین کو ذکریوں میں شمار کرتا ہے اور کبھی شیعوں میں اور کبھی مطالبہ کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا نام قرآن میں دکھاؤ۔ اس کی جہالت کا یہ حال ہے کہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ اہل سنت والجماعت اپنے ائمہ کو نبی نہیں مانتے کہ ان کے لئے منصوص اور معصوم ہونا ضروری ہو۔ ہاں اگر مؤلف اس مسئلہ میں روافض کا مقلد ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ امام کے لئے بھی نبی کی طرح منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے تو پہلے ساتوں ائمہ قراء کا نام قرآن سے دکھائے پھر صحاح ستہ والوں کا نام قرآن میں دکھائے پھر جس کو یہ فقیہ یا مجتہد مانتا ہو اس کا نام دکھائے مگر قیامت کی صبح تک نہ دکھا سکے گا (ان شاء اللہ)۔ ولو کان بعضهم لبعض ظهيرا۔

ص ۱۸ پر مؤلف کی لامذہبیت پورے جوبن پر ہے۔ لکھتا ہے: "براہو تیر اتقلیدی تعصب، تو کتنا اندھا ہے اور کتنا بدبودار ہے" پھر لکھتا ہے: "علی کل حال تعصب مذہبی خود ایک بڑی جہالت ہے۔" (ص ۱۹) اگر ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین جاہل ہیں تو دنیا میں علم کہاں ہے؟ اگر حافظ ابن حجرؒ، امام نوویؒ، علامہ عینیؒ، امام زیلعیؒ وغیرہ مقلدین اندھے ہیں تو دنیا میں بینا کون ہے؟ اگر تقلید بدبودار ہے تو محدثین احناف، محدثین مالکیہ، محدثین شافعیہ،

محدثین حنابلہ جن کا ذکر کتب طبقات میں ہے، ان کو اس کی بو کیوں محسوس نہ ہوئی۔ دراصل تیرے متعفن دماغ میں لا مذہبیت کی گندی بدبو رچ بس گئی ہے، اس لئے تیرا دماغ ہر وقت بدبودار رہتا ہے۔ ص ۱۶ پر کافروں والی آیات کو ائمہ اور ان کے مقلدین پر چسپاں کر رہے ہیں۔ ص ۲۰ پر بھی قرآن کی برحق آیت (جو کافروں کے بارے میں ہے) کو ناحق خارجیوں کی طرح ائمہ اور ان کے مقلدین پر چسپاں کیا ہے۔ تقریباً ۲۰ صفحات تمہید میں ضائع کر کے لکھتا ہے ''تمہید لمبی ہوگئی ہے کپڑے کی ناپاکی جب بہت غلیظ ہوگئی تو اس پر کافی صابن خرچ کرنا پڑتا ہے زور سے پتھر پر رگڑنا پڑتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ آراء فقہاءؒ سے ہم بالکل مستغنی ہیں، ہمیں ان کے علوم مبارکہ سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن تبعا للوحی لا مستقلاً کہ قرآن وحدیث کی تاویل وغیرہ کرنا تا کہ قول امام کے ساتھ بن جائے، ضلال مبین ہے، اس کے بعد کسی اور کفر کا انتظار کرنا ایسا ہے جیسے کسی کپڑے پر آدمی اور کتے کی غلاظت ہو، اس کے دور کرنے کی فکر نہ کرے، لیکن بکری اور گائے کے پیشاب سے پرہیز کرے (ص ۱۹) مؤلف کی قوت فیصلہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جن پر کافروں والی آیات کو چسپاں کیا، جن کو شیعوں اور ذکریوں سے ملایا، اب ان ہی کی آراء کو علوم مبارکہ قرار دے رہا ہے اور ان سے استفادہ کے لئے کاسۂ گدائی لئے ان کے قدموں میں گرا ہوا ہے۔ لیکن واہ ری لا مذہبیت تیری طوطا چشمی۔ سر ابھی ان کے قدموں پر ہے مگر زبان سے گندا تبرا بھی جاری ہے۔ کبھی انسان کے پاخانے سے تشبیہ دے رہا ہے کبھی کتے کے پاخانے سے۔ ادھر جہالت کا یہ حال ہے کہ اپنا مذہب بھی بھولا ہوا ہے۔ نزل الابرار میں کتے اور خنزیر کے پیشاب پاخانے کو پاک لکھا ہے، گائے اور بکری کے پیشاب پاخانے کو فتاویٰ ستاریہ اور فتاویٰ ثنائیہ میں نہ صرف پاک بلکہ بوقت ضرورت حلال بھی لکھا ہے۔ ہاں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ استفادہ ہے تبعا للوحی لا مستقلاً، جناب من وحی سے اگر کتاب وسنت مراد ہے تو ائمہ اربعہ باجماع امت تجھ سے بہت زیادہ متبع وحی تھے۔ تیرا یہ کہنا ایسا ہی ہے کہ کوئی چمار کہے کہ میں ہائی کورٹ کا فیصلہ مانتا ہوں، تبعا للقانون، گویا وہ چمار اپنے آپ کو

قانون فہمی میں ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سے زیادہ ماہر جانتا ہے، حالانکہ قانون کے مطابق یہ چمار توہین عدالت کا مرتکب ہے۔ جناب کی مثال ایسی ہی ہے کہ دنیا کے سب ڈاکٹروں میں سے ایک مسلم ڈاکٹر ایک نسخہ لکھے، ہزاروں ڈاکٹر اس کی تجویز میں اس کے خوشہ چیں ہوں مگر ایک کمہار شور مچاتا پھرے کہ یہ نسخہ ڈاکٹری اصولوں کے خلاف ہے تو یقیناً ایسا چمار کسی پاگل خانے میں ہی جگہ پا سکتا ہے۔ قوت فیصلہ سے محروم، علوم شرعیہ سے جاہل، ائمہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے خلاف عمل کرنے والے تھے۔

انقلاب چمن دہر کی دیکھی تکمیل
آج قارون بھی کہہ دیتا ہے حاتم کو بخیل
بو حنیفہ کو کہے طفلِ دبستاں جاہل
مہ تاباں کو دکھانے لگی مشعل قندیل
حسن یوسف میں بتانے لگا ابرص سو عیب
لگ گئے چیونٹی کو پر کہنے لگی یچ ہے فیل
شرک توحید کو کہنے لگے اہل تثلیث
لوح محفوظ کو کہتی ہے محرف انجیل
سامری موسیٰ عمراں کو کہے جادوگر
شیخ کی کرتے ہیں اسکول کے بچے تجہیل
اسپ تازی شدہ مجروح زیر پالاں
طوق زریں ہے گدھے کیلئے عزت کی دلیل

امام غزالیؒ کی نصیحت:

فرماتے ہیں: ”عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لا کر عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں اور علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں، اس کو علماء کے حوالے کر دیں۔ عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا، زنا اور چوری سے بھی زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے،

کیونکہ جو شخص دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا وہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اس کا اسے احساس بھی نہ ہو کہ جو اس نے سمجھا ہے کفر ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر میں کود پڑے (احیاء العلوم ص ۳۵، ج ۳) بالکل یہی حال مؤلف کا ہے۔ وہ سب اہل سنت مقلدین کو کافر تک کہتا جا رہا ہے، مگر اسے اس کا احساس بھی نہیں ہو رہا کہ تکفیرِ مسلم خود انسان کو کفر میں پھینک دیتی ہے۔

دو رکعت بعد غروب:

مؤلف اب لا حاصل تمہید کے بعد اصل مقصد پر آتا ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے سورج غروب ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔ لیکن سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ یہ دو رکعت فرض ہیں یا سنت مؤکدہ یا مستحب یا مباح؟ یہ فیصلہ مؤلف نہیں کر پایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے چارہ علم سے کورا ہے۔

فرضوں جیسا اہتمام:

ص ۳۲ پر لکھتا ہے: رغبان کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا، وہ ان دو رکعتوں کے پڑھنے کا ایسا اہتمام کرتے تھے جیسے مکتوبہ (فرض نماز) کا۔ مؤلف نے رغبان لکھا ہے جبکہ سنن کبریٰ بیہقی ص ۴۷۶، ج ۲ پر زغبان ہے، اس کی توثیق کہیں ثابت نہیں۔ یہ حضرت حبیب بن مسلمہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت حبیب کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ وہ مکہ مکرمہ سے ترک سکونت کر کے مستقل شام میں آباد ہو گئے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں روم کی لڑائیوں میں اتنی بار شرکت کی کہ حبیب رومی کے لقب سے مشہور تھے (نوٹ: یہ عین ممکن ہے کہ سفر جہاد میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عصر کے دو فرض قضاء ہو گئے ہوں، وہ انہوں نے نمازِ مغرب سے پہلے پڑھے ہوں) یہ زغبان ان کے مولیٰ تھے ان سے روایت کرنے والا خالد بن معدان بھی شامی ہے اور کثیر

الا رسال ہے اور یہاں عن سے روایت کر رہا ہے، ایسی روایت مؤلف کے ہاں حجت ہی نہیں کیونکہ مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں (دیکھو رسالہ ص ۳۷) یہ شام یا روم میں کسی صحابی کی بات روایت کر رہا ہے۔ سند میں ارسال بھی ہے اور جہالت بھی اور سند کا پہلا راوی ابو عبد اللہ بعض کے نزدیک غالی شیعہ ہے اور بعض کے نزدیک رافضی خبیث (میزان)۔ اس روایت کو مؤلف نے استدلال میں پیش کیا ہے۔ گویا مغرب کی رکعات ۲ فرض + ۳ فرض + ۲ سنت مؤکدہ ہیں۔ مؤلف نے نہ تو فرض کی تعریف کی ہے اور نہ اس کا حکم بیان کیا ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ صرف قرآن و حدیث سے فرض کی جامع مانع تعریف اور اس کا حکم بیان کریں۔ اپنا قیاس یا کسی امتی کی بقولِ خود اندھی اور بدبودار تقلید نہ کریں۔

(۲) سنت مؤکدہ:

ص ۴۵ پر لکھتا ہے: ''ہم نے کتب احادیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مضبوط اور قطعی دلائل پیش کر کے اس کی اہمیت اور افادیت اور سنت مؤکدہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔''
حالانکہ یہ مولوی صاحب کا خالص جھوٹ ہے۔ نہ کسی حدیث میں یہ حکم ہے کہ یہ دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں، نہ ہی کسی صحابی کا یہ ارشاد ہے۔ مضبوط اور قطعی دلائل تو کیا ایک کمزور دلیل بھی اس پر نہ لا سکا بلکہ ص ۴۴ پر خود مولوی صاحب نے متفق علیہ حدیث ذکر کی ہے، جس میں ہے کہ: کراهية أن يتخذ الناس سنة کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مکروہ جانتے کہ لوگ ان دو رکعتوں کو سنت سمجھیں۔ یہاں بھی مؤلف نے نہ سنت مؤکدہ کی جامع مانع تعریف لکھی ہے اور نہ اس کا حکم، بلکہ عام طور پر جو غیر مقلدین بعض امتیوں سے چوری کر کے سنت کی یوں تعریف کیا کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو سنت کہتے ہیں۔ وہ تعریف تو غلط ہوگئی، کیونکہ مؤلف کا دعویٰ ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چار مرتبہ ان دو رکعتوں کے پڑھنے کا حکم دیا۔ مگر اس کے باوجود ان کو سنت سمجھنے کو مکروہ جانا۔ اب قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حکم رسول سنت کہاں رہا؟ اور مؤلف کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان دو رکعتوں کو پڑھا۔ اس کے باوجود دو رکعتوں کو سنت ماننے کو مکروہ جانا تو اب فعل رسول

ﷺ سنت کہاں رہا؟ اور ص ۲۷ پر مؤلف نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ لوگوں کو یہ دو رکعات پڑھتے دیکھتے، نہ حکم دیتے، نہ منع کرتے، اس کے باوجود ان دو رکعتوں کو سنت جاننے کو مکروہ جانا۔ تو سنت تقریری کہاں رہی۔ اب گویا مؤلف کے نزدیک مغرب کی رکعات یہ ہیں، ۲ رکعت سنت مؤکدہ +۳ فرض +۲ رکعت سنت مؤکدہ۔ لیکن متفق علیہ حدیث کے مطابق ان دو رکعتوں کو سنت سمجھنا مکروہ ہے۔

(۳) مستحب:

ص ۲۵ پر مؤلف لکھتا ہے: ''یہ سنت زوائد میں سے ہیں، جن کو دوسرے معنوں میں نفل کہہ سکتے ہیں۔'' لیکن مؤلف کا یہ دعویٰ بھی بے دلیل ہے کیونکہ پورے رسالہ میں وہ ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکا جس میں ان دو رکعت کو سنت زوائد یا سنت غیر مؤکدہ یا مستحب یا نفل کہا گیا ہو۔ مؤلف نے یہاں بھی نہ سنت زوائد یا نفل وغیرہ کی جامع مانع تعریف کی ہے اور نہ ہی ان کا حکم بیان کیا ہے بلکہ مؤلف کا یہ دعویٰ بے دلیل ہی نہیں بلکہ خلاف دلیل بھی ہے۔ کیونکہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: لم يستحبهما أبو بكر و عمر و عثمان و علي و آخرون من الصحابة و مالك و أكثر الفقهاء (شرح مسلم ص ۲۷۸، ج ۱) ''حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، امام مالک اور اکثر فقہاء ان دو رکعتوں کو مستحب نہیں مانتے تھے۔''

ہمیں نبی اقدس ﷺ نے خلفاء راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنے اور فقہاء کی طرف رجوع (تقلید) کا حکم دیا ہے، اس لئے ہم ان کی تابعداری میں یہی کہتے ہیں کہ یہ دو رکعات مستحب بھی نہیں۔ لیکن مؤلف چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیارِ حق نہیں مانتا (جیسا کہ شیعہ نہیں مانتے)، اس لئے اہل سنت کو خلفاء راشدین سے باغی کرنا چاہتا ہے۔ مؤلف بار بار یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ دو رکعت قول، فعل اور تقریر رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔ آیئے اب ہم ان باتوں کا نمبروار جائزہ لیتے ہیں۔

کیا آپ ﷺ نے حکم دیا؟:

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مغرب سے پہلے دو رکعات پڑھو، مگر ان کو سنت (مؤکدہ یا غیر مؤکدہ) بنانے کو مکروہ جانا (بخاری و مسلم) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ ہمیں دو رکعت پڑھتے دیکھتے۔لم یأمرنا و لم ینهانا (مسلم)۔ گویا یہ دو رکعات نہ مامور تھیں، نہ منہی عنہ بلکہ صرف مباح تھیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ میں جو امر ہے وہ بھی اباحت کے لئے ہے، تاکہ ان ہر دو صحیح احادیث میں تعارض نہ ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ اباحت باقی رہی؟

عن عبد اللہ بن بریدۃ عن أبیه ان النبی ﷺ قال بین کل أذانین صلوۃ الا المغرب (کشف الاستار ص ۳۴۴، ج ۱) ''حضرت عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، سوائے مغرب کے۔

اس صحیح السند حدیث سے معلوم ہوا کہ ان دو رکعتوں کی اباحت باقی نہ رہی۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ابن الجوزیؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ اس کے راوی حیان بن عبد اللہ کو فلاس نے کذاب کہا ہے۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ابن الجوزیؒ کو غلط فہمی ہوگئی ہے، جس راوی کو فلاس نے کذاب کہا ہے وہ واقعی حیان بن عبد اللہ ہے اور وہ راوی اس حدیث کی سند میں ہے ہی نہیں۔ اس حدیث کی سند میں جو راوی ہے وہ حیان بن عبید اللہ ہے اور یہ ثقہ ہے۔ امام بزار اور ابن شاہین نے اس حدیث کو اباحت والی احادیث کا ناسخ قرار دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بھی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: لمارأی العامة لا تصلی قبل المغرب توهم انه لا یصلی قبل المغرب یعنی جب عبد اللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عام لوگ مغرب سے پہلے دو رکعت نہیں پڑھتے (ظاہر ہے کہ نہ پڑھنے والے سارے عوام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین ہی تھے) تو عبد اللہ کو خیال آیا کہ مغرب سے پہلے نماز نہیں پڑھی جاتی۔ معلوم ہوا

کہ اس خیر القرون میں عملی تواتر ان دو رکعتوں کے ترک پر تھا۔ عملی تواتر کی موافقت وہم نہیں کہلاتی بلکہ مخالفت کو وہم کہا جاتا ہے۔ الغرض پہلے اباحت تھی جو بعد میں منسوخ ہوگئی۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کا عمل:

حافظ ابن حجر الا المغرب کے جملہ کو شاذ فرماتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ جو اسی حدیث کے راوی ہیں، وہ خود یہ دو رکعت پڑھتے تھے۔ اولاً تو ابن حجرؒ شافعی ہیں اور شوافع کے ہاں اعتبار روایت کا ہوتا ہے نہ کہ راوی کے عمل کا۔ مؤلف بھی یہاں ابن حجر کا مقلد بن گیا ہے۔ ثانیاً الا المغرب کا جملہ تب شاذ ہوتا ہے جب کہ دوسری طرف قضیہ کلیہ ہوتا۔ حضرت نے پہلے اباحت فرمائی، پھر مغرب کے وقت خصوصیت سے منع فرما دیا۔ رہا عبداللہ کا عمل تو یہ سنداً بھی شاذ ہے کہ اکثر اسانید اس کے ذکر سے خالی ہیں اور جس ایک سند میں ہے اس کے رواۃ بعض منظور فیہ ہیں۔ نیز بقول امام بیہقی یہ دو رکعت پڑھنا تواتر عملی کے خلاف ہے۔

ایک اور روایت نقل کی ہے، جس کا مضمون یہ ہے کہ ہر فرض نماز سے پہلے دو رکعات ہیں (ص ۲۹) مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ فیہ سوید بن عبدالعزیز وھو ضعیف (مجمع الزوائد ص ۲۲۱، ج ۲) اور اس پر غیر مقلدوں کا عمل بھی نہیں۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ غیر مقلدین نماز عصر اور نماز عشاء سے پہلے اس زور شور سے یہ دو رکعت پڑھتے ہوں اور اگر یہ روایت صحیح بھی ہوتی تو اس زمانہ سے متعلق ہے جب الا المغرب کا استثناء نہیں فرمایا تھا۔ الغرض مؤلف نے نقل احادیث میں اپنی رائے سے بعض کو قبول کیا اور بعض کو رد کیا۔ یہ عمل بحدیث نفس ہے نہ کہ عمل بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

جناب نے ص ۲۶ پر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ نے مغرب سے پہلے دو رکعات پڑھیں۔ مگر ایک تو شروع سے حضرت عبداللہ بن مغفل

رضی اللہ عنہ کا نام چھوڑ دیا کیونکہ ان کی حدیث کئی کتابوں میں ہے، کسی میں بھی فعل کا ذکر نہیں اور آخر سے بھی ثم قال صلوا قبل المغرب رکعتین ثم قال عندالثالثة لمن شآء خاف أن یتخذھا الناس سنة جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر یہ فعل ہے بھی تو اس زمانہ کا ہے جب ان دو رکعت کی اباحت تھی۔ اس حدیث میں یہ جملہ صلی رکعتین قبل المغرب بالکل شاذ ہے۔

اصل حقیقت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کیا آپ نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا؟ تو سب نے کہا نہیں۔ ہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات میرے پاس پڑھیں، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ کونسی نماز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنے سے بھول گیا تھا، وہ میں نے اب پڑھی ہیں (طبرانی مسند الشامیین بحوالہ نصب الرایہ ص ۱۴۱، ج ۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان دو رکعت کو کوئی جانتا پہچانتا ہی نہ تھا۔ عمل متواتر کے خلاف کوئی روایت ملی ہوگی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوچا کہ چونکہ عموماً سنن ونوافل آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر پڑھا کرتے تھے، اس لئے اس بارے میں امہات المومنین سے پوچھ لینا چاہئے۔ باقی سب امہات المومنین نے ان دو رکعت کے پڑھنے سے لاعلمی کا اظہار فرمایا، صرف ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ کا واقعہ ذکر فرمایا۔ ان کے لئے بھی چونکہ یہ نئی بات تھی اس لئے انہوں نے بھی اس بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھول گیا تھا، وہ پڑھی ہیں۔ اب جن کو پوری حقیقت حال معلوم نہ تھی انہوں نے صرف اتنا بیان فرمادیا کہ مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھی تھیں اور ضامرانی صاحب نے اس کو مغرب کی نماز سے پہلے مستقل طور پر سنت موکدہ بناڈالا۔ جب اس اباحت کے بعد الا المغرب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور ساری امت رک گئی تو اب ضامرانی صاحب کو امت کو لڑانے کا نیا شوق پیدا ہوا ہے؟

امام حمادؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابراہیم نخعیؒ سے مغرب کی نماز سے پہلے نوافل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے اس سے منع فرمایا اور فرمایا کہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ نہیں پڑھتے تھے (کتاب الآثار امام محمد ص ۳۲) اس کے بعد امام محمدؒ فرماتے ہیں بہ ناخذ ہم اسی پر عامل ہیں، جب سورج غروب ہو جائے تو نمازِ مغرب سے پہلے نہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ کوئی اور نماز، اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے (ص ۳۲) امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: ہم بھی ابراہیم نخعی کے قول کو لیتے ہیں (بیہقی ص ۴۷۶، ج ۲)۔ حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں میرے امام سفیان ثوریؒ ہیں اور فقہ میں امام ابوحنیفہؒ۔ جب کسی مسئلے پر ان دونوں کا اتفاق ہو جائے تو میں اسی مسئلہ کو لیتا ہوں، پھر کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتا (صیمری) اور آپ کو شاید نور الانوار بالکل بھول گئی ہے کہ تدلیس وارسال ہمارے اسبابِ جرح میں سے نہیں ہیں اور جب عملی تواتر کا اعتضاد ہو جائے تو اجماعاً ایسی حدیث مقبول ہوتی ہے اور جناب نے خود ص ۳۵ پر لکھا ہے ''ابراہیم نخعیؒ روایت کرتے ہیں کہ کوفہ میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ موجود تھے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مجھے ایسے لوگوں نے جنہوں نے ان بزرگوں کو دیکھا تھا بتایا کہ یہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اس نماز کو نہیں پڑھتے تھے۔ ایک اور روایت خلفاء راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ یہ بزرگ بھی مغرب سے پہلے دو رکعت نماز نہیں پڑھتے تھے (ص ۳۶)۔ آپ کی پریشانی بھی قابلِ دید ہے کہ اس کے راوی امام ابراہیم نخعیؒ ہیں وہ ان دو رکعتوں سے منع کرتے تھے، بلکہ بدعت فرماتے تھے۔ اب راوی کا بیان چھوڑ کر کبھی محمد بن نصر مروزی کی تقلید میں ان دو رکعت کو مباح کہتے ہیں، کبھی حضرت کے قول سے اہلِ کوفہ کی ترجمانی کرتے ہیں، حالانکہ انہوں نے شغل والا قول مصر میں فرمایا تھا۔ اہلِ کوفہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحیح ترجمانی کوفہ کا امام کر سکتا ہے یا مصر کا باسی اور مرد

میں دو سو سال بعد پیدا ہونے والا؟ چنانچہ ص ۳۱ پر جناب نے لکھا ہے کہ مرثد (مصری) نے ابو تمیم (مصری) کو دو رکعت مغرب سے پہلے پڑھتے دیکھا تو بڑے تعجب سے (کیونکہ پہلے نہ کبھی یہ دیکھا تھا، نہ سنا تھا) حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے) انہوں نے فرمایا کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم پڑھتے تھے، اس نے کہا اب کس چیز نے منع کیا؟ فرمایا مصروفیت نے (ص ۳۱) اس سے معلوم ہوا کہ مصر میں بھی اس نماز کو کوئی نہیں جانتا تھا، نہ پڑھتا تھا۔ غالباً حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو الا المغرب کے استثناء کا علم نہیں۔ لیکن اب پڑھتے وہ بھی نہیں تھے۔ شغل کی تاویل ان کی ذاتی رائے ہے اور الا المغرب کا استثناء فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ہم تو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہیں۔ جناب اس کے خلاف امتی کی رائے پر پکے ہیں۔ لیکن آپ کے نزدیک تو یہ دو رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔ تو کیا یہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ شغل کی وجہ سے مستقل طور پر سنت مؤکدہ کے تارک تھے۔

تقریر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

جناب نے یہ بھی ثابت کرنا چاہا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ رضی اللہ عنہم یہ دو رکعت پڑھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ان کو پڑھنے کا حکم فرماتے اور نہ پڑھنے سے منع فرماتے تھے (مسلم) لیکن بخاری کی یہ روایت آپ نے نقل کی کہ اگر باہر سے کوئی آدمی مسجد میں آتا تو یہ سمجھتا کہ شاید جماعت ہو چکی ہے اور لوگ بعد کی سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ اس حدیث پر جناب کے ممدوح صاحب فتح الملہم فرماتے ہیں: ان هذا كان نادرا لأنه عليه الصلوٰة و السلام كان يعجل لصلوٰة المغرب اجماعا (ص ۳۷۶، ج ۱) یہ کبھی کبھار ہوا، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب جلدی پڑھتے تھے۔ نیز لکھتے ہیں: وفي نفس الحديث دليل للمتامل على ندور تلك الحالة فانها لو كانت دائمة ومعروفة لما كان لحسبان الجائي الغريب ان المغرب قد صليت وجه كما هو الظاهر (ص ۳۷۶، ج ۱) یہ نادر طور پر پڑھنا بھی ظاہر ہے کہ اس وقت تک تھا

جب اباحت تھی۔ پھر جب الا المغرب کی استثناء فرمادی تو یہ اباحت بھی باقی نہ رہی۔ چنانچہ امام ابوداؤدؒ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پڑھنے والی روایت کے بعد یہ روایت لائے ہیں: عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الركعتين قبل المغرب فقال ما رأيت أحدا على عهد رسول الله ﷺ يصليها (ابوداؤد ص۱۸۲، ج۱) "حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مغرب سے پہلے دو رکعات پڑھنے کے بارے میں سوال ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کسی کو بھی یہ دو رکعات پڑھتے نہیں دیکھا۔" یہ عہد نبوت کے آخری دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تھا۔ اسی کے موافق خلفاء راشدین کا طریقہ رہا۔ اس کے علاوہ آپ نے کچھ بے سند آثار قیام اللیل سے نقل کئے ہیں، ان کی صحت سند درکار ہے۔

فقہاء کی تقلید:

عن سعيد بن المسيب قال ما رأيت فقيها يصلي قبل المغرب الا سعد بن أبي وقاص (ابن ابی شیبہ ص۳۵۷، ج۲) "حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں میں نے کسی بھی فقیہ کو مغرب سے پہلے دو رکعات پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، سوائے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے۔" فقیہ کو خدا نے عجیب شان عطاء فرمائی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: فقيه واحد أشد على الشيطان من ألف عابد ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے (مشکوۃ)۔ آنحضرت ﷺ نے فقیہ کو خیر اور فقہاء کو خیار فرمایا ہے (بخاری و مسلم)۔ امام بخاری و مسلم کے استاد محدث حرم امام سفیان بن عیینہؒ فرمایا کرتے تھے: الحديث مضلة الا للفقهاء (تفقہ فی الدین کے بغیر) حدیث گمراہ کرنے والی ہے سوائے فقہاء کے۔ یعنی جس کو تفقہ فی الدین حاصل نہیں، وہ حدیث کی صحیح مراد تک نہیں پہنچ سکے گا اور اپنی ناقص رائے سے الٹا سیدھا مطلب اخذ کرے گا، خود بھی گمراہ ہوگا اور لوگوں کو بھی گمراہ کرے گا۔ دیکھو روافض، معتزلہ اور قادیانی وغیرہ قرآن ہی سے استدلال کر کے گمراہ ہوتے ہیں۔ امام بخاریؒ بھی یہی فرماتے تھے عليك بالفقه فانه

ثمرة الحدیث۔ فقہ کولازم پکڑو، یہ حدیث کاثمر ہے۔ان کے شاگرد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کذلک قال الفقهاء وهم أعلم بمعاني الحديث اسی طرح فقہاءؒ نے فرمایا وہی لوگ حدیث کی مراد و مقصد سب سے بہتر سمجھنے والے ہیں (ترمذی ص ۱۱۸، ج ۱)۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے ما أنت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم الا كان لبعضهم فتنة۔ جب تم لوگوں سے ایسی حدیث بیان کروگے جس کی مراد تک ان کے عقل و فہم کی رسائی نہ ہو سکے تو یہ حدیث بعض لوگوں کے لئے ضرور فتنہ کا سبب بنے گی۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں تبلیغ کی دو قسمیں ہیں، ایک تبلیغ الفاظ، ایک تبلیغ معنی و مراد۔اسی وجہ سے علماء امت دو قسموں میں منقسم ہو گئے ہیں۔ایک قسم حفاظ حدیث کی ہے کہ جنہوں نے الفاظ حدیث کو یاد کیا اوران کو پرکھا، صحیح اور موضوع کو الگ الگ کر کے دکھایا، یہ حضرات امت کے پیشوا ہیں اور مقتداء ہیں۔ان بزرگوں نے دین کی یادگاروں اور اسلام کے قلعوں کی حفاظت کی اور شریعت کی نہروں کو خراب اور برباد ہونے سے محفوظ رکھا۔ دوسری قسم فقہاء اسلام اور اصحاب فتاویٰ کی ہے۔یہی جماعت اجتہاد اور استنباط اور حلال و حرام کے قواعد ضبط کرنے کے لئے مخصوص ہے۔حضرات فقہاء زمین میں ایسے ہیں جیسے آسمان میں روشن ستارے۔انہی کے ذریعے اندھیری راتوں میں بھٹکے ہوؤں کو راستہ ملتا ہے۔انہیں کے ذریعہ الجھے ہوئے مسائل سلجھتے ہیں۔اسی لئے لوگوں کو ان حضرات کی اپنی ضروریات زندگی سے زیادہ ضرورت ہے اور لوگوں پر فقہاء کی فرمانبرداری والدین کی فرمانبرداای سے بھی زیادہ ضروری ہے۔جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے يا أيها الذين أمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول و أولي الأمر منكم ”اے ایمان والو! خدا کی اطاعت کرو (بلا مطالبہ دلیل) اور رسول کی اطاعت کرو (بلا مطالبہ دلیل) اور اولی الامر (فقہاء کرام وغیرہ) کی اطاعت کرو (بلا مطالبہ دلیل)“ یعنی قرآن وسنت کا جو مطلب وہ لوگ سمجھائیں اس پر عمل کرو (اعلام الموقعین ص ۹ ج ۱) اس عبارت میں ابن قیمؒ نے محدثین

کا ذکر کیا ہے جو الفاظ شناسِ رسول ﷺ ہیں اور فقہاء کا جو مزاج شناسِ رسول ﷺ ہیں۔ جس طرح قرآن پاک کا حفظ بہت بڑا انعام ہے لیکن حفاظ فہم قرآن میں علماء مفسرین کے ہی محتاج ہیں، اسی طرح حفاظ حدیث کا طبقہ جن کو محدثین کہتے ہیں وہ فہم حدیث میں فقہاء کا محتاج ہے۔ جن محدثین نے فقہاء کے بغیر حدیث فہمی کا دعویٰ کیا ان کی حدیث فہمی پر علماء بہت ہنسے ہیں۔

حکایت (۱):

علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب ''تلبیس ابلیس'' میں ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک محدث نے یہ حدیث یاد کر لی تھی نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الحلق قبل الصلوٰۃ یوم الجمعۃ اس حدیث کا مطلب یہ تھا کہ نماز جمعہ سے قبل الگ الگ حلقے بنا کر علم و مذاکرہ کرنا درست نہیں کیونکہ یہ نماز پڑھنے اور خطبہ سننے کا وقت ہے۔ یہ لفظ حلق تھا جو حلقے کی جمع ہے مگر محدث صاحب نے اس کو حلق سمجھا، جس کا معنی حجامت بنوانا ہے تو وہ چالیس سال تک یہی بتاتا رہا کہ جمعہ سے پہلے حجامت بنانا جائز نہیں۔ یہ جو فقہاء حجامت بنواتے ہیں یہ حدیث کے مخالف ہیں۔ جب فقیہ خطابی نے اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھایا تو محدث صاحب نے کہا تم نے مجھ پر بہت آسانی کر دی

(تلبیس ابلیس ص ۱۶۶)

حکایت (۲):

کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ایک محدث کی عادت تھی کہ استنجاء کے بعد وتر پڑھا کرتے تھے۔ جب اسکی وجہ دریافت کی گئی تو دلیل میں فوراً حدیث پیش کر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من استجمر فلیوتر جو استنجاء کرے وہ اس کے بعد وتر پڑھے۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ استنجاء کے لئے جو ڈھیلے استعمال کئے جائیں وہ طاق ہونے چاہئیں، یعنی تین، پانچ یا سات۔

لطیفہ:

ایک ظاہری نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو دشمن کے ہاتھ سے پٹتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے آگے بڑھ کر اپنے دوست کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے جس کی وجہ سے وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکا۔ دشمن نے موقعہ کو غنیمت جانا اور اتنا مارا کہ حالت خراب ہوگئی، دوست بھی ظاہری کی منتیں کرے کہ خدا کے لئے میرا ہاتھ تو چھوڑ دو، مگر وہ اسے اور مضبوطی سے پکڑتا۔ ایک شخص نے جب یہ منظر دیکھا تو اس ظاہری سے پوچھا تو نے یہ کیا بیہودہ حرکت کی کہ دوست کے ہاتھ پکڑ کر اسے خوب پٹوایا۔ وہ غیر مقلد فوراً کہنے لگا کہ کیا آپ نے گلستان میں شیخ سعدی کی نصیحت نہیں پڑھی؟ فرماتے ہیں:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

کہ سچا دوست وہ ہے جو دوست کو تکلیف اور پریشانی میں دیکھے تو اس کے ہاتھ پکڑ لے۔ اس لئے اس وقت میں نے دوست کے ہاتھ پکڑ لئے۔ اس نے کہا (خدا تجھ کو ہدایت دے) اس کا مطلب تو یہ کہ جب دوست کو تکلیف اور پریشانی میں دیکھے تو اس کی تکلیف کو دور کرے اور اس کو تکلیف سے نجات دلائے نہ کہ اس کے ہاتھ پکڑ کر خوب پٹوائے۔ تو غیر مقلد منہ پھلا کر کہنے لگا کہ میں تیرا مقلد تھوڑا ہوں کہ تیری تاویل کو مانوں، میں اس شعر کا مطلب تجھ سے زیادہ جانتا ہوں۔

گناہ گار:

یہی وجہ ہے کہ محدثین مطلب حدیث میں خود رائی سے بہت بچتے تھے اور وہ مسائل میں کسی نہ کسی امام کی تقلید کرتے تھے، جیسا کہ طبقات کی کتابوں میں واضح ہے۔ اگر کوئی محدث خود رائی میں مبتلا ہو کر فقہاء کی عیب چینی کرے تو امام الہند شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ وہ گناہ گار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''طبقہ اہل حدیث واثر کا یہ حال ہے کہ ان میں

اکثر کی کوشش (صرف بلا سوچے سمجھے) روایتوں کو بیان کرنا ہے اور سندوں کو اکٹھا کرنا اور ان احادیث سے غریب اور شاذ کو تلاش کرنا ہے جن کا اکثر حصہ موضوع اور مقلوب ہے۔ یہ لوگ نہ الفاظ حدیث کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ معانی کو سمجھتے ہیں اور نہ مسائل کا استنباط کرتے ہیں، نہ اس کے دفینہ اور فقہ کو نکالتے ہیں اور بسا اوقات فقہاء پر عیب لگاتے ہیں اور ان پر طعن کرتے ہیں اور ان پر سنن اور احادیث کی مخالفت کا دعویٰ کرتے ہیں (اور الزام لگاتے ہیں) حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ جس قدر علم فقہاء کو دیا گیا ہے وہ خود اس کے حصول سے قاصر ہیں اور فقہاء کو برا بھلا کہنے سے گناہ گار ہوتے ہیں۔'' (کشاف ترجمہ انصاف ص ۵۳)

حضرت عیسیٰ بن ابان:

امام محمد بن سماعہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن ابان ایک خوبصورت نوجوان تھے اور ہمارے ساتھ اکثر نماز پڑھا کرتے تھے اور میں انہیں امام محمدؒ کی مجلس میں حاضر ہونے کے لئے اکثر کہا کرتا تھا، جس کا آپ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ ہم حافظ حدیث ہو کر ایسی قوم کی صحبت میں حاضر نہیں ہوتے جو حدیث کی مخالفت کرتی ہو۔ پس ایک دن ہم نماز فجر سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ کو مجبور کر کے امام محمد کی مجلس میں بٹھا دیا۔ جب امام محمد تقریر سے فارغ ہوئے تو میں نے امام محمدؒ سے کہا کہ یہ آپ کے برادر زادے عیسیٰ بن ابان جو بڑے حافظ و عارف حدیث ہیں، میں نے ان کو آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کے لئے کہا تھا، جس پر انہوں نے انکار کر کے کہا کہ وہ حدیث کی مخالفت کرتے ہیں میں ان کی مجلس میں نہیں جاتا۔ اس پر امام محمدؒ نے عیسی بن ابان کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے میرے پیارے بیٹے! کون سی ہماری مخالفت حدیث میں آپ نے دیکھی ہے! اس پر آپ نے ۲۵ باب حدیث سے پوچھے۔ پس امام محمد جواب کے لئے بیٹھ گئے اور ہر ایک کا جواب دلائل وشواہد مع ناسخ منسوخ کے ایسی شرح وبسط سے دیا کہ آپ قائل ہو گئے اور امام محمد کی صحبت لازمی اور ضروری سمجھ کر چھ ماہ تک ان سے فقہ پڑھتے رہے (حدائق الحنفیہ ص ۱۷۳)

اصول امام اعظمؒ:

امام ابو جعفر شیرامازی نے بسند متصل امام صاحب سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے خدا کی قسم اس شخص نے جھوٹ بولا اور ہم پر افتراء کیا ہے جس نے یہ کہا کہ ہم قیاس کو نص پر مقدم کرتے ہیں، حالانکہ نص کے بعد قیاس کی حاجت نہیں رہتی اور فرماتے تھے کہ ہم قیاس اس وقت کرتے ہیں جب سخت ضرورت ہوتی ہے اور یہ بات اس طرح پر ہے کہ پہلے ہم دلیل میں قرآن وحدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کو دیکھتے ہیں، پس جب ہم کوئی دلیل نہیں پاتے تو اس وقت ہم مسکوت عنہ کو منطوق پر قیاس کرتے ہیں جب کہ ان دونوں میں ایک ہی علت جامع ہو۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں، پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، پھر احادیث ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، پر (حدائق الحنفیہ ص۱۱۹)۔ اور امام صاحب کے بارے میں ابن حجر مکی شافعی تحریر فرماتے ہیں: ''آپ ناسخ ومنسوخ کی بہت پہچان رکھتے تھے اور ثقات (قابل اعتماد) راویوں سے احادیث لیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کو اپناتے تھے اور (محض اپنی شخصی تحقیق پر مدار نہ رکھتے بلکہ) جس پر علماء اہل کوفہ کو پاتے، اس بات کو لیتے اور اسے اپنا دین بناتے (الخیرات الحسان)

آمدم برسر مطلب:

تو اب حضرت امام صاحبؒ نے اپنے اصول کے مطابق نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کو نہ سنت مانا کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا اور نہ ہی مستحب مانا کیونکہ یہ خلفائے راشدین اور فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسلک تھا اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنے کی تاکید فرمائی ہے تو اس پر آپ ناراض کیوں ہیں؟ کبھی اسے ضلال مبین کہتے ہیں، کبھی اس کے بعد کسی اور کفر کی انتظار آپ کو نہیں رہتی۔ فقہاء سے بغاوت کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔ دراصل آپ کا مزاج ہی اختلاف پسند بن گیا، اور جس طرح خوارج کا طریقہ تھا کہ اکابر کو گراتے اور اصاغر کو چڑھاتے تھے، آپ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے مقابلہ میں جوان دو رکعت کے سنت کہنے کو مکروہ جانتے تھے کبھی امیر جماعت اسلامی عبد الحق نامی کو لا رہے ہیں جو نبی ﷺ کے مقابلہ میں کھل کر اس کو سنت کہتا ہے، کبھی عبد الصمد جمال زئی کو نبی ﷺ کے مقابلہ میں مان رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان دو رکعت کے سنت جاننے کو مکروہ جانتے ہیں اور یہ شخص نبی پاک ﷺ کے مقابلہ میں کہتا ہے کہ احیاء سنن ایک ضروری امر ہے۔ اور خلفائے راشدین جوان دو رکعتوں کو مستحب نہیں مانتے، ان کے مقابلہ میں کبھی مولانا عبد الخالق ضامرانی کو لا رہے ہیں، کبھی کوئی الیاس نامی، نبی ﷺ کے ناپسند جاننے کے باوجود اس کو سنت کہہ رہا ہے۔ ضامرانی صاحب آپ کن کو چھوڑ کر کن کے پیچھے جا رہے ہیں؟

شوق اجتہاد:

جناب عبد الخالق صاحب امیر جماعت اسلامی (بلوچستان)، آپ کی برکت سے مسند اجتہاد پر براجمان ہیں۔ فرماتے ہیں محض ترک عمل دلیل نسخ نہیں بن سکتا۔ بخاری میں ہے: قال الحمیدی قوله اذا صلى جالسا صلوا جلوسا هو فی مرضه القدیم ثم صلى بعد ذلك النبی ﷺ جالسا و الناس خلفه قیام لم یأمرهم بالقعود و انما یوخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی ﷺ (بخاری ص ۹۶، ج ۱) اسی طرح مسلم (ص ۱۵۶، ج ۱) باب الوضوء مما مست النار کا مطالعہ فرمالیں۔ اجتہاد اتنا سستا نہیں جتنا آپ نے سمجھ لیا ہے۔ خود رائی کو نبی اقدس ﷺ نے مہلکات سے فرمایا ہے۔ اقبال ہی کہتا ہے:

تنگ بر ما رہ گزارِ دیں شدہ
ہر لئیمے رازدارِ دیں شدہ

مولانا! امام ابراہیم نخعی تابعیؒ نے ان دو رکعتوں کو بدعت فرمایا۔ آپ نے دو چار حواریوں کو ساتھ ملا کر ان پر تبرا بازی شروع کر دی ہے کیا یہ لعن آخر هذه الأمة أولها پر عمل تو نہیں ہے۔

فتنہ سے بچو:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: أفضل الصلوة طول القنوت۔ افضل نماز وہ ہے جس میں زیادہ قیام ہو، قرأت ہو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں قرأت لمبی پڑھی جس سے ایک آدمی جماعت سے کٹ گیا، تو آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: فتان، فتان، فتان۔ آپ نے جو پورے صوبہ میں اختلاف وافتراق کی تقریر وتحریر سے مہم چلائی ہے اس فتنہ پردازی پر نبی اقدس ﷺ آپ سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے۔

جناب نے دارمی شریف کے مطالعہ کا شوق یاد دلایا ہے، اس کی ایک روایت آپ بھی سن لیں: حماد بن سلمة عن حميد قال قلت لعمر بن عبد العزيز لو جمعت الناس على شيء فقال مايسرني انهم لم يختلفوا قال ثم كتب الى الآفاق أوالى الأمصار ليقضي كل قوم بما اجتمع عليه فقها ءهم (دارمی ص ۱۲۲)

''حضرت حماد بن سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت حمید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے عرض کیا کہ اگر آپ جمع کر دیتے لوگوں کو ایک بات پر، فرمایا مجھے اچھا نہیں لگتا کہ ان (فقہاء) میں اختلاف نہ ہو۔ پھر ساری اسلامی دنیا میں ہر شہر کی طرف لکھ بھیجا کہ ہر قوم اسی فیصلے پر رہے جس پر ان کے فقہاء کا اتفاق ہو۔''

یہ سرکلر خیرالقرون میں تمام اسلامی دنیا میں بھیجا گیا کہ فقہی اختلافات میں ہر علاقہ کے لوگ اسی پر عامل ہوں جس پر وہاں کے فقہاء کا اتفاق ہو، اسی فقہ کے مطابق قاضی فیصلے کریں۔ جب تک دنیا میں اسلامی حکومت قائم رہی، اسی پر تلاوت جاری رہی۔ اس طرح سب قرأتوں پر تلاوت بھی جاری رہی اور مسلمانوں میں افتراق اور جھگڑا بھی پیدا نہ ہوا۔ یہی طریقہ اتباع سنت میں رہا کہ جن امور کے سنت ہونے میں ائمہ مجتہدین میں مختلف پہلو تھے، ہر علاقہ میں ایک سنت پر عمل رائج رہا۔ اس طرح سب سنتیں بھی زندہ رہیں اور مسلمانوں میں اتفاق واتحاد بھی قائم رہا۔ آپ بھی خیرالقرون سے آج تک کے متواتر تعامل کو اختیار کریں کہ اختلافی مسائل میں جن پر یہاں متواتر عمل ہے، ان ہی پر سب کے ساتھ مل کر عمل کریں اور اتفاق واتحاد کو قائم رکھیں۔ دوسرے طریقوں پر دوسرے علاقوں میں عمل ہو رہا ہے، آپ کو ان کی سردردی کے لئے اس ملک میں فتنہ ڈالنا جائز نہیں۔ فقط ●●●●●